زندگی کا قبلہ درست کرنے والی ایک اہم کتاب

زندگی کا سفر

اولادِ آدم کا آغازِ سفر... دورانِ سفر... اور انجامِ سفر پر مشتمل

مجموعہ افادات

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

و دیگر اکابرین

تاثرات

مفتی سلمان منصورپوری مدظلہم

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی کا سفر

اللّٰهمّ صلّ علىٰ محمّد النّبيّ الأُمّيّ وعلىٰ اٰله وسلّم تسليمًا

ہدیۂ مُحبّت

بخدمت جناب ....

....

....

....

نوٹ:۔ دوست احباب کو ہدیہ کر کے اپنے لئے صدقہ جاریہ بنایئے

اولادِ آدم کا آغازِ سفر دورانِ سفر اور انجامِ سفر پر مشتمل

زندگی کا سفر

انسان کا سفر عہد الست سے شروع ہوا جو مختلف مراحل سے ہوتا ہوا عالم دنیا تک پہنچا۔ پھر قبر حشر اور عالم آخرت تک کے مراحل ہیں۔ جن میں انسانی زندگی کے متعلق آخری فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ جنت یا جہنم کے فیصلے کے بعد انسانی سفر نے اپنے انجام کو پہنچنا ہے۔

اس کتاب میں انسانی سفر کی ابتداء... دورانِ سفر اور انجام سفر کے مراحل کو دکھا کر اس بات کی فکر پیدا کی گئی ہے کہ انسان دنیا کو سفر کا مرحلہ سمجھے نہ کہ اسی کو سفر کا حاصل سفر سمجھ کر غفلت کا شکار ہو۔

مجموعہ افادات

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

و دیگر اکابرین

تقریظ و تاثرات

حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدظلہ

جمع و ترتیب

محمد اسحٰق ملتانی

مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(0322-6180738, 061-4519240

زندگی کا سفر

تاریخ اشاعت.................... ربیع الاوّل ۱۴۴۰ھ

ناشر.................... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.................... شیر ربانی پرنٹنگ پریس ملتان

بائنڈنگ.................... ملتان بک بائنڈنگ، ملتان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات.........انارکلی.........لاہور	دارالاشاعت.........اُردو بازار.........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.........اردو بازار.........لاہور	قرآن محل.........کمیٹی چوک.........راولپنڈی
مکتبہ رحمانیہ.........اُردو بازار.........لاہور	مکتبہ دارالاخلاص.........قصہ خوانی بازار.........پشاور
اسلامی کتاب گھر.........خیابان سرسید.........راولپنڈی	مکتبہ اسلامیہ.........امین پور بازار.........فیصل آباد
اسلامک بک کمپنی.........امین پور بازار.........فیصل آباد	ممتاز کتب خانہ.........قصہ خوانی بازار.........پشاور
مکتبہ رشیدیہ.........سرکی روڈ.........کوئٹہ	مکتبہ ماجدیہ.........سرکی روڈ.........کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ.........بہادرآباد.........کراچی	مکتبہ عمر فاروق.........شاہ فیصل کالونی.........کراچی
والی کتاب گھر.........گوجرانوالہ	مکتبہ نعمانیہ.........گوجرانوالہ
مکتبہ علمیہ.........اکوڑہ خٹک	اسلامی کتاب گھر.........ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرضِ مُرتب وناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُلِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ، وَالعَاقِبَۃُ لِلمُتَّقِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی اَشرَفِ الاَنبِیَاءِ وَالمُرسَلِینَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ وَمَن تَبِعَھُم اِلٰی یَومِ الدِّینَ.

امابعد! مشہور محاورہ "فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ" کہ عقل منداور دانا آدمی کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ عقل ودانش اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ چیز ہے جب اس کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی کام حکمت سے خالی نہ کیا جائے تو وہ ذات جو خود عقل ودانش کی خالق ہے اس کی کوئی نقل وحرکت حکمت سے کیسی خالی ہوسکتی ہے۔

وسیع وعریض کائنات اور اس میں جاری شدہ ہزاروں نظام'انسان کی ضرورت وراحت کے بے شمار اسباب، انسان کے تخلیقی مراحل، اس کی جسمانی، روحانی غذا کا محیرالعقول نظام، سلسلہ موت وحیات، سماوی وارضی تغیر وتبدل اور اس طرح کی بے شمار چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُن کی قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ فضول اور بغیر حکمت کے پیدا فرما دیا ہے؟ ہرگز نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ زمانہ کے حوادثات اور تغیر وتبدل کے ذریعے ہمیں اس جہاں کے فانی ہونے کا درس دیتے ہیں کہ اے انسان! یہ دُنیا تیری راہ گزر ہے منزل نہیں تو صرف اس دُنیا ہی کا مسافر نہیں بلکہ یہ دُنیا تیرے طویل سفر کا چوتھا مرحلہ ہے کہ پہلے تو عالَم اَرواح میں تھا پھر تو صلب پدر میں منتقل ہوا، وہاں سے رحم مادر میں پہنچا، پھر چوتھے مرحلہ کے طور پر دُنیا میں آیا ہے۔ گویا دُنیا سے پہلے کے مراحل بھی سفر کا حصہ ہیں اور دُنیا کے بعد کے مراحل بھی سفر ہی کا زمانہ ہیں۔

انسانی سفر کا آغاز عہد الست سے ہوا جو مختلف مراحل سے عالَم در عالَم ہوتے ہوئے دُنیا میں پہنچا۔ پھر عالَم قبر میں پہنچا، روزِ محشر میدانِ حشر میں اجتماع بھی اسی سفر

ہی کا حصہ ہے۔ پھر آخرت کے احوال، حساب کتاب، میزان عمل، پل صراط وغیرہ یہ سب بھی انسانی سفر کا حصہ ہیں۔ تا آنکہ خوش نصیب جنت میں اور ایمان سے محروم افراد جہنم میں چلے جائیں گے۔ یہ گویا انسانی سفر کا اختتام اور انجام ہوگا۔

ہر انسان اس دُنیا میں رہتے ہوئے اپنی آخرت کو سنوار رہا ہے یا بگاڑ رہا ہے۔ ہر ذی شعور کا اٹھنے والا قدم اسے جنت کے قریب کر رہا ہے یا جہنم کے۔ اسی احساس کے ساتھ جب صاحب ایمان زندگی کا ہر قدم اُٹھاتا ہے تو پھر زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں وہ سب تابع فرمان بن جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمان اور خدا بیزار اقوام اپنے مادی وسائل اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ترقی میں بھی سکون کے لمحات کے لیے ایک دوسرے کی جان تک لے لیتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انسانی زندگی جو مختلف مراحل اور عالم در عالم تغیرات کی آماجگاہ ہے اس کے سفر کی ابتداء، دوران سفر اور انجام سفر کو واضح کر کے زندگی کی قدر و قیمت اور ہر قسم کی نعمتوں کا احساس اُجاگر کیا گیا ہے۔ زندگی کے اس سفر میں مسلم وغیر مسلم کا انداز کیا ہے۔ بقول اقبال مرحوم سنئے:

کافر ہے کہ آفاق میں گم ہے　　　مؤمن ہے کہ گم اس میں ہیں آفاق

مؤمن کے لیے یہ دُنیا راہ گزر ہے جس کی اچھائی اطمینان اور راحت بھی مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی نعمتوں کو دے کر امتحان لیتے ہیں اور کبھی نعمتوں کے زوال اور محرومی میں امتحان لیتے ہیں۔ زندگی کے ہر قدم ہر لمحہ پر ہر انسان امتحان سے گزر رہا ہے اور اپنے آخری وفائنل امتحان اور انجام سفر کی تیاری میں مصروف ہے۔

زیر نظر کتاب زندگی کے ہر شعبہ سے وابستہ حضرات کے لیے قابل مطالعہ ہے جو زندگی کی اہمیت بتا کر اس کے قبلہ کو درست رکھنے کی تاکید کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس اہم تالیف کو ہم سب کی دُنیاوی فلاح اور اُخروی نجات کا ذریعہ بنائے اور لمحات زندگی کی قدر کرنے کی توفیق سے مالا مال فرمائیں۔ آمین

والسلام محمد اسحٰق غفرلہ　　ذیقعدہ ۱۴۳۶ ہجری مطابق ستمبر ۲۰۱۵ء

محمد سلمان
منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی

MOHAMMAD SALMAN
MANSOOR PURI
MOBILE: 0091 - 9412635154
E-mail: mansoorpuri@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

محترم المقام جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب..............زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ مزاجِ عالی بخیر ہوں گے۔

اَحقر نے آپ کی تالیف کردہ کتاب ''زندگی کا سفر'' کی فہرست کا مطالعہ کیا، عنوانات سے مضامین کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ماشاء اللہ آپ نے کافی مواد اِس کتاب میں جمع کردیا ہے۔

کتاب کے مشمولات کی کلی تائید وتصدیق کے بغیر احقر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب کو قارئین کے لئے بے حد مفید بنائیں اور اپنی معرفت اور فکرِ آخرت کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

فقط والسلام

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۵/۱۱/۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰/۹/۲۰۱۵ء

انتساب

جنت البقیع میں آسودہ خاک والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا رحمۃً واسعۃً کے نام اور مدینہ منورہ میں عرصہ دراز سے مقیم والد بزرگوار حضرت مولانا الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہم کے نام کہ جن کی مبارک قلم سے ترتیب دی جانے والی مقبول عام کتب میں سے "گلدستہ تفاسیر" اور "دینی دستر خوان" عام وخواص کے مطالعہ میں ہیں اور جن کی دُعاؤں اور توجہات ہی کی بدولت بندہ کو کتب دینیہ کی تالیف و اشاعت کا شرف نصیب ہوتا رہتا ہے...

اللہ تعالیٰ والدہ ماجدہ علیہا الرحمۃ کے درجات بلند فرمائیں...اور حضرت والد گرامی دامت فیوضہم کا سایہ بعافیت ہمارے سروں پر قائم رکھے اور اس جدید کاوش کو ان کی مستجاب دُعاؤں کے وسیلہ سے شرف قبول نصیب فرمائے.........آمین

نیز بندہ اپنی اس تالیف کو اپنے شیخ اوّل سیدی حضرت الحاج محمد شریف صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) ودیگر مشائخ کی مستجاب دُعاؤں ہی کی برکت سمجھتا ہے اوران کی نسبت کو اپنے لئے باعث نجات جانتا ہے۔

کتاب ہذا سے متعلق آپ کی آراء کا منتظر

مرتب ....محمد اسحٰق غفرلہ

(مدیر ماہنامہ محاسن اسلام ملتان)

اجمالی فہرست

باب 1 ----صفحہ نمبر 33

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم شاہکار حضرت انسان اور اس کی تخلیق

باب 2 ----صفحہ نمبر 313

روح انسانی کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد اور نصب العین

باب 3 ----صفحہ نمبر 189

انسان کے سفر میں دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت

باب 4 ----صفحہ نمبر 223

مادی و روحانی نعمتیں اور ان کا احساس بیدار کرنے کی ضرورت

باب 5 ----صفحہ نمبر 303

دُنیاوی زندگی کی اصلاح پر آخرت کی کامیابی منحصر ہے

باب 6 ----صفحہ نمبر 339

انسانی روح کی عالَم دُنیا سے عالَم قبر کی طرف روانگی

باب 7 ----صفحہ نمبر 375

اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام اہل قبور کا اہل دُنیا سے رابطہ نیز عالَم آخرت اور اس کے احوال

باب 8 ----صفحہ نمبر 411

انسانی سفر کی منزل اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ جنت یا خدائی عقوبت خانہ... جہنم

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

١٤٠١ھ

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا قرآن کریم

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ
خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا (سورہ کہف ۴۶)

مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور جو نیکیاں پائیدار رہنے والی ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور امید وابستہ کرنے کیلئے بھی بہتر

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى صدق اللہ العظیم

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (سورہ نساء ۷۷)

کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کیلئے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا

فہرست مضامین

باب 1
اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم شاہکار حضرت انسان اور اس کی تخلیق

انسان کی تخلیق اور کائنات	۳۴
عناصر اربعہ کی کارفرمائی میں کمال درجہ تشابہہ	۳۴
مٹی کی جملہ انواع	۳۴
آگ کی جملہ انواع	۳۵
پانی کی جملہ انواع	۳۵
ہوا کی جملہ انواع	۳۶
انواع جمادات	۳۶
انواع حیوانات	۳۷
آثار زلزلہ	۳۷
عقل وحکمت کے آثار	۳۷
ستاروں کے آثار	۳۸
ملائکہ وشیاطین	۳۸
عالم غیب سے مشابہت	۳۸
خدا تعالیٰ کا ایگریمنٹ جو خدا تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے	۴۰
تخلیق کائنات کی بنیاد...محبت ورحمت	۴۱

رب کریم کا انسان کو خطاب	۴۲
انسان عالمِ دُنیا کے مسافرخانہ میں	۴۴
دُنیا کی زندگی میں مسافر کا مزاج	۴۶
مسافرِ دُنیا کیلئے رہنما مثال	۴۶
رحم کا در کا عالَم	۴۷
ماڈرن تعلیم کے اثرات	۴۸
دنیاوی زندگی دھوکہ ہے	۴۹
عالَمِ دُنیا قید خانہ	۴۹
دنیا بقدر حاجت ضروری ہے	۵۱
دُنیا کے سفر میں بہترین زادراہ	۵۱
دواہم باتیں	۵۲
واقعہ قارون سے عبرت	۵۳
تصویر کا دوسرا رخ	۵۳
دنیا کو کس طرح دین بنایا جاسکتا ہے	۵۷
عقل کا دائرہ	۵۶
کیا عقل آخری معیار ہے	۵۶
ذرائع علم	۵۶
حواس خمسہ کا دائرہ کار	۵۶
دوسرا ذریعہ علم ''عقل''	۵۷
عقل کا دائرہ کار	۵۷
تیسرا ذریعہ علم ''وحی الٰہی''	۵۸

اسلام اور سیکولر نظام میں فرق	۵۸
وحی الٰہی کی ضرورت	۵۸
عقل کا فریب	۵۹
عقل کا ایک اور فریب	۵۹
عقل کی مثال	۶۰
اسلام اور سیکولرازم میں فرق	۶۱
دنیا کے مسافروں کو قرآنی نصیحت	۶۲
مقصد زندگی	۶۶
ہر انسان کے ساتھ چوبیس گھنٹوں میں بیس فرشتے رہتے ہیں	۶۷
انسان کے تخلیقی مراحل کا سفر	۶۸
مادۂ انسان کے تخلیقی مراحل	۶۸
تخلیق انسان کا پہلا مرحلہ	۶۹
تخلیق انسان کا دوسرا مرحلہ	۶۹
تخلیق انسان کا تیسرا مرحلہ	۷۰
تخلیق انسان کا چوتھا مرحلہ	۷۰
تخلیق انسان کا پہلا ظلمانی مکان	۷۰
تخلیق انسان کا دوسرا ظلمانی مکان	۷۱
تخلیق انسان کا تیسرا ظلمانی مکان	۷۱
فضیلت یا ندامت	۷۱
انسان کی خود فریبی	۷۱
انسان کا حقیقی تعارف	۷۲

ستار العیوب کا احسان	۷۳
ظاہری خوشنمائی کی حقیقت	۷۳
عقل کی گمراہی	۷۴
انسانی سیرت کے اجزاء اربعہ	۷۵
مرکز تجلیات ربانی	۷۵
سیرت انسانی کا جوہر اوّل	۷۵
علم ضروری کی مقدار	۷۷
قلب کا امتیازی اِدراک	۷۷
حقیقت علم	۷۸
علم الفرقان	۷۸
ترتیب استفتاء	۷۹
سیرت انسانی کا دوسرا جوہر	۷۹
تجمل علم کا فتنہ	۸۱
سیرت انسانی کا تیسرا جوہر	۸۱
رضائے خلق کا طریق	۸۱
مالک کی نگاہ کی عظمت	۸۲
تسخیر خلائق	۸۳
قلب مشرک کا تذبذب	۸۴
قلب موحد کا یقین	۸۴
روح عمل	۸۵
سیرت انسانی کا چوتھا جوہر	۸۶

مقربین بارگاہ کی گرفت کا انداز	۸۷
مدارِ نجات فضل ہے، عمل نہیں	۹۰
توفیقِ عمل، علامت فضل ہے	۹۰
رُوحِ شکر	۹۱
سندِ شکر	۹۱
نفئ عمل سے اثباتِ عمل	۹۲
طریقِ عزت	۹۳
سلسلۂ عمل پر نگاہ کا ثمرہ	۹۳
دولتِ تفکر	۹۴
روحانیت کے اربعہ عناصر	۹۴
کمالِ علم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)	۹۵
انسان اور اس کے علم کی تکمیل	۹۷
ابتداء و تکمیل پر خوشی	۹۷
تکمیل پسند اُمتہ	۹۷
عالم بشریت کی طفولیت اور اس کا ابتدائی علم	۹۷
ابتدائی عبادت	۹۸
عالَم بشریت کا دُوسرا دور اور اس کا علم	۹۹
عالَم بشریت کا تیسرا دور اور اس کا علم	۹۹
دورِ موسوی اور اس کا علم	۱۰۰
احکام کی حقیقت کا دور	۱۰۰
دورِ نبوی (علیہ السلام) اجتہادِ انسانیت کا دور	۱۰۰

اُمت محمدیہ میں آثارِ نبوت	۱۰۱
شرائع اصلیہ اور وضعیہ	۱۰۲
عالم بشریت کا شباب	۱۰۳
عالَم بشریت کی طفولیت کے لیے اندازِ تعلیم	۱۰۳
عالَم بشریت کے شباب کے لیے اندازِ تعلیم	۱۰۴
عالَم بشریت کا بڑھاپا، فکر و احساس میں اضافہ	۱۰۴
بوڑھی اُمت پر بارِ عمل کی کمی	۱۰۵
تکمیلِ دین	۱۰۵
انتہاء زیادہ خوشی کی چیز	۱۰۶
تمنائے انتہاء	۱۰۷
یوم تکمیل کا انتخاب	۱۰۷
انسان اور اس کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت	۱۰۸
تین مراحل	۱۰۸
یہاں جینے پہ پابندی، وہاں مرنے پہ پابندی	۱۰۸
نومولود کے غسل، اذان و اقامت میں حکمت	۱۰۹
اذان میں اُمہات مسائل	۱۰۹
مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں ہے آفاق	۱۰۹
اتفاق و اتحاد کا سبق	۱۱۰
مؤمن و کافر کے مزاج کا فرق	۱۱۱
بڑوں کی آزمائش	۱۱۱

رزق کی فراوانی	۱۱۱
روزی کے باب میں نگاہیں اوپر	۱۱۲
عبدیت کا اعلیٰ رُکن	۱۱۳
نظام آخرت میں حکمت اخفاء	۱۱۳
جہنم کا تصور	۱۱۳
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داروغۂ جہنم سے ملاقات	۱۱۴
دوگنا عذاب کسے؟	۱۱۴
نظام، ایک کام	۱۱۵
آرام کا مزہ کسے	۱۱۵
ہزار کام ہیں دُنیا میں داغ کرنے کے	۱۱۵
گناہ کرنے سے ڈھال پھٹ جائے گی	۱۱۶
غضب کو اس کی رحمت ہی روکے ہوئے ہے	۱۱۶
اظہار برائے عبرت	۱۱۶
جب سے اُمت نے راتوں کو رونا چھوڑ دیا	۱۱۷
ایک پیشین گوئی	۱۱۷
بڑوں کے بڑے احوال	۱۱۸
ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۱۸
علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین	۱۱۸
خدائی انصاف	۱۱۹
خدا ایسوں کی بھی سنتا ہے	۱۱۹

خودکردہ راعلاجے نیست	۱۲۰
نفس اور شیطان سے کبھی غافل مت رہو	۱۲۰
قرآنی نسخہ	۱۲۱
خدا سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا	۱۲۱
دُعا میں ہاتھ اُٹھانے کا طریقہ	۱۲۱
قبولیت دُعاء میں جلدی نہ کریں	۱۲۲
حالاتِ موجودہ پر ایک نظر	۱۲۲
حقوق العباد کی ادائیگی	۱۲۳
مسلمان کی کامیابی	۱۲۳
خدا سے مانگنے کی فرصت نہیں	۱۲۴
سفر در سفر زندگی	۱۲۵
تعیین سفر	۱۲۵
گل وگلزار زندگی میں	۱۲۵
ظرافت حضرت علی رضی اللہ عنہ	۱۲۷
نیک وبد کی موت	۱۲۷
ایک سبق آموز واقعہ	۱۲۸
آخری آرام گاہ؟	۱۲۹

باب ۲

روح انسانی کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد اور نصب العین

انسانی شرف وفضیلت کا راز	۱۳۲

اِنسانیت کا مدار ہی علوم الٰہیہ ہیں	۱۳۳
طبعی تقاضوں کی مخالفت کمال ہے	۱۳۵
انسانی زندگی کا سفر اور اس کا مقصد	۱۳۶
سفر انسانی کی ابتداء وانتہاء	۱۳۶
احوال برزخ	۱۳۹
انسان کا سفر در سفر	۱۴۱
زندگی کی حقیقت	۱۴۳
کیا مقصد زندگی خورد ونوش ہے؟	۱۴۳
روحانی قوت کی کرشمہ سازیاں	۱۴۵
کیا مقصد زندگی عزت واقتدار ہے؟	۱۴۸
مقصد زندگی قرآن کریم کی روشنی میں	۱۴۹
ابدی زندگی کا ابدی مقصد	۱۵۰
دنیوی زندگی کی رُوح	۱۵۳
''شبہ کا جواب''	۱۵۳
ایک اور شبہ اور اس کا جواب	۱۵۵
دوسرے شبہ کا جواب	۱۵۶
طاعت خداوندی مقصد زندگی کیوں ہے؟	۱۵۸
اِنسان صرف اللہ کے کام کا ہے	۱۵۹
عقلی اعتبار سے عبادت خداوندی کی ضرورت	۱۶۰
عبادت وطاعت کا عام مفہوم	۱۶۲
اسلام دنیوی معاملات سے روکنے کے لیے نہیں آیا	۱۶۲

اللہ اور بندہ میں معاہدہ	۱۶۴
دُنیاوی زندگی کا نصب العین	۱۶۶
ابدی زندگی	۱۶۷
اختیاری نصب العین کی ضرورت	۱۶۷
ابدی مقصد	۱۶۸
عزت کے بارے میں سنہری اُصول	۱۶۹
انسان کا علم؟	۱۶۹
خالق انسان کا تجویز کردہ نصب العین	۱۷۱
دولت سے بھی خدا ملتا ہے	۱۷۱
صحت و مرض میں بھی خدا ملتا ہے	۱۷۳
زندگی اور موت میں بھی خدا ملتا ہے	۱۷۴
دولت اپنی ذات سے بری نہیں	۱۷۸
دولت کی مثال	۱۷۹
طبعی محبت کی رعایت	۱۷۹
انسان ہر حال میں خدا تک پہنچ سکتا ہے	۱۸۰
آج کا جنید و شبلی	۱۸۱
ہماری ملکیت کی حیثیت	۱۸۲
ترغیب انفاق	۱۸۲
بادشاہت کے ساتھ عبادت	۱۸۳
میدانِ حشر میں جذبۂ عبادت	۱۸۴

جنت میں عبادت	۱۸۴
ایمان کی وجہ سے ہر چیز پاکیزہ بن جائے گی	۱۸۵
زندگی کی قدر کی صورت	۱۸۶
عبادت کے معنی	۱۸۷

باب 3

انسان کے سفر میں دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت

انسانی زندگی کی قدر و قیمت	۱۹۰
فضول بحث و مباحثہ	۱۹۰
شریعت کے حکم میں تحقیق کرنا	۱۹۰
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت جواب	۱۹۱
بنی اسرائیل کا گائے کے بارے میں سوالات	۱۹۱
زیادہ سوالات مت کرو	۱۹۱
فضول سوالات کی بھرمار	۱۹۲
ایک لمحہ میں جہنم سے جنت میں پہنچنا	۱۹۲
زندگی عظیم نعمت ہے	۱۹۳
مجلس آرائی مت کرو	۱۹۳
زندگی کا سفر امام غزالی رحمہ اللہ کی نظر میں	۱۹۴
توشہ آخرت کیا ہے؟	۱۹۶
حقیقت آخرت	۱۹۶
زندگی کے سفر میں راحت کا نسخہ	۱۹۸
راحت کی حقیقت	۱۹۸

اوپر کی طرف دیکھنے کے بُرے نتائج	۱۹۹
اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی حالت	۲۰۰
مجدد وقت کا بیان فرمودہ زادِ سفر	۲۰۲
مکان بنانے کے چار مقاصد	۲۰۳
راحت در قناعت	۲۰۴
کم از کم ادنیٰ درجہ حاصل کرلیں	۲۰۵
ایک عبرتناک قصہ	۲۰۵
ایک تاجر کا عجیب قصہ	۲۰۶
دل سے دنیا کی محبت کم کرنے کا طریقہ	۲۰۷
زندگی کے سفر میں تین اہم چیزیں	۲۰۸
سفر میں شکر کا زادِ راہ	۲۰۸
سفر میں منصوبے کیسے؟	۲۰۹
سکون اور خوشی کا راستہ	۲۰۹
دورِ حاضر کے الٹے معیار	۲۱۰
اسلامی طرزِ حیات میں سکون	۲۱۰
غیر اسلامی معاشرہ کی حالت	۲۱۱
حرص کی کوئی حد نہیں	۲۱۲
قارون کے واقعہ سے عبرت ونصیحت	۲۱۳
آمدنی اختیار میں نہیں خرچ اختیار میں ہے	۲۱۳
قناعت کی دُعا	۲۱۴
برکت کی مثال	۲۱۵

بے برکتی کی مثال	۲۱۵
قناعت بڑی دولت ہے	۲۱۶
اسوہ حسنہ کا پیغام	۲۱۶
زندگی کے سفر میں دو اہم باتیں	۲۱۶
دنیا کے سفر کی فریب کاریاں	۲۱۷
دُنیا کی فریب کاریوں کی عبرت انگیز مثال	۲۱۸
دنیا....مقام عبرت	۲۱۹
دُنیا کافر کیلئے ہے	۲۱۹
دنیا کو تین طلاقیں	۲۱۹
دنیا داروں کے سامنے جھکنا	۲۲۰
موت سے عبرت	۲۲۰
نظر کے کرشے اور دُنیا کی حقیقت	۲۲۰

باب 4

اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ مادی و روحانی نعمتیں اور ان کا احساس بیدار کرنے کی ضرورت

خدائی نعمتیں اور انسان کی ناقدری	۲۲۴
انسانی وجود نعمتوں کا خزانہ	۲۲۴
ہر کام سے پہلے اللہ کی حمد وثنا	۲۲۵
رزق کے قدر دان	۲۲۸
زندگی کے سفر میں قدم قدم پر نعمتوں کا احساس	۲۳۰
اللہ کی نعمتوں کی قدر پہچانو	۲۳۴
دین میں نعمتوں کی قدر کرنے کا اہتمام	۲۳۴

نعمتوں کی قدردانی کا نفسیاتی طریقہ	۲۳۷
خدائی رحمت قدم بہ قدم	۲۳۹
انسانی وجود میں خدائی حکمتیں	۲۴۰
اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے	۲۴۱
اللہ تعالیٰ کے انعامات	۲۴۳
انسان کی عالمگیر کمزوری	۲۴۳
زمین گودام ہے	۲۴۴
تخلیق کائنات برائے انسان	۲۴۵
ہاتھی اور شیر کا بچہ	۲۴۶
چار عنصر	۲۴۷
رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے	۲۴۸
ہماری بے حد غفلت	۲۵۰
انسان کی زیادہ غفلت کے اوقات یہ ہیں	۲۵۰
ہر وقت نماز میں رہنا بھی مقصود نہیں	۲۵۱
ہر عضو سے بندگی	۲۵۱
سب اپنے مالک کو جانتے ہیں تو انسان کو بھی چاہیے کہ	۲۵۲
صاحب ایمان کیلئے زندگی کی نعمتوں اور مصائب کا فلسفہ	۲۵۴
دنیاوی زندگی....دار الامتحان	۲۵۴
زندگی کے امتحان کا مقصد	۲۵۴
مقدار امتحان	۲۵۶
عالم دنیا کا انداز تخلیق	۲۵۷

موت وحیات کی کشمکش	۲۵۷
مصائب کے ذریعے قرب کی منازل	۲۶۰
مصائب کے ذریعہ اصلاح	۲۶۳
مقصد موت	۲۶۵
تسکینِ عقل	۲۶۶
تسکین طبع	۲۶۶
تسکین بخش واقعہ	۲۶۷
برزخ میں آثار نعمت	۲۶۹
مرنے والے پر رونے کی حقیقت	۲۷۰
انسانی جسم میں بعض حیرت انگیز نعمتیں	۲۷۱
آنکھ کی نعمت	۲۷۱
گھر کی نعمت	۲۷۱
لیٹ کر سونے کی نعمت	۲۷۲
نظام انہضام کی نعمت	۲۷۲
زندگی کے مصائب کی اہم اور بنیادی وجہ	۲۷۳
جانور بھی تجربہ سے فائدہ اٹھاتا ہے	۲۷۴
درس عبرت	۲۷۴
عقل کی نعمت	۲۷۵
عقل اور دنیا کا کھیل	۲۷۶
عاقل کی علامات	۲۷۸
انسانی زندگی... احساسات کا سفر	۲۷۹

احساس سے محرومی کیوں؟	۲۸۰
محسوس کیجئے اور بچئے	۲۸۲
ایک نصیحت آموز واقعہ	۲۸۴
عقلمند لوگ کون ہیں؟	۲۸۵
حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا انقلابی واقعہ	۲۸۸
نعمتوں کی ناقدری پر عبرتناک واقعات	۲۹۰
زندگی کے سفر میں حالات کس طرح بدلتے ہیں	۲۹۰
دوسرا واقعہ	۲۹۱
تیسرا واقعہ	۲۹۲
چوتھا واقعہ	۲۹۶
پانچواں واقعہ	۲۹۸
چھٹا واقعہ	۳۰۰

باب 5

دُنیاوی زندگی کی اصلاح پر آخرت کی کامیابی منحصر ہے

زندگی کے سفر میں ایمان کی ضرورت	۳۰۴
آخرت کو عقل سے سمجھنے کا نقصان	۳۰۴
آخرت کا انکار کرنے والوں کا ایک نظریہ	۳۰۵
منکرین آخرت کا دوسرا نظریہ	۳۰۵
پہلے نظریے کے دُنیوی آثار	۳۰۵
دوسرے نظریے کے دنیوی آثار	۳۰۶
عیسائیت اور دُنیا	۳۰۷

آخرت کے متعلق اسلامی نظریہ	۳۰۷
دنیاوی سفر کا انداز کیسا ہو؟	۳۰۸
دولت وعبادت کا باہمی اِرتباط	۳۰۹
صاحب ایمان کیلئے دُنیاوی زندگی کی حیثیت	۳۱۰
مصارف سے آمدنی کا اندازہ	۳۱۱
اِظہار نعمت کا موقع	۳۱۱
دولت دُنیا کی مدح وذم کا معیار	۳۱۱
مشعل راہ واقعات	۳۱۲
دُنیا آخرت کی کھیتی ہے	۳۱۳
آخرت اسی دُنیا سے نکلے گی	۳۱۴
دنیوی زندگی کی پانی سے تشبیہ	۳۱۷
عالَم دُنیا کے کامیاب سفر کی ضمانت	۳۱۸
زندگی کے سفر میں انسانی نفس سے احتیاط	۳۲۰
زندگی کے سفر میں شیطان کے ہتھکنڈے	۳۲۹
شیطان سے بچاؤ کے طریقے	۳۳۰
صاحب ایمان کیلئے دور حاضر کی بے بسی کا علاج	۳۳۲
توبہ کی قوت	۳۳۶
باب 6 **انسانی روح کی عالَم دُنیا سے عالَم قبر کی طرف روانگی**	
عالَم دُنیا سے عالَم قبر کی طرف روانگی	۳۴۰
حُسنِ خاتمہ کے اسباب	۳۴۰

1۔نگاہ کی حفاظت	۳۴۰
2۔مسواک کی پابندی	۳۴۰
3۔شکر کرنا	۳۴۰
4۔صدقہ کرنا	۳۴۱
5۔محبت اہل اللہ	۳۴۱
6۔اذان کا جواب	۳۴۱
7۔کلمہ کی کثرت	۳۴۱
زندگی ہی میں موت کی تیاری	۳۴۱
موت کے سفر میں اہل ایمان کا اعزاز	۳۵۰
ایک ایمان افروز تاریخی واقعہ	۳۵۲
موت کے سفر میں اہل کفر کی ذلت	۳۵۴
مؤمن کا قبر میں نماز کا دھیان	۳۵۶
انسانی سفر میں عالم برزخ کا قیام	۳۵۷
قبر کا اہل ایمان کے ساتھ معاملہ	۳۵۸
مومن کی موت پر عالمی اثرات	۳۵۸
دوسروں کی موت سے عبرت	۳۵۹
موت سے غافل لوگ فکر کریں	۳۶۰
تصویر کا دوسرا رُخ	۳۶۱
کوئی تدبیر...موت کو ٹال نہیں سکتی	۳۶۲
مُسافرِ دُنیا کیلئے چند اشعار	۳۶۴
عمر اور جوانی کے متعلق باز پرس	۳۶۵
گناہوں میں لذت کا دھوکہ ہے	۳۶۹
دولت کی نعمت کا احساس	۳۷۱

باب 7

اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام اہل قبور کا اہل دُنیا سے رابطہ

نیز عالَم آخرت اور اس کے احوال

انسانی سفر کا اہم حصہ عالَم اَرواح اور اس کے احوال	۳۷۶
انبیاء علیہم السلام کی روحوں کا مذاکرہ	۳۷۶
روحیں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں	۳۷۷
زندہ اور مُردہ کی روحوں کی ملاقات	۳۷۸
مُردہ کی روح کا زندوں کو خبریں دینا	۳۷۹
عالَم برزخ سے رابطہ کی صورتیں	۳۸۳
عالَم برزخ کے عجیب واقعات	۳۸۳
برزخی مقامات میں تبدیلی	۳۸۵
عذاب قبر میں پھنسانے والے اعمال	۳۸۶
دل کے گناہ ان کے مفاسد اور تحفظ کا طریقہ	۳۸۶
زبان کے گناہ اور ان سے تحفظ کا طریقہ	۳۸۷
عذاب قبر سے نجات کے اعمال	۳۸۸
عالَم آخرت اور اس کے احوال	۳۹۰
آخرت کے متعلق مذاہب کا فرق	۳۹۰
اہل ایمان کیلئے میدان حشر کی راحتیں	۳۹۶

جہنم میں شیطان کا اعلان برأت	۳۹۷
احوال جہنم	۳۹۸
میدان حشر میں اہل ایمان کی حالت	۴۰۰
اعمال بد کی سزائیں	۴۰۱
اللہ تعالیٰ کی زیارت	۴۰۱
جنت اور جہنم لانے کا حکم اور حساس کتاب	۴۰۲
میزان اور پل صراط	۴۰۳

باب 8

انسانی سفر کی منزل اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ جنت یا خدائی عقوبت خانہ... جہنم

ایک انمول حدیث	۴۱۲
دُنیا میں جنت	۴۱۲
بندگان خدا کیلئے جنت اور اس کی نعمتیں	۴۱۳
جنت کی نعمتیں	۴۱۴
اہل جنت کا لباس	۴۱۵
جنت میں صبح وشام کا نظام	۴۱۶
اہل جنت کیلئے سامان راحت	۴۱۷
جنت میں دودھ، پانی، شہد اور شراب کے سمندر	۴۱۷
اہل جنت کی جسمانی قوت	۴۱۹
جنت کی مزید نعمتیں وراحتیں	۴۲۱
اہل جنت کی مبارک حالتیں	۴۲۴

جنت کی زندگی	۴۲۵
جنت کی حوریں	۴۲۵
جنت کے بالا خانے..........جنت کے کھانے	۴۲۷
ایک اشکال کا حال	۴۲۸
ایک اور شبہ کا حل	۴۲۹
جنت میں میوزک کا پروگرام	۴۳۰
جنت میں بازارِ حسن	۴۳۰
جنت میں دوستوں کی ملاقات اور مجالس	۴۳۲
جنت میں رقص وسرود کی محفل	۴۳۳
جنت کی سواری	۴۳۳
جنتی جہازوں میں سونے کی کرسیاں	۴۳۵
جنت کی قیمت اور اس کے راستہ کا چراغ	۴۳۷
خدائی عقوبت خانہ.... جہنم کی چند جھلکیاں	۴۳۹

دوران تالیف جن شخصیات کی تالیفات سے استفادہ کیا گیا

1۔علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ 2۔علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ۔

3۔حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ۔

4۔حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ۔

5۔شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ۔

6۔مولانا سید ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ۔

7۔حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ۔

ودیگر اکابر امت

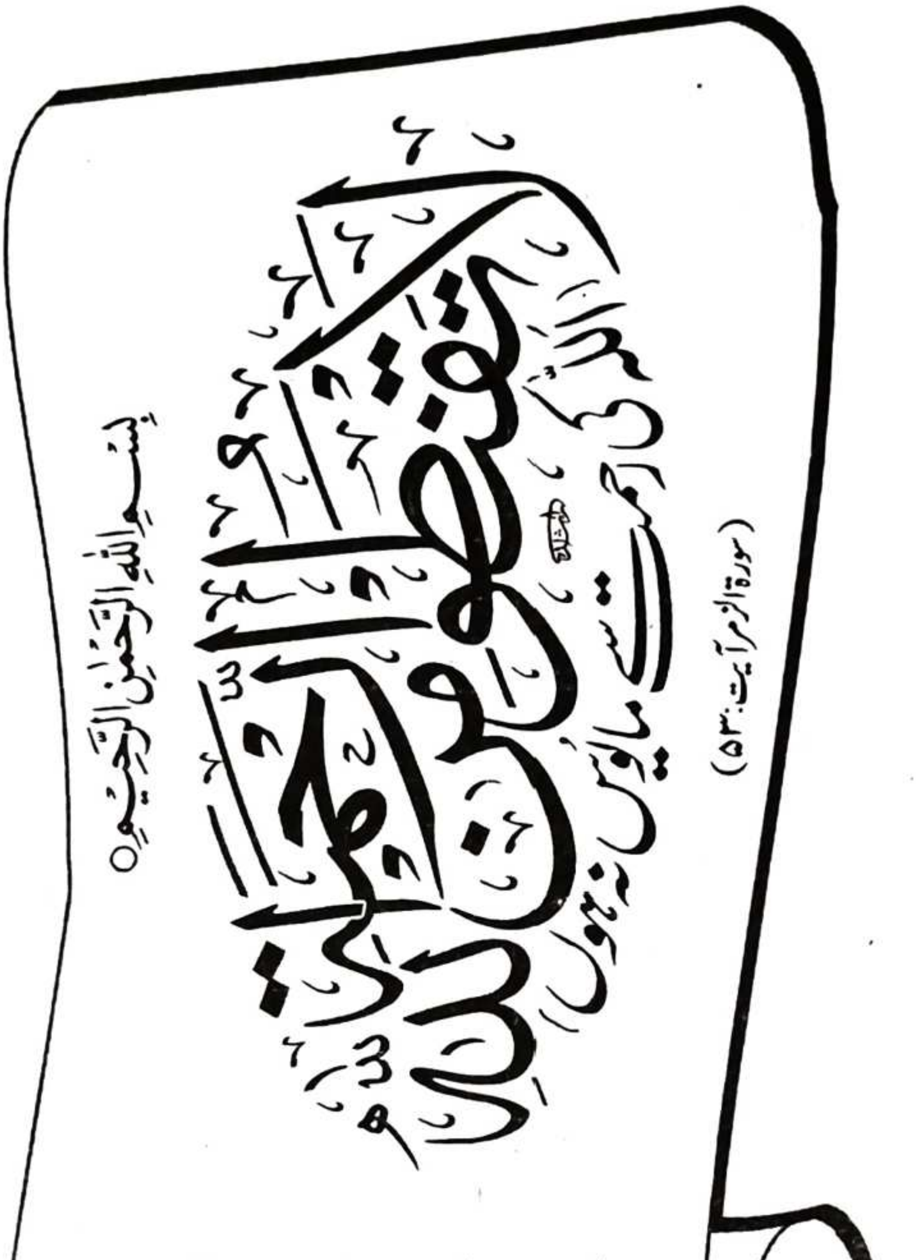

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

باب 1

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم شاہکار
حضرت انسان اور اس کی تخلیق

انسان کی تخلیق اور کائنات

انسان عالم صغیر ہے... عالم کبیر کے جملہ نمونے اور نقشے اس میں موجود ہیں... عالم کائنات کی دو ہی قسمیں ہیں عالم شاہد اور عالم غائب...

عالم شاہد اجسام کا مجموعہ ہے جو آنکھوں سے مشاہد اور محسوس ہوتا ہے... مثلاً دریا، پہاڑ، زمین، آسمان وغیرہ... انسان میں عالم شہادت بدن ہے جس میں گوشت پوست، ہڈی و چمڑا وغیرہ اور دیگر اعضاء بدن وغیرہ... پھر جیسے اس دُنیا میں عالم شہادت کے دو حصے ہیں... سفلیات، جیسے زمین اور اس کے سبزہ زار دریا، پہاڑ وغیرہ... علویات جیسے آسمان، چاند، سورج وغیرہ... ایسے ہی انسان میں فوقانی حصہ جس میں قلب اور دماغ ہے اس کے علویات ہیں اور تحتانی حصہ جس میں مختلف حسی اعمال وحرکات کی قوتیں پوشیدہ ہیں... مثلاً ہاتھ پاؤں، پیٹھ وغیرہ یہ اس کے سفلیات ہیں...

عناصر اربعہ کی کارفرمائی میں کمال درجہ تشابہ

پھر جس طرح عالم انسانی کی بنیاد عناصر اربعہ آگ، ہوا، پانی اور مٹی کے مادوں پر ہے... بعینہ انسان میں انہی چار مادوں کے اثرات حرارت، برودت، یبوست اور رطوبت کارفرما ہیں... پھر سفلیات میں عناصر اربعہ کی کارفرمائی کا جو رنگ ڈھنگ ہے وہی مجسمہ انسانی سفلیات میں بھی ہے...

مٹی کی جملہ انواع

مثلاً زمین ایک تودۂ خاک ہے... ایسے ہی انسان کا پورا بدن ایک مشت خاک ہے... پھر جس طرح زمین ہموار نہیں بلکہ اس میں طول و عرض اور عمق سب کچھ ہی ہے ایسے ہی انسان کا بدن ہے... پھر جس طرح زمین کھودو تو تری نکلنا شروع ہو جاتی ہے ایسے ہی انسانی بدن کاٹنے سے خون بہنا شروع ہو جاتا ہے... پھر جیسے زمین مختلف رنگوں کی ہے، سفید، سیاہ، سرخ، زرد...... ایسے ہی بدن انسانی میں بھی مٹی کے مختلف الوان موجود ہیں... سطح سفید ہے... مستور حصے جیسے زیر بغل کنج ران سیاہ ہے... چہرہ پر سرخی رہتی ہے... ہڈیوں کے جوڑ پر کی کھال میں عموماً زردی نمایاں ہوتی ہے... پوری

نوع بشر پر نگاہ ڈالو تو ہر رنگ کا انسان نظر پڑتا ہے... مغربی انسان عموماً سفید، مشرقی اور افریقی سیاہ، ہندوستانی گندم گوں، چینی زرد اور عرب سرخی مائل ہوتے ہیں... پھر زمین کا کوئی حصہ صاف ستھرا ہے جیسے تفریح گاہ اور کوئی گندا جس پر کوڑیاں پڑتی ہیں ایسے ہی انسان کا لطیف اور صاف ستھرا حصہ چہرہ اور ہاتھ ہے جسے عزت سے چومتے ہیں اور گندا حصہ زیر بغل یا اعضائے نجاست ہیں... غرض مٹی اور اس کی مخصوص صفات و کیفیات انسان میں سب موجود ہیں...

آگ کی جملہ انواع

پھر جیسے سارے عالم میں آگ اور برقی رو دوڑ رہی ہے بعینہٖ بدن انسانی میں حرارت اور آگ پھیلی ہوئی ہے اور اسی حرارت غریزی و طبعی پر انسانی زندگی قائم ہے... پھر جیسے مٹی اور پتھر اور لوہے کے آپس میں رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے... ایسے ہی انسانی ران یا ہاتھ کے آپس میں رگڑنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے... پھر جیسے آگ درحقیقت فیض ہے علویات یعنی سورج کا... یعنی سورج نہ ہو تو پتھر بھی ریت ہو کر بہہ جائیں... ایسے ہی بدن انسانی میں حرارت اس کے علویات یعنی قلب اور دماغ کا فیض ہے... قلب ہی حرارت غریزی تیار کرتا ہے... اگر قلب یہ حرارت نہ بھیجے تو بدن جھڑنے لگے اور قلب ہی نہ ہو تو ساری اقلیم بدن مُردہ بن کر ختم ہو جائے...

پانی کی جملہ انواع

پھر یہ پانی جیسے زمین کے گوشے گوشے میں سمایا ہوا ہے ایسے ہی انسانی بدن میں رطوبات اور پانی کی تری بصورت خون رچی ہوئی ہے... پھر جیسے عالم میں چشمے جاری ہیں کوئی بڑے دریا ہیں، کوئی چھوٹا... ایسے ہی بدن انسانی میں بڑی اور چھوٹی رگیں گویا دریا ہیں... پھر جیسے زمین میں نہریں، ندی نالے، پانی کے ڈونگرے مثلاً تالاب ہیں ایسے ہی انسانی بدن میں وہ رطوبات کا پانی رہتا ہے... پھر جیسے زمین میں شیریں، نمکین اور شور مختلف قسم کے چشمے ہیں ایسے ہی انسانی بدن میں منہ سے آب شیریں اور آنکھوں سے شور چشمہ جاری ہے... پتے سے کڑوا اور معدہ سے ترش پانی چلتا ہے... پھر جیسے دُنیا میں حرارت و برودت کے غلبہ سے یا مقامی خصوصیات سے کہیں کا دریا رواں ہے کہیں کا جما ہوا ہے جیسے بحر منجمد شمالی تو بلغم وغیرہ منجمد چشمے ہیں... پھر جیسے کہیں گندا پانی ہوتا ہے... انسان میں پیشاب یا سنک گویا گندہ پانی ہے جو گندی نالی سے بہتا ہے... پھر دُنیا میں کہیں سرد چشمے ہیں اور کہیں گندھک کا زور ہے... ایسے بدن انسانی میں ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری... زبان سرد پانی کا چشمہ اور پیشاب گرم

پانی کا چشمہ... پھر دُنیا میں مجمع البحرین ایک مقام ہے جس کا ایک حصہ شیریں اور دوسرا تلخ وشور ہے... ایسے ہی انسان کے دماغ کی حس مشترک میں شیریں چشمہ قوت ذائقہ اور نمکین چشمہ قوت باصرہ موجود ہے... پھر جس طرح دُنیا میں برسات ہوتی ہے ایسے ہی بدن انسانی میں پسینہ ہے... پھر جس طرح زمین ہی سے مون سون بن کر زمین پر ہی برسات ہوتی ہے... اسی طرح انسان کے بدن سے ہی پسینہ بن کر بدن پر ہی برستا ہے... غرض پانی کی جملہ انواع انسان میں موجود ہیں...

ہوا کی جملہ انواع

پھر جس طرح عالم کا ہر خلا ہوا سے پُر ہے... ایسے ہی انسانی بدن کا ہر خلا ہوا سے بھرپور ہے... پھر جیسے زمین پر ہوائیں چلتی ہیں ایسے ہی انسان میں سانس کے ذریعے جو ہوا اندر جاتی ہے وہ سرد ہے اور جو ہوا باہر نکلتی ہے وہ گرم ہے... پھر جیسے ہوائیں صاف بھی ہوتی ہیں اور متعفن بھی... ایسے ہی انسان میں ڈکار آتی ہے تو خوشبودار ہوتی ہے اور خروج ریاح ہوتا ہے تو بدبودار... پھر جیسے زمین پر حبس اور گھٹن ہونے سے انسان کا دل گھبراتا ہے اور پریشان ہوتا ہے ایسے ہی ریاح بند ہونے کے وقت حالت ہوتی ہے... پھر جیسے زمین کے خلاؤں میں سے اگر ہوا کھینچ لی جائے تو سارا عالم ختم ہو جائے ایسے ہی انسانی بدن میں سے سانس کھینچ لی جائے تو اقلیم تن بھی ختم ہو جائے... غرض ہوا کی جملہ انواع انسان میں موجود ہیں...

انواع جمادات

جمادات میں ہڈیوں کا سلسلہ گویا پہاڑ ہیں... جن میں سے پہاڑوں کی طرح کوئی چھوٹی ہے کوئی بڑی... پھر جس طرح پہاڑوں پر مٹی جمتی ہے ایسے ہی اقلیم بدن پر گوشت چڑھا ہے... پھر پہاڑوں کے بعض خطے گرم ہیں، بعض سرد، ایسے ہی انسانی بدن کے مستور حصے گرم ہیں اور سطح بدن کے تمام نمایاں حصے سرد، پھر پہاڑوں کے مقامات مقدسہ کی زیارت کی جاتی ہے اور بعض سے کراہت کی جاتی ہے... ایسے ہی انسانی بدن میں چہرہ، مہرہ کی ادب سے پیشانی چومی جاتی ہے اور بعض حصوں کو دیکھنا شرعاً وعقلاً ننگ وعار سمجھا جاتا ہے... پھر زمین کے بعض حصوں کو دیکھنے کی قوت ہے لیکن ایسا کرنا عیب سمجھا جاتا ہے... ایسے ہی بدن انسانی کے بعض حصوں کو دیکھنا (مثلاً پیٹھ وغیرہ) حماقت ہے... پھر جیسے پہاڑ پر نباتات اُگتے ہیں، ایسے ہی انسانی بدن پر بال اُگتے ہیں... پھر جس طرح زمین پر کہیں گھنا جنگل ہے کہیں جھنڈ، ایسے ہی انسانی بدن کے چہرہ اور سر پر گھنے بال ہیں اور عام بشرہ بدن پر چھیدے ہیں...

پھر جس طرح زمین پر بعض نباتات برابر بڑھتے اور نشوونما پاتے رہتے ہیں اور بعض یکساں حالت پر قائم رہتے ہیں لیکن بقیہ جلد بدن کا رواں یکساں رہتا ہے... پھر بعض جگہ زمین کے جھاڑ جھنکار کے صاف کیے بغیر زمین پر رونق نہیں آتی... ایسے بدن انسانی کے موئے بغل اور موئے زہار ہیں... پھر زمین کے بعض حصے قائم رکھنے سے زمین کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور بعض حصوں کی تراش خراش سے زمین کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے... ایسے ہی میں بدن انسانی میں موئے ریش ہیں جن کے رکھنے سے انسانی حسن دوبالا ہو جاتا ہے... نیز ان کی اصلاح اور موئے شوارب کی تراش سے چہرہ کا حسن قائم ہوتا ہے...

انواع حیوانات

پھر جس طرح زمین کے مختلف قسم کے حیوانات کی غذا زمین کی رطوبات ہیں... ایسے ہی انسانی جہان میں سر میں جوئیں، پیٹ میں کیچوے، معدے میں ریسمانی کیڑے بدن کے خون کو چوستے اور بڑھتے ہیں... پھر جس طرح زمین کے قعر اور جگر میں مختلف صورتوں کے حشرات الارض ہیں ایسے ہی انسان کے بدن میں مختلف رنگوں کے جراثیم ہیں جو خوردبین سے نظر آتے ہیں... پھر جس طرح دُنیا کے ہر خطہ کے جانور مختلف قسم کے ہوتے ہیں ایسے ہی انسانی بدن کے ہر حصہ میں نئی نئی شکل وشمائل کے جراثیم ہیں... پھر جس طرح زمین کی مخلوقات زمین میں پیدا ہو کر مر کر زمین میں ہی دفن ہو جاتی ہیں ایسے ہی جراثیم بدن میں پیدا ہو کر مرتے اور زمین میں ہی دفن ہو جاتے ہیں...

آثارِ زلزلہ

پھر جس طرح زلزلہ سے ساری زمین حرکت میں آتی ہے ایسے ہی بدن میں دھڑ دھڑی آنے سے پورا بدن اچانک متحرک ہو جاتا ہے... پھر جس طرح زلزلہ کا سبب آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا کہا جاتا ہے۔ یہاں بھی اندرونی گرمی، بھڑکاہٹ یا پریشانی دل سے انسان کے پورے بدن میں دھڑ دھڑی آجاتی ہے۔ پھر جس طرح اقلیم عالم میں عناصر کے غلبہ سے غیر معتدل آثار پیدا ہوتے ہیں مثلاً قحط سالی، آندھیاں، آگ برسنا ایسے ہی اقلیم بدن پر غیر طبعی آثار مثلاً بخار، نزلہ زکام، سرسام اور خارش وغیرہ نمودار ہوتے ہیں۔

عقل وحکمت کے آثار

پھر جس طرح عقل وحکمت کی کمی اور شہوات عضلات کی زیادتی سے انسان، انسان کے دشمن ہو جاتے ہیں ایسے ہی بعض دفعہ بحرانی مرض پیدا ہو جاتے ہیں کہ انسان اپنے بدن کو نوچنے لگتا ہے... پھر جس طرح ہر بادشاہ کی حکومت ہوتی ہے اور وزراء جنود وعساکر اس کے مددگار ہوتے ہیں ایسے ہی

اقلیم بدن کا بادشاہ قلب ہے... دماغ اور حواس خمسہ اس کے وزراء اور مشیر ہیں... معدہ خزانچی ہے اور ہاتھ پیر جنود وعساکر ہیں... پھر جس طرح علویات میں چاند اور سورج روشن ہیں... بعینہ اقلیم بدن میں سر میں دو آنکھیں منور ہیں... پھر جس طرح ستاروں سے راستہ دکھائی دیتا ہے... یہاں دماغ میں غور وفکر کے نتائج اور نظریہ ہیں جن سے انسان کو عمل کی راہیں ملتی ہیں...

ستاروں کے آثار

پھر جیسے ستارے مادی تاثرات پیدا کرتے ہیں، ایسی ہی دماغی فکر غم ومسرت پیدا کرتی ہے... پھر جس طرح آسمان کے اوپر غیب میں جنت ہے جس میں سوائے مسرت واطمینان کے غم کا کہیں نشان نہیں... بعینہ انسان میں آثار فرح ومسرت اور بشاشت وطمانیت مثل جنت کے ہیں... جن میں مگن ہو کر نفس دُنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے... پھر جس طرح غیب میں جہنم ہے جہاں سوائے غم وتردد کے کسی خوشی کا نشان نہیں... ایسے ہی انسان کے باطن میں آثار مصائب وغم اور تشویشات، مثل جہنم کے ہیں... پھر جیسے آسمانوں میں سب سے برتر اور فوق تر عرش ہے جہاں حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلیات کا بلا واسطہ دور دورہ ہے... ایسے ہی فوقانی اشیاء میں انسان کا لطیفہ قلب ہے جو تجلی گاہ ربانی ہے جس میں بلا واسطہ اسرار الٰہی متجلی اور منکشف ہوتے ہیں...

ملائکہ وشیاطین

پھر جس طرح آسمان پر فرشتے مخفی خدمات انجام دیتے ہیں جن میں عصیاں کا کہیں نشان نہیں، ایسے ہی دماغ میں حواس خمسہ ملائکہ کی طرح خدمات انجام دیتے ہیں... پھر جس طرح غیبی عالم میں آسمان کے نیچے گمراہ شیاطین ہیں جو حکم الٰہی کے سامنے نہیں جھکتے، ایسے ہی انسانی دماغ کے نیچے نفس ظلمانی ہے جو قلب کے اشاروں پر نہیں چلتا جو فانی لذات میں منہمک ہو کر سارے اقلیم بدن کو تباہی میں ڈالتا ہے...

عالَم غیب سے مشابہت

دوسرا عالَم عالَم غیب ہے جو جسمانیت سے پاک ہے اور صرف دل کی آنکھوں سے نظر آتا ہے... مثلاً ذات وصفات حق، ملائکہ عالَم اسرار غیب وغیرہ، انسان کا عالم غیب روح انسانی ہے جس میں عالم کے سرچشمے ہیں اور لطیفہ روح معنویات وروحانیات اور الٰہیات کا مرکز ہے... گویا اس روح میں کمالات باطن کے نمونے ہیں جو اس کو ودیعت کیے گئے ہیں جس طرح ذات بابرکات مدبر وحکیم اپنی حکمت وقدرت سے سارے عالَم کو سنبھالے ہوئے ہیں... اگر ذرا توجہ ہٹالے تو سارا عالم درہم برہم ہو جائے...

اسی طرح روح انسانی بدنی کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے... اگر ذرا بھی اپنا رُخ بدن سے پھیرے تو اقلیم تن گل سڑ جائے، پھر جس طرح وہ مختلف رنگ کے جہانوں کے لیے ایک مدبر ہے، اس کا کوئی شریک نہیں... اسی طرح روح بھی انسانی بدن میں وحدہ لاشریک ہے... پھر جس طرح وہ واحد قہار یقینی اور حتمی ہونے کے باوجود انسانوں سے اوجھل ہے اور ادراک سے قاصر ہے... ایسے ہی روح انسانی ہے... پھر جیسے وہ خالق کبیر عالم کے ذرہ ذرہ میں سمایا ہوا ہے اور ہر چیز میں اس کا جلوہ ہونے کے باوجود کوئی اشارے سے نہیں بتلا سکتا کہ ذرا اِدھر یا اُدھر... ویسے ہی رُوح انسانی رگ رگ میں سمائے ہونے کے باوجود کوئی نہیں بتلا سکتا کہ کس کونے میں بیٹھی ہے...

پھر جس طرح حق تعالیٰ شانہ کو جو تعلق عرش سے وہ فرش سے نہیں جو بیت اللہ سے ہے وہ عام جہان سے نہیں... چنانچہ اگر مقامات مقدسہ پر آنچ آجائے تو سارا عالم زیروزبر ہو جائے، ایسے ہی روح انسانی کا سب سے زیادہ تعلق قلب سے ہے... پھر جس طرح حق تعالیٰ شانہ ملائکہ مقربین کو مامور فرماتے ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کے پاس حکم الٰہی لے کر اُترتے ہیں... اسی طرح روح انسانی کی صفت بھی رُشد و ہدایت ہے... پھر جس طرح ہر ادراک اور حواس خمسہ اس کے ملائکہ ہیں جن کی قوتیں دماغ میں پوشیدہ ہیں اور جن اعضاء کے ذریعے قوتیں نمایاں ہوتی ہیں... وہ آنکھ، کان، ناک وغیرہ بمنزلہ انبیاء علیہم السلام کے ہیں... پھر جس طرح حق تعالیٰ کی گوناگوں صفات و کمالات ہیں، کسی نہ کسی خاص غلبہ کے تحت ہر نبی پر تجلی ہوتی ہے... ایسے ہی رُوح بھی کسی نہ کسی صفت سے ان کارکنوں پر متجلی ہوتی ہے اور ہر عضو آنکھ، کان، ناک اس کی اس قوت احساس وادراک کا مظہر ہے...

پھر حق تعالیٰ شانہ کی سب سے زیادہ جامع تجلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم و کمالات جمع کر دیئے گئے ہیں... ایسے ہی رُوح کی سب سے زیادہ تجلی قلب پر ہے اور قلب مجمع العلوم ہے... حواس خمسہ میں ادراک وشعور کا فیض قلب ہی کا ہے...

پھر جس طرح یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت و معرفت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و معرفت سے مستفاد اور وابستہ ہے... ایسے ہی ان اعضاء حواس کا علم قلب کی قوت علم سے مستفاد اور وابستہ ہے اور قلب بالذات مدرک ہے... چنانچہ آنکھ، کان بند کر کے تنہا قلب تدبر و فکر کرتا ہے اور ساری کائنات کے نقشہ کو عالم خیال میں دیکھتا ہے اور حواس خمسہ کا محتاج نہیں...

پھر جس طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے حاکم اور جملہ ادیان کے ناسخ ہیں... ایسے ہی قلب تمام اعضاء رئیسہ مروسہ پر حاکم اور ان کے علمی ذخیروں پر ناقد

اور متصرف ہے کہ آنکھ نے صحیح دیکھا یا نہیں، کان نے صحیح سنا، یا نہیں اور قلب کے علوم پر اختیار نہیں...

پھر جس طرح کمالات خداوندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر اولاً اترے... اسی طرح روح کا فیضان بھی اولاً قلب پر ہوتا ہے... یہاں تک کہ حیات و زندگی بھی پہلے قلب پر اترتی ہے...

پھر جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام مخلوق کو راہ ہدایت دکھلا کر عمل کے لیے جبر و اکراہ نہیں کرتے بلکہ عمل کی استعداد پیدا کر کے عمل کرنا لوگوں پر چھوڑ دیتے ہیں، ایسے ہی روح انسانی اشیاء کے حسن و قبح دکھلا کر اعضاء بدن میں استعداد عمل کی قوت پیدا کر کے نفس کے ارادے پر چھوڑ دیتی ہے اور عمل کے لیے نفس پر جبر و اکراہ نہیں کرتی... پھر جس طرح غذا کے اثرات بدن پر نمایاں ہوتے، اسی طرح روح بھی اپنی تربیت سے اس کے (خیر و شر کے) ثمرات بدن پر نمایاں کر دیتی ہے...

غرض مبداء ہو یا معاد، نبوات ہوں یا احکام... آخرت ہو یا سزا و جزاء... حق تعالیٰ کے کمالات و صفات ہوں یا افعال، ان سب کے تمام ہی نمونے انسان کے عالم غیب یعنی روح میں موجود ہیں اور یہ واضح ہو گیا کہ انسان ایک ایسی حقیقت جامعہ ہے کہ ساری حقیقتیں اور صورتیں اس میں جمع ہیں... الٰہیات اور مخلوقات کے سارے ہی نمونے اس میں موجود ہیں اور ہر انسان گویا ایک مستقل جہان ہے جس میں ظلمانی اور نورانی، شیطانی اور رحمانی، مادی اور رُوحانی سارے ہی انموذج قائم ہیں...

آسماں ہاست در ولایت جاں | کار فرمائے آسمان جہاں
در رہ روح پست و بالا ہست | کوہ ہائے بلند و صحرا ہست

گویا انسان اس کا مصداق ہے: ''میں وہ چھوٹی سی دُنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں...''

خدا تعالیٰ کا ایگریمنٹ جو خدا تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا تو ایک نوشتہ اپنے ذمہ وعدہ کا تحریر فرمایا جو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے جس کا مضمون یہ ہے: "اِنَّ رَحْمَتِی تَغْلِبُ عَلٰی غَضَبِیْ"

ترجمہ: ''یعنی میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔'' (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۲۹۰)

جس طرح دنیاوی حکومتیں اپنی پالیسی ظاہر کر کے تمام معاملات اس کے مطابق طے کرتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے وقت جو اپنی پالیسی مرتب فرمائی وہ یہی ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔

تخلیق کائنات کی بنیاد... محبت و رحمت

محبت کیا ہے؟ یہ ہماری زندگی کے لیے ایسے ہی ضروری ہے جیسے زندہ رہنے کے لیے آکسیجن' اگر ہماری زندگی سے محبت کو نکال دیا جائے تو باقی صفر بچتا ہے' اور اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے... اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی تخلیق کی بنیاد محبت پر رکھی ہے' ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب نبی ہیں... ان کے لیے یہ کائنات بنائی گئی' محبت کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے... ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اس کو بن دیکھے محسوس کرتے ہیں' ایسا لگتا ہے وہ ہمارے اتنے ہی پاس ہے کہ اگر گرنے لگیں تو وہ ذات گرنے سے پہلے ہی محبت سے تھام لے گی... اللہ تعالیٰ ہم سے ماں کے مقابلے میں ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے' ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں' اسی ذات پاک کے سامنے سر جھکاتے ہیں سجدہ کرتے ہیں تو اسی سے مدد مانگتے ہیں' اسی کو پریشانیوں میں پکارتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ ہماری پکار سے پہلے ہی ہم کو تھام لیتا ہے... صرف اور صرف محبت کی وجہ سے کوشش یہی کرنی چاہیے کہ ہم اپنی ڈکشنری سے "نفرت" کا لفظ ہمیشہ کے لیے نکال دیں... یہ لفظ بہت زہریلا ہوتا ہے... اگر ہم کسی کو ناپسند کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں لیکن اس سے نفرت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اگر ہم نے کسی ایک شخص سے بھی نفرت کی تو ہم محبت کرنا بھول جائیں گے... اللہ تعالیٰ نے ہمیں محبت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے... کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "لوگ نفرت کے لیے وقت کہاں سے نکال لیتے ہیں جبکہ یہ زندگی تو محبت کے لیے بھی بہت کم ہے...

عافیت اس بات میں نہیں کہ ہم معلوم کریں کہ کشتی میں سوراخ کون کر رہا ہے... عافیت اس بات میں ہے کہ کشتی کنارے لگے... ہم صرف زبان سے اللہ اللہ کہتے رہتے ہیں... اللہ لفظ نہیں' اللہ آواز نہیں' اللہ پکار نہیں... اللہ تو ذات ہے مقدس و ماورا... دل اللہ سے متعلق ہو جائے تو ہمارا سارا وجود دین کے سانچے میں ڈھل جانا لازمی ہے...

جب عزت اور ذلت اللہ کی طرف سے ہے... رنج و راحت اللہ کی طرف سے... دولت اور غریبی اللہ کی طرف سے... زندگی اور موت اللہ کی طرف سے... تو ہمارے پاس تسلیم کے علاوہ کیا رہ جاتا ہے؟ ایک انسان نے دوسرے سے پوچھا... "بھائی! آپ نے زندگی میں پہلا جھوٹ کب بولا؟" دوسرے نے جواب دیا جس دن میں نے یہ اعلان کیا کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں...

جس طرح موسم بدلنے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اس طرح وقت کے بدلنے کا بھی ایک موسم ہوتا

ہے...حالات بدلتے ہی رہتے ہیں...حالات کے ساتھ حالت بھی بدل جاتی ہے...رات آجائے تو نیند بھی کہیں سے آہی جاتی ہے...وہ انسان کامیاب ہوتا ہے جس نے ابتلاء کی تاریکیوں میں امید کا چراغ روشن رکھا...امید اس خوشی کا نام ہے جس کے انتظار میں غم کے ایام کٹ جاتے ہیں...امید کسی واقعہ کا نام نہیں...یہ صرف مزاج کی ایک حالت ہے...فطرت کے مہربان ہونے پر یقین کا نام امید ہے...

رب کریم کا انسان کو خطاب

اے انسان! تجھ کو کس چیز نے تیرے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جو تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے؟ کیا وہ رب کریم اس کا حق دار تھا کہ تو اپنے جہل و حماقت سے اس کے حکم پر مغرور ہو کر اس کی نافرمانیاں کرتا رہے؟ اور اس کے لطف و کرم کا جواب ناشکری و سرکشی سے دے؟ اس کا کرم دیکھ کر تو اور زیادہ شرمانا اور اس حلیم کے غصہ سے بہت زیادہ ڈرنا چاہئے تھا نہ کہ اس کے ساتھ غرور اور تکبر برتنا بڑی محرومی کی بات ہے اور اس کی اس مہربانی سے کہ وہ نافرمانی پر فوراً سزا نہیں دیتا اور مہلت پر مہلت دیئے چلا جا رہا ہے۔

اپنے رب یعنی پرورش کرنے والے سے غرور انسانیت کا مقتضا نہیں جس کی طرف انسان کو حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو۔ ہر ہر بات میں اور قدم قدم پر کرم و فضل کرتا ہو۔ ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان ہی نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اس کو اتنی عقل بھی نہیں کہ جس کا ہر محتاج ہو اسی سے بگاڑ لے اور اسی کے ساتھ غرور برتے اور اس کے آگے سر نیاز نہ جھکائے کیسی نالائقی ہے مگر لفظ کریم میں حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اے نالائق انسان تیری اکڑفوں کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں اور حاجت روائی نہ کریں تو آن کی آن میں سارا غرور خاک میں مل جائے۔

حق تعالیٰ اپنے رب کریم ہونے کی تفصیل سناتے ہیں تا کہ اس مغرور انسان کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں اور کس رب کریم کی نافرمانی اور کس محسن آقا و مالک کے حکم کی خلاف ورزی پر جرأت کر رہا ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ الَّذِیْ خَلَقَکَ وہ کہ جس نے اے انسان تجھے پیدا کیا۔ عدم سے تیری ہستی کو وجود میں لایا۔ ایک وقت تھا کہ تیرا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا پھر تیری پیدائش کی ابتدا ہوئی اور کس طرح ہوئی؟ کہ اس میں نہ تیرے یا کسی اور کے ارادہ کو دخل تھا نہ کسی اور کے فیصلہ اور منصوبے کا ہاتھ تھا۔ نہ تیری طرف سے کوئی سوال

دعا اور طلب تھی۔ اس کریم نے محض اپنے کرم سے تجھ کو پیدا کیا۔ پھر پیدا بھی یونہی بیڈول نہیں کر دیا بلکہ فَسَوّٰىكَ تیرے اعضاء کو درست کیا اور اعضاء جسم میں تناسب رکھا اور تیرے بدن کو ٹھیک بنایا۔ اور سب جوڑ بند برابر مناسبت سے پیدا کئے کہ کان کی جگہ کان' آنکھ کی جگہ آنکھ' ناک کی جگہ ناک رکھی۔ پھر ہاتھ برابر ہاتھ کے اور پاؤں برابر پاؤں کے۔ اور کان برابر کان کے اور آنکھ برابر آنکھ کے۔ غرض کہ یہ اسی کا کرم ہے کہ ایک قطرۂ ناپاک سے تجھ کو ایسا سڈول خوبصورت اور کارآمد بنا کر پیدا کیا۔ آگے فرمایا فَعَدَلَكَ یعنی اے انسان پھر اس پیدائش میں تجھ کو اعتدال پر بنایا یعنی تیرے قویٰ اور مزاج میں گرمی سردی خشکی تری کو مناسب اعتدال کے ساتھ رکھا۔ جس عضو میں جس قدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی۔ اور جس عضو کو جس قدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا فرمائی۔ پھر ہر ایک عضو میں مناسبت سے قوت ودیعت کی گئی۔

پھر آگے فرمایا جاتا ہے۔ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ پھر جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا۔ خواہ مرد کی خواہ عورت کی۔ پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ صورت' شکل' رنگ' روپ کا عنایت کیا۔ اے مغرور انسان! ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اپنے اختیار کی نہیں۔ نہ تیرے سوال اور درخواست پر عطا ہوئی۔ یہ محض اسی کا کرم ہے کہ تجھ کو ایسی شکل وصورت اور حسن و جمال عطا کیا ورنہ اگر وہ چاہتا تو تجھے دوسری گھٹیا مخلوقات کی شکل وصورت میں ڈال دیتا اور دنیا میں اس کی مثالیں دیکھنے میں بھی آئی ہیں کہ ماں کے پیٹ سے بندر اور سانپ کے بچہ پیدا ہوئے تو باوجود اس قدرت کے محض اپنے فضل و ارادہ سے انسانی صورت میں رکھا۔ یہ اس کا کتنا بڑا کرم و احسان ہے۔ تو جس خدا کی یہ قدرت ہو اور جس محسن کے یہ احسانات ہوں اور جس منعم کے یہ انعامات ہوں کیا اس کے ساتھ انسان کو یہی معاملہ کرنا چاہئے کہ اسی کی نافرمانی کرے اسی سے سرکشی کرے اسی کی ناشکری کرے اور اسی کے جزاء وسزا کا انکار کرے اور بے لگام ہو کر حصول لذات وشہوات میں غرق رہے اور جانے کہ بس میں اس دنیا میں مزے اڑانے ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ نہ مر کر پھر جینا ہے نہ حساب ہے نہ کتاب ہے نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا پھر بھی یہ انتہائی کرم ہے کہ اس نے انسان کو یونہی اندھیرے میں نہیں چھوڑ رکھا بلکہ اس نے اپنے رسول اور اپنی کتاب بھیج کر صحیح صحیح صورتحال انسان کے سامنے رکھ دی اور ہر طرح اسے سمجھا دیا کہ یہ حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند نہ کرے۔ اور غفلت کا شکار نہ ہو۔

انسان عالمِ دُنیا کے مسافر خانہ میں

جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو جب تک وہ چھوٹا سا بچہ ہوتا ہے تو اس کی ساری کائنات' سارے شوق' سارے ارمان کھیل کود سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور پھر کھیل کود کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں' ایک کھیل وہ ہوتا ہے جس میں ہار جیت ہوتی ہے' ایک ہار گیا اور دوسرا جیت گیا' دوسرا کھیل وہ ہوتا ہے جو بالکل بے مقصد ہوتا ہے' اس میں نہ ہار ہوتی ہے اور نہ جیت ہوتی ہے۔

پہلا مرحلہ: ابتداء میں جب بچہ ماں کی گود میں ہوتا ہے' اس وقت اس کے سارے شوق ایسے کھیل سے وابستہ ہوتے ہیں جس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر اس کے ہاتھ میں آپ نے ایک جھنجھنا پکڑا دیا' اب وہ اسی سے کھیل رہا ہے' اس میں ہار جیت کے کوئی معنی نہیں' اس کھیل کا کوئی مقصد نہیں' اور وہ بچہ اس جھنجھنے کو اپنی ساری کائنات سمجھتا ہے' اب اگر کوئی شخص اس بچے کے ہاتھ سے وہ جھنجھنا چھین لے تو وہ بچہ رونا شروع کر دے گا' اور وہ یہ سمجھے گا کہ میری ساری دنیا لٹ گئی' اس لئے کہ اس بچے کے سارے شوق اور سارے ارمان اس جھنجھنے سے وابستہ ہیں۔

دوسرا مرحلہ: جب بچہ تھوڑا سا بڑا ہوا اور اس کو تھوڑی سمجھ آنی شروع ہوئی تو اب وہی جھنجھنا جو اس کی ساری کائنات تھی' اب وہ اس کی نظروں میں بے حقیقت ہو گیا' اور اس سے نفرت ہو گئی' اس کو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا' اب اگر کوئی شخص بازار سے اس کیلئے ایک جھنجھنا خرید کر لائے اور اس سے کہے کہ میں تیرے لئے یہ جھنجھنا لایا ہوں' تو اب اس بچے کو نہ صرف یہ کہ خوشی نہیں ہوگی بلکہ اس لانے والے پر غصہ آئے گا کہ میں کیا دودھ پیتا بچہ ہوں جو تم میرے لئے جھنجھنا لے آئے' اور اب وہی بچہ اپنی پہلی زندگی پر ہنسے گا کہ میں کس بے حقیقت چیز سے دل لگائے ہوئے تھا۔

اب اس بچے کی طبیعت ایسے کھیلوں کی طرف راغب ہو گئی جس کے کوئی معنی ہوتے ہیں اور جس میں ہار جیت ہوتی ہے اور اس میں اس کا دل لگا ہوا ہے' دن رات کے سارے اوقات اسی میں صرف کر رہا ہے' کوئی شخص اس کو کھیل سے منع کرے تو اس پر اس کو غصہ آتا ہے کہ یہ کیوں منع کر رہا ہے۔

تیسرا مرحلہ: جب وہ بچہ اور بڑا ہوا اور جوانی کا دور آ گیا تو اب وہ کھیل جو بچپن میں مرغوب تھے' مثلاً گلی ڈنڈا' آنکھ مچولی وغیرہ' وہ سب اب اس کی نظروں میں بے حقیقت ہو گئے' اب اگر کوئی بچہ اس کو آنکھ مچولی کھیلنے کیلئے بلائے تو وہ اس کو اپنی توہین سمجھے گا اور یہ کہے گا کہ میں کیا تمہاری طرح چھوٹا بچہ ہوں جو تم مجھے آنکھ مچولی کھیلنے کیلئے بلا رہے ہو' گویا کہ اب تک جن کھیلوں کے ساتھ دلچسپی تھی' وہ اب ختم ہو گئی' اب جوانی میں کھیل کود کے بجائے زیب و زینت سے دلچسپی ہو گئی' مثلاً یہ کہ کپڑے اعلیٰ درجے کے پہنوں' فیشن کے مطابق ہوں' میرا جسم' میرا لباس میرے سر کے بال' میرے جوتے یہ سب زینت والے ہونے چاہئیں' تاکہ جب لوگ میری طرف دیکھیں تو دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ اب جوانی کے دور میں زینت سے دلچسپی ہو گئی' لیکن جوانی سے پہلے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' بلکہ اس وقت تو یہ حالت تھی بس اپنے کھیل سے مطلب ہے' لیکن اب یہ حال ہے کہ اگر کھیل بھی رہا ہے تو اس کا خیال بھی ساتھ لگا ہوا ہے کہ کپڑے خراب نہ ہو جائیں' کہیں ان کی استری خراب نہ ہو جائے' اور ہر وقت اپنے جسم اور اپنے لباس کو بنانے اور سنوارنے میں لگا ہوا ہے۔ یہ جوانی کا دور تھا۔

چوتھا مرحلہ: جب وہ اور بڑا ہو گیا اور اب جوانی ادھیڑ پن میں داخل ہونے لگی اور ۳۵ سال یا ۴۰ سال کی عمر ہو گئی تو اب زینت کا دور ختم ہو گیا۔ اب تک تو یہ خیال ہوتا تھا کہ کپڑوں پر شکن نہ آئے' اب اس طرف دھیان باقی نہیں رہا' کپڑوں پر شکنیں آ جائیں اور ان کی کریز ٹوٹ جائے تو اس کی پرواہ نہیں' لیکن اس دور میں سرمایہ فخر جمع کرنے کی فکر لگ گئی' مثلاً یہ کہ تعلیم حاصل کر کے فلاں ڈگری بھی حاصل کر لوں اور فلاں سے آگے نکل جاؤں' فلاں عہدہ مل جائے' فلاں منصب حاصل ہو جائے اور لوگوں میں میری شہرت ہو جائے وغیرہ' اور ان چیزوں کے تصور میں لگ کر زینت کا خیال دل سے نکل گیا۔ اس لئے کہ اب اپنے بچے بھی ہو گئے' کوئی بچہ سر پر چڑھ رہا ہے' کوئی گود میں بیٹھا ہے' کپڑے خراب ہو رہے ہیں' لیکن اس کی طرف کوئی دھیان نہیں ہے' اب سارا دھیان اس طرف ہے کہ میرا کیریئر بن جائے۔

پانچواں مرحلہ: جب جوانی کا دور گزرنے کے بعد بڑھاپے کا دور آیا تو اب زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ مال کسی طرح زیادہ جمع ہو جائے اور میں مال اور اولاد کی تعداد میں دوسروں سے آگے نکل جاؤں۔ اس لئے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب لوگ اولاد کی کثرت پر فخر کیا کرتے تھے اور اس فکر میں رہتے تھے کہ جتنی اولاد زیادہ ہو' اتنا ہی اچھا ہے' اور اب زمانہ بدل گیا ہے' اب

کثرت اولاد پر اتنا فخر نہیں کیا جاتا' لیکن اب اس بات پر فخر کیا جاتا ہے کہ میرا فلاں بیٹا امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے' فلاں بیٹا انگلش میڈیم اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہے' فلاں بیٹا یہ ملازمت کر رہا ہے اور فلاں بیٹا اس عہدے پر فائز ہے۔

دُنیا کی زندگی میں مسافر کا مزاج

آپ دیکھیں کہ جب انسان ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ پچھلے مرحلہ کو بے حقیقت سمجھتا ہے' وہی زیب و زینت جو جوانی میں بڑی محبوب تھی' لیکن بڑھاپے میں پہنچنے کے بعد نہ ٹوپی کا خیال ہے' نہ کپڑوں کا خیال ہے' بلکہ جب نوجوانوں کو سنگار پٹار میں وقت ضائع کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم اس میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو' اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جوانی کے دور میں خود بھی ان کاموں میں وقت ضائع کر کے آئے ہیں' لیکن اب اس کو برا سمجھ رہے ہیں' اب ان کے دل میں اس کام کی کوئی اہمیت نہیں ہے' لہٰذا ہر نئے مرحلے میں پہنچنے کے بعد انسان پچھلے مرحلے سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس پر ہنستا ہے اور اس کو حقیر اور بے حقیقت سمجھتا ہے۔

چھٹا مرحلہ: دین اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ آنکھیں بند ہونے اور قبر میں پہنچنے کے بعد آخرت کی زندگی کا مرحلہ شروع ہونے والا ہے' اس وقت دنیا کی یہ ساری چیزیں جن پر تم دنیا میں آپس میں لڑتے اور مرتے تھے' جن پر فریفتہ تھے' یہ سب چیزیں اسی طرح بے حقیقت نظر آئیں گی جس طرح چھوٹا بچہ جس کو "جھنجھنا" بڑا عزیز تھا' لیکن بعد میں وہ بے حقیقت ہو گیا۔ ایسے ہی آخرت میں پہنچنے کے بعد دنیا کی یہ چیزیں بے حقیقت نظر آئیں گی' لیکن چونکہ ابھی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں' اس لئے جس مرحلہ سے وہ گزر رہا ہوتا ہے' اس مرحلہ کی دلچسپی کو اپنا سب کچھ سمجھے ہوئے ہوتا ہے۔ اور اس مرحلہ سے آگے اس کی نگاہ نہیں ہوتی' اس لئے وہ دنیاوی زندگی سے فریب اور دھوکہ کھا جاتا ہے۔

مسافرِ دُنیا کیلئے رہنما مثال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں انسانی زندگی کے مراحل بیان فرما کر آگے اس دنیاوی زندگی کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا

یعنی اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی اور اس بارش کے نتیجے میں خشک پڑی ہوئی زمین پر سبزہ اُگ آیا اور سبزی اور ترکاریاں پیدا ہو گئیں اور کھیت ہرے

بھرے ہوگئے وہ ہرے بھرے کھیت کسانوں کو بہت پسند آتے ہیں' لیکن کچھ وقت کے بعد وہی سبز کھیتی زرد پڑ جاتی ہے اور زرد پڑنے کے بعد وہ کھیتی آخر میں بھوسہ بن جاتی ہے اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

یہی حال اس دنیاوی زندگی کا ہے' یہاں کی ہر چیز ابتداء میں بڑی خوبصورت اور بڑی خوشنما نظر آتی ہے' کھیل بھی اچھا لگ رہا ہے' زینت بھی اچھی لگ رہی ہے' فخر بھی اچھا لگ رہا ہے' مال و دولت بھی اچھا لگ رہا ہے' لیکن آخرت میں جب تم اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچو گے تو یہ سب بھوسہ نظر آئے گا۔

رحم مادر کا عالم

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے' اس بچے میں چار ماہ کے بعد روح پڑ جاتی ہے' اور وہ ایک زندہ وجود بن جاتا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس دل بھی ہے اور اس کے پاس دماغ بھی ہے اور اس کے اندر اپنی بساط کی حد تک سمجھ بوجھ بھی ہے' اس وقت اس بچے سے اس دنیا کی حقیقت کے بارے میں کوئی سوال کرے تو وہ بچہ یہ کہے گا کہ میری ساری کائنات یہی ماں کا پیٹ ہے' اس کی پوری دنیا اس ایک ڈیڑھ فٹ جگہ پر منحصر ہے' جہاں پر اس کی غذا خون ہے' وہی غذا اس کیلئے لذیذ اور مزیدار بنی ہوئی ہے۔

اگر کوئی شخص اس بچے سے کہے کہ جس جگہ کو تم اپنی ساری دنیا اور ساری کائنات سمجھ رہے ہو' یہ تو ایک گندی جگہ ہے اور نجس اور ناپاک جگہ ہے اور یہ اتنی چھوٹی جگہ ہے کہ حقیقی دنیا تمہاری اس دنیا سے لاکھوں اربوں اور کھربوں گنا زیادہ بڑی ہے' اور کچھ عرصہ کے بعد تم اس حقیقی دنیا میں جانے والے ہو۔ یہ باتیں سن کر وہ بچہ کبھی ان باتوں پر یقین کرنے پر تیار نہیں ہوگا' اس لئے کہ اس نے یہ دنیا دیکھی نہیں ہے اور نہ اس کے تصور میں یہ دنیا آسکتی ہے' کیونکہ اس نے تو صرف ماں کے پیٹ کی دنیا دیکھی ہے اور اسی کو وہ اپنا سب کچھ سمجھتا ہے۔

اسی طرح اگر اس بچے کو کوئی شخص یہ کہے کہ یہ خون جو تم پی رہے ہو' یہ بہت گندی چیز ہے اور ناپاک ہے' اور جب تم ماں کے پیٹ سے باہر نکلو گے تو تم خود بھی اس سے گھن کرو گے اور یہ خون تمہیں پسند نہیں آئے گا' تو وہ بچہ اس شخص کی یہ بات کبھی ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگا' بلکہ وہ یہ کہے گا کہ اس خون سے تو میری زندگی وابستہ ہے' اگر میں یہ نہ پیوں تو میں مر جاؤں' اسی کے اندر مجھے لذت آتی ہے اور مجھے مزہ آتا ہے' یہی میری غذا ہے اور اسی سے میری زندگی ہے۔

بہر حال! یہ باتیں اس بچے کی سمجھ میں نہیں آئیں گی اور کبھی بھی تمہاری بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ماں کا پیٹ جو ایک گندی جگہ ہے اس سے یہ جب حضرت انسان باہر تشریف لاتے ہیں تو ترک وطن کے صدمے میں روتے ہوئے آتے ہیں' اس لئے کہ اسی ماں کے پیٹ سے دل لگایا ہوا تھا اور اسی کو اپنا سب کچھ سمجھا ہوا تھا' اب جب دنیا میں آ گئے تو حیران ہو رہے ہیں کہ معلوم نہیں میں کہاں پہنچ گیا' بعد میں جب آنکھیں کھلیں تو پتہ چلا کہ ماں کے پیٹ کے بارے میں کہنے والا مجھ سے جو کچھ کہہ رہا تھا وہ صحیح کہہ رہا تھا اور واقعۃً وہ جگہ رہنے کے قابل نہیں تھی' اور حقیقت میں تو دنیا یہ ہے جس کے اندر میں اب آیا ہوں' یہ دنیا تو بڑی شاندار' بڑی مزیدار اور بڑی پر لطف ہے' یہ تو بڑی خوشنما اور بڑی خوبصورت ہے۔

اب پیدا ہونے کے بعد جس کمرے میں وہ مقیم تھا' اسی کمرے کو سب کچھ سمجھ رہا تھا' اگر اس بچے سے کوئی یہ کہے کہ اس کمرے کی تو کوئی حقیقت نہیں ہے' اس کمرے کے باہر بہت بڑا مکان ہے' اور اس مکان کے باہر بہت بڑا شہر ہے' اور اس شہر کے پیچھے بہت بڑا ملک ہے' اور ملک کے پیچھے بہت بڑی دنیا ہے' اور یہ دنیا چوبیس ہزار آٹھ سو مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے' چونکہ اس بچے نے اب تک دنیا کا صرف ایک کمرہ دیکھا تھا' اس لئے چوبیس ہزار آٹھ سو مربع میل میں پھیلی ہوئی یہ دنیا اس کے تصور میں نہیں آ سکتی' لیکن جب وہ اس کمرے سے باہر نکلے گا تو اس وقت اس کو نظر آئے گا کہ اس کمرے جیسے بہت سے کمرے اور بھی ہیں' اور جب وہ اس گھر سے نکلے گا تو اس کو شہر نظر آئے گا' اور جب شہر سے نکلے گا تو اس کو ملک نظر آئے گا' اور ملک سے نکلے گا تو اس کو دنیا نظر آئے گی۔

یاد رکھئے! انسان کی عقل اپنے مشاہدے کی حدود کے اندر محدود ہو کر سوچتی ہے' اور صرف مشاہدہ کے اندر آنے والی چیزوں کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیتی ہے' مشاہدے سے باہر کی چیزیں اس عقل کے اندر نہیں آتیں۔

ماڈرن تعلیم کے اثرات

آج کی ماڈرن تعلیم نے ہمارے دماغ اتنے محدود کر دیئے ہیں کہ جب یہ باتیں ہمارے سامنے کہی جاتی ہیں تو ہم جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ارے یہ باتیں اسی طرح سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں جس طرح اگر ماں کے پیٹ میں بچے سے یہ کہا جاتا کہ نو ماہ بعد جس کمرے میں تم جانے والے ہو' وہ تمہاری اس دنیا سے ستر گنا زیادہ بڑا ہو گا جس طرح وہ بات اس بچے کی عقل میں نہیں آ سکتی اسی طرح یہ بات آج ہماری عقل میں نہیں آ رہی ہے۔ لیکن یہ

حقیقت ہے اور دیکھنے والوں نے دیکھی ہے' دیکھنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی اطلاع ہمیں دی ہے۔

دنیاوی زندگی دھوکہ ہے

دین ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ جن چیزوں سے تم دل لگائے بیٹھے ہو' ان کو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ جو چیزیں ایک مرحلہ میں محبوب تھیں' وہی چیزیں اگلے مرحلہ میں تمہیں قابل نفرت معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (سورۃ الحدید: آیت ۲۰)

یعنی دنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے' ہر وقت دھوکہ کھا رہے ہو' بچپن میں دھوکہ کھایا' جوانی میں دھوکہ کھایا' بڑھاپے میں دھوکہ کھایا' اور اب بھی پیغمبروں کی بات نہیں مانو گے تو دھوکہ کھاؤ گے' اس لئے اس دنیا میں دل نہ لگانا۔ اس وقت آنکھوں پر ان دنیاوی لذتوں کا اور خوشنمائیوں کا اور خوبصورتیوں کا پردہ پڑا ہوا ہے' اور اس کے نتیجے میں انہی چیزوں کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ دین اسلام ہم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اس دنیا میں رہو اور اس دنیا کو برتو' لیکن اس دنیا کی حقیقت کو نہ بھولو' یہ دنیا بہت بے حقیقت چیز ہے۔ البتہ یہ دنیا ضرورت کی چیز ہے' ضرورت۔ کے وقت اس کو ضرور استعمال کرو' لیکن اس کو دل میں جگہ مت دو' اس کے ساتھ دل نہ لگاؤ' اس کو اپنے دل و دماغ پر سوار مت کرو' اس کو اپنے اوپر حاوی اور غالب نہ ہونے دو' جس دن یہ دنیا ہمارے اوپر غالب آجائے گی' اس دن یہ دنیا تمہیں ہلاک اور تباہ کر دے گی۔

یہ ہے اس دنیا کی حقیقت' اسی حقیقت کو بیان کرنے کیلئے بار بار انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد وارثان نبی اسی کام کے لئے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ آ کر لوگوں کو یہ بتائیں کہ جس چیز پر تم مر رہے ہو' وہ بہت بے حقیقت چیز ہے' اس کو ضرورت کے تحت ضرور اختیار کرو' لیکن دن رات اس کے اندر انہماک پیدا نہ کرو۔

عالَم دُنیا قید خانہ

حدیث شریف میں ہے کہ یہ دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

جنت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی منزل مقصود ہی یہ دنیا ہے' اس دنیا سے آگے زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ اور قید خانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مؤمن کو اس دنیا میں تکلیف ضرور ہو

گی' بلکہ قید خانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا مؤمن کے لئے ایک عارضی رہائش گاہ ہے' جیسے قید خانہ عارضی ہوتا ہے' اسی لئے مؤمن اس دنیا سے دل نہیں لگاتا' اور صبح سے لے کر شام تک ساری محنت اسی پر خرچ نہیں کرتا۔ مؤمن کیلئے یہ دنیا قید خانہ تو ہے' لیکن قید خانے میں تکلیف ہونا تو کوئی ضروری نہیں' ایسے بھی قید خانے ہوتے ہیں جس میں آدمی آرام سے کھا پی رہا ہے اور مزے اڑا رہا ہے' جیسے آج کل جیل کے اندر A کلاس ہوتی ہے' جس میں وی آئی پی لوگ رکھے جاتے ہیں' اور ان کو وہاں وی آئی پی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ مثلاً اعلیٰ درجے کے بستر ہوتے ہیں' اعلیٰ درجے کے کھانے مہیا ہوتے ہیں' باورچی موجود ہیں' جیسا کھانا چاہیں' ان سے پکوالیں۔ کمرہ میں ایئر کنڈیشنڈ لگا ہوا ہے' اخبار اور رسالے وقت پر پہنچائے جاتے ہیں۔ تمام سہولتیں موجود ہیں' ہر قسم کی راحت اور آرام کا سامان موجود ہے' لیکن اس کے باوجود وہ "قید خانہ" ہے۔ کوئی اگر اس آرام دہ قید خانے میں رہنے والے سے کہے کہ "آپ کو تو یہاں بڑا آرام مل رہا ہے' براہ کرم آپ ساری عمر یہاں تشریف فرما رہیں" تو وہ شخص کبھی بھی وہاں رہنے کیلئے تیار نہیں ہوگا' کیونکہ آرام و راحت سب کچھ صحیح' لیکن یہ قید خانہ ہی ہے' اور یہ ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے' بلکہ عارضی طور پر رہنے کی جگہ ہے' چنانچہ وہ وہاں سے نکلنے کی فکر کرے گا۔

یہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے' یعنی اگر اس کے پاس دنیا میں مال و دولت ہو' نوکر چاکر ہوں' کوٹھی بنگلے ہوں' کاریں ہوں' دکان اور کارخانے بھی کچھ ہو' لیکن مؤمن کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں ہوتی کہ اس کو یہ چیزیں چھوڑ کر جانا ہے اور یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے' اس لحاظ سے یہ دنیا قید خانہ ہے' اس لئے ایک مؤمن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ زندگی کے اس سفر میں جلد از جلد اپنے وطن اصلی یعنی جنت میں پہنچ جاؤں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تیار کر رکھی ہے۔

اس کا یہ مقصد بھی نہیں ہے کہ آدمی دنیا چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھے یا دنیا میں کمانے کا دھندا چھوڑ بیٹھے' یا بیوی بچوں کو چھوڑ بیٹھے' یا دنیا کے تعلقات کو خیر آباد کہہ دے۔ یاد رکھئے! ان میں سے کوئی چیز مطلوب نہیں' اگر یہ چیزیں مطلوب اور مقصود ہوتیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح زندگی نہ گزارتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں رہتے ہوئے بھی کچھ کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت بھی کی' زراعت بھی کی' مزدوری بھی کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوی بچے بھی تھے' آپ کے تعلقات بھی تھے' آپ کے دوست احباب بھی تھے' لہٰذا یہ چیزیں مطلوب نہیں۔

دین کی نظر میں مطلوب یہ ہے کہ دنیا کے اندر انہماک نہ ہو' انہماک کا مطلب یہ ہے کہ صبح

سے لے کر شام تک ایک ہی فکر ایک ہی سوچ دل پر مسلط ہے کہ یہ دنیا کس طرح سے زیادہ سے زیادہ حاصل کروں؟ آخرت کا کوئی خیال ہی نہیں آتا' یہ بات نہیں ہونی چاہیے' لہٰذا ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھے کہ کیا چوبیس گھنٹے کی سوچ بچار میں کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ جب ہم وہاں آخرت میں پہنچیں گے تو وہاں کیا ہوگا؟ جنت ہوگی' جہنم ہوگی' اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی ہو گی۔ کیا ان باتوں کا خیال آتا ہے یا نہیں؟ اگر خیال آتا ہے تو یہ دیکھو کہ دوسرے خیالات کے مقابلے میں ان خیالات کا کیا تناسب ہے؟ مثلاً چوبیس گھنٹوں میں سے چھ گھنٹے تو سونے کے نکال دو' باقی اٹھارہ گھنٹوں میں سے کتنا وقت ایسا گزرتا ہے جس میں آخرت کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور آتا ہے۔ اگر آخرت کا خیال اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خیال نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے اندر انہماک ہے' یہ انہماک درست نہیں' اس انہماک سے بچو۔

دنیا بقدر حاجت ضروری ہے

یاد رکھئے! یہ دنیا ضروری تو ہے' اس دنیا کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہے' اس لئے کہ اگر پیسہ پاس نہ ہو تو کیسے زندگی گزارے گا' کھانا نہ ہو تو کیسے زندہ رہے گا' اگر کمانے کے اسباب اختیار نہیں کرے گا تو کیسے زندہ رہے گا' لہٰذا دنیا کی ضرورت تو ہے' لیکن دنیا کی ضرورت ایسی ہے جیسے مکان کے اندر بیت الخلاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی مکان میں بیت الخلاء نہ ہو تو وہ مکان ناقص ہے' لیکن آدمی مکان میں بیت الخلاء اس لئے بناتا ہے تاکہ اس سے ضرورت پوری کرے' البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیت الخلاء بنانے کے بعد صبح سے شام تک ہر وقت اس بیت الخلاء کے بارے میں سوچتا رہے' کہ اس کے اندر کیا کیا آرام کی چیزیں لگاؤں' کس طرح اس کو آراستہ کروں۔ لہٰذا بیت الخلاء اتنا ضروری نہیں ہے کہ آدمی اسی کی سوچ میں منہمک ہو جائے۔ اسی طرح یہ دنیا بھی ضروری ہے' لیکن یہ انہماک کہ صبح سے لے کر شام تک اسی دنیا کی فکر' اسی کی سوچ' اسی کا خیال دل پر سوار رہے' یہ بات غلط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی دنیا کو دین بنانے کے نسخے بتا دیئے' تاکہ اسی دنیا کو ہم آخرت کے لئے زینہ بنالیں' اور اسی دنیا کو جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچنے کیلئے سیڑھی بنالیں۔

دُنیا کے سفر میں بہترین زادِ راہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں قیصر و کسریٰ کے ممالک فتح کئے جو اس

زمانے کے سپر پاور تصور کیے جاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بیک وقت دونوں سے لڑائی کی اور دونوں کو فتح کیا' اور دونوں کے خزانے لا کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لا کر ڈھیر کیے گئے' ایک مرتبہ جو سونا چاندی آیا اور اس کو جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رکھا گیا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے ڈھیر کے پیچھے چھپ گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ اس سونا چاندی کو دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس دنیا کی کچھ نہ کچھ محبت تو آپ نے ہماری سرشت میں داخل فرمائی ہے' وہ محبت تو باقی رہے گی' اس محبت کے زائل ہونے کی ہم آپ سے دعا نہیں کرتے لیکن ہم آپ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ دنیا جو آپ ہمیں عطا فرما رہے ہیں' اس کو ہماری آخرت درست کرنے کا ذریعہ بنا دیجئے' ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کی محبت بالکل ختم کر دیجئے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس دنیا کی ضرورت نہیں ہے' لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس دنیا کو آخرت کا زینہ بنا دیجئے۔

اس دعا کے اندر آپ رضی اللہ عنہ نے دنیا کی ساری حقیقت کھول دی' وہ یہ کہ اگر یہ دنیا بذات خود آ جائے تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے' اس کی نوازش اور اس کا کرم ہے' لیکن اس دنیا کو اس طرح استعمال کرو کہ وہ دنیا تمہاری آخرت بنانے کا ذریعہ بن جائے' یہ نہ ہو کہ اس دنیا کے حاصل کرنے کی خاطر اللہ کے حکم کو بھی چھوڑ دیا' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھی چھوڑ دیا۔

دو اہم باتیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دنیا کس طرح دین بن سکتی ہے اور کس طرح آخرت کمانے کا ذریعہ بن سکتی ہے؟ اس مقصد کیلئے ان دو باتوں کو پلے باندھ لیں' پہلی بات یہ کہ زندگی کے اس سفر میں ہم اس بات کا عہد کر لیں کہ اس دنیا کی کوئی بھی چیز' چاہے وہ روپیہ ہو یا پیسہ ہو' اسباب ہو یا سامان ہو' وہ ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کرنی ہے' حرام طریقے سے حاصل نہیں کرنی ہے' نہ سود کے ذریعہ' نہ رشوت کے ذریعہ' نہ جوئے کے ذریعہ' نہ جھوٹ بول کر' نہ فریب دے کر' نہ دھوکہ دے کر' نہ کسی کی دل آزاری کر کے' نہ کسی کا دل دکھا کر' اس بات کا عہد کر لیں کہ زندگی بھر ایک پیسہ بھی اس طریقے سے حاصل نہیں کروں گا' بلکہ جو کچھ کماؤں گا' حلال طریقے سے کماؤں گا۔

دوسرے اس بات کا عہد کر لیں کہ جو چیز حلال طریقے سے آئے گی' اس کو حلال طریقے سے استعمال کروں گا' حرام طریقے سے استعمال نہیں کروں گا' ناجائز طریقے سے استعمال نہیں کروں گا' اور اس چیز پر اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کروں گا' جو نعمت ملے گی اس پر یہ کہوں گا کہ یا اللہ! میں اس

قابل نہیں تھا کہ مجھے یہ چیز دی جائے' یہ آپ کی عطا ہے' آپ کا کرم ہے' اس پر آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

بہر حال! دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے اور دنیا کی محبت کے مذموم نتائج سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس دنیا کو حلال طریقے سے حاصل کرو اور حلال طریقے سے خرچ کرو اور جو حلال طریقے سے حاصل ہو' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

واقعہ قارون سے عبرت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قارون بہت بڑا دولت مند' بہت بڑا سرمایہ دار تھا' اتنا بڑا دولت مند تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں طاقت ور لوگوں کی ایک جماعت اٹھایا کرتی تھی۔ اس زمانے میں چابیاں بھی بڑی وزنی بنائی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ یہ دولت تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے' اس لئے اس پر نہ اتراؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والے کو پسند نہیں فرماتے ہیں' اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف مت کرو۔ ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے کہا کہ یہ جو کچھ مجھے ملا ہے' یہ میرے علم کی بدولت مجھے ملا ہے' اور میں نے اپنی قوت بازو سے اس کو حاصل کیا ہے' لہٰذا اس پر شکر کیوں ادا کروں؟ چنانچہ قارون اپنی دولت پر اترانے لگا' اور اس نے تکبر شروع کر دیا اور اس مال کو اپنی قوت بازو کا نتیجہ قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مال کو اس کیلئے عذاب بنا دیا' زلزلہ آیا اور اس کے سارے خزانے زمین میں دھنس گئے' یہ تو قارون کی دولت تھی جو اسے لے ڈوبی۔

تصویر کا دوسرا رخ

دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت اور سلطنت دی' مال و دولت دی' ایسی دولت اور ایسی حکومت ان کو دی کہ ان کے بعد ایسی دولت اور ایسی حکومت کسی اور کو نہیں دی گئی' چنانچہ انہوں نے خود یہ دعا کی تھی کہ:

هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ م بَعْدِيْ (سورۃ ص' آیت ۳۵)

یعنی اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرمایئے کہ میرے بعد ایسی سلطنت کسی کو نہ ملے۔ ایسی سلطنت مانگنے کا منشا یہ تھا کہ تاکہ لوگوں کو دکھایا جائے کہ اتنی بڑی دولت اور اتنی بڑی سلطنت ہونے کے بعد اس دولت اور اس دنیا کو کس طرح دین بنایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ جب ایسی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل ہوگئی کہ ان کی حکومت تمام انسانوں پر' تمام جنات پر' جانوروں پر' پرندوں پر' درندوں پر قائم ہے اور ان سب جانوروں کی بولیاں بھی جانتے ہیں' ایسی سلطنت حاصل ہونے کے باوجود سینہ تنا ہوا نہیں ہے' گردن اکڑی ہوئی نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکا ہوا ہے اور زبان پر یہ الفاظ ہیں کہ:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ (سورۃ النمل' آیت ۱۹)

اے اللہ! مجھے اس کی توفیق عطاء فرمائیے کہ جو نعمت آپ نے مجھے عطا فرمائی ہے' میں اس کا شکر قول و فعل سے ادا کرتا رہوں۔

دونوں میں فرق:۔ دونوں میں فرق دیکھئے کہ یہ دنیا قارون کے پاس بھی تھی' اور یہ دنیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی تھی' لیکن قارون کی دنیا اس کو زمین کے اندر دھنسانے کا سبب بن گئی اور آخرت میں جہنم میں جانے کا مستحق بنا دیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دنیا نے ان کو دنیا میں بھی پیغمبری کا مرتبہ عطا کیا اور بادشاہت کا مرتبہ عطا کیا' اور آخرت میں بھی جنت کے اعلیٰ مقام دلانے کا سبب بن گئی۔

دنیا کو کس طرح دین بنایا جا سکتا ہے

ایک صاحب بزرگ بڑی عجیب بات فرمایا کرتے تھے۔ ''دین'' زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے' یہ دنیا وہی رہے گی' لیکن اگر تم ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو گے تو وہی دنیا دین بن جائے گی۔ اس کی مثال یہ دیا کرتے تھے کہ جیسے آج کل تصویریں ہوتی ہیں کہ اگر ان کو ایک طرف سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ کعبہ شریف کی تصویر ہے' اور اگر اسی تصویر کو دوسرے رُخ سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ روضہ اقدس کی تصویر ہے' اور اگر تیسرے رُخ سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ مسجد اقصیٰ کی تصویر ہے' حالانکہ وہ ایک ہی تصویر ہے' لیکن زاویہ نگاہ کے بدلنے سے اس کی صورت بدل جاتی ہے۔ اسی طرح اس دنیاوی زندگی کے اندر زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا ''دین'' بن جاتی ہے اور آخرت کا زینہ بن جاتی ہے۔

پھر اس کا طریقہ بتایا کہ کس طرح زاویہ نگاہ کو بدلا جائے' فرمایا: کہ اگر تم تجارت کر رہے ہو یا ملازمت کر رہے ہو تو اس کے اندر یہ نیت کر لو کہ یہ تجارت اور یہ ملازمت میں اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے ان حقوق کی ادائیگی کیلئے کر رہا ہوں' جو اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر

عائد کئے ہیں۔ اور میں اس تجارت میں حلال طریقے سے کمانے کا اہتمام کروں گا' ناجائز طریقے سے ایک پیسہ بھی نہیں کماؤں گا' اس نیت اور اہتمام کے بعد تم جو تجارت اور ملازمت کر رہے ہو یہی عبادت اور یہی دین بن گیا۔

یا مثلاً گھر میں داخل ہوئے' کھانے کا وقت آیا' اب کھانا کھانا بھی دنیا ہے' کونسا انسان ہے جو کھانا نہیں کھاتا' ایک کافر بھی کھانا کھاتا ہے ایک فاسق و فاجر اور غافل انسان بھی کھانا کھاتا ہے' لیکن اس کے کھانے میں اور ایک جانور کے کھانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دوسری طرف ایک وہ مؤمن بھی کھانا کھاتا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیروکار ہے' جب وہ کھانا شروع کرے گا تو پہلے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھے گا' جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کھانے کو اس اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کر رہا ہوں جو "رحمان" ہے اور "رحیم" ہے' اس کے ذریعہ وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کھانے کو مہیا کرنا میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے' میری یہ مجال نہیں تھی کہ میں یہ کھانا حاصل کر سکتا' بلکہ یہ کھانا میرے مالک کا عطیہ ہے اور اس کا دیا ہوا ہے' اسی کا نام لے کر کھاتا ہوں' اے اللہ! یہ کھانا آپ کی نعمت ہے' اور اس کو آپ کی نعمت سمجھ کر کھا رہا ہوں' اپنے نفس کا حق ادا کرنے کیلئے کھا رہا ہوں۔

جب کھانا کھانے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا اور کھانا کھانے کے بعد اس پر شکر ادا کر لیا تو اب وہ پورا کھانا عبادت بن گیا اور یہ دنیا کا عمل دین بن گیا۔ اسی کو زاویہ نگاہ کی تبدیلی کہا جاتا ہے۔ اسی کی دعوت کیلئے انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور اس دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے کا یہی مطلب ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت پر اس دنیا کی محبت کو غالب نہ ہونے دینے کا یہی مطلب ہے۔

عقل کا دائرہ کار

کیا عقل آخری معیار ہے؟

ایک سیکولر نظام حکومت میں عقل، تجربے اور مشاہدے کو آخری معیار قرار دے دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ معیار کتنا مضبوط ہے؟ کیا یہ معیار اس لائق ہے کہ قیامت تک آنے والی انسانیت کی رہنمائی کر سکے گا؟ کیا یہ معیار تنہا عقل کے بھروسے پر، تنہا مشاہدے اور تجربے کے بھروسے پر ہمارے لیے کافی ہو سکتا ہے؟

ذرائع علم

اس کے جواب کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کوئی بھی نظام جب تک اپنی پشت پر اپنے پیچھے علمی حقائق کا سرمایہ نہ رکھتا ہو اس وقت تک وہ کامیابی سے نہیں چل سکتا اور کسی بھی معاملے میں علم حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ ذرائع عطا فرمائے ہیں۔ ان ذرائع میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے۔ اس دائرہ کار تک وہ ذریعہ کام دیتا ہے اور اس سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے لیکن اس سے آگے وہ ذریعہ کام نہیں دیتا ہے اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا ہے۔

حواس خمسہ کا دائرہ کار

مثال کے طور پر انسان کو سب سے پہلے جو ذرائع علم عطا ہوئے وہ اس کے حواس خمسہ ہیں، آنکھ، کان، ناک اور زبان وغیرہ۔ آنکھ کے ذریعے دیکھ کر بہت سی چیزوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ زبان کے ذریعہ چکھ کر علم حاصل ہوتا ہے۔ ناک کے ذریعہ سونگھ کر علم حاصل ہوتا ہے۔ ہاتھ کے ذریعہ چھو کر علم حاصل ہوتا ہے لیکن علم کے یہ پانچ ذرائع جو مشاہدے کی سرحد میں آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا ایک دائرہ کار ہے۔ اس دائرہ کار سے باہر وہ ذریعہ کام نہیں کرتا، آنکھ دیکھ سکتی ہے لیکن سن نہیں سکتی، کان سن سکتا ہے لیکن دیکھ نہیں سکتا، ناک سونگھ سکتی

ہے دیکھ نہیں سکتی۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں آنکھ تو بند کرلوں اور کان سے دیکھنا شروع کردوں تو اس شخص کو ساری دُنیا احمق کہے گی۔ اس لیے کہ کان اس کام کے لیے نہیں بنایا گیا۔ اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ تمہارا کان نہیں دیکھ سکتا، اس لیے کان سے دیکھنے کی تمہاری کوشش بالکل بیکار ہے، جواب میں وہ شخص کہے کہ اگر کان دیکھ نہیں سکتا تو وہ بیکار چیز ہے تو اس کو ساری دُنیا احمق کہے گی۔ اس لیے کہ وہ اتنی بات بھی نہیں جانتا کہ کان کا ایک دائرہ کار ہے، اس حد تک وہ کام کرے گا، اس سے اگر آنکھ کا کام لینا چاہو گے تو وہ نہیں کرے گا۔

دوسرا ذریعہ علم "عقل"

پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم کے حصول کے لیے یہ پانچ حواس عطا فرمائے ہیں۔ ایک مرحلہ پر جا کر ان پانچوں حواس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ اس مرحلہ پر نہ تو آنکھ کام دیتی ہے، نہ کان کام دیتا ہے، نہ زبان کام دیتی ہے، نہ ہاتھ کام دیتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں اشیاء براہِ راست مشاہدہ کی گرفت میں نہیں آتیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو علم کا ایک اور ذریعہ عطا فرمایا ہے اور وہ ہے "عقل" جہاں پر حواس خمسہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں وہاں پر "عقل" کام آتی ہے۔ مثلاً میرے سامنے یہ میز رکھی ہے، میں آنکھ سے دیکھ کر یہ بتا سکتا ہوں کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ ہاتھ سے چھو کر معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ سخت لکڑی کی ہے اور اس پر فارمیکا لگا ہوا ہے لیکن اس بات کا علم کہ یہ میز وجود میں کیسے آئی؟ یہ بات میں نہ تو آنکھ سے دیکھ کر بتا سکتا ہوں نہ کان سے سن کر، نہ ہاتھ سے چھو کر بتا سکتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے بننے کا عمل میرے سامنے نہیں ہوا۔ اس موقع پر میری عقل میری رہنمائی کرتی ہے کہ یہ چیز جو اتنی صاف ستھری بنی ہوئی ہے خود بخود وجود میں نہیں آ سکتی، اس کو کسی بنانے والے نے بنایا ہے اور وہ بنانے والا اچھا تجربہ کار ماہر بڑھئی (Carpenter) ہے جس نے اس کو خوبصورت شکل میں بنایا ہے۔ لہٰذا یہ بات کہ اس کو کسی کارپینٹر نے بنایا ہے مجھے میری عقل نے بتائی تو جس جگہ پر میرے حواس خمسہ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، وہاں میری عقل آئی اور اس نے میری رہنمائی کر کے ایک دوسرا علم عطا کیا۔

عقل کا دائرہ کار

لیکن جس طرح ان پانچوں حواس کا دائرہ کار لامحدود (Unlimited) نہیں تھا بلکہ ایک حد پر جا کر ان کا دائرہ کار ختم ہو گیا تھا، اسی طرح عقل کا دائرہ کار (Jurisdiction) بھی

لامحدود (Unlimited) نہیں ہے۔ عقل بھی ایک حد تک انسان کو کام دیتی ہے، ایک حد تک رہنمائی کرتی ہے، اس حد سے آگے اگر اس عقل کو استعمال کرنا چاہیں گے تو وہ عقل صحیح جواب نہیں دے گی، صحیح رہنمائی نہیں کرے گی۔

تیسرا ذریعہ علم ''وحی الٰہی''

جس جگہ عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے اور وہ ہے ''وحی الٰہی'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی اور آسمانی تعلیم۔ یہ ذریعہ علم شروع ہی اس جگہ سے ہوتا ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جس جگہ ''وحی الٰہی'' آتی ہے، اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ آنکھ کے کام کے لیے کان کو استعمال کرنا، کان کے کام کے لیے آنکھ کو استعمال کرنا۔ اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ عقل بیکار ہے، نہیں بلکہ وہ کارآمد چیز ہے۔ بشرطیکہ آپ کو اس کے دائرہ کار (Jurisdiction) میں استعمال کریں۔ اگر اس کے دائرہ کار سے باہر استعمال کریں گے تو یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص آنکھ اور کان سے سونگھنے کا کام لے۔

اسلام اور سیکولر نظام میں فرق

اسلام اور ایک سیکولر نظام حیات میں یہی فرق ہے کہ سیکولر نظام میں علم کے پہلے دو ذرائع استعمال کرنے کے بعد رُک جاتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کے پاس علم کے حصول کا کوئی تیسرا ذریعہ نہیں ہے۔ بس ہماری آنکھ، کان، ناک ہے اور ہماری عقل ہے، اس سے آگے کوئی اور ذریعہ علم نہیں ہے اور اسلام یہ کہتا ہے کہ ان دونوں ذرائع کے آگے تمہارے پاس ایک اور ذریعہ علم بھی ہے اور وہ ہے ''وحی الٰہی''۔

وحی الٰہی کی ضرورت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ کہ عقل کے ذریعہ ساری باتیں معلوم نہیں کی جاسکتیں بلکہ آسمانی ہدایت کی ضرورت ہے، وحی الٰہی کی ضرورت ہے پیغمبروں اور رسولوں کی ضرورت ہے، آسمانی کتابوں کی ضرورت ہے۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہمارے موجودہ معاشرے میں کس حد تک درست ہے؟

عقل کا فریب

خلیج کی جنگ میں حصہ لینے والے فوجیوں میں سے تقریباً ایک ہزار افراد کو صرف اس لیے فوج سے نکال دیا گیا کہ وہ ہم جنس پرست (Homo Sexual) تھے لیکن اس اقدام کے خلاف شور مچ رہا ہے، مظاہرے ہو رہے ہیں اور چاروں طرف سے یہ آوازیں اُٹھ رہی ہیں کہ یہ بات کہ ہم جنس پرست ہونے کی وجہ سے آپ نے ان لوگوں کو فوج کے عہدوں سے برخاست کر دیا ہے۔ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے۔

اور ان کو دوبارہ بحال کرنا چاہیے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تو ایک ہیومن ارج (Human Urge) ہے اور آج (Human Urge) کا بہانہ لے کر دُنیا کی ہر بری سے بری بات کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ سب عقل کی بنیاد پر ہو رہا ہے کہ بتاؤ عقلی اعتبار سے اس میں کیا خرابی ہے؟ اور یہ تو صرف جنس انسانی کی بات تھی۔ اب تو بات جانوروں، کتوں، گدھوں اور گھوڑوں تک نوبت پہنچ گئی ہے اور اس کو بھی باقاعدہ فخریہ بیان کیا جا رہا ہے۔

عقل کا ایک اور فریب

بات واضح کرنے کے لیے ایک اور مثال عرض کر دوں کہ یہ ایٹم بم جس کی تباہ کاریوں سے تمام دُنیا آج خوفزدہ اور پریشان ہے اور ایٹمی اسلحہ میں تخفیف کے طریقے تلاش کر رہی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopaedia of Britannica) میں ایٹم بم پر جو مقالہ لکھا گیا ہے اس کو ذرا کھول کر دیکھیں۔ اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دُنیا میں ایٹم بم کا تجربہ دو جگہ پر کیا گیا ہے۔ ایک ہیروشیما اور دوسرے ناگاساکی پر اور ان دونوں مقامات پر ایٹم بم کے ذریعہ جو تباہی ہوئی اس کا ذکر تو بعد میں آگے چل کر کیا ہے۔

لیکن اس مقالے کو شروع یہاں سے کیا گیا کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹم بم برسائے گئے اس کے ذریعہ ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں اور ان کو موت کے منہ سے نکالا گیا اور اس کی منطق یہ لکھی ہے کہ اگر ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم نہ گرائے جاتے تو پھر جنگ مسلسل جاری رہتی اور اس میں اندازہ یہ تھا کہ تقریباً ایک کروڑ انسان مزید مر جاتے۔ تو ایٹم بم کا تعارف اس طرح کرایا گیا کہ ایٹم بم وہ چیز ہے جس سے ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں۔

یہ اس واقعہ کا جواز (Justification) پیش کیا جا رہا ہے جس پر ساری دُنیا

لعنت بھیجتی ہے کہ ان ایٹم بم کے ذریعہ ہیروشیما اور ناگاساکی میں ان بچوں کی نسلیں تک تباہ کردی گئیں، بے گناہوں کو مارا گیا اور یہ جواز (Justification) بھی عقل کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا کوئی بری سے بری بات اور کوئی سنگین سے سنگین خرابی ایسی نہیں ہے جس کے لیے عقل کوئی نہ کوئی دلیل اور کوئی نہ کوئی جواز فراہم نہ کردے۔

آج ساری دُنیا فاشزم (Fascism) پر لعنت بھیج رہی ہے اور سیاست کی دُنیا میں ہٹلر اور مسولینی کا نام ایک گالی بن گیا ہے لیکن آپ ذرا ان کا فلسفہ تو اُٹھا کر دیکھیں کہ انہوں نے اپنے فاشزم (Fascism) کو کس طرح فلسفیانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

ایک معمولی سمجھ کا آدمی اگر فاشزم کے فلسفے کو پڑھے گا تو اسے اعتراف ہونے لگے گا کہ بات تو سمجھ میں آتی ہے معقول بات ہے، یہ کیوں ہے؟

اس لیے کہ عقل ان کو اس طرف لے جارہی ہے...... بہرحال! دُنیا کی کوئی بد سے بدتر برائی ایسی نہیں ہے جس کو عقل کی دلیل کی بنیاد پر صحیح تسلیم کرانے کی کوشش نہ کی جاتی ہو۔ اس لیے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جارہا ہے جہاں اس کے استعمال کی جگہ نہیں ہے۔

عقل کی مثال

علامہ ابن خلدون جو بہت بڑے مؤرخ اور فلسفی گزرے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل دی ہے وہ بڑی کام کی چیز ہے لیکن یہ اسی وقت تک کام کی چیز ہے جب اس کو اس کے دائرے میں استعمال کیا جائے۔

لیکن اگر اس کو اس کے دائرہ سے باہر استعمال کروگے تو یہ کام نہیں دے گی اور پھر اس کی ایک بڑی اچھی مثال دی ہے کہ عقل کی مثال ایسی ہے جیسے سونا تولنے کا کانٹا، وہ کانٹا چند گرام سونا تول لیتا ہے اور بس اس حد تک وہ کام دیتا ہے اور وہ صرف سونا تولنے کے لیے بنایا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص اس کانٹے میں پہاڑ تولنا چاہے گا تو اس کے نتیجے میں وہ کانٹا ٹوٹ جائے گا اور جب پہاڑ تولنے کے نتیجے میں وہ ٹوٹ جائے تو اگر کوئی شخص کہے کہ یہ کانٹا تو بیکار چیز ہے، اس لیے کہ اس سے پہاڑ تو تلتا نہیں ہے، اس نے تو کانٹے کو توڑ دیا تو اسے ساری دُنیا احمق کہے گی۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس نے کانٹے کو غلط جگہ پر استعمال کیا اور غلط کام میں استعمال کیا اس لیے وہ کانٹا ٹوٹ گیا۔ (مقدمہ ابن خلدون، بحث علم کلام، ص: ۳۳۰)

اسلام اور سیکولرازم میں فرق

اسلام اور سیکولرازم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ بیشک تم عقل کو استعمال کرو لیکن صرف اس حد تک جہاں تک وہ کام دیتی ہے۔ایک سرحد ایسی آتی ہے جہاں عقل کام دینا چھوڑ دیتی ہے بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دیتی ہے جیسے کمپیوٹر ہے۔اگر آپ اس کو اس کام میں استعمال کریں جس کے لیے وہ بنایا گیا ہے تو وہ فوراً جواب دے دے گا لیکن جو چیز اس کمپیوٹر میں فیڈ (Feed) نہیں کی گئی وہ اگر اس سے معلوم کرنا چاہیے تو نہ صرف یہ کہ وہ کمپیوٹر کام نہیں کرے گا بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دے گا۔اسی طرح جو چیز اس عقل کے اندر فیڈ نہیں کی گئی جس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، جو وحی الٰہی ہے جب وہاں عقل کو استعمال کرو گے تو یہ عقل غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جن کے لیے قرآن کریم اُتارا گیا۔چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے کہ:

"اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ"

''ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی جس سے واقع کے موافق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔'' (سورۃ النسا: ۱۰۵)

یہ قرآن کریم آپ کو بتائے گا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے؟ یہ بتائے گا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ یہ بتائے گا کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ یہ سب باتیں آپ کو محض عقل کی بنیاد پر نہیں معلوم ہو سکتیں۔

دُنیا کے مُسافروں کو قرآنی نصیحت

دُنیا کی زندگی محض چند روز کی بہار اور دھوکہ کا سامان ہے... یہاں کا کھیل کود یہاں کی آرائش وزیبائش... یہاں کی بڑائیوں پر فخر... یہاں کے مال دولت کے کثرت کی فکر یہ سب کچھ فانی اور ناپائیدار ہے...اس دُنیا کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو پہلے سرسبز ہوتی ہے پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آخرکار کاٹ کر چورا چورا ہو جاتی ہے تو دُنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ناپائیدار ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے اور اس کے لئے سعی وکوشش کرنی چاہئے...

چنانچہ اللہ تعالیٰ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ

کہ دُنیا کی زندگی کی حقیقت سن لو... کھیل کود... تماشا... بناؤ سنگھار... آپس میں ایک دوسرے پر فوقیت جتانا... ہر ایک کا اس کوشش میں لگے رہنا کہ کس طرح میرے پاس سب سے زیادہ مال دولت جمع ہو جائے اور اولاد کی بھی کثرت ہو.... تاکہ میں اوروں سے ہر بات میں زیادہ رہوں یعنی اہل دُنیا زندگی کے ہر دور میں انہی کے الٹ پھیر میں رہتے ہیں...بچپن کا زمانہ کھیل کود کی نظر ہو جاتا ہے جوانی آئی تو حسن وعشق کے جھمیلے میں پڑ گئے یا تجارت و ملازمت وغیرہ سے زرکشی کے پیشوں میں لگ گئے... بڑھاپا آیا تو مال اولاد کی فکر کہ میرے پیچھے گھر بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے...بس یہ اہل دُنیا کی زندگی کی کائنات ہے اب آپ اس قرآنی نصیحت کو سامنے رکھئے اور دُنیا داروں کی زندگی کو دیکھ لیجئے خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں... یا روسی و امریکی ہوں... یا چینی و جاپانی ہوں...ان ساری آخرت فراموش دُنیا پرست قوموں اور حکومتوں کا مقصد زندگی سوائے لہو ولعب وزینت تفاخر اور تکاثر فی المال والاولاد کے سوا اور کیا ہے؟

مگر قرآن بتاتا ہے کہ یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی زوال پذیر ہیں جیسے کھیتی کی رونق اور بہار چندروزہ ہوتی ہے... پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اس کو روند کر چورا چورا کر دیتے ہیں... اس کی شادابی اور خوبصورتی کا نام ونشان نہیں رہتا... یہی حال دُنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کا سامان ہے...

آدمی اس کی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے... حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا... یعنی ایمان اور عمل صالح... جو شخص دُنیا سے یہ کما کر لے گیا تو سمجھو بیڑا پار ہے... آخرت میں اس کے لئے خدائے ذوالجلال کی خوشنودی ورضا مندی ہے اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا...

اس کے لئے سخت عذاب ہے اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال صالحہ میں کوتاہی کی اور گناہوں میں جری رہا تو اس کے لئے جلد یا بدیر... چھوٹی یا موٹی سزا اٹھا کر معافی ہے... لہٰذا نصیحت کی جاتی ہے موت سے پہلے زندگی میں وہ سامان کرلو جس سے آخرت میں کوتاہیاں معاف ہوں... اللہ کی مغفرت نصیب ہو اور جنت کی لازوال نعمتیں حاصل ہوں...

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور قبرستان میں پہنچ کر علیحدہ ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے کسی نے عرض کیا امیر المومنین آپ اس جنازہ کے ولی تھے آپ ہی علیحدہ بیٹھ گئے؟ فرمایا ہاں مجھے ایک قبر نے آواز دی اور مجھ سے یوں کہا کہ اے عمر بن عبدالعزیز تو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ان آنے والوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہوں؟ میں نے کہا تو ضرور بتا... اس نے کہا ان کے کفن پھاڑ دیتی ہوں، بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں، خون سارا چوس لیتی ہوں، گوشت کھا لیتی ہوں اور بتاؤں کہ آدمی کے جوڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہوں، مونڈھوں کو بانہوں سے جدا کر دیتی ہوں اور بانہوں کو پہنچوں سے جدا کر دیتی ہوں اور سرینوں کو بدن سے جدا کر دیتی ہوں اور سرینوں سے رانوں کو جدا کر دیتی ہوں...

یہ فرما کر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رونے لگے اور فرمایا کہ دُنیا کا قیام بہت ہی تھوڑا ہے اور اس کا دھوکہ بہت زیادہ ہے اس میں جو عزیز ہے وہ آخرت میں ذلیل ہے... اس میں جو دولت والا ہے وہ آخرت میں فقیر ہے... اس کا جوان بہت جلد بوڑھا ہو جائے گا... اس کا زندہ بہت جلد مر جائے گا، اس کا تمہاری طرف متوجہ ہونا تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کتنی

جلدی منہ پھیر لیتی ہے اور بے وقوف وہ ہے جو اس کے دھوکہ میں پھنس جائے...

کہاں گئے اس کے وہ دلدادہ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے، بڑی بڑی نہریں نکالیں، بڑے بڑے باغ لگائے اور بہت تھوڑے دن رہ کر سب کچھ چھوڑ کر چل دیئے وہ اپنی صحت اور تندرستی سے دھوکہ میں پڑے کہ صحت کے بہتر ہونے سے ان میں شاید نشاط پیدا ہوا اور اس سے گناہوں میں مبتلا ہوئے وہ لوگ خدا کی قسم! دُنیا میں مال کی کثرت کی وجہ سے قابل رشک تھے باوجود یہ کہ مال کمانے میں ان کو رکاوٹیں پیش آتی تھیں مگر پھر بھی خوب کماتے تھے ان پر لوگ حسد کرتے تھے لیکن وہ بے فکر مال کو جمع کرتے رہتے تھے اور اس کے جمع کرنے میں ہر قسم کی تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے تھے، لیکن اب دیکھ لو کہ مٹی نے ان کے بدنوں کا کیا حال کر دیا اور خاک نے ان کے بدنوں کو کیا بنا دیا... کیڑوں نے ان کے جوڑوں اور ان کی ہڈیوں کا کیا حال بنایا... وہ لوگ دُنیا میں اونچی اونچی مسہریوں پر اور اونچے اونچے فرش اور نرم نرم گدوں پر نوکروں اور خادموں کے درمیان آرام کرتے تھے، عزیز و اقارب، رشتہ دار اور پڑوسی ہر وقت دلداری کو تیار رہتے تھے، لیکن اب کیا ہو رہا... ان کو آواز دے کر ان سے پوچھ کہ ان پر کیا گزر رہی ہے...

غریب امیر سب ایک میدان میں پڑے ہوئے ہیں... ان کے مالدار سے پوچھ کہ اس کے مال نے کیا کام دیا، ان کے فقیر سے پوچھ کہ اس کے فقر نے کیا نقصان دیا... ان کی زبان کا حال پوچھ جو بہت چہکتی تھی، ان کی آنکھوں کو دیکھ جو ہر طرف دیکھتی تھیں... ان کی نرم نرم کھالوں کا حال دریافت کر، ان کے خوبصورت اور دلربا چہروں کا حال پوچھ کیا ہوا ان کے نازک بدن کو معلوم کر کہاں گیا اور کیڑوں نے ان سب کا کیا حشر بنایا، ان کے رنگ کالے کر دیئے، ان کا گوشت کھا لیا ان کے منہ پر مٹی ڈال دی، اعضاء کو الگ الگ کر دیا، جوڑوں کو توڑ دیا...

آہ! کہاں ہیں ان کے وہ خدام جو ہر وقت "حاضر ہوں جی" کہتے تھے، کہاں ہیں ان کے وہ خیمے اور کمرے جن میں آرام کرتے تھے، کہاں ہیں ان کے وہ مال اور خزانے جن کو جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے، ان کے حشم و خدم نے ان کو قبر میں کھانے کے لئے کوئی توشہ بھی نہ دیا اور اس کی قبر میں کوئی بستر ہ بھی نہ بچھایا... کوئی تکیہ بھی نہ رکھ دیا، زمین پر ڈال دیا، کوئی درخت، پھول پھلواری بھی نہ لگا دی، آہ اب وہ بالکل اکیلے پڑے ہیں، اندھیرے میں پڑے ہیں، ان کے لئے اب رات دن برابر ہے، دوستوں سے مل نہیں سکتے، کسی کو اپنے پاس بلا نہیں سکتے...

کتنے نازک بدن مرد نازک بدن عورتیں آج ان کے بدن بوسیدہ ہیں، ان کے اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہیں آنکھیں نکل کر منہ پر گرگئیں، گردن جدا ہوئی پڑی ہے، منہ میں پانی پیپ وغیرہ بھرا ہوا ہے اور سارے بدن میں کیڑے چل رہے ہیں، وہ اس حال میں پڑے ہیں اور ان کی عورتوں نے دوسرے نکاح کر لئے، وہ مزے اڑا رہی ہیں، بیٹوں نے مکانوں پر قبضہ کر لیا، وارثوں نے مال تقسیم کر لیا... مگر بعض خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اپنی قبروں میں لذتیں اڑا رہے ہیں... ترو تازہ چہروں کے ساتھ راحت و آرام میں ہیں (لیکن یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس دھوکے کے گھر میں اس گھر کو یاد رکھا... اس کی امیدوں سے اُس کی امیدوں کو مقدم کیا اور اپنے لئے توشہ جمع کر دیا اور اپنے پہنچنے سے پہلے اپنے جانے کا سامان کر دیا)... اے وہ شخص جو کل کو قبر میں ضرور جائے گا!

تجھے اس دُنیا کے ساتھ آخر کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے، کیا تجھے یہ امید ہے کہ یہ کمبخت دُنیا تیرے ساتھ رہے گی، کیا تجھے امید ہے کہ تو اس کوچ کے گھر میں ہمیشہ رہے گا... تیرے یہ وسیع مکان، تیرے باغوں کے پکے ہوئے پھل، تیرے نرم بستر، تیرے گرمی سردی کے جوڑے، یہ سب کے سب ایک دم رکھے رہ جائیں گے، جب ملک الموت آ کر مسلط ہو جائے گا، کوئی چیز اس کو نہ ہٹا سکے گی، پسینوں پر پسینے آنے لگیں گے، پیاس کی شدت بڑھ جائے گی اور جان کنی کی سختی میں کروٹیں بدلتا رہ جائے گا... افسوس صد افسوس! اے وہ شخص جو آج مرتے وقت اپنے بھائی کی آنکھ بند کر رہا ہے اپنے بیٹے کی آنکھ بند کر رہا ہے، اپنے باپ کی آنکھ بند کر رہا ہے ان میں سے کسی کو نہلا رہا ہے، کسی کو کفن دے رہا ہے، کسی کے جنازے کے ساتھ جا رہا ہے، کسی کو قبر کے گڑھے میں ڈال رہا ہے، کل کو تجھے یہ سب کچھ پیش آنا ہے...

اور بھی اس قسم کی باتیں فرمائیں پھر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز کے ساتھ خوش ہوتا ہے جو عنقریب فنا ہونے والی ہے اور لمبی لمبی آرزوؤں اور دُنیا کی امیدوں میں مشغول رہتا ہے... اے بے وقوف! خواب کی لذتوں سے دھوکے میں نہیں پڑا کرتے... تیرا سارا دن غفلت میں گزرتا ہے اور تیری رات سونے میں گزرتی ہے اور موت تیرے اوپر سوار ہے... آج تو وہ کام کر رہا ہے کہ کل کو تو ان پر رنج کرے گا... دُنیا میں چوپائے اسی طرح زندگی گزارتے ہیں جس طرح تو گزار رہا ہے......

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا وصال ہو گیا، رضی اللہ عنہ وارضاہ... (فضائل صدقات)

مقصد زندگی

''زندگی'' خدا کی دی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے جسے ہم اپنی مرضی سے گزار کر اس نعمت کو زحمت بنا لیتے ہیں۔ زندگی ایسی نعمت ہے جو کہ ہمیں موت سے پہلے عطا کی جاتی ہے اور پھر یہی زندگی ہمیں روز محشر میں بھی دی جائے گی۔ کبھی ہم نے یہ سوچا ہے کہ زندگی ہمیں کیوں دی گئی۔ کیا زندگی گزارنے کا کوئی طریقہ اور کوئی مقصد ہے؟ تو ہر عقل وشعور رکھنے والا انسان اس کا جواب یہ دے سکتا ہے کہ ''جیسا کہ ہر کام کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اسی طرح زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے''۔

ہمارے اردگرد کے ماحول میں ہمیں بہت سے ایسے لوگ نظر آئیں گے جن کے خیالات کچھ اس طرح ہوں گے کہ: ۱۔ زندگی اچھا کھانے، گھومنے پھرنے اور مزے کا نام ہے۔
۲۔ زندگی دنیا کی تمام آسائش اور زیبائش کا نام ہے۔ ۳۔ زندگی صرف اور صرف اپنی مرضی سے رہنے کا نام ہے۔ ۴۔ زندگی ایک تفریح کا نام ہے۔ ۵۔ زندگی تو وہ ہے جس میں خوشی کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو کہ زندگی کو اور بھی نام دیتے ہیں۔ ذرا سوچئے! کیا واقعی زندگی ایسی چیزوں کا نام ہے۔ سوچئے کہ ہم دنیا میں کس لئے آئے ہیں ہمیں کیوں زندگی عطا کی گئی۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ ہمارا رب کون ہے؟ ہمارا دین کیا ہے؟ ہماری کتاب ہم سے کیا کہتی ہے کہ ہمیں زندگی کیسے گزارنی چاہیۓ؟ کہتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے تم جو یہاں بوگے اسے کاٹو گے۔ اگر کسی شخص کو سمجھانے کی کوشش کی جائے تو جواب ملتا ہے کہ ہماری زندگی ہے، ہم جیسے بھی گزاریں بس آپ اپنی فکر کریں۔ یہ بات جب کوئی غیر کہتا ہے تو برداشت بھی ہو جاتا ہے، لیکن یہی بات کوئی ہمارا اپنا کہتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ہمیں فکر اس لئے ہوتی ہے کہ ہمارے رب نے ہی ہمیں حکم دیا ہے کہ اپنے گھر والوں کو بھی نیکی کے راستے پر چلاؤ اور خود بھی چلو۔

آج بھی وقت ہے سنبھل جائیۓ اور اپنے خدا سے پچھلے گناہوں کی معافی مانگئے کیونکہ وہ تو بڑا رحیم وکریم ہے اور بڑا معاف کرنے والا ہے۔ اس چھوٹی اور فانی زندگی کے پیچھے آنے والی بڑی اور لافانی زندگی کو یاد کیجیۓ اور اس کے لئے سامان یعنی اعمال تیار کیجئے کیونکہ وہاں کبھی موت نہیں آۓ گی۔ سوچئے بار

بار سوچئے کیا ہم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہے ہیں۔ کیا ہم قرآن مجید پر عمل کرر ہے ہیں؟ کیا ہم سنت رسول کی پیروی کرر ہے ہیں؟ اب بھی وقت ہے اپنے کئے ہوئے گناہوں سے توبہ کیجئے کیونکہ اس رب کے توبہ کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں کیونکہ وہ تو بڑا معاف کرنے والا ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ مجھے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو دین پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارے کھلے اور چھپے تمام گناہوں کو معاف فرمادے۔ آمین

ہر انسان کے ساتھ چوبیس گھنٹوں میں بیس فرشتے رہتے ہیں

تفسیر ابن جریر میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ فرمایئے! بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک تو دائیں جانب نیکیوں کا لکھنے والا جو بائیں جانب والے پر امیر ہے، جب تو کوئی نیکی کرتا ہے وہ ایک کے بجائے دس لکھتا ہے۔ جب تو کوئی برائی کرے تو بائیں والا دائیں والے سے اس کے لکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے وہ کہتا ہے ذرا ٹھہر جاؤ، شاید توبہ واستغفار کرے۔ تین مرتبہ وہ اجازت مانگتا ہے تب بھی اگر اس نے توبہ نہ کی تو یہ نیکی کا فرشتہ اس سے کہتا ہے اب لکھ لے۔ (اللہ ہمیں اس سے چھڑائے) یہ تو بڑا برا ساتھی ہے، اسے اللہ کا لحاظ نہیں یہ اس سے نہیں شرماتا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ انسان جو بات زبان پر لاتا ہے اس پر نگہبان متعین اور مہیا ہے اور دو فرشتے تیرے آگے پیچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (سورۃ الرعد:۱۱)

ترجمہ: ہر شخص (کی حفاظت) کے لئے کچھ فرشتے (مقرر) ہیں جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے، کچھ اس کے آگے کچھ اس کے پیچھے کہ وہ بحکم خداوندی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔" (بیان القرآن)

اور ایک فرشتہ تیرے ماتھے کے بال تھامے ہوئے ہے جب تو اللہ کے لئے تواضع اور فروتنی کرتا ہے وہ تجھے بلند درجہ کر دیتا ہے، ور جب تو اس کے سامنے سرکشی اور تکبر کرتا ہے وہ تجھے پست اور عاجز کر دیتا ہے اور دو فرشتے تیرے ہونٹوں پر ہیں۔ جو درود تو مجھ پر پڑھتا ہے اس کی وہ حفاظت کرتے ہیں ایک فرشتہ تیرے منہ پر کھڑا ہے کہ کوئی سانپ وغیرہ جیسی چیز تیرے حلق میں نہ چلی جائے، اور دو فرشتے تیری آنکھوں پر ہیں۔ یہ دس فرشتے ہر بنی آدم کے ساتھ ہیں پھر دن کے الگ ہیں اور رات کے الگ ہیں، یوں ہر شخص کے ساتھ بیس فرشتے من جانب اللہ مؤکل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۶)

انسان کے تخلیقی مراحل کا سفر

انسان کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی سیرت کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں؟

......اگر وہ سمجھ میں آ گئے تو جو ذاتِ بابرکات پورے عالم انسانیت کی عظیم اور متوازی ہے اس کی سیرت خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔

مادۂ انسان کے تخلیقی مراحل

اسے آپ اس طرح سمجھیں کہ انسانیت کو یا انسان کو جو کچھ فوقیت یا عظمت یا شرف حاصل ہے۔ وہ انسانی مادے کی وجہ سے حاصل نہیں ہے۔

انسان کی تمام کائنات پر جو کچھ بزرگی، بلندی اور برتری ہے، وہ اس کے مادے کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسانی خلقت کے مادے جہاں بھی قرآن کریم نے ذکر کیے ہیں وہ نہایت ہی گندے اور نجس مادے ہیں۔ ان کی وجہ سے انسان کو کوئی فوقیت یا فضیلت حاصل ہو، یہ نہیں۔ کہیں انسان کے بارے میں فرمایا گیا:

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ" "ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔"

اور کہیں فرماتے ہیں: "خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ"...... "ہم نے انسان کو گندے قطرے سے پیدا کیا۔" ...... کہیں فرماتے ہیں: "اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ" ...... "کیا ہم نے تمہیں ایک ذلیل پانی سے پیدا نہیں کیا؟" اور کہیں فرماتے ہیں: "خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ"...... "ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا۔"

تو کہیں مٹی، کہیں نطفہ، کہیں سڑا ہوا گارا اور کہیں ذلیل پانی۔ یہ انسان کی پیدائش کے ذلیل مادے ذکر کیے ہیں تو جن میں خود ذلت اور خود گندگی موجود ہے، ان مادوں کی وجہ سے انسان کو کیا شرافت اور فضیلت حاصل ہو سکتی تھی۔ ایک موقع پر قرآن عظیم نے ان سب مادوں کو یکجائی طور پر جمع کر کے ذکر فرمایا:

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ، ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ. ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا. ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ"

"ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، پھر اس کو نطفے کی شکل دے کر رحم مادر میں پہنچایا، پھر ہم نے نطفے کو خون کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ پھر خون کی ہم نے ایک منجمد پھٹک بنا دی، پھر اس کو گوشت کا ایک لوتھڑا بنا دیا۔ پھر اس میں ہم نے ہڈیاں پیدا کیں اور کھال بھر دی اور پھر اس کی ایک اور خلقت تیار کی۔"

تخلیق انسان کا پہلا مرحلہ

تو یہاں ترتیب وار چند مادوں کا ذکر کیا گیا۔ مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا...... ظاہر بات ہے کہ مٹی کے اندر کون سی چمک دمک ہوتی ہے، مٹی تو وہ ہے جس کو "ذَلُوْلً" کہا گیا...... "هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا"

اس مٹی کو ہم نے تمہارے سامنے ذلیل کر دیا، پست بنا دیا تو بیچاری پامال ہوتی ہے جوتیوں سے آپ اس کو روندتے ہیں۔

لیکن یہ اُف نہیں کر سکتی تو اس کے عجز اور درماندگی کا یہ عالم ہے کہ اس میں کوئی چمک اور نورانیت نہیں، کوئی خوبصورتی نہیں ہے...... یہ گویا انسان کی پیدائش کا ابتدائی مادہ ہے۔

تخلیق انسان کا دوسرا مرحلہ

اس کے بعد آگے ترقی کر کے فرمایا: "ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ط"

پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر رحم مادر میں ٹھہرایا...... تو یہ اور زیادہ گندگی کے اندر ترقی ہوئی، اس لیے کہ مٹی ناپاک تو نہیں تھی، بہت سے بہت کوڑا کباڑ کی کثافت تھی، کپڑے پر لگ جاتی تھی تو دھوتے تھے، بدن پر پڑ جاتی تھی تو آدمی غسل کر کے بدن صاف کر لیتا تھا، تو کثافت تھی مگر نجاست نہیں تھی...... بلکہ ایک حد تک مطہر بھی ہے۔ یعنی دوسروں کو پاک کرنے والی بھی ہے، اگر پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ مٹی، پانی کے قائم مقام ہو جاتی تھی، غرض خود بھی پاک ہے اور دوسروں کو پاک بنا دیتی ہے، صرف اتنی بات تھی کہ ایک کرکٹ اور کوڑا تھا، جو بدن پر پڑ جائے یا کپڑوں پر تو دھونے کی ضرورت پیش آتی تھی۔

تخلیق انسان کا تیسرا مرحلہ

لیکن جب اس کو نطفے کی شکل میں منتقل کیا تو ناپاکی پیدا ہوگئی، غلاظت اور کثافت کے ساتھ ساتھ نجاست بھی پیدا ہوگئی......اور اس درجے کی کہ اگر یہ قطرہ خارج ہو تو قرآن کریم پڑھنے کے قابل آپ نہیں رہتے۔ مسجد میں جانے کے قابل آپ نہیں رہتے، نماز آپ نہیں پڑھ سکتے۔ اس درجہ گویا گندگی ہے۔ اسی لیے ایک موقع پر فرمایا: "اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ" "اس انسان کی جرأت تو دیکھو کہ ہم نے اس کو ایک گندے قطرے سے پیدا کیا اور ہمارے ہی مقابلہ پر جھگڑالو دشمن بن کے آتا ہے۔" گویا اب تک تو مادے میں کثافت تھی اب نجاست بھی پیدا ہوگئی۔

تخلیق انسان کا چوتھا مرحلہ

اور آگے ارشاد فرمایا: "ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً"...... "پھر اس نطفے کو ہم نے ایک جما ہوا خون بنا دیا۔"......تو نطفے کے اندر کم سے کم ائمہ کا اختلاف تو تھا......بعض ائمہ اس کو پاک کہتے تھے......کم سے کم اس کی نجاست متفق علیہ نہ تھی، مختلف فیہ تھی......لیکن نطفہ جب خون کی شکل میں تبدیل ہوا تو خون کی پاکی کا کوئی بھی قائل نہیں تو متفق علیہ نجاست بن گئی۔ گویا نجاست کے اندر اور زیادہ ترقی ہوئی۔ مٹی کا خلاصہ ناپاک نہیں تھا، کثیف تھا، نطفہ کثیف بھی تھا اور ناپاک بھی تھا مگر مختلف فیہ تھا اور خون بنا تو متفق علیہ ناپاکی ہوگئی......اس کے بعد میں لوتھڑا بنا کے ہڈیاں پہنائی گئیں......ان تمام چیزوں کے اندر کوئی خوبی نہیں ہے، کوئی پاکیزگی اور کوئی چمک دمک بھی نہیں......معنوی چمک تو کیا ہوتی، مادی چمک بھی نہیں کہ ظاہری طور پر کوئی شعاع تو نظر آجائے، یہ انسان کی پیدائش کے مادے ہیں۔

تخلیق انسان کا پہلا ظلمانی مکان

اور پھر ان مادوں کے ساتھ انسان کو کہاں پیدا کیا گیا، وہ بھی گندی جگہ ہے جس میں تخلیق عمل میں آئی بلکہ گندی اور ظلمانی جگہ بھی ہے۔ قرآن کریم میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا گیا: "يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ"...... "اللہ تعالیٰ تم کو پیدا کرتے ہیں، تمہاری پیدائش پر مختلف دور آتے ہیں۔"......کہاں پیدا کرتے ہیں؟......"فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ"...... "تین اندھیری کوٹھڑیوں اور تین ظلمتوں کے اندر پیدا کرتے ہیں۔"

سب سے پہلی ظلمت ماں کا پیٹ ہے جس کے اندر کوئی چاندنا نہیں، جس کے اندر کوئی آفتاب کی شعاع نہیں پہنچتی اور اندر سے بھی کوئی شعاع نہیں اٹھتی۔

تخلیق انسان کا دوسرا ظلمانی مکان

اس ماں کے پیٹ میں پھر جو اندر کوٹھڑی ہے وہ رحم مادر ہے جس کے اندر بچہ پیدا ہوتا ہے، اس میں اور زیادہ اندھیری...... ماں کے پیٹ میں ممکن تھا کہ مسامات کے ذریعہ ہی کوئی چیز پہنچ جائے مگر رحم مادر تو پیٹ کے اندر ایک اور بند کوٹھڑی ہے، وہاں نہ باہر سے کوئی چیز پہنچے نہ اندر سے باہر آئے۔

تخلیق انسان کا تیسرا ظلمانی مکان

پھر اس کے اندر ایک اور تیسری کوٹھڑی ہے، وہ وہ جھلی ہے جس کے اندر بچہ لپٹا ہوا پیدا ہوتا ہے، دایا اس کو کاٹ کر بچے کو باہر نکالتی ہے تو ماں کا پیٹ خود اندھیری کوٹھڑی، رحم مادر، اس کے اندر ایک اور اندھیری کوٹھڑی اور اس کے اندر جھلی ایک اور اندھیری کوٹھڑی۔

فضیلت یا ندامت

تین ظلمتیں ہیں اور تاریک گھرانے ہیں جس میں انسان کو تربیت دی جاتی ہے اور تخلیق کی جاتی ہے۔ ان تینوں اندھیری کوٹھڑیوں میں سوائے غلاظت کے اور کیا ہے؟ حیض کا خون غذا بنتا ہے، گندے پانی میں انسان تیرتا رہتا ہے...... تو پیدائش کے مادے بھی نجس، مکان بھی گندا۔ پھر جس راستے سے اندر پہنچتا ہے وہ راستہ بھی گندا، جس راستے سے نکالا جاتا ہے وہ راستہ بھی گندا...... تو راستے بھی گندے، مادے بھی گندے، مکان بھی گندا اور جو ہر بھی گندا...... ان گندی چیزوں سے ان گندے مکانوں میں بن کر آپ اندازہ کیجیے کہ انسان میں کوئی فضیلت پیدا ہو سکتی ہے۔ انسان کی فضیلت تو بجائے خود ہے اگر وہ ان مادوں کی طرف دھیان کرے تو ندامت سے اس کا سر نیچا ہو جانا چاہیے۔ یہ غلاظتوں کا مجموعہ ہے، اس کے لیے کوئی فخر اور غرور کا موقع باقی نہیں رہتا، کوئی موقع باقی نہیں رہتا کہ وہ شیخی کرے یا اِترائے...... کیا گندگی پر اِترایا جاتا ہے؟ کیا نجاست کے اوپر انسان فخر کرے گا......؟

انسان کی خود فریبی

کوئی بزرگ چلے جا رہے تھے، ان کے سامنے ایک شخص جو بہت بڑا مال دار تھا اور دُنیا کی اصطلاح میں بڑا آدمی تھا، وہ چلا آ رہا تھا اور اپنی بڑائی کی وجہ سے اتراہٹ کی چال چل رہا تھا۔ پیر ڈالتا کہیں تھا، پڑتا کہیں تھا، چھاتی اُبھارے ہوئے، منہ اُبھرا ہوا، غرض متکبرانہ چال سے چل رہا تھا...... اُدھر سے کوئی بیچارہ اللہ والا، سادہ زندگی والا درویش انسان آ رہا تھا۔

اُس نے خیر خواہی کے طور پر اُسے نصیحت کی اور کہا کہ: ''اے عزیز! خدا کی زمین پر اکڑ کر مت چل۔ ''لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا''...... اللہ کی زمین پر اینٹھ کر مت چل، اکڑ کر مت چل، یہ جو تو اینٹھ کر چل رہا ہے، چھاتی اُبھار کر چل رہا ہے ''اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا''...... تو اینٹھ کر زمین کو نہیں پھاڑ ڈالے گا، آسمان کو چیر نہیں ڈالے گا، اتنی ہی جگہ میں رہے گا جتنی جگہ میں ہے، خواہ مخواہ یہ مصیبت برداشت کر رہا ہے۔ یہ انسانیت کا کام نہیں ہے۔''

اس شخص کو بہت ناگوار گزرا کہ دُنیا میں کوئی ایسا بھی ہے جو مجھے ٹوکے، میں تو سب سے بڑا آدمی ہوں۔ اُس نے بہت ہی چمک کر اور بہت ہی غصے سے کہا کہ: ''او جاہل درویش! تو نہیں جانتا میں کون ہوں......؟ اور میرے سامنے ایسا گستاخانہ کلام......؟ تو نہیں جانتا میں کون ہوں......؟ یہ درویش بھی بگڑے ہوئے دِل کا آدمی تھا...... اگر یہ اپنے مال میں مست تو وہ اپنی کھال میں مست تھا۔''

انسان کا حقیقی تعارف

وہ بھی آگے بڑھا اور اس نے کہا جی ہاں! میں جانتا ہوں آپ کون ہیں اور اگر آپ اجازت دیں تو میں بتلاؤں آپ کون ہیں...... یہ بھی سسک کر کھڑا ہو گیا کہ بھئی! یہ بھی عجیب درویش ہے...... آخر آپ کیا بتلائیں گے کہ میں کون ہوں؟

اس نے کہا میں جانتا ہوں آپ کون ہیں؟ آپ ذرا سن لیجئے: ''اَوَّلُکَ نُطْفَةٌ قَذِرَةٌ وَ اٰخِرُکَ جِیْفَةٌ مَذِرَةٌ وَاَنْتَ بَیْنَ ذٰلِکَ تَحْمِلُ الْعَذِرَةَ''

آپ کی ابتداء ایک گندے قطرے سے ہوتی ہے جو بدن سے نکل آئے تو غسل واجب، کپڑے کو لگ جائے تو دھونا واجب، آدمی نہ نماز کا رہتا ہے نہ تلاوت کا...... یہ تو آپ کی ابتداء ہے۔ انتہا آپ کی یہ ہے کہ قبر میں پہنچ کر یہی بدن پانی ہو کر بہے گا، کیڑے اس میں پڑیں گے، نجاست یہ بنے گا، یہ آپ کی انتہا ہے...... اور درمیان میں حالت یہ ہے کہ سیروں گندگی اور نجاست آپ کے پیٹ میں بھری ہوئی ہے، پاخانہ بھی ہے، پیشاب بھی ہے اور خون بھی ہے یعنی دم مسفوح بھی ہے۔

تو ابتداء گندی، انتہا گندی اور درمیانی حالت میں گند در گند...... یہ ہے آپ کی حقیقت...... اب فرمایئے آپ اپنی حقیقت سمجھ گئے کہ آپ کون ہیں......؟ اس کی آنکھ کھلی۔ چونکہ کہنے والا حقانی آدمی تھا، دل سے ایک بات کہی تھی تو:

از دل خیزد بر دل ریزد

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پَر نہیں ، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

دل پر اثر کیا اور اس شخص نے کہا کہ:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

خدا تجھے جزائے خیر دے تو نے میری آنکھ کھول دی، میں نہیں جانتا تھا کہ میری یہ حقیقت ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ انسان اپنے مادے کے لحاظ سے اتنا گندہ اور نجس واقع ہوا ہے اگر وہ اپنے مادوں پر دھیان کرے تو اس کے لیے منہ اُٹھانے کی جگہ نہیں ہے، آنکھ اونچی کرنے کی جگہ نہیں ہے، شرمندگی کی وجہ سے آنکھ۔

ستار العیوب کا احسان

یہ تو حق تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہماری گندگیوں کو چھپا دیا ہے اور نہایت خوبصورت کھال کا پردہ ڈال دیا ہے جس سے یہ چیزیں چھپا دی ہیں۔ اگر خدانخواستہ کھل جائیں تو انسان، انسان کو دیکھ کر نفرت کھانے لگے...... اسی گندگی کے اگر خدانخواستہ معدے سے ابخرات اُٹھنے لگیں اور منہ میں بدبو پیدا ہو جائے تو انسان کو انسان سے ڈر لگنے لگتا ہے، پاس کھڑے ہوتے ہوئے نفرت آتی ہے...... وہ معدے کے ابخرات ہوتے ہیں جو گندہ ذہنی کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں تو جب وہ اُجاگر ہو جاتے ہیں تو آدمی سے آدمی گھبرانے لگتا ہے، یہ اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے گندگیوں کو چھپا رکھا ہے اور اُن پر پردہ ڈال دیا ہے۔

انسان کو موقع نہیں ہے کہ ان چیزوں پر فخر کرے یا شیخی بگھارے یا اِتراہٹ کی چال چلے۔ گویا بتلا دیا گیا کہ انسان اپنی خلقت کے لحاظ سے گندہ واقع ہوا ہے۔ یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس میں کوئی کمال ڈال دے، مگر انسان کی ذات کا کوئی کمال نہیں، ذات تو انسان کی وہ ہے جو ہم نے پیش کر دی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اِن مادّوں کے ہوتے ہوئے نہ انسانی سیرت بن سکتی ہے نہ انسان کو کوئی فوقیت اور فضیلت حاصل ہو سکتی ہے۔ کم سے کم ان مادّوں کے لحاظ سے انسان کے اندر کوئی بھی خوبی نہیں۔

ظاہری خوشنمائی کی حقیقت

اب آپ یوں کہیں گے، یہ تو چھپی ہوئی چیزیں ہیں لیکن ان کے اوپر شکل تو خوشنما پڑی ہوئی ہے، کسی جاندار کو وہ خوبصورتی، عنایت نہیں کی گئی جو انسان کو کی گئی ہے، تو انسان اپنی صورت زیبا کے اعتبار سے افضل ہے اور اُونچا ہے اور جتنا بھی وہ دعویٰ کرے کم ہے۔

یہ صورت درحقیقت ایک عارضی چیز ہے، جلدی سے ختم ہو جاتی ہے، خدا بھلا کرے بخار کا کہ تین دن آ جاتا ہے تو ساری شکل بگڑ جاتی ہے، سارا حلیہ خراب ہو جاتا ہے، نہ رنگ باقی رہتا ہے، نہ روغن باقی رہتا ہے...... اگر انسان کی شرافت کے یہ تئی ہیں کہ وہ خوشنما ہے تو تین دن بخار آنے کے بعد شرافت چھن جاتی ہے تو وہ رذیل بن جاتا ہے تو یہ شرافت کیسی ہوئی کہ تین دن پہلے شریف اور تین دن بعد رذیل...... پہلے اشرف المخلوقات اور اڑھائی دن گزرنے کے بعد ارذل المخلوقات، یہ شرافت کس کام کی ہے؟ یہ صورت کی زیبائی اور رعنائی، یہ ایک عارضی چیز ہے، بخار آ جائے تو ختم ہو جائے، انسان کو کوئی غم لگ جائے تب صورت بگڑ جاتی ہے کوئی فکر پیدا ہو جائے تب صورت بگڑ جاتی ہے تو جس چیز کو آنے والی کیفیت زائل کر دے وہ شرافت کی بناء نہیں ہو سکتی...... شرافت تو وہ ہے کہ جوہر میں پڑی ہوئی ہو تو جوہر گندہ ہے تو شرافت آئے گی تو کہاں سے آئے گی......؟

اور اگر فرض کیجئے کہ کوئی بیماری بھی نہ ہو تو بڑھاپا تو کہیں نہیں گیا؟ بڑھاپا آتا ہے تو وہی صورت جو زیبا تھی، وہ بھیانک نظر آنے لگتی ہے۔ چہرہ شوموہو جاتا ہے، صورت اور ہیئت بگڑ جاتی ہے اور بدل جاتی ہے اور مان لیجئے بڑھاپا بھی نہ آئے، موت تو ہر صورت میں آئے گی؟ وہ بالکل ہی صورت کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔

عقل کی گمراہی

یہ عقل کی گمراہی ہے کہ وہ اس صورت پر فخر کرنے لگے جو رات دن تغیر کے اندر ہے۔ ہم رات دن اس صورت کو سنوارنے کی فکر میں رہتے ہیں، کنگا اور چوٹی یہ اور وہ، اِسے آپ کہاں تک سنواریں گے جو بگڑنے کے لیے پیدا ہوئی ہے جس چیز کو ہر چیز بگاڑ دے آپ اسے کہاں تک سنواریں گے؟ بیماری اُسے بگاڑ دے، بڑھاپا اُسے بگاڑ دے، فکر اور غم اُسے گھلا دے، موت اس کا حلیہ بگاڑ دے تو آپ ناحق سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں جو بگڑنے کے لیے بنی ہے اُسے سنوارنا کوئی دانائی کا کام نہیں ہے۔ اگر آدمی سنوارنے کی کوشش کرے تو اپنی سیرت کو سنوارنے کی کوشش کرے نہ کہ صورت کو۔ پائیدار چیز انسان کی سیرت ہے نہ کہ صورت، صورت کو آپ کتنا ہی سجائیں گے، کتنا ہی زیبا بنائیں گے، کتنا ہی آپ آراستہ کریں گے بالآخر وہ ختم ہو گی، اس کی زیبائش بھی ختم ہو گی، اگر پائیدار چیز ہے تو وہ انسان کی سیرت ہے۔

انسانی سیرت کے اجزاءاربعہ

اللہ نے انسان کو دل ایک ایسی کائنات عطا کی ہے کہ اگر انسان دل کو سنوار لے تو شاہد ہی نہیں بلکہ غیوب کی چیزیں بھی اس کے سامنے آتی ہیں۔ بڑے بڑے علوم اس پر منکشف ہوتے ہیں۔

مرکز تجلیات ربانی

اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ قلب فی الحقیقت ''عرش الرحمٰن'' ہے۔ دُنیا کے اندر عرشِ عظیم کی کوئی تمثال موجود ہے اور عرش کا کوئی نمونہ موجود ہے تو وہ انسان کا قلب ہے جس میں تجلیات ربانی اُترتی ہیں۔ انسان کے ہاتھ پر تجلیات نہیں اُترتیں، انسان کے دماغ پر تجلیات نہیں اُترتیں۔ تجلیات ربانی کا اگر مرکز ہے تو وہ قلب ہے، اس لیے کہ ''عرش الرحمٰن'' ہے تو کائنات آفاق میں عرشِ عظیم وہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت مستوی ہے جس کو فرمایا گیا: ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی''

اور کائنات انفس میں عرشِ عظیم انسان کا قلب ہے جس پر رحمٰن کی تجلیات آتی ہیں تو جس انسان کو قلب جیسی دولت دی جائے جس کے اندر غائب وشاہد کے سارے نقش ونگار ہوں اُسے کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ نقش ونگار میں گھومتا پھرے کہ:

تو طفلی و خانہ رنگین است

اس کو ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لیے یہ موقع نہیں ہے، اس کا تو کام یہ ہے کہ رومیوں کی صنعت انجام دے اور اپنے دل کو صیقل کرے، ساری چیزیں خود بخود نظر آئیں گی۔

سیرت انسانی کا جوہر اوّل

اور پھر جب اس میں چیزیں منکشف ہو جائیں گی اور علم ومعرفت کا کمال پیدا ہو جائے گا تو کہا جائے گا کہ اب اس میں انسانیت آئی ہے۔ اب اس کے لیے شرافت کا راستہ کھلے گا.....تو انسان نہ اپنے مادے سے افضل بنتا ہے نہ اپنی صورت سے افضل بنتا ہے، نہ اپنے لباس سے افضل بنتا ہے، بنتا ہے تو اپنے دل سے افضل بنتا ہے اور دل کب افضل بنتا ہے......اس وقت افضل بنتا

ہے جب عرش الرحمٰن بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی علمی تجلیات اس پر آنے لگیں۔ اللہ کی معرفت اس کے اندر اُتر جائے، تب کہا جائے گا کہ اب انسان حقیقی معنی میں انسان بنا ہے۔

تو صورت سے آدمی، آدمی نہیں بنتا۔ سیرت سے بنتا ہے اور سیرت کا پہلا رُکن علم ہے۔ اگر علم نہیں بلکہ قلب میں جہالت پڑی ہوئی ہے تو سیرت کا ابتدائی زینہ طے نہیں ہوا۔ غرض سیرت انسانی کا پہلا رُکن یہ ہے کہ اس کے اندر علم ہو...... جہالت سے سیرت نہیں بنتی، علم سے سیرت بنتی ہے، بے بصیرتی سے سیرت نہیں بنتی، بصیرت سے بنتی ہے اور بصیرت کا مرکز انسان کا قلب ہے، علم و معرفت کا مرکز انسان کا قلب ہے تو جب آدمی رومیوں کی صنعت جاری کرتا ہے تو یہ انسان کی سیرت کا ابتدائی زینہ ہے۔ اِسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلاَّ الْعَالِمُوْنَ"

''سارے انسان ہلاک ہونے والے ہیں، سارے انسان تباہ و برباد ہیں، اگر بچنے والے ہیں تو اہل علم ہیں جو بچیں گے۔''

تو انسان کے معنی کیا ہیں......؟ مادے کے لحاظ سے انسان، صورت کے لحاظ سے انسان، لباس کے لحاظ سے انسان......؟ فرماتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز نجات دینے والی نہیں ہے، خوبصورتی نجات نہیں دلائے گی، یہ گندے مادے نجات نہیں دلائیں گے، یہ فاخرہ لباس نجات نہیں دلائیں گے، اگر نجات دلانے والی چیز ہے تو علم ہے جس سے انسان حق و باطل کو پہچانے، صحیح اور غیر صحیح میں فرق کرے، جائز و ناجائز کا امتیاز کرے...... اگر اس میں یہ امتیاز نہیں اور حلال و حرام کی تمیز نہیں، کھانا جانتا ہے مگر حلال و حرام کو نہیں جانتا، پہننا جانتا ہے مگر حلال و حرام کو نہیں جانتا، پھر بیل میں اور انسان میں کیا فرق ہے......؟

بیل بھی کھانا جانتا ہے مگر جائز و ناجائز کو نہیں جانتا، بیل بھی تو مکان چاہتا ہے کہ جس میں رہے مگر حلال و حرام کو نہیں جانتا، غیر کا مکان ہو جب بھی آ جائے گا، اپنے مالک کا مکان ہو جب بھی کھڑا ہو جائے گا، اپنے مالک کا کھیت ہو جب بھی منہ مارے گا اور غیر کا کھیت ہو جب بھی منہ مارے گا، اسے جائز و ناجائز کی تمیز نہیں...... آخر بیل ہی تو ٹھہرا...... اگر انسان میں بھی جائز و ناجائز کی تمیز نہ ہو، حلال و حرام کا امتیاز نہ ہو تو بیل اور انسان میں کوئی فرق نہیں، حیوانیت محضہ ہے تو انسان، انسان جب بنتا ہے کہ جب اس کے اندر علم آ جائے۔

علم ضروری کی مقدار

اور علم بھی وہ کہ وہ محض دانستن کا نام علم نہیں، محض جان لینے کا نام علم نہیں، اس لیے کہ تھوڑا بہت علم تو بیل کو بھی ہے، وہ بھی تو جانتا ہے کہ یہ میرا مالک ہے یہ نہیں، یہ مجھے گھاس دانہ ڈالتا ہے، یہ نہیں ڈالتا، اس کے آگے گردن جھکا دیتا ہے، دوسرے کے آگے نہیں...... اتنا علم تو کتا بھی رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا مالک ہے، اس کے آگے دُم ہلانے لگتا ہے اور غیر آ جائے اس پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے تو وہ فرق محسوس کرتا ہے کہ یہ مکان کا مالک ہے اور یہ نہیں۔ اِسے مکان میں آنے کا حق ہے اور اجنبی کو نہیں...... ہاں اگر مالک کتے کو ڈانٹ دے تو چپکا ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مالک نے اجازت دے دی تو اِس کے آنے کا حق پیدا ہو گیا۔

ہمارے حاجی محمد شفیع صاحب جن کی کوٹھی پر ہم ٹھہرے ہوئے ہیں، انہوں نے بڑی زبردست قسم کا جنگلی کتا پال رکھا ہے، اگر اُسے آزاد چھوڑ دیں تو صرف حملہ نہیں کرتا بلکہ وہ تو ایک دم گلا دبا دیتا ہے، کوئی بھی آئے اُس نے بھونکنا شروع کیا لیکن حاجی صاحب جب ایک ڈانٹ لگاتے ہیں تو چاہے دس آدمیوں کے ساتھ آئیں چپکا ہو کے بیٹھ جاتا ہے...... معلوم ہوا کہ وہ جانتا ہے کہ مکان ان کا نہیں، مالک کا ہے، مالک اجازت دے گا تو آنے کا حق حاصل ہے، نہیں اجازت دے گا تو آنے کا حق حاصل نہیں...... غرض اتنا تھوڑا بہت علم تو کتا بھی رکھتا ہے۔ اتنا علم اگر انسان میں آئے تو اتنا علم حیوانیت کے لیے بھی ہے۔ حقیقی علم وہ ہے جس سے انسان حلال وحرام کو پہچانے، حق و ناحق کو پہچانے، جائز و ناجائز میں فرق کرے، یہ کام انسانی قلب کا ہے، ہاتھ پیر کا نہیں۔

قلب کا امتیازی اِدراک

امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کے اندر سارے اعضاء دُنیا کے ہیں، صرف ایک قلب ہے جو آخرت کا عضو ہے اور حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے، ہاتھ اگر مال لے تو جائز مال بھی ہاتھ اُٹھالے گا، ناجائز مال کو ہاتھ ڈالیں وہ بھی ہاتھ پکڑ لے گا، یہ نہیں ہے کہ رشوت کا مال ہو تو ہاتھ میں کانٹے چبھنے لگیں اور جائز مال لو تو آپ لیے چلے آئیں...... نہیں...... جس طرح سے خوشگواری کے ساتھ پچاس ساٹھ روپے جائز ہاتھ اُٹھائے گا، اگر ساٹھ، ستر رشوت کے آگئے وہ بھی اُٹھالے گا، چوری کے آگئے وہ بھی اُٹھالے گا، تو جائز و ناجائز میں ہاتھ کو کوئی امتیاز اور تمیز نہیں، یہ بیچارہ محض مالیت دینے اور پکڑنے کا عادی ہے حلال ہو یا حرام...... اگر آدمی ناجائز مال کھائے تب

بھی زبان کو وہی لذت آئے گی جو زبان کو جائز مال کھانے سے آئے گی کیونکہ زبان کو یہ تمیز نہیں ہے کہ یہ جائز اور یہ ناجائز ہے، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔

اگر آپ چلیں تو جس طرح سے آپ مسجد کی طرف چلتے ہیں، یہی پاؤں آپ کو شراب کی بھٹی کی طرف بھی لے جاسکتے ہیں، یہ نہیں ہے کہ شراب کی بھٹی کی طرف جائیں تو پاؤں میں رُکاوٹ پیدا ہو جائے گی اور مسجد کی طرف جانے میں قدم ذرا جلدی اُٹھیں گے...... بلکہ مسجد کی طرف جانے میں ذرا کم اُٹھتے ہیں۔ شراب کی بھٹی کی طرف جانے میں زیادہ اُٹھتے ہیں ...... مگر تمیز کی وجہ سے نہیں، عادت کی وجہ سے ...... تو پیر کو کوئی جائز و ناجائز کی تمیز نہیں لیکن قلب کے اندر احساس موجود ہے، جب چور چوری کا مال لے کر آئے گا تو ضمیر اس کو ملامت کرے گا کہ کم بخت! تو نے بری حرکت کی، اب چاہے نفس مانے یا نہ مانے مگر قلب اُسے صحیح مشورہ دے ہی دے گا، تو انسان کا قلب آخرت کا عضو ہے، وہ حق اور ناحق میں تمیز چاہتا ہے، وہ اچھے اور برے میں امتیاز پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس لیے اگر اِس قلب کو صاف کر لیا جائے تو پھر اللہ کی مرضی کیا ہے اور نا مرضی کیا ہے؟ اس کو پہچاننے لگتا ہے۔ حق تعالیٰ کس چیز کو پسند کرتے ہیں اور کس چیز کو ناپسند کرتے ہیں ...... تو علم کا ابتدائی درجہ تمیز ہے کہ آدمی حق و باطل اور جائز و ناجائز میں امتیاز کرے۔

حقیقت علم

علم کی حقیقت ہی در حقیقت تمیز ہے۔ یعنی دو چیزوں کو ممتاز کیے رکھنا۔ اگر دو چیزیں رَل مِل جائیں اور مشتبہ ہو جائیں تو کہیں گے کہ اس شخص کو علم نہیں ہے اگر علم ہوتا تو دونوں چیزوں کو الگ الگ دیکھتا اور دونوں چیزوں کو الگ الگ سمجھتا، تو امتیاز پیدا کر دینا یہ علم کا مرتبہ ہے۔

علم الفرقان

اور یہ علم جب اونچا بنتا ہے تو اور زیادہ تمیز پیدا ہوتا ہے اور علم میں کمال تقویٰ سے آتا ہے۔ جتنا تقویٰ و طہارت ہوگا، علم میں کمال پیدا ہوتا جائے گا۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

"يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا"

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگو اور متقی بن جاؤ تو اللہ تم میں فرقان پیدا کر دے گا۔"

''فرقان'' کے معنی اس اندرونی قوت کے ہیں جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دے، جائز کو

ناجائز سے علیحدہ کر دے، جب یہ تمیز پیدا ہو جائے تو کہا جائے گا تقویٰ کامل ہو گیا...... تقویٰ کا اثر یہ ہے کہ انسان کا دل خود بھلائی اور برائی میں امتیاز کرنے لگتا ہے۔

ترتیب استفتاء

اسی واسطے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے: "اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَاِنْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ" ...... جب کوئی معاملہ پیش آئے، پہلے اپنے دل سے فتویٰ لو، دل خود بتلائے گا کہ یہ بات صحیح ہے، یہ بات غلط ہے، مفتیوں کے پاس تو بعد میں لے جاؤ پہلے دل سے فتویٰ لو۔

ایک آدمی بعض اوقات چاہتا ہے کہ فتویٰ میرے مطابق ہو جائے، فتویٰ وہ ہو جس کو میرا نفس چاہتا ہے تو اُلٹے سیدھے سوال بنا بنا کر مفتی کے سامنے پیش کرتا ہے، اب مفتی تو جواب وہی دے گا جیسی سوال کی صورت ہوگی، اس نے اپنی مرضی کے مطابق جواب حاصل کر لیا اور اس پر عمل کیا۔ ظاہری طور پر آپ کہیں گے کہ بھئی! مفتی کے فتوے پر عمل کر رہا ہے، بے چارہ معذور ہے مگر دیانۃً معذور نہیں ہے، اللہ جانتا ہے کہ اُس نے جان بوجھ کر سوال غلط بنایا تھا کہ دُنیا کو دکھلانے کے لیے کہہ سکے کہ فتویٰ پر عمل کر رہا ہوں یہ تو اپنے نفس کے تقاضوں پر عمل کر رہا ہے...... اور جب انسان سب سے پہلے اپنے نفس سے فتویٰ لے، پھر مفتیوں سے فتویٰ لے، دل خود بتلائے گا کہ یہ بات صحیح ہے اور یہ غلط ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا "اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَاِنْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ"......

بہر حال انسان کے قلب کے اندر جب علم کی طاقت آتی ہے تو امتیاز پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے تو کہا جائے گا کہ انسانی سیرت کا پہلا جوہر قلب کے اندر آ گیا۔ ابتدائی درجہ یہ ہے کہ انسان میں حق ناحق کا علم اور امتیاز ہو جو جانوروں کو میسر نہیں ہے، اس واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ هَالِكُوْنَ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ"...... لوگ سب کے سب برباد ہیں، نہ ان کا مادّہ ان کو بچا سکے گا، نہ ان کی صورت ان کو بچا سکے گی، نہ ان کا لباس ان کو بچا سکے گا...... غرض لوگ ہلاکت میں پڑے ہوئے ہیں، اہل علم بچنے والے ہیں، جن کے اندر جائز و ناجائز کا امتیاز ہے۔

سیرت انسانی کا دوسرا جوہر

لیکن اگر آپ غور کریں تو علم محض بھی نجات دلانے کی چیز نہیں ہے بلکہ جتنا علم زیادہ ہوگا زیادہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ کیوں......؟ اس واسطے کہ علم سے مقصد فی الحقیقت عمل ہے۔ اگر علم پر عمل مرتب نہ ہو تو کہا جائے گا کہ یہ علم لغو، بیکار اور فضول ہے۔ علم کی غرض و غایت اس کا استعمال

میں لاتا ہے، اس پر عمل کرتا ہے۔ "اَلشَّیْءُ اِذَا خَلَا عَنِ الْغَایَۃِ لَغَا"

جب شئے اپنی غرض وغایت سے خالی ہو جاتی ہے وہ لغو اور بیکار ہو جاتی ہے...... گھوڑے کی غرض وغایت یہ ہے کہ اس پر سواری ہو، جب وہ سواری نہ دے اور بدکنا شروع کرے، کھانے کو سینکڑوں روپے روز کھا جائے اور جب مالک سواری کے لیے آئے دُولتیاں مارنا شروع کرے، تو کہا جائے گا کہ گھوڑے کی غرض وغایت حاصل نہیں ہوئی، یہ گھوڑا گولی مار دینے کے قابل ہے حالانکہ گھوڑا موجود ہے اور عمدہ شکل میں ہے مگر جتنی شکل ہوگی، آقا کو اور بری معلوم ہوگی، جب غرض پوری نہیں ہوگی، غرض اس سے یہ ہے کہ سواری کا کام دے، تو جب شئ اپنی غرض سے خالی ہو جاتی ہے وہ لغو بن جاتی ہے اور گولی ماردینے کے قابل ہوتی ہے۔

اگر انسان بیوی کرتا ہے اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ وہ گھر کی مالکہ بنے، گھرستی کا کام کرے، اس کی نسل بڑھے...... اگر وہ اتنی پھوہڑ ہو کہ گھر کو بھی تباہ کردے، نسل اس سے نہیں چلتی، تو سوائے اس کے کہ خاوند اُسے طلاق دے گا یا اس کو ایک طرف بٹھلا کے کوئی دوسرا نکاح کرے گا، اس کے سوا اور کیا کرے گا...... جو اس کے نکاح کی غرض وغایت تھی، جب حاصل نہ ہوئی تو وہ لغو اور بیکار ہوگئی، کسی نے اگر بہت زیادہ دلداری کی اور ہمدردی کی تو طلاق نہیں دے گا، کچھ روزینہ مقرر کرے گا اور کہے گا چوکی پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی رہ، اس کے سوا تو کسی کام کی نہیں ہے اور دوسرا نکاح کرے گا۔ غرض جب شئے اپنی غرض وغایت سے خالی ہو جاتی ہے تو لغو اور بیکار بن جاتی ہے۔ اسی طرح سے علم اگر عمل کا فائدہ نہ دے تو وہ علم لغو اور بیکار ہے اور وہ وبالِ جان بن جائے گا اور فضول ہو جائے گا تو جب تک علم پر عمل کی غایت مرتب نہ ہو، علم بیکار ہے۔ اس سے معلوم ہوا علم محض انسان کو نجات نہیں دلا سکتا......

نجات دلانے والی چیز انسان کا عمل ہے جو اس علم کے مطابق ہو، یہ اصل میں نجات دینے والی چیز ہے۔ اس واسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ ھَالِکُوْنَ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ"...... انسان سب کے سب تباہ و برباد ہیں، بچیں گے کون......؟ صرف علم والے...... اور پھر فرماتے ہیں: "وَالْعَالِمُوْنَ کُلُّھُمْ ھَالِکُوْنَ اِلَّا الْعَامِلُوْنَ"...... علماء بھی سب کے سب تباہ و برباد ہیں وہ بچیں گے جو اپنے علم پر عمل کرنے والے ہوں گے...... تو عمل نجات کا ذریعہ ہے۔ محض کورا علم نجات کا ذریعہ نہیں ہے۔

تجمل علم کا فتنہ

کورا علم تو تجمل ہے اور ایک ترفع ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ اخیر زمانے میں علم تجمل کا ذریعہ بن جائے گا، جیسے انسان اپنے کپڑوں سے زینت حاصل کرے گا، اپنی رنگت سے زینت حاصل کرے گا، اسی طرح اپنے علم سے بھی زینت حاصل کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہوگا، علم کو استعمال میں لاکر انسان نجات کی طرف نہیں چلے گا بلکہ فخر و مباہات کا ذریعہ بنالے گا۔ تو ایسا علم انسان کے اوپر وبالِ جان ہے۔ اس لیے فرمایا کہ علماء بھی سب کے سب تباہ و برباد ہیں۔ اگر اپنے علم پر عمل کرنے والے نہ ہوں، گویا انسانیت کی غرض وغایت علم ہے اور علم کی غرض وغایت عمل ہے، اگر علم نہیں تو انسانیت لغو ہے، اگر علم ہے اور عمل نہیں تو علم لغو اور بیکار ہوگیا۔ غرض علم پر عمل نجات کا ذریعہ ہے۔

سیرت انسانی کا تیسرا جوہر

لیکن اگر آپ غور کریں تو عمل بھی نجات کا ذریعہ نہیں ہے۔ اس واسطے کہ عمل ایک ڈھانچا ہے جب تک اس کے اندر رُوح نہ ہو، وہ محض ایک لاش ہے اور لاش کارآمد ثابت نہیں ہوسکتی، اگر کسی ڈھانچے میں روح موجود نہ ہو وہ اس قابل ہے کہ اُسے جلد از جلد زمین میں دفن کردیا جائے، اگر وہ لاش یوں ہی پڑی رہے گی تو پھولے گی پھٹے گی، بدبو پیدا ہوگی، دماغ خراب ہوں گے تو لاش کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ اُسے جلد سے جلد خاک میں ملا دیا جائے، جلد سے جلد اُسے دریابرد کردیا جائے...... ورنہ دُنیا کا دماغ صحیح سالم نہیں رہے گا......

اسی طرح سے عمل ایک لاش اور ایک ڈھانچہ ہے۔ اگر اس کے اندر رُوح موجود ہے تو وہ اخلاص للہ کی ہے کہ وہ خالص اللہ کے لیے ہو، اس میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو...... اگر اس میں شرک کا شائبہ ہے وہ عمل غیر اللہ کے لیے ہے یا وہ عمل مشترک ہے کہ کچھ اللہ کے لیے ہے کچھ غیر اللہ کے لیے ہے تو درحقیقت وہ عمل بے روح کا ایک ڈھانچہ ہے اور وہ عمل سوائے اس کے کہ پھولے پھٹے، سڑے اور گلے، آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی...... تو عمل کی روح، اخلاص للہ ہے کہ خالص اللہ کے لیے ہو، اس میں غیر کی رضا کی آمیزش نہ ہو۔

رضائے خلق کا طریق

بلکہ غیر بھی جب ہی راضی ہوگا جب اس کی رضا پیش نظر نہ ہو...... کیونکہ جب اللہ کی رضا پیش

نظر ہوگی، اغیار بھی راضی ہوں گے اور اگر صرف غیروں کے راضی کرنے کی فکر کرو گے نہ وہ راضی ہوں گے نہ اللہ راضی ہوگا تو کوئی بھی راضی نہ ہوا اور خدا کو راضی کرنے کی فکر کی تو غیر بھی راضی ہو جائے گا، انسان بھی راضی ہو جائے گا، انسان ہی نہیں بلکہ حیوان بھی راضی ہو جائے گا، نباتات بھی راضی ہوں گے، جمادات بھی راضی ہو جائیں گے...... "مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ"...... جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے جس کا اللہ ہو جائے ساری کائنات اس کی ہو جاتی ہے، اس سے سرتابی نہیں کر سکتی تو:

تو از حکم داور گردن مپیچ　　　　که گردن نه پیچد زحکم تو ہیچ

تیرا کام یہ ہے کہ مالک کے حکم سے گردن مت پھیر، اگر تو نہ پھرا تو ساری گردنیں تیرے آگے جھک جائیں گی اور اگر تو نے مالک سے گردن پھیر لی تو ساری گردنیں تیرے سے الگ ہو جائیں گی اور اکڑ جائیں گی...... بہر حال اللہ کو راضی کرے گا تو مخلوق خود بخود راضی ہو جائے گی اور وہ راضی نہ ہوئے تو کوئی بھی راضی نہیں ہوگا، اس "ایک" کو آدمی پکڑ لے۔

مالک کی نگاہ کی عظمت

ہارون الرشید کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے دربار میں ایک دفعہ جوش میں آ کر اعلان کیا کہ آج جو شخص جو کچھ مجھ سے مانگے گا، میں اس کو دوں گا، لوگوں نے مانگنا شروع کیا...... کسی نے کہا مجھے گورنری دے دیجئے، اس نے کہا دے دی، کسی نے کہا، مجھے فلاں قلعہ دے دیجئے، اس نے کہا میں نے دے دیا، کسی نے کہا مجھے دس لاکھ روپے دید یجئے، اس نے کہا میں نے دے دیا، ہر ایک نے اپنی اپنی مراد پیش کرنی شروع کی اور بادشاہ نے پوری کرنی شروع کی۔ ہارون الرشید کی پشت پر ایک باندی کھڑی ہوئی پنکھا جھل رہی تھی تو ہارون نے کہا تو نے اب تک کچھ نہیں مانگا؟

اُس نے کہا ان احمقوں کو نمٹنے دو، اس کے بعد مانگوں گی، ہارون الرشید نے کہا، اچھا...... یہ میری دولت کے اُمراء وزراء سب کے سب احمق ہیں، اس نے کہا سب پاگل اور بے وقوف ہیں، انہیں مانگنا ہی نہیں آتا...... ہارون نے سمجھا کہ ناقص العقل تو ہے ہی، کون اس کے منہ لگے، خاموش ہو گئے، لوگ مانگنے پر کھڑے ہوئے تھے، کسی نے کچھ مانگا، کسی نے کچھ مانگا، وہ دیتے رہے، جب سب نمٹ گئے تو ہارون الرشید نے کہا، اب تُو مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا سارے بے وقوف تو نمٹ چکے ہیں، اب میرے مانگنے کا موقع ہے، کیا آپ مجھے دیں گے......؟ ہارون الرشید نے کہا، میں تو اعلان کر چکا ہوں کہ جو کوئی آج مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا، اس نے جا کر ہارون

الرشید کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا کہ:...... ''میں تو آپ کو مانگتی ہوں آپ میرے ہو جایئے۔''

اس واسطے کہ جب آپ میرے ہیں تو قلعے بھی میرے ہیں، خزانے بھی میرے ہیں، رعایا بھی میری، مُلک بھی میرا، اگر آپ میرے نہیں ہیں تو خزانہ آئے گا نہیں اگر آئے گا تو پھر چھن جائے گا، اس لیے میں تو آپ کو مانگتی ہوں تو اس نے کہا جتنے مانگنے والے تھے ان میں سے جس نے دس لاکھ مانگے، اُسے دس لاکھ مل گئے، آگے کچھ نہیں ملا، کسی نے قلعہ مانگا، آپ نے قلعہ دے دیا، آگے اس کی کوئی چیز نہ ہوئی، میں نے جو چیز مانگی، وہ مل گئی تو ساری چیزیں میری ہیں۔

اور میں نے ان کو بے وقوف اس لیے کہا کہ اگر دس لاکھ مل گئے تو دس لاکھ ہی ہوئے زائد تو نہ ہوئے اور وہ دس لاکھ بھی معرض خطر میں ہیں، اس لیے کہ اگر ہارون الرشید کی نگاہ پھر گئی اور اس نے کہہ دیا کہ ان سے یہ چھین لو اور قلعہ دیا تھا، بعد میں نگاہ پھر گئی تو قلعہ چھن جائے گا، اگر وزارت دی تھی بعد میں نگاہ پھر گئی تو بادشاہ کہہ دیں گے کہ اس سے عہدہ چھین لو...... تو اصل میں تو بادشاہ اور صدر کی نگاہ ہوتی ہے، اس کو دیکھا جاتا ہے اگر یہ قائم ہے تو سب چیزیں ہیں، اگر وہ نہیں ہے تو کسی چیز کے آپ مالک نہیں بن سکتے۔

تسخیر خلائق

یہی حالت ہے اللہ والوں کی اور دُنیا والوں کی کہ دُنیا والے کوئی قلعہ مانگتا ہے، کوئی لاکھ مانگتا ہے، کوئی کروڑ مانگتا ہے اور اللہ والے کہتے ہیں کہ: ''یا اللہ!'' ہمیں تو آپ درکار ہیں اور کوئی چیز درکار نہیں، جب آپ مل گئے، ساری دُنیا ہماری، سارے قلعے ہمارے، سارے ملک ہمارے، ساری مخلوق ہماری، جانور بھی ہمارے سامنے سر جھکائیں گے اور انسان بھی۔''

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اگر جمادات کو حکم کرتے ہیں وہ فرماں برداری کرنا اپنا فخر جانتے ہیں۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو استنجاء کی ضرورت محسوس ہوئی اور ریگستان چٹیل میدان تھا، درخت اور سایہ دُور دُور تک میلوں پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو (۲) درختوں کو اشارہ فرمایا تو اُدھر سے وہ درخت دوڑتا ہوا چلا آرہا ہے اور اُدھر سے وہ درخت دوڑتا ہوا چلا آرہا ہے، دونوں نے مل کر اپنی شاخیں ملا دیں اور اس طرح سے ملا دیں کہ ہر طرف سے بالکل پردہ سا ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضروریات سے فارغ ہوئے، اس کے بعد اشارہ فرمایا: وہ درخت اپنی جگہ چلا گیا، یہ درخت اپنی جگہ چلا گیا۔

حکومت تو یہ ہے کہ ساری کائنات پر حکمرانی ہے اور کیوں ہے؟ اس لیے کہ جو کائنات کا مالک ہے اُسے اپنالیا تو ساری چیزیں اپنے قبضے میں آ گئیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بڑی شان اور بڑے رُتبے ہیں، اُن کے خدام وغلام اور اُن کے اولیاء کرام کی بھی بڑی شان ہے کہ جب وہ اپنے کو حق تعالیٰ کے سپرد کردیتے ہیں تو ساری کائنات ان کی تعمیل حکم کرنا اپنا فخر جانتی ہے، اپنے لیے سعادت جانتی ہے، جمادات بھی حاضر، نباتات بھی حاضر اور انسان بھی حاضر...... سب چیزیں سامنے حاضر رہتی ہیں، یہ اخلاص للہ کی برکت ہوتی ہے کہ اپنے کو خاص اللہ کے سپرد کردے جس میں غیر کا شائبہ نہ ہو۔

قلب مشرک کا تذبذب

اس لیے کہ جب غیر کا شائبہ ہوگا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دو آقاؤں کا غلام کسی آقا کی خدمت نہیں کرسکتا جو چند آقاؤں کا غلام ہوگا تو ایک کی خدمت کی طرف جائے گا تو اُسے ڈر ہوگا کہ دوسرا ناراض نہ ہوجائے، اس کی خدمت کی طرف جائے گا تو فکر پڑے گی کہ تیسرا ناراض نہ ہوجائے اور سب کو ایک وقت میں راضی رکھنا مشکل ہے۔

تو نتیجہ یہ کہ چار آقاؤں کا غلام کسی ایک آقا کی خدمت نہیں کرسکتا، خادم وہی ہوگا جو ایک کا غلام ہو، سب سے کٹ کر ایک کا ہوجائے گا کہ مرتا ہوں تو اس کے لیے جیتا ہوں تو اس کے لیے، اس کے قلب میں قوت ہوگی...... اس واسطے کہ قوت کا مرکز اخلاص ہے اور قوت یقین سے پیدا ہوتی ہے، تردد اور تذبذب سے قلب میں ضعف پیدا ہوتا ہے تو مشرک کے دل میں کبھی جان نہیں ہوسکتی اور موحد کبھی ضعیف القلب نہیں ہوسکتا، موحد کے قلب میں اس کی توحید کی وجہ سے قوت ہوتی ہے اور مشرک کے دل میں جان نہیں ہوسکتی جس کے کروڑوں خدا ہوں، وہ کسی ایک طرف جھکے گا تو دوسرے کی فکر پڑے گی، اس کے دل میں جان نہیں رہے گی، ہمیشہ ڈانواں ڈول رہے گا۔

قلب موحد کا یقین

اور موحد کے قلب کے اندر قوت ہوتی ہے...... تو موحد اس کو ہی کہتے ہیں...... جو ایک کا ہوکر بقیہ سے قطع نظر کرے۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش   کہ فولادِ ھندی نہی برسرش
اُمید و ہراسش نباشد زکس   ہمیں است بنیاد توحید و بس

موحد کسے کہتے ہیں......؟ کہ اس کے قدموں پر لاکھوں روپیہ ڈال دو یا اس کے سر پر فولاد

ھندی کی تلوار لے کر کھڑے ہو جاؤ، اُسے نہ کسی کا ڈر ہوگا نہ کسی سے اُمید ہوگی، وہ تو ایک کا ہو چکا ہے، نہ طمع مائل کر سکے گی نہ خوف مائل کر سکے گا۔

روح عمل

تو "ایک کا ہو جانا" اسی کے معنی ہیں "اخلاص" اور عمل کے اندر اخلاص سے روح پیدا ہوتی ہے جس عمل کے اندر شرک کا شائبہ بھی ہو، وہ عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا، اس میں روح ہی نہیں ہے۔

اور شرک فقط یہی نہیں ہے کہ آدمی دو خدا مانے، خدا کو ایک مانے، صفات میں شرک اختیار کرے یہ بھی شرک ہے، صفات میں ایک مانے افعال میں شرک اختیار کرے، یہ بھی شرک ہے، افعال میں بھی ایک مانے تو ذات بھی ایک، صفات بھی ایک، صفات میں بھی وحدانیت اور افعال میں بھی، لیکن عبادت میں شرک کرنے لگے کہ دو کے سامنے سجدہ کرے، یہ بھی شرک ہے اور میں کہتا ہوں کہ ظاہر میں سجدہ بھی ایک ہی کے سامنے کرے تب بھی شرک کا ایک مقام ہے جس سے بچنا ضروری ہے وہ یہ کہ آدمی اللہ کی عبادت کر رہا ہے مگر دل میں یہ خیال ہے کہ لوگ مجھے سمجھیں کہ بڑا عبادت گزار ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ریا سب سے بڑا شرک ہے...... دیکھنے میں شرک معلوم نہیں ہوتا مگر حقیقت میں شرک ہے اور حدیث میں ارشاد ہے: "اَلشِّرْکُ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ"

بعض شرک ایسا دقیق ہوتا ہے جیسا کہ چکنے پتھر کے اوپر چیونٹی چلے تو اس کی کھسکساہٹ اتنی دقیق ہوتی ہے کہ کان نہیں سن سکتے تو جیسے اس کا ادراک نہیں ہوتا، اس شرک کا بھی ادراک نہیں ہوتا ...... وہ یہ کہ آدمی ایک اللہ کی عبادت کرے، اس کو یکتا جانے، صفات میں بھی یکتا جانے، ریا دکھلاوا بھی نہ ہو مگر پھر بھی ایک درجہ شرک کا ہے اور وہ یہ کہ اس کے اندر عجب موجود ہو یعنی عبادت کرتے وقت یہ خیال موجود ہو کہ میں بہت بڑا کام کر رہا ہوں، کون ہے جو میرے برابر عبادت کر سکے، یہ جو عجب اور خود بینی پیدا ہوئی۔ یہ بھی اس سے زیادہ دقیق قسم کا شرک ہے جو عمل کو ضائع کر دے گا، اس سے اندازہ ہوا کہ عمل کا ضائع ہونا شرک سے ہے اور عمل کی بقاء اخلاص سے ہے تو جس چیز سے شیٔ کی بقاء ہوتی ہے اسی کو روح کہا جاتا ہے، بدن روح سے باقی رہتا ہے، اگر عمل اخلاص سے باقی ہو تو اخلاص عمل کی روح ہے، جب تک اخلاص نہیں ہوگا عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ

"وَالْعَامِلُوْنَ کُلُّهُمْ هَالِکُوْنَ اِلَّا الْمُخْلِصُوْنَ"

عمل کرنے والے بھی سب کے سب ہلاک و برباد ہیں۔ اخلاص سے عمل کرنے والے

بچیں گے جن کے اندر خلوصِ نیت اور اخلاص موجود ہوگا تو انسان کے لیے نجات کی کوئی صورت نہیں، نجات کا اوّلین درجہ علم ہے، علم بھی کار آمد اور کافی نہیں ہے۔ دوسرا درجہ عمل ہے، عمل بھی کار آمد نہیں، تیسرا درجہ اخلاص کا ہے...... جب یہ تینوں چیزیں جمع ہو جائیں۔ علم بھی ہو...... عمل بھی ہو...... خلوص بھی ہو۔ تو کہا جائے گا کہ اب انسانیت کے جوہر اس کے اندر محقق ہو گئے، اب اس میں انسانیت اور کمالِ انسانیت آ گئی۔

سیرت انسانی کا چوتھا جوہر

لیکن اگر غور کیا جائے تو اب بھی ایک چیز باقی رہ گئی، اگر وہ نہ ہو تو پھر یہ تینوں چیزیں اکارت بن جاتی ہیں، یہ تینوں چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں، نہ علم نجات دلائے گا، نہ عمل، نہ اخلاص للہ جب تک وہ چوتھا جوہر موجود نہ ہو...... اور وہ کیا ہے؟...... ایک آدمی علم رکھتا ہے، بڑا اچھا عالم ہے، عمل بھی کر رہا ہے اور مخلصانہ عمل کر رہا ہے لیکن اس عمل کرنے کے بعد مطمئن ہو بیٹھا کہ نجات تو میرے گھر کی باندی ہے، وہ تو ملے گی، اللہ سے بے فکر ہو بیٹھا، یہ نہیں جانتا کہ جس نے اخلاص دیا ہے، اگر وہ کل کو ناخوش ہو جائے اور یہ چھین لے تو میری کیا گت بنے گی......!

جسے دینا آتا ہے اُسے لینا بھی آتا ہے جو علم دے سکتا ہے وہ لے سکتا ہے جو اخلاص کا عطیہ بخشنے والا ہے وہ اُسے چھین بھی سکتا ہے اس لیے مخلص کا کام یہ ہے کہ ۲۴ گھنٹے مؤدبانہ کھڑا رہے کہ کہیں مالک کی نگاہ نہ بدل جائے اور یہ ساری نعمتیں مجھ سے سلب ہو جائیں...... تو جب تک انسان کے اندر مالک کے راضی رکھنے کا فکر نہ ہو، وہ اطمینان سے نہ بیٹھے، فکر میں رہے کہ معلوم نہیں کہ کل کو کیا بات پیش آئے، اپنے علم کے اوپر غرہ نہ کرے، اپنے عمل کے اوپر غرہ نہ کرے، اپنے اخلاص کے اوپر غرہ نہ کرے، اِسے توفیق خداوندی سمجھے، اگر ذرہ غرہ کر لیا اور یہ سمجھ لیا کہ علم میرا ہے اور یہ ہنر میرا ہے، یہ عمل میرا ہے اور یہ اخلاص میرا ہے،

بس یہ اس نے عمل کو اکارت کیا تو یہ سمجھنے کے بجائے یہ سمجھے کہ یہ توفیق خداوندی ہے، یہ عطیہ الٰہی ہے اور جو دینا جانتا ہے وہ چھیننا جانتا ہے، میں چوبیس گھنٹے اس کی چوکھٹ پر حاضر رہوں، ایسے نہ ہو کہ اس کی نگاہ بدل جائے اور یہ ساری نعمتیں مجھ سے چھن جائیں، اس کا نام "فکر" ہے، جب تک یہ فکر نہ ہو اور جب تک اس میں بے اطمینانی کی کیفیت یعنی "تفکر" کی کیفیت نہ ہو، اس وقت تک بقائے علم، بقائے عمل اور بقائے اخلاص کی کوئی صورت نہیں۔

مقربین بارگاہ کی گرفت کا انداز

اور بالخصوص: جو زیادہ علم والے، زیادہ عمل والے اور زیادہ اخلاص والے ہیں، وہ زیادہ ہلاکت کے مقام پر کھڑے ہوئے ہیں کہ ذرا قدم گرے تو اِدھر بھی جہنم، اُدھر بھی جہنم، ان کے خطرات اور ان کے وساوس پر بھی ان کی گرفت ہوتی ہے۔

حدیث میں ایک واقعہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ سابق زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک عابد، زاہد گزرا ہے، روایت میں جس کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "بدور السافرہ فی علوم الآخرۃ" میں حدیث نقل کی ہے۔ آخرت کے احوال کے بارے میں ایک کتاب اس نام سے لکھی ہے۔ اس میں قبر کے حالات، برزخ کے حالات اور عالم حشر کے حالات ہیں، اس میں اس واقعہ کی بھی روایت نقل کی ہے کہ:

پچھلی اُمتوں میں ایک عابد زاہد گزرا ہے جو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتا تھا، عبادت و زہادت کے سوا اُسے دوسرا کام نہیں تھا...... اس نے یہ دیکھا کہ میں عبادت تو کرتا ہوں مگر دُنیوی اشغال میں بیوی ہے، بچے بھی ہیں، عزیز بھی ہیں، نیز کمانا اور کھانا، دُنیا بھر کے دھندے ہیں اور مجھے عبادت سے یہ چیزیں غافل بناتی ہیں، کوئی ایسی صورت ہو کہ یہ دھندے ختم ہو جائیں اور میں صرف عبادت کے لیے فارغ ہو جاؤں تو اُس نے تمام عزیزوں، رشتہ داروں اور بیوی بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر سمندر کے بیچ میں ایک ٹیلے کو اختیار کیا اور وہاں جا کر ایک کٹیا ڈال دی کہ بس یہاں بیٹھ کر اللہ کی یاد میں مشغول رہوں گا۔

پچھلے ادیان میں رہبانیت جائز تھی، اس نے رہبانیت اور گوشہ گیری اختیار کی، عزلت اور انقطاع اختیار کیا اور جا کر بیٹھ گیا، جو چھپر یا ڈالی تھی، اس کے نیچے بیٹھ گیا...... حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کی غذا کا یہ سامان کیا کہ اسی ٹیلے پر ایک انار کا درخت اُگایا، اس میں بڑے بڑے انار لگے اور اس کڑوے سمندر میں اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑی پر ایک میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

اس عابد کا کام یہ تھا کہ روزانہ چوبیس گھنٹے میں ایک انار کھا لیا اور ایک کٹورا پانی پی لیا اور چوبیس گھنٹے اس طرح اللہ کی یاد میں مشغول کہ نہ سونا، نہ آرام کرنا، بس یہی اس کا کام تھا ...... پانچ سو برس اس طرح سے اس کی عمر کے گزرے، گویا خالص عبادت جس میں ریا اور دکھلاوے کا کوئی شائبہ نہیں، ظاہر ہے کہ پہاڑ کے ٹیلے پر کس کو دکھلائے گا؟ وہاں اس کو دیکھنے والا کون ہے؟ تو خالص عبادت کی جس میں علم بھی صحیح تھا، عمل بھی صحیح تھا اور اخلاص بھی صحیح تھا،

یہاں تک کہ اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے اللہ سے دُعا کی کہ:

''اے اللہ! یہاں کوئی اور تو نہیں ہے جو مجھے نہلائے، دُھلائے، کفنائے اور دفن کرے، یہاں تو میں اور تیری ذات بابرکات موجود ہے، اس لیے ایک درخواست میری یہ ہے کہ مجھے سجدہ کی حالت میں موت دے دیں تا کہ عین خالص عبادت میں میری موت آئے۔

اور دوسری درخواست یہ ہے کہ میری لاش کو قیامت تک سجدے کی حالت میں محفوظ رکھا جائے تا کہ میں قیامت تک صورتاً تیرا سجدہ گزار بندہ سمجھا جاؤں تو پانچ سو برس کی عبادت تو نے مجھے عطا کردی، اب جو ہزاروں برس قیامت آنے تک بقیہ رہ گئے ہیں، اس میں میری لاش سجدے میں پڑی رہے، بگڑنے نہ پائے تا کہ قیامت تک اسی طرح سجدے میں پڑا رہوں اور میرا جسم سجدہ گزار رہے۔

حق تعالیٰ نے دونوں دُعائیں قبول فرمائیں...... سجدے کی حالت میں موت آئی اور اس کا بدن بھی محفوظ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا بدن آج تک محفوظ ہے۔ حق تعالیٰ نے اِس ٹیلے پر اتنے بڑے بڑے عظیم الشان درخت اُگا دیئے، اتنی اندھیری ہوگئی کہ اوّل تو لوگوں کا وہاں پہنچنے کا موقع نہیں، اگر کوئی پہنچ جائے تو ہیبت کی وجہ سے اندر نہیں جاسکتا۔ اس لیے کہ اگر لوگوں کو موقع مل جاتا تو لوگ تو مُردوں کو نہیں چھوڑتے، قبروں کو نہیں چھوڑتے، اس کے آگے جاکے تو جانے کیا کیا کرتے، حق تعالیٰ نے اس کو چھپا دیا کہ نہ وہاں پہنچیں گے نہ خرافات ہوں گی...... اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:...... ''اس عابد کو اللہ تعالیٰ کے آگے پیش کیا گیا، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بندے، میں نے اپنے فضل و کرم سے تجھے بخشا اور میں نے تجھے جنت عطا کی۔''

اس عابد کے دل میں ایک وسوسہ گزرا کہ پانچ سو برس تو میں نے عبادت کی اور خالص عبادت کی، بیوی بچوں کو چھوڑا، عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑا، اتنی محنت اُٹھائی، اب بھی اپنے ہی فضل و کرم سے بخشا، کم سے کم میری دلداری ہی کے لیے فرماتے کہ تیری عبادت کے بدلے میں تجھے جنت عطا کی، ذرا میرا دل تو خوش ہو جاتا کہ میں نے کچھ کیا...... اب تو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کچھ کیا ہی نہیں، محض اپنے فضل و کرم سے بخشا...... یہ اس کا کوئی عقیدہ نہیں تھا، نہ کوئی جما ہوا خیال تھا، ایک وسوسے کے درجے میں اس کے دل میں یہ بات گزری تو:

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

جو مقربانِ بارگاہِ الٰہی ہوتے ہیں ان کے افعال پر اور ان کے خیالات پر بھی گرفت ہوتی ہے، تم

اپنے دل میں یہ خیال کیوں لائے؟...... حق تعالیٰ نے ملائکہ کو ارشاد فرمایا، اس بندے کو بجائے جنت کی طرف لے جانے کے جہنم کی طرف لے جاؤ مگر جہنم میں ڈالنا نہیں ہے، بس اتنی دُور تک لے جاؤ کہ وہاں سے جہنم پانچ سو برس کا راستہ ہو مگر جہنم کی ہوا وہاں پہنچتی ہو، وہاں لے جا کر اسے کھڑا کر دو۔

تو حدیث میں ہے کہ ملائکہ لے گئے...... اتنی دور تک لے جا کر اُسے کھڑا کیا...... جہنم کی ایک لپٹ اور لُو آئی ہے تو سر سے پیر تک یہ عابد خشک ہو گیا اور اُس نے پیاس پیاس چلانا شروع کیا تو حدیث میں فرمایا گیا کہ غیب سے ایک ہاتھ نمایاں ہوا جس میں ٹھنڈے پانی کا ایک کٹورا تھا، یہ عابد دوڑا ہوا آیا کہ اے اللہ کے بندے! یہ پانی مجھے دے، جتنا یہ آگے بڑھا وہ ہاتھ اتنا پیچھے ہٹ گیا، یہ اور آگے بڑھا، وہ اور پیچھے ہٹ گیا...... آواز یہ آئی کہ پانی تو مل سکتا ہے مگر مفت نہیں ملے گا قیمت سے ملے گا...... اور قیمت یہ ہے کہ جس شخص کے پاس پانچ سو برس کی خالص عبادت ہو اگر وہ دے تو یہ کٹورا پانی کا مل سکتا ہے ورنہ نہیں مل سکتا۔ یہ عابد دوڑا اور کہا کہ یہ حاضر ہے، میرے پاس پانچ سو برس کی عبادت ہے، یہ اس نے دی اور پانی کا کٹورا لے کر پیا...... دم میں دم آیا اور جان میں جان آئی...... حق تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو ارشاد ہوا کہ اس عابد کو لوٹا کر لاؤ، وہ واپس لایا گیا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا، اے بندے! تیری پانچ سو برس کی عبادت کی قیمت سے تو ہم ادا ہو گئے اور وہ تو نے ہی تجویز کی تھی...... یعنی ایک کٹورا پانی...... تو تُو نے اپنی پانچ سو برس کی عبادت کی قیمت ایک کٹورا پانی تجویز کیا، وہ ہم نے تجھے دے دیا، معاملہ برابر سرابر ہو گیا، نہ ہمارے ذمے کچھ رہا، نہ تیرے پاس کچھ رہا...... اب جو دُنیا میں تو نے ہزاروں کٹورے ہمارے پیئے، اس کا حساب دے کہ ایک ایک قطرے کے بدلے میں کتنی عبادتیں لے کے آیا اور جو اناروں کے لاکھوں دانے کھائے، ایک ایک دانے کا حساب دے، ایک ایک دانے کے بدلے کتنے سجدے کیے۔

اور یہ تو دانا اور پانی ہے...... وہ جو تیری آنکھوں میں ہم نے روشنی بخشی تھی کہ ایک تارِ نگاہ سے سینکڑوں چیزیں دیکھ لیتا تھا، ایک ایک تارِ نگاہ کا حساب دے کہ اس کے بدلے میں کیا کیا عبادتیں لے کر آیا ہے؟ اور وہ جو ہم نے ٹھنڈی ہوائیں دی تھیں کہ تو سانس لیتا تھا اور تیری زندگی قائم تھی، ایک ایک سانس کا حساب دے کہ اس کے بدلے میں کیا عبادت لے کر آیا ہے......؟

اور فرمایا کہ...... یہ تو اسباب ہیں، ان سب کے بعد جو ہم نے تجھے عبادت کی توفیق بخشی اور طاقت دی تھی، اس توفیق کے بدلے میں بتلا تُو کیا لے کر آیا ہے؟ یہ عابد تھرا گیا...... اور اس نے کہا کہ:

مدارِ نجات فضل ہے، عمل نہیں

''اے اللہ! کسی کو کسی کا عمل نجات نہیں دلائے گا، تیرا فضل ہی نجات دلائے گا، ہر آدمی تیرے ہی فضل سے بخشا جائے گا''...... اسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لَنْ يُّنْجِيَ اَحَدَكُمْ عَمَلُهٗ''...... تم میں سے کسی کو تمہارا عمل نجات نہیں دلائے گا، محض اللہ کا فضل نجات دلانے والا ہے...... عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سن کر عرض کیا:

''وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ......؟''...... ''یارسول اللہ! کیا آپ کا عمل بھی آپ کو نجات نہیں دلائے گا؟ جس عمل کی قیمت وہ ہے کہ سارے آسمان اور زمین تل جائے تو ایک سجدے کی قیمت نہ پڑسکے، وہ عمل بھی نجات نہیں دلائے گا؟...... فرمایا: ''لَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ''

مجھے بھی میرا عمل نجات نہیں دلائے گا، جب تک اللہ کا فضل دستگیری نہ کرے، تو جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں تو میری اور آپ کی کیا حقیقت ہے کہ ہم اپنی کسی عبادت کے اوپر غرہ کریں تو اصل میں اس عابد کو یہ بتلانا تھا کہ عمل نجات دہندہ نہیں ہے، فضل خداوندی نجات دہندہ ہے۔

توفیقِ عمل، علامت فضل ہے

مگر بھئی! اس کا یہ مطلب مت سمجھ لیجئے کہ جب عمل سے نجات نہیں ہوتی تو لاؤ، پھر آج سے عمل وغیرہ سب چھوڑ دو، نہ نماز، نہ روزہ، نہ حج، نہ زکوٰۃ اس لیے کہ نجات تو عمل سے نہیں ہے وہ فضل سے ہوگی اور فضل کے بارے میں کسے پتہ ہے کہ کس پر ہوگا، اس کے سہارے سے بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ......؟ جس کی نجات ہوتی ہوگی فضل سے ہو جائے گی، نہیں ہونی ہوگی، نہیں ہوگی، عمل تو کارآمد ہے نہیں تو یہ نتیجہ مت نکال لینا۔

بے شک عمل نجات دلانے والا نہیں، عمل سے نجات نہیں ہوگی، فضل سے نجات ہوگی...... مگر فضل کے پہچاننے کا طریقہ درحقیقت عمل ہے، اگر عمل کر رہا ہے تو یہ علامت ہے کہ اللہ کا فضل متوجہ ہے اور جو عمل نہیں کر رہا تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے اوپر اللہ کا فضل متوجہ نہیں ہے تو نجات دینے والا فضل ہے، فضل کی علامت عمل ہے، اگر عمل نہیں ہے تو فضل بھی نہیں ہے۔ اس واسطے عمل مت ترک کیجیو۔ یہ مت سمجھ لینا کہ جب عمل سے نجات نہیں تو عمل کو چھوڑ دو، بیشک عمل نجات دہندہ نہیں، فضل ہے مگر فضل کی علامت عمل ہے، عمل ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ فضل خداوندی متوجہ ہے۔

دنیا میں فضل کی علامت یہ ہے کہ توفیق مل رہی ہے اور آخرت میں فضل کی علامت یہ ہے کہ

جنت مل رہی ہے اور نعمتیں مل رہی ہیں، دونوں جہانوں میں دستگیری کرنے والا فضل ہے، عمل بھی تو فضل ہی سے کرتے ہیں، فضل متوجہ نہ ہوتو آپ عمل کیسے کریں......؟ اس لیے کہ عمل توفیق سے کرتے ہیں، توفیق دینے والے وہ ہیں تو فضل ان کی طرف سے متوجہ ہو گیا، اگر توفیق نہ دیں تو آدمی عمل نہیں کر سکتا تو سب سے بڑی نعمت انسان کے حق میں توفیق ہے۔

رُوحِ شکر

حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے فرمایا تھا:

"اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا"......اے داؤد ہمارا شکر ادا کرو......تو انبیاء علیہم السلام، اللہ کے کلام کو پورا سمجھتے ہیں، داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! بے شک میں شکر ادا کروں گا، میرا فرض ہے کہ میں ادا کروں، یوں بھی فرض تھا اور جب آپ حکم دے رہے ہیں تو بالکل ہی فرض ہو گیا......مگر سوچ رہا ہوں کہ شکر ادا کروں تو کس طرح سے ادا کروں؟ اس واسطے کہ جب شکر ادا کرنے بیٹھوں گا تو اس شکر ادا کرنے کی توفیق بھی آپ ہی دیں گے تو وہ توفیق ایک نعمت ہو گئی، پھر اس نعمت کا مجھے شکر ادا کرنا چاہیے اور جب اس نعمت کا شکر ادا کرنے بیٹھوں گا، اُس شکر کی توفیق پھر آپ دیں گے، تو پھر ایک نعمت بن گئی تو اس سے پہلے اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جب اس نعمت کا شکر ادا کروں گا وہ بھی توفیق آپ دیں گے تو وہ نعمت ہو گئی تو اس سے پہلے ایک اور شکر نکلا تو ہر شکر سے پہلے ایک اور شکر نکلتا ہے، میں شکر کی ابتداء کروں تو کس طرح سے کروں......؟ میں تو ادائے شکر سے عاجز ہوں۔

اُدھر سے جواب آیا کہ:......اے داؤد! اگر تو نے یہ سمجھ لیا کہ تو ہمارے شکر ادا کرنے سے عاجز ہے تو اپنی ہار مان لینا، یہی شکر کی ادائیگی ہے، تو نے شکر ادا کر دیا کوئی بندہ اللہ کا حق ادا نہیں کر سکتا......ہم تو فرض ادا نہیں کر سکتے، حق تو کیا ادا کریں گے، عاجز ہیں، اس عجز کو سمجھ لینا کہ ہم عاجز ہیں، یہی شکر کی ادائیگی ہے، اپنی ہار مان لے کہ میں عاجز ہوں۔

سندِ شکر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جو سید الحامدین ہیں جن سے بڑھ کر اللہ کی حمد و ثناء کرنے والا عالم میں کوئی نہیں......اخیر میں آپ بھی کہتے ہیں کہ:......"اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ"......"اے اللہ! میں تیری حمد و ثناء کا ایک شمہ بھی نہیں ادا کر سکتا۔ میں تیری حمد و ثناء کا احصاء ہی نہیں کر سکتا۔"

بس مختصر یہ ہے کہ تو ویسا ہی ہے جیسا تو نے خود اپنے آپ کو فرمادیا...... میں عاجز ہوں کہ تیری حمد اور تیری ثناء وصفت کو ادا کر سکوں۔ اس لیے کہ وہ لامحدود ہے اور بندہ محدود ہے، اس کا کمال محدود، اس کی عقل محدود اور اس کی طاقت محدود، تو محدود سے لامحدود کی ادائیگی کیسے ممکن ہے؟...... "اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ"...... یہ وہی عجز کا ہی اعتراف ہے کہ میں تیری ثناء ادا کرنے سے عاجز ہوں، اسی کو سب سے بڑی سند سمجھا گیا جس نے ہار مان لی اور عجز تسلیم کرلیا، وہی سب سے بڑی ثنا کرنے والا ہے...... میرا ہی ایک شعر ہے، لمبی نظم تھی، وہ میں بھول گیا، اس میں ایک شعر مجھے یاد رہ گیا:

خدا کی تو ثنا کامل یہی ہے   کہ ہم سے کچھ ثنا ممکن نہیں ہے

ہم سے کوئی ثنا ممکن نہیں بس ثنا کا ادا کرنا ہے...... بہر حال حق تعالیٰ شانہ جب فضل فرماتے ہیں پھر توفیق بھی دی جاتی ہے، جب توفیق آتی ہے تبھی انسان عمل کرتا ہے......تو عمل اُدھر سے ہوں، ہماری طرف سے نہ ہوا۔

نفیِ عمل سے اثباتِ عمل

اسی واسطے اس عمل کو زیادہ قبول کرتے ہیں جس میں آدمی سمجھ لے کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور جو خود کہے کہ میں نے سب کچھ کیا، اُسے کچھ نہیں ملے گا۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اگر کوئی بندہ عمل کر کے غرہ اور غرور کرے اور یوں کہے کہ اے اللہ! دیکھ میں نے تیری نماز پڑھی، میں نے حج کیا، میں نے جہاد کیا، میں نے یہ کام کیا...... تو جواب میں فرماتے ہیں کہ: "نالائق! تو نے کیا کیا، بدن کے اندر طاقت تو ہم نے دی تھی، توفیق تو ہم نے دی تھی، ارادہ تو ہم نے پیدا کیا، تو نے کیا کیا......؟"

اور اگر کوئی بندہ سب کچھ کر کے کہے کہ اے اللہ! تیری ہی توفیق سے سب کچھ ہوا، میرے اندر کوئی طاقت نہیں:...... "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ"...... کوئی حول اور طاقت میرے اندر نہیں، توفیق تیری، طاقت تیری، ارادہ وقتی تیرا، میں نے تو کچھ نہیں کیا...... اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: "نہیں...... عمل تو تو نے ہی کیا، حرکت تو تو نے ہی کی، مسجد تک قدم اُٹھا کر تو ہی گیا تھا، تو نے ہی سب کچھ کیا ہے۔" غرض جو اپنے عمل کی نفی کرتا ہے اس کا اثبات کرتے ہیں اور جو خود اثبات کرنے لگے، اس کی نفی کر دیتے ہیں، جو نیچا بنے اُسے اونچا اُٹھاتے ہیں اور جو خود اُونچا بننے لگے اُسے زمین کے اوپر پٹخ دیتے ہیں، کسی شاعر نے خوب کہا کہ:

پستی سے سربلند ہوا اور سرکشی سے پست   اس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

جو جتنا نیچا بنتا ہے اُسے اونچا بناتے ہیں اور جو خود اُونچا بننے لگتا ہے اُسے زمین پر گرا دیتے ہیں تو اُونچا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی نیچا بن جائے، بلند و بالا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ پست بن جائے۔

طریق عزت

عزت والا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ خود اپنی ذلت پیش کر دے، عزت آ جائے گی اور جو خود ہی اپنی عزت کو سراہنے لگے تو پھر اُدھر سے پھٹکار برسے گی، ذلت برسے گی، اس لیے کہ کوئی عزت کا مستحق نہیں، عزت تو اللہ کی ہے جو اس کے آگے جھک جائے اس کے لیے عزت آتی ہے۔

"فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ"

تو عزت اللہ کی، اُس کے رسول کی اور مؤمنین کی ہے...... بہر حال طریقہ عزت کا یہ ہے کہ اپنی ذلت محسوس کرے، اگر کوئی مخدوم بننا چاہے تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ یوں کہے کہ دیکھو لوگو! میں مخدوم ہوں، تم سب میرے غلام ہو، لوگ کہیں گے نامعقول! تجھے شرم نہیں آتی، ایسا کلام کر رہا ہے، ہاتھ کے ہاتھ پست بن جائے گا...... مخدوم بننے کا طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کا خادم بن جائے، لوگ سروں پر اُٹھائیں گے، وہ خود ہی مخدوم بن جائے گا تو مخدوم بننے کا طریقہ خادم بننا ہے نہ کہ مخدومی کا دعویٰ اور ادعاء کرنا، دعویٰ کرنے والے کو پٹخ دیا جاتا ہے...... بہر حال فضل خداوندی ہوتا ہے تو توفیق بھی ملتی ہے، توفیق ملتی ہے تو عمل بھی ہوتا ہے اور جس کی اس حقیقت پر نظر ہے کہ پہلے فضل آیا، پھر توفیق آئی، پھر میرے اندر ارادہ پیدا کیا گیا، پھر میرے اندر طاقت پیدا کی گئی، تب جا کے عمل ظاہر ہوا جو اس سلسلے کو جانتا ہے، وہ کبھی دعویٰ نہیں کرے گا کہ میں نے عمل کیا، وہ تو یہ کہے گا کہ یہ سب کچھ اوپر سے ہے، میرے اندر تو کچھ بھی نہیں۔

سلسلۂ عمل پر نگاہ کا ثمرہ

اب یہ تو اس کی ایسی ہی مثال ہوگئی کہ دو آدمی کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں آئیں اور یہ دونوں کا دعویٰ ہو کہ یہ جو کھیتی کھڑی ہوئی ہے، اس کا دانہ سب میرا ہے، وہ بھی کہے کہ میرا ہے اور یہ بھی کہے کہ میرا ہے...... تو ایک شخص سے مجسٹریٹ پوچھتا ہے کہ یہ زمین تمہاری ملکیت ہے؟ نہیں صاحب! زمین کا میں مالک نہیں ہوں، بیج تم نے ڈالا تھا...... نہیں بیج بھی میں نے نہیں ڈالا...... پانی تم نے دیا تھا...... نہ صاحب! پانی بھی اسی نے دیا تھا، میں نے نہیں دیا تھا...... چھ مہینے خون پسینہ تم نے ایک کیا تھا؟ نہیں صاحب! وہ بھی اسی نے کیا تھا، باقی دانہ میرا ہے۔

تو مجسٹریٹ کہے گا کہ اس پاگل کو کان سے پکڑ کر نکال دو، نہ اس کی زمین، نہ اس نے بیج ڈالا، نہ اس نے پانی دیا، نہ اس نے محنت کی اور دانے کا دعویدار ہے، یہ کدھر سے دعویدار ہو گیا......؟ جس کی زمین ہے جس نے بیج ڈالا ہے جس نے محنت اُٹھائی دانہ بھی اسی کا ہو گا۔

ایک عمل کرنے والا دیکھتا ہے کہ میرے اندر طاقت نہیں ہے، وہ بھی خدا نے دی، عمل کرنے کا ارادہ بھی میرا اپنا نہیں تھا، وہ بھی خدا نے دیا، توفیق میں نے خود نہیں پیدا کی وہ بھی اسی نے دی...... باقی عمل کا مالک میں ہوں تو خدا کہے گا کہ اس نامعقول کو کان سے پکڑ کر نکال دو، توفیق ہم نے دی، قوت ہم نے دی، ارادہ ہم نے دیا، یہ عمل کا کیسے مالک ہے؟ اور جس کی نگاہ پورے سلسلے پر ہے کہ آپ ہی فضل کرنے والے، آپ ہی توفیق دینے والے، آپ ہی قوت بخشنے والے، آپ ہی کرادینے والے، میرا تو کچھ بھی نہیں، یہ سب آپ کا فضل ہے، تو پھر فرمائیں گے، نہیں، تو نے ہی عمل کیا تھا تو نے ہی حرکت کی تھی، تو ہی چل کر گیا تھا...... غرض جو اپنے خود کو سراہتا ہے، اسے مٹا دیتے ہیں اور جو اپنے آپ کو مٹاتا ہے اُسے باقی کر دیتے ہیں، اُسے اونچا اُٹھا دیتے ہیں۔

دولت تفکر

عرض کرنے کا مطلب یہ نکلا کہ نہ علم میں نجات ہے، نہ عمل محض میں نجات ہے، نہ اخلاص میں نجات ہے جب تک کہ اس کے ساتھ فکر شامل نہ ہو کہ نہ غرور ہو، نہ اپنے اوپر اعتماد اور بھروسہ ہو، نہ اپنی عبادت اور عمل پر کوئی غرہ ہو...... بلکہ ہر حالت میں اللہ پر بھروسہ ہو کہ میں نے کچھ نہیں کیا، یہ انہیں کا دیا ہوا ہے اگر وہ چھین لیں تو میں کیا کروں گا۔ یہ فکر جس کو دامن گیر ہوگا اس کا اخلاص بھی کار آمد ہوگا، اس کا عمل بھی کار آمد ہوگا اس کا علم بھی کار آمد ہوگا۔

روحانیت کے اربعہ عناصر

اب انسانی سیرت کے اجزائے ترکیبی چار نکل آئے۔ ایک علم صحیح اور علم نافع، ایک عمل صحیح اور عمل صالح، ایک اخلاص کامل اور ایک فکر سلیم۔ یہ چار چیزیں انسان میں جمع ہوں گی تو کہا جائے گا کہ یہ انسان صحیح قسم کا انسان ہے جس میں علم کے بجائے جہالت ہو، کہیں گے یہ حیوان ہے...... علم ہو مگر عمل نہ ہو تو کہیں گے عالم بے عمل ہے، گردن زدنی ہے...... عمل ہے مگر منافق ہے، مخلص نہیں ہے تو کہیں گے نامعقول ہے...... مخلص بھی ہے مگر بے فکرا ہے تو کہیں گے نہایت غلط قسم کا انسان ہے جس میں علم بھی ہو، عمل بھی ہو، اخلاص بھی ہو اور آخرت کا فکر صحیح بھی ہو، کہا جائے گا یہ قابل اعتماد انسان ہے۔

یہ ہے جس کی انسانیت کی داد دی جاسکے اور کہا جاسکے کہ ''یہ انسان ہے'' یہ انسانیت کے چار اجزاء نکلے۔ جیسے اس کے بدن کے چار اجزاء تھے، آگ، پانی، ہوا، مٹی، ان چار سے مل کر بدن بنتا ہے، اسی طرح سے انسانیت کے چار جوہر ہیں، علم نافع، عمل صالح، اخلاص کامل اور فکر صحیح، یہ چار چیزیں اگر ہیں تو کہا جائے گا، انسان ہے ورنہ کہا جائے گا کہ حیوان ہے یا انسان نما حیوان ہے۔

کمالِ علم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

بس جب یہ چار چیزیں معلوم ہوگئیں اور یہ انسانیت کا معیار ہے، اس معیار کے اعتبار سے جانچا جائے تو سب سے زیادہ کامل اس معیار سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نکلتے ہیں کہ جن کا فقط علم نافع نہیں بلکہ علم قطعی ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، کتابوں سے حاصل کیا ہوا علم نہیں بلکہ ان کے علم سے کتابیں بنتی ہیں وہ براہِ راست اللہ کے سرچشمے سے علم لیتے ہیں، وحی کا علم ان کے اوپر آتا ہے جو لازوال دولت ہے جو قطعی دولت ہے جس میں نہ شک کی آمیزش ہے نہ جہل وتردد کی آمیزش ہے، نہ شبہات وخیالات کی آمیزش ہے، خالص علم جو چشمۂ وحی سے ہے، وہ علم کامل اور علم قطعی ان کے قلوب مبارکہ پر ڈالا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ: ''وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ''

یہ قرآن کریم......؟ یہ اللہ کی نازل کردہ چیز ہے۔ اے پیغمبر! یہ تمہاری بنائی ہوئی چیز نہیں ہے۔ انسانوں نے بیٹھ کر نہیں بنائی، یہ کسی پارلیمنٹ کا ریزولیشن نہیں ہے، یہ کسی کمیٹی کی تجویز اور مشروعات میں سے نہیں ہے۔ ''لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''...... ''یہ اللہ کا نازل کردہ کلام ہے۔'' ......اور نازل کرنے والا اللہ......؟ اور کس کے ذریعے سے......؟ ''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ'' ......روح الامین اس کو لے کر آئے جس میں خیانت کا ادنیٰ جذبہ نہیں بلکہ کامل امانت دار فرشتہ جس کی شان ہی ''امین'' ہے وہ اس کو لے کر آیا ہے اور کہاں لے کر آیا......؟

''عَلٰى قَلْبِكَ''......محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر لاکر اُتارا جس قلب کے اندر غیر اللہ کے لیے گنجائش ہی نہیں تھی، فقط ایک اللہ کے لیے وہ قلب مستعد تھا تو اس قلب صافی کے اوپر جبرئیل امین لے کر آئے اور نازل کرنے والا اللہ ہے اور کیا لے کر آئے......؟ کلام خداوندی اور صفت خداوندی لے کر آئے، اللہ کی ایک صفت لے کر آئے جو اس ''عبد پاک'' کے قلب پر ڈال دی گئی، وہ صفت خداوندی سے

متصف ہو گیا اور وہ کمال خداوندی سے مکمل بن گیا، اور وصف الٰہی سے موصوف بنا، اس پاک قلب کے اوپر یہ پاک چیز نازل کی گئی کہ اس علم کے اندر نہ شبہ کی گنجائش، نہ شک کی گنجائش، نہ وہم کی آمیزش، نہ خیالات کی آمیزش تو علم کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قطعی اور اس کی کثرت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو "اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ" اگلے اور پچھلے سارے علوم ایک قلب مبارک میں جمع کر دیئے گئے تو کمیت دیکھیں تو اتنی بڑی کہ عالم کے تمام علوم کا سرچشمہ قلب مبارک کو بنا دیا گیا، کیفیت کو دیکھا جائے تو اتنی قطعی کہ شبہ کے آمیزش کی گنجائش نہیں تو جس کا علم اتنا کامل ہو کہ نہ کیفاً اس میں نقص کی گنجائش نہ کمّاً اس میں نقص کی گنجائش، نہ عدد کے لحاظ سے کمی، نہ کیفیت کے لحاظ سے کمی تو اس سے بڑھ کر عالم کون ہوگا۔

اسی واسطے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ مخلوقات کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عالم کوئی نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الخلائق اور اعلم البشر ہیں، سارے انسانوں میں، سارے ملائکہ میں سب سے زیادہ علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلہ میں ساری کائنات کا علم ایسا ہے جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ البتہ یہ ضروری ہے کہ اللہ کے علم کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایسا ہے جیسے سمندر کے سامنے قطرہ، اس لیے کہ جو فرق خالق اور مخلوق میں ہے، وہی فرق خالق اور مخلوق کی صفت میں ہو سکتا ہے، وہی فرق خالق و مخلوق کے علم میں ہو سکتا ہے لیکن مخلوق، مخلوق کو جب نسبت دی جائے تو نہ انبیاء علیہم السلام، میں نہ ملائکہ میں، نہ اولیاء میں کسی کے اندر کوئی اتنا بڑا عالم نہیں، سب کے علوم کو جمع کیا جائے تو ایک ذات واحد امین بنی ہوئی ہے تو جو اتنا بڑا عالم ہے، تو ظاہر بات ہے کہ "اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ ھَالِکُوْنَ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ"

سارے انسان تباہ و برباد ہیں اور علماء بچیں گے...... تو علماء کے اندر اتنا بڑا عالم ہو کہ کائنات میں اس سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی نہ ہو تو اس سے زیادہ درجہ نجات کا اور کسے مل سکتا ہے؟ اس سے بڑھ کر کمالات اور فوز و فلاح کا درجہ اور کس کے لیے ہو سکتا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر کس کی سیرت اور مقدس ہو سکتی ہے تو سیرت کا ابتدائی جز جو علم کامل تھا، وہ اتنا ہے کہ عالم میں اس کی نظیر کوئی نہیں، سیرت بھی ایسی ہوگی کہ عالم میں اس سیرت کی نظیر کوئی نہیں۔

سارے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کو دیکھو تو سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کوئی نسبت نظر نہیں آئے گی، سارے انبیاء اور اولیاء کے اخلاق دیکھو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کے سامنے کوئی نسبت نظر نہیں آئے گی۔

انسان اور اس کے علم کی تکمیل

ابتداء و تکمیل پر خوشی

ہر ابتداء بھی خوشی کی چیز ہے اور پھر انتہاء بھی خوشی کی چیز ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ابتداء میں خوشی توقع پر ہوتی ہے اور انتہاء میں تکمیل پر ہوتی ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ تکمیل بہ نسبت توقع کے زیادہ خوشی کی چیز ہے اور توقع اور اُمید تو مبہم ہوتی ہے، پوری ہو یا نہ ہو...... لیکن تکمیل کے معنی یہ ہیں کہ وہ ساری توقعات پوری ہو گئیں تو وہ اُمید محض ہوتی ہے، یہ واقعہ ہوتا ہے تو واقعہ پر جو خوشی ہوگی وہ یقیناً اس سے بڑھ کر ہوگی جو محض توقع پر ہوتی ہے۔

تکمیل پسند اُمتہ

ویسے بھی مسلمان کچھ تکمیل پسند واقع ہوا ہے اس لیے کہ دین ہی اس کا کامل ہے "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"...... دین کی ابتداء تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور تکمیل وانتہاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہوئی۔

عالم بشریت کی طفولیت اور اس کا ابتدائی علم

ابتداء کے وقت بالکل ابتدائی چیزیں تھیں جو بچوں کے لیے ہوتی ہیں، بچے کا سب سے بڑا علم یہ ہوتا ہے کہ اُسے کچھ چیزوں کے نام سکھلا دیئے جائیں، یہ روٹی ہے، یہ لوٹا ہے، یہ زمین ہے، یہ آسمان ہے...... تو اگر بچے کو نام یاد ہو جائیں، یہ اس کا سب سے بڑا علم ہوتا ہے اور علم کا پہلا درجہ بھی "علم الاسماء" ہی کا ہے کہ اشیاء کے نام معلوم ہوں...... اگر کسی چیز کا نام ہی معلوم نہ ہو تو وہ مجہول مطلق ہوتی ہے اس کی طلب ہی نہیں ہو سکتی...... غرض علم کا ابتدائی درجہ ناموں کا معلوم ہونا ہے اس کے بعد پھر طبعاً آدمی کا جی چاہتا ہے کہ یہ معلوم ہو کہ اس اسم کا مسمّٰی کون ہے، اُسے دیکھنے کو جی چاہتا ہے جب مسمّٰی کی صورت دیکھ لی تو طبعاً جی چاہتا ہے کہ اب...... یہ معلوم ہو کہ اس مسمّٰی کی

خصوصیات کیا ہیں تو آدمی ان خصوصیات کا علم حاصل کرتا ہے، جب وہ بھی حاصل ہو گیا تو پھر آگے یہ درجہ ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟......تو پہلے اسم ہے اس کے بعد معنیٰ مدلولہ ہیں۔اس کے بعد اس کے خواص اور آثار ہیں......اس کے بعد اس کے حقائق ہیں۔اس طرح درجہ بدرجہ علم ترقی کرتا ہے......تو آدم علیہ السلام کے زمانے میں عالم بشریت کی طفولیت تھی۔انسانیت کے بچپن کا زمانہ تھا اور بچوں کا سب سے بڑا علم ناموں کا یاد کرانا ہے، اس لیے آدم علیہ السلام پر جو وحی اُتاری گئی اس میں زیادہ تر اسماء ہی تھے:''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا''

آدم علیہ السلام کو نام یاد کرا دیئے گئے۔ناموں کے کچھ مسمیات بتا دیئے گئے، مسمّٰی پہنچوا دیا گیا تو علم کی ابتداء اسماء سے ہوئی۔حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے اُتارے، جیسے اس اُمت مرحومہ پر قرآن کریم کے تیس پارے اُتارے گئے تو تیس صحیفے اُترے۔اُن میں زیادہ تر رہائشی اُمور کی تعلیم تھی، کھیتی یوں کرنی چاہیے، باغ یوں لگانا چاہیے، کپڑا یوں بننا چاہیے، لکڑی کا کام یوں ہونا چاہیے۔جیسا کہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ:''آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایک ہزار صنعتیں سکھلائیں۔وہ ان کی اولاد میں پھیلیں، ہر طبقے نے اپنی مناسبت سے ایک صنعت اختیار کر لی۔''

کسی نے لکڑی کا کام، کسی نے لوہے کا کام، کسی نے تعمیر کا کام، کسی نے کھیتی باڑی کا، بنی آدم میں مختلف صنعتیں پھیل گئیں......مگر سب کی سب وحی کے ذریعے سے آئی ہیں۔

ابتدائی عبادت

بہر حال آدم علیہ السلام پر تیس صحیفوں میں جو وحی کی گئی اس میں زیادہ تر رہائشی اُمور تھے، حلال وحرام کے احکام فقہیہ بہت اقل قلیل تھے، اس لیے کہ بچوں کا ابتدائی علم ناموں ہی کا سکھلانا ہے، حلال وحرام زیادہ نہیں بتلاتے، وہ تو معصومیت اور فطرت پر ہوتے ہیں تو آدم علیہ السلام کی ساری اولاد فطرت پر تھی، نیک اور صالح تھی جو نام یاد کرا دیئے گئے ان کو پڑھ لینا یہی سب سے بڑی عبادت تھی ...... جب کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام کو کچھ اسماء کی تلقین کی کہ یہ پڑھا کرو تو اس دور کی سب سے بڑی عبادت یہ تھی کہ اسماء خداوندی کو رَٹا جائے اور بار بار پڑھا جائے۔

غرض ابتداءِ علم یہی تھا کہ ناموں کا علم ہو جائے اور اسماء معلوم ہو جائیں۔''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا'' اس پر شاہد ہے......

عالمِ بشریت کا دُوسرا دور اور اس کا علم

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا دور آیا تو طبعی طور پر جذبہ ہوتا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس اسم کا مسمّٰی کیا ہے، یہ نام کس چیز پر صادق آتا ہے، اس کا مسمّٰی کون ہے، اس کی طلب ہوتی ہے تو آدم علیہ السلام نے تو ناموں کے ذریعہ سے معرفتِ خداوندی کرائی اور نوح علیہ السلام نے مسمیات کے ذریعہ سے معرفتِ خداوندی کی طرف پہنچایا۔ چنانچہ فرمایا:

"اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاo وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًاo وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاo ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًاo وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاo لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا"

زمین کو اللہ نے پھیلایا، تمہیں اس طرح سے پیدا کیا جس طرح نباتات پیدا ہوتی ہیں، زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی تو حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں اسماء سکھلائے گئے تھے، یہاں مسمیات سامنے رکھے گئے کہ ان کے ذریعے معرفت خداوندی حاصل کرو، مصنوع کو دیکھ کر صانع کا تصور بندھتا ہے، اگر مصنوع بہت عمدہ ہو تو تعریف کی جاتی ہے کہ صانع بڑا کامل ہے جس نے ایسی بڑی صنعت دکھلائی تو آسمان اور زمین دو چیزیں ہیں کہ بجز اللہ کے کوئی نہیں بنا سکتا...... اس واسطے ان کی طرف متوجہ کیا گیا کہ ان کے ذریعے سے صانع کو پہچانو کہ وہ کیسا حکیم، کیسا حکیم وخبیر ہے اور کیسا قادر مطلق اور قدیر علی الاطلاق ہے کہ جس نے آسمان کا خیمہ تان دیا اور زمین کا فرش بچھا دیا۔

آپ چھوٹا سا بھی ایک شامیانہ کھڑا کرتے ہیں تو بانس کے بیسیوں ستون لگاتے ہیں تا کہ وہ تھمے...... مگر آسمان کا یہ اتنا بڑا خیمہ جس کی مسافت پانچ سو برس کی ہے نہ اس کے نیچے کوئی بانس ہے نہ ٹیکن ہے اور ہوا کے اوپر کھڑا ہوا ہے تو وہ کتنا بڑا قادر ہے جس نے یہ خیمہ تان دیا: "بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا"...... نہ کوئی ستون ہے نہ کوئی لکڑی...... بہر حال نوح علیہ السلام نے اسماء کے بعد مسمیات کی طرف متوجہ کیا اور مسمیات کے ذریعے سے حق تعالیٰ کی پہچان کرائی...... معرفت خداوندی کرائی...... اب گویا عالم بشریت کو نام بھی معلوم ہیں اور مسمیات بھی معلوم ہو گئے۔

عالمِ بشریت کا تیسرا دور اور اس کا علم

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا...... تو اس درجے کے بعد اب طبعی طور پر یہ خواہش ہوتی

ہے کہ ان مسمیات کے خواص کیا ہیں......؟ ان کے آثار کیا ہیں؟ یہ کیوں بنائے گئے؟ ان کی غرض و غایت کیا ہے؟......تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نفسیات کی طرف متوجہ کیا۔ نفوسِ فلکیہ، نفوسِ ارضیہ ......اوران کے ذریعے سے معرفتِ خداوندی کرائی۔ اس لیے کہ اسم اور مسمّی تو معلوم ہو چکے تھے، اب تو خواص وآثار سامنے تھے تو خواص وآثار کی طرف متوجہ کر کے انہیں معرفتِ خداوندی کی طرف بڑھایا۔

دورِ موسوی اور اس کا علم

طبعی طور پر جذبہ یہ ہوتا ہے کہ نام یہ ہے، مسمّی یہ ہے، خواص یہ ہیں ان کے استعمال کا طریقہ کیا ہو......؟ کس طریقے سے استعمال کریں، ان کے احکام کیا ہیں؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آ گیا اور توریت نازل ہوئی اور اس شان سے کہ "تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" ہر چیز کے احکام کی تفصیل بتلائی گئی کہ اسے یوں استعمال کرو، یہ جائز ہے، یہ ناجائز ہے، یہ حلال ہے یہ حرام ہے، غرض احکام کی تفصیلات آ گئیں۔

احکام کی حقیقت کا دور

اب یہ کہ نام بھی معلوم ہو گیا، مسمّٰی بھی معلوم ہو گیا، خاصیتیں بھی معلوم ہو گئیں اور احکام کا بھی پتہ چل گیا تو طبعی طور پر ذہن اس کی طرف جاتا ہے کہ احکام کی علت کیا ہے جس پر یہ مبنی ہیں......؟ کیونکہ حکم کا تعلق بہر حال کسی حقیقت اور علت سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب علت سامنے آتی ہے تو فقط ایک ہی چیز کا حکم معلوم نہیں ہوتا جہاں جہاں وہ علت پائی جائے گی احکام معلوم ہوتے رہیں گے تو ایک علت سے سینکڑوں ابواب کے احکام سامنے آ جاتے ہیں۔

دورِ نبوی (علیہ السلام) اجتہادِ انسانیت کا دور

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور آ گیا......اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفاصیل ارشاد فرمائیں کہ ہر حکم کے نیچے حکمت، ہر حکمت کے نیچے علت اور ہر علت کے نیچے ایک حقیقت اور ہر حقیقت کے نیچے ایک صفت خداوندی جس سے اس علت اور حقیقت کا رابطہ ہے تو علمی طور پر گویا بنی آدم اس قابل بن گئے کہ حق تعالیٰ تک پہنچ سکیں۔ صورت دکھلانے کی ضرورت نہیں ہوئی کہ مسمیات پہچانے جائیں وہ تو پہچان چکے تھے، اس طرح نام بتلانے کی ضرورت نہیں ہوئی کہ وہ معلوم ہو چکے تھے، زیادہ احکام بتلانے کی ضرورت نہیں پڑی کہ وہ بھی کچھ نہ کچھ معلوم ہو چکے تھے، عللِ احکام بتلانے کی ضرورت تھی تاکہ یہ اُمت مجتہد بنے۔ اس اُمت کے اندر یہ قوت پیدا

ہو کہ اس ایک علت سے ہزاروں چیزوں کے احکام نکالے۔

اور یہ اس لیے کہ ختم نبوت کا دور ہے، کوئی نبی آنے والا نہیں، کوئی نئی شریعت آنے والی نہیں تو اس اُمت کے علماء کو یہ قوت دی گئی کہ قیامت تک کے حوادث کا فیصلہ اسی قرآن کریم سے کریں، انہیں اُصول وکلیات اور انہی علل سے اور انہیں حقائق سے فیصلہ کریں...... چودہ سو برس گزر گئے ہیں اور اُمت فیصلے کرتی آ رہی ہے۔ ہر صدی میں نئے نظریات پیدا ہوتے ہیں نت نئے حوادث سامنے آتے ہیں لیکن کبھی اُمت میں عجز پیدا نہیں ہوتا۔ اسی قرآن مجید، اسی حدیث، اسی فقہ سے احکام نکلتے چلے آتے ہیں، انہی علل سے احکام کا استخراج کیا جاتا ہے تو یہ مجتہدین کی اُمت ہے۔

اُمت محمدیہ میں آثارِ نبوت

اور جیسا کہ بعض روایات میں فرمایا گیا: "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ"...... گو اس روایت کی سند میں کچھ کلام کیا گیا ہے مگر باوجود اس کے علماء اس سے استدلال واستشہاد کرتے ہیں کہ سنداً گو یہ روایت کچھ ضعیف ہو مگر اس مضمون کی دوسری روایات بھی ہیں اگرچہ عنوان بدلا ہوا ہو، اس لیے مضمون کی حیثیت متواتر ہے، گو سند کے لحاظ سے ضعیف ہو، ایک حدیث اگر سند کے لحاظ سے ضعیف بھی ہو مگر اس کے معادل دوسری چیزیں مل جائیں تو درجہ حسن پر پہنچ ہی جاتی ہے۔ بہر حال سند کچھ ضعیف بھی سہی مگر معنی ضعیف نہیں ہے۔[۱]

تو اُمت کے علماء نبی تو نہیں ہیں مگر کام وہ کیا جو نبیوں کا ہوتا ہے جہاں ایک بھی عالم بیٹھ گیا، ہزاروں کو ایمان اور معرفت سے رنگ دیا...... ایک امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں پیدا ہوئے، ان کے علمی آثار کوفہ سے خراسان اور ایران کی طرف پہنچے اور ایران سے افغانستان کی طرف اور افغانستان سے ہندوستان کی طرف۔

تو ہندوستان، افغانستان کی اکثریت حنفی ہے، حتیٰ کہ شام کی اکثریت بھی حنفی ہے، آپ کی فقہ وہاں پہنچی اور اس فقہ نے ان ممالک کی اکثریت کو اپنے ذوق میں رنگ دیا اور لاکھوں کروڑوں حنفی بنے۔

امام شافعی رحمہ اللہ ایک امام حق اور امام مجتہد ہیں۔ آپ کی پیدائش مصر میں ہوئی اور حجاز میں زیادہ تر قیام ہوا تو حجاز کی اکثریت شوافع ہے۔ مصر کی اکثریت شافعی ہے...... پھر وفات بھی مصر ہی میں ہوئی۔

امام مالک رحمہ اللہ، امام دار الہجرۃ ہیں تو عرب کے جو مغربی قطعات ہیں تو وہ اکثر وبیشتر مالکی ہیں۔

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا نجد اور یمن میں قیام ہوا ہے تو وہاں اکثریت حنبلوں کی ہے......

غرض ایک عالم ربانی بھی جہاں پہنچ گیا۔ لاکھوں کے اندر ایمان کا نور پیدا کر دیا ہے، لاکھوں کو ایمان میں رنگ دیا تو "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ"

ایک نبی کی ذات بابرکات آتی ہے تو اُمتیں بن جاتی ہیں، لاکھوں، کروڑوں کو ایمان نصیب ہوتا ہے...... اس دور میں چونکہ نبوت نہیں رہی تھی تو علماء کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام بنایا گیا، یہ وہ کام کریں جو انبیاء علیہم السلام کا ہے وہ انہی کی طرز پر تبلیغ کریں، وہی تربیت ہو، وہی تعلیم ہو، وہی تزکیۂ نفوس ہو، اس طرح سے ان علماء اور مشائخ ربانی نے کام کیا اور صحیح معنی میں اپنے پیغمبر علیہ السلام کا قائم مقام بن کر دکھلایا۔

شرائع اصلیہ اور وضعیہ

علم کے ساتھ قرنِ اوّل میں ظاہر بات ہے کہ ساری جزئیات تو نہیں آئی تھیں، ہزاروں حوادث بعد میں پیدا ہوئے مگر علل وکلیات کی صورت میں احکام موجود ہیں اور وہ منصوص ہی کے حکم میں ہیں تو یہ اُمت گویا مجتہدین کی اُمت ہے جس کو علماء نے دوسرے لفظوں میں یوں تعبیر کیا ہے کہ:

''ایک شرائع اصلیہ ہیں وہ، وہ ہیں جو قرآن و حدیث میں حضور علیہ السلام کے قلب مبارک پر نازل ہوئیں ...... اور ایک شرائع وضعیہ ہیں کہ ان شرائع اصلیہ سے احکام نکال نکال کر فقہ مرتب کر دیا گیا ...... کتابیں مدون ہو گئیں، ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، وہ کتاب وسنت ہی سے نکلے ہوئے احکام ہیں، معاذ اللہ کوئی مجتہدین کا ذاتی اختراع تھوڑا ہی ہے۔

انہوں نے اُصول سے احکام کا استنباط کیا تو وہ بھی درحقیقت کتاب وسنت ہی کے احکام ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ مجتہد کا ذہن پہنچتا ہے، ہمارا اور آپ کا نہیں پہنچتا۔ ہم سوائے اس کے کہ ان کا اتباع کریں اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟ سوائے اس کے کہ ان کی تقلید کریں اور کر بھی کیا کر سکتے ہیں۔''

تو اصل میں ان حضرات نے کتاب وسنت سے علوم اخذ کیے اور دین کو باغ و بہار بنایا۔ ابواب مرتب ہوئے، فصول مرتب ہوئیں اور ان فنون پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، فقہ مرتب ہوا تو ہزارہا کتابیں فقہ میں آ گئیں۔ اُصولِ فقہ مرتب ہوئے تو وہ ایک مستقل فن ہو گیا ...... اس طرح سے علم در علم اور شاخ در شاخ ہوتے ہوئے عالَم کے اندر علم پھیلا تو جو شان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے کہ وہ اللہ سے علم حاصل کر کے مخلوق کو دیتے ہیں، وہی شان ان مجتہدین کی ہے کہ وہ پیغمبر علیہ السلام سے علم حاصل کر کے اُمتوں کو بانٹ رہے ہیں۔

عالم بشریت کا شباب

علم کا ابتدائی درجہ "علم الاسماء" تھا۔ یہ عالم بشریت کی طفولیت کا زمانہ تھا، اس کے بعد جب بلوغت کے قرب کا زمانہ آیا جو حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تھا تو "مسمیات" کا دور آ گیا...... اور پھر بیچ میں شباب آ گیا تو حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام مبعوث ہوئے۔ اس وقت عمر بھی زیادہ، قد و قامت بھی زیادہ...... قوم عاد پر جب عذاب آیا اور وہ ہوا سے پچھڑ پچھڑ کر گرے ہیں تو فرمایا گیا:

"كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ"...... اتنے لمبے لمبے قد جیسے کھجوروں کے تنے ہوتے ہیں۔ ہزار ہزار، ڈیڑھ ہزار برس کی عمر ہے...... ہم اور آپ ایک ایک مکان بناتے ہیں تو سو (۱۰۰) دو سو (۲۰۰) برس میں ہماری کئی نسلیں اس میں گزرتی ہیں اور وہاں تین سو برس، چار سو برس گزرے، مکان گر گیا، پھر مکان بنایا، پھر چار سو برس کی عمر ہوئی، پھر مکان بنایا تو ایک ہی آدمی چار چار دفعہ مکان بناتا تھا کیونکہ عمر ہی ڈیڑھ ہزار برس کی ہوتی تھی تو مکانات بھی نئے نئے بنتے تھے۔ بہرحال عمریں بھی زیادہ تھیں...... تو یوں کہنا چاہیے کہ آدم علیہ السلام کا زمانہ تو عالم بشریت کی طفولیت کا زمانہ ہے اور عاد و ثمود کا زمانہ جوانی کا زمانہ ہے۔

جوانوں میں تو یہی ہوتا ہے کہ پنجے لڑا رہے ہیں، اکھاڑے کر رہے ہیں، کشتیاں کر رہے ہیں، ہر ایک کہتا ہے کہ مجھ سے طاقت میں کون زیادہ ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ میں تجھ سے طاقت میں زیادہ ہوں، یہی ان قوموں کی حالت تھی کہ "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً"...... "ہم سے زیادہ کون قوی ہے؟"

اور ان کے کام دیکھو تو جنات جیسے۔ فرمایا گیا: "وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا"...... پہاڑوں کو تراش تراش کر بلڈنگیں بناتے تھے۔ دُنیا کی بلڈنگیں نیچے سے اوپر کو چلتی ہیں، وہ اوپر سے بناتے ہوئے نیچے لاتے، پہاڑوں کو کھود کھود کر اور تراش تراش کے بلڈنگیں تیار کیں...... بہرحال یہ جوانی کا زمانہ ہے اور کام وہ کیے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

عالم بشریت کی طفولیت کے لیے اندازِ تعلیم

اور ظاہر بات ہے بچوں کے سامنے، اگر وہ بدشوقی اختیار کریں، تو کچھ پیار کرتے ہیں، کچھ ترغیب دیتے ہیں کہ مٹھائی کھلائیں گے، پیسے دیں گے تو بچہ تعلیم میں لگ جاتا ہے تو کھیل کود کے اسباب سامنے زیادہ رکھتے ہیں تاکہ بچہ متوجہ ہو جائے تو آدم علیہ السلام کے جو صحیفے تھے تو اس میں صنائع و حرف کی تعلیم تھی کہ دُنیا کی چیزیں یوں بناؤ تو دُنیا کے بارے میں فرمایا گیا۔

"اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ"

یہ دُنیا تو کھیل کود ہی ہے...... تو کھلونے زیادہ دیے گئے تا کہ ان کا دل راغب ہو اور اس راستہ سے علم کا راستہ دکھلا دیا گیا، یہ گویا حکمت تربیت ہے کہ اسی مزاج سے اللہ تک پہنچا دیا جائے، یہ نہیں کہا گیا کہ تم پہلے جوان بنو، تب اللہ تک پہنچو گے بلکہ طفولیت ہی میں اللہ تک پہنچنے کا راستہ دکھلا دیا گیا تو مربی کامل وہی ہے کہ انسان جس حالت میں ہو، اسی حالت کو وصول الی اللہ کا ذریعہ بنادے۔

غرض یہ نہیں کہا گیا کہ جب تم بڑھو گے تو تم خدا کو پہچانو گے نہیں بلکہ لڑکپن ہی کی نفسیات اور کیفیات سے تم اللہ کو پہچانو تو اس راستے پر ڈال دیا۔ اسی طرح سے آدم علیہ السلام کے زمانے میں اسماء کے ذریعے اللہ تک پہنچایا گیا اور نوح علیہ السلام کے زمانے میں مسمیات کے ذریعے پہنچایا۔ قوم عاد اور قوم ثمود جوان قومیں تھیں، ان کو ان کے قوت کے راستے سے پہنچایا۔

عالَمِ بشریت کے شباب کے لیے اندازِ تعلیم

یہ قاعدے کی بات ہے کہ بچہ اگر بدشوقی دکھلائے تو ایک آدھ تھپڑ مار دیا، کچھ ترغیب دے دی...... لیکن اگر جوان آدمی سستی دکھلائے تو استاد صبر نہیں کر سکتا، سخت سزا دیتا ہے کہ جب جوانی میں کام نہیں کیا تو کیا بڑھاپے میں کام کرو گے؟ جوانی اور مانجا ڈھیلا......؟

تو اس عمر میں پیار وغیرہ زیادہ نہیں کرتے، ڈانٹ ڈپٹ زیادہ ہوتی ہے کہ پھر تمہارے کام کرنے کی کون سی عمر آئے گی؟ تو قوم عاد اور ثمود نے جب سرکشی دکھلائی تو یہ نہیں کہ انہیں کھیل کھلونے دیے گئے ہوں...... بلکہ آندھی مسلط کی گئی اور ہوا سے تباہ کیا گیا...... قوم ثمود کو چنگھاڑ سے تباہ کیا گیا کہ جوان ہو کر جب عمل نہیں کرو گے تو کیا عمل کرنے کے لیے بڑھاپے کا زمانہ آئے گا؟ اس واسطے جوانوں پر ڈانٹ ڈپٹ زیادہ ہوتی ہے، بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ زیادہ نہیں ہوتی، انہیں ترغیبات زیادہ دیتے ہیں۔ اس لیے عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

عالَمِ بشریت کا بڑھاپا، فکر و احساس میں اضافہ

درجہ بدرجہ یہاں تک پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور آیا...... تو یہ عالَم بشریت کے بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ گویا بنی آدم ضعیف ہو چکے ہیں نہ وہ قد و قامت رہے نہ وہ عمریں رہیں، نہ وہ طاقتیں رہیں جو پچھلوں میں تھیں...... مگر بوڑھے آدمی کا دماغ تجربہ کار ہو جاتا ہے، عقل بڑی ہوتی ہے اگرچہ کام کی طاقت کم ہو جاتی ہے لیکن جوانوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ بوڑھوں سے مشورہ لیں، اس لیے کہ وہ

زمانے کے گرم اور سرد سے گزر چکے ہیں اور تجربات ان کے سامنے ہیں۔ تو جوانوں کا کام یہ ہے کہ وہ عمل میں لگیں لیکن جب رُکاوٹ پیش آئے تو بوڑھوں سے مشورہ لیں، وہ کام کی بات بتائیں گے۔

بوڑھی اُمت پر بارِ عمل کی کمی

یہ اُمت بوڑھی ہوگئی ہے، اس واسطے عملی طاقت تو اگر چہ گھٹ گئی مگر دماغی اور قلبی طاقت بڑھ گئی، تجربات وسیع ہوگئے، دُنیا کی اُمتوں کے احوال قرآن وحدیث کے ذریعے سے اس کے سامنے ہیں تو یہ اُمت عالم بھی ہے اور مجتہد بھی اور تجربہ کار بھی ہے۔

بڑے بوڑھوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ عملی بات تو اُن پر ڈالی نہیں جاتی، ان کے ذمہ معمولی کام لگایا جاتا ہے مگر ان کی تحسین زیادہ کی جاتی ہے کہ بڑے میاں نے بڑا کام کیا۔

چنانچہ اگر شادی بیاہ ہو تو دیگ کے اوپر بڑے میاں کو بٹھا دیتے ہیں، آپ نگرانی فرماتے ہیں، جوان آدمی کھانا لے جارہے ہیں، رکھ رہے ہیں مگر بڑے میاں بیٹھے ہوئے ہیں اور شام کو کہتے ہیں کہ: "صاحب! بڑے میاں کی حکمت کا کیا ٹھکانہ ہے، صبح سے شام تک نگرانی فرمائی حالانکہ بڑے میاں نے کیا کیا، بیٹھے ہی تو رہے، کوئی حرکت تو نہیں کی۔"

مگر بڑی تحسین کرتے ہیں کہ بڑے میاں کی ہمت ایسی تو بڑے بوڑھوں کی تحسین زیادہ کی جاتی ہے، عمل کا بار کم کردیا گیا، وہ پچھلی اُمتوں میں سلاسل اور اغلال تھے۔ نہایت شاق شاق ریاضتیں اور نہایت محنت کے اعمال، وہ ختم کر کے بہت سہل اعمال دیئے گئے اور تحسین زیادہ کی گئی کہ ایک عمل کرو گے تو دس نیکیوں کا ثواب اور دس کے بعد سات سو تک...... اور...... "وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ"...... "اور اللہ جتنا چاہے اجر بڑھادے۔" غرض اجر اور بڑھادیا، تحسین بڑھادی مگر عمل کا بار گھٹادیا، اس لیے کہ اُمت بوڑھی ہو چکی تھی تو عمل کا بار بہت کم اور اجر بہت ہی زیادہ۔

تکمیل دین

بہرحال مطلب یہ ہے کہ درجہ بدرجہ عالم بشریت نے ترقی کی تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں ابتداء ہوئی اور یہ انتہا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی...... اس وقت توقعات تھیں کہ اُمتیں بڑھیں گی اور اس دور میں آ کر وہ توقعات عملی شکلوں میں آ گئیں کہ اُمت کامل ہوگئی۔

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"

دین کامل کر دیا گیا...... بلحاظ عقائد کے بھی، بلحاظ اخلاق کے بھی بلحاظ اعمال کے بھی اور بلحاظ احوال وسنن کے بھی تو ہر حیثیت سے اس اُمت کی تکمیل کی گئی...... یوں دین کامل ہوا۔

انتہاء زیادہ خوشی کی چیز

یہ اُمت تکمیل پسند ہے۔ اس لیے کہ اس کے اندر تکمیل پسندی کا جذبہ ہے۔ اس لیے اس کو ابتداء سے زیادہ انتہاء پر خوشی ہوتی ہے اس لیے کہ وہ وقت تکمیل کا ہوتا ہے۔ گو ابتداء اور انتہاء دونوں ہی خوشی کی چیزیں ہیں۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت مٹھائی بانٹتے ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب انتقال ہو تو انتہائی خوشی کریں کہ بھائی! آج تکمیل ہوگئی! گویا کتنا خوشی کا وقت ہے...... مگر آپ کہیں گے اس وقت تو کوئی بھی خوش نہیں ہوتا، سارے بیٹھ کر روتے ہیں لیکن چونکہ تکمیل کو پہنچ گیا تو خوش ہونا چاہیے۔

موت پر کوئی خوش نہیں ہوتا۔ انتقال پر کوئی خوش نہیں ہوتا بلکہ موت اگر اچھی ہوتی تو سب کہا کرتے ہیں کہ خدا ایسی موت تو سب کو نصیب کرے، اگر موت کوئی رونے کی ایسی چیز ہوتی تو یہ دُعائیں کیوں کرتے کہ ایسی موت ہمیں بھی نصیب ہو جائے...... اللہ کے راستے میں کوئی شہید ہوا۔ کہتے ہیں بڑے رُتبے کی چیز ہے، اللہ ہمیں بھی ایسی موت نصیب کرے۔ معلوم ہوا موت غم کی چیز نہیں، موت تو خوشی کی چیز ہے، غم اپنے عزیز کی جدائی کا ہوتا ہے کہ ہم سے ہمارا عزیز جدا ہو گیا، اس کے فیض سے ہم محروم ہوگئے، اس کے انتقال کا صدمہ نہیں ہوتا، انتقال سے تو وہ اللہ تک پہنچ گیا، یہ کوئی صدمہ کی چیز ہے، ایک آدمی خدا سے جا ملا، یہ کون سی رونے کی بات ہے یہ تو عین خوشی کی چیز ہے کہ عمر جس کام کے لیے رکھی گئی تھی آج وہ کام پورا ہو گیا کہ وہ اللہ تک پہنچ گیا۔ اس بات کو حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ: "اَلْمَوْتُ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ"...... سب سے بڑا تحفہ مؤمن کے لیے موت ہے ......اور کیوں ہے؟ اس لیے ہے کہ: "اِنَّ الْمَوْتَ جَسْرٌ يَصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ"

موت ایک پُل ہے، جس سے گزر کر آدمی اپنے محبوب حقیقی سے جا ملتا ہے تو محبوب سے کسی عاشق کا مل جانا، یہ غم کی چیز تھوڑا ہی ہوتا ہے؟ یہ تو عین خوشی کی چیز ہے، آپ روتے ہیں اس لیے کہ ایک عزیز جدا ہو گیا تو جدائی کا صدمہ ہوتا ہے اس کے مرنے کا صدمہ نہیں ہوتا...... مگر وہ چونکہ ایک وقت میں دو چیزیں ہیں تو لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ موت پہ رو رہے ہیں، موت پر کوئی نہیں روتا وہ تحفہ ہے۔

تمنائے انتہاء

یہی وجہ ہے کہ موت حقیقت میں ولایت کی علامت ہے، جتنے جتنے اولیاء ہیں وہ موت کی تمنا رکھتے ہیں...... فساق و فجار موت سے گھبراتے ہیں اس لیے کہ ان کی اُمیدیں سامنے نہیں آ رہیں، اولیاء کرام اور ربانی لوگ وہ تمنا میں رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں برویم　　　تا در میکدہ شاداں و غزل خواں برویم

کون سی مبارک گھڑی ہوگی جو اس اُجڑے دیار کو ہم چھوڑیں گے اور اس شہر مطلوب میں ہم پہنچیں گے جس کا اللہ نے وعدہ دیا ہے۔

تو موت کی تمنا علامت ولایت ہے اس لیے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعاء فرمائی: ''اَللّٰهُمَّ حَبِّبِ الْمَوْتَ اِلٰى مَنْ يَّعْلَمُ اَنِّيْ رَسُوْلُكَ''...... ''اے اللہ! ہر اس شخص کے دِل میں موت کی محبت ڈال دے جو میرے رسول و نبی ہونے کا قائل ہو۔''

جس حدیث میں موت کی تمنا سے ممانعت کی گئی ہے، وہ اس لیے کہ دُنیا کی کسی مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرے، اللہ کی ملاقات کے شوق میں جو تمنا مطلوب ہے، اس کا حکم دیا گیا ہے۔

یوم تکمیل کا انتخاب

اس اُمت کے مزاج میں چونکہ تکمیل پسندی ہے تو سید الایام کے انتخاب میں اُمم کے امتحان کے وقت اس اُمت نے اپنی عبادت کے لیے یوم تکمیل خلائق یعنی جمعہ کو پسند کیا، یہود نے ہفتہ کو اختیار کیا اور نصاریٰ نے اتوار کو مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں جو منتخب دن تھا وہ یوم جمعہ تھا جو یوم تکمیل ہے اور وہ اس اُمت مسلمہ نے پسند کیا۔ حدیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق عصر اور مغرب کے درمیان ہوئی، اس سے پہلے نظام بنا دیا گیا تھا، گھر بار سجا دیا گیا تھا، ضروریات مہیا کر دی گئی تھیں، کھانا، دانا، پانی غذا غیرہ سب چیزیں زمین میں پھیلا دی گئی تھیں۔ اخیر میں مہمان کو لایا گیا...... اور اسی پر تخلیق کی تکمیل ہوگئی...... غرض اس اُمت نے یوم تکمیل کو پسند کیا۔ اس لیے کہ تکمیل پسند تھی تو دن بھی وہ اختیار کیا جس میں کمال تھا۔

انسان اور اس کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت

تین مراحل

جب کوئی شخص نئی جگہ جاتا ہے تو اس کو ابتداء میں وحشت، گرانی اور اجنبیت محسوس ہوتی ہے یہی حال ہر نو مولود کا ہوتا ہے کہ وہ جب دُنیا میں آتا ہے تو اس کو ایک عجیب قسم کی وحشت، اجنبیت اور نامانوسیت محسوس ہوتی ہے، جس کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے بلکہ قرآن کریم کی آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں ہر ایک کو وحشت محسوس ہوگی، ایک تو ولادت کے وقت، دوسرے موت کے وقت اور تیسرے اس وقت جب میدانِ محشر میں جمع کیا جائے گا۔

یہاں جینے پہ پابندی، وہاں مرنے پہ پابندی

روزِ محشر موت کو دُنبہ کی شکل میں لایا جائے گا اور ذبح کردیا جائے گا، گویا اب موت کو بھی موت آچکی، اب حیات جاودانی ہے، اسی لیے شاعر کہتا ہے:

الٰہی! تیرے یہ سادہ لوح بندے کدھر جائیں یہاں جینے پہ پابندی، وہاں مرنے پہ پابندی

کہ اگر آدمی یہاں ہمیشہ جینا چاہے تو وہ مقید ہے، مرنا اس کے لیے ضروری، اُس عالَم میں جانے کے بعد اگر مرنا چاہے تو مقید اور پابند ہے، وہاں جینا ضروری تو یہاں وہ ہمیشہ جی نہیں سکتا، موت لازم ہے اور اس عالَم میں کبھی مر نہیں سکتا، وہاں کے لیے زندگی لازم ہے، چاہے وہ جنت کی زندگی ہو یا جہنم کی زندگی ہو، اسے دوام کی شکل حاصل ہوگی۔

رحم مادر میں جگہ بھی انتہائی محدود و مختصر، اور اس عالم میں بہت زیادہ وسعت ہے، وہاں کی مدت قیام بھی بہت مختصر، عام طور پر نو مہینے میں جناب اس عالم میں تشریف لے آتے ہیں، اس کے بعد تشریف لاتے ہیں مگر وہ آمد بھی حق تعالیٰ کے امر ہی پر موقوف ہے اور غذا و خوراک کے لحاظ سے بھی آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی چیز ایک خاص نظام کے ساتھ پہنچادی جاتی ہے اور یہاں جگہ

کی وسعتیں ہیں اور غذا کا معاملہ یہ ہے کہ انسان خدا جانے کتنی نعمتیں استعمال کرتا ہے اور یہ کھانے پر اُتر آئے تو چونا کھانے کے لیے یہ تیار، لکڑی کھانے کے لیے یہ تیار، پتھر اور جمریات کے استعمال کے لیے یہ آمادہ، نباتات الگ اس کے پیٹ میں پہنچ رہی ہیں، حیوانات الگ اس کے پیٹ میں جارہے ہیں، عجیب وغریب مخلوق ہے کہ ساری چیزیں ہضم کرنے کے لیے تیار ہے۔

نومولود کے غسل، اذان واقامت میں حکمت

انسان جب دُنیا میں آتا ہے تو شریعت کا حکم ہے کہ اسے غسل دیا جائے، گویا صفائی اور طہارت اساسی وبنیادی چیز ہے، اس کے بعد پھر یہ حکم ہے کہ داہنے کان میں اذان دی جائے اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے اور عجیب بات یہ ہے کہ دونوں ایک کان میں نہیں کہلوائیں جس میں ادھر اشارہ ہے کہ عامۃً لوگوں کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ وہ کسی بات کو سنتے ہیں تو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں، تو بچپن ہی سے اسلام نے یہ مزاج بنایا کہ تم دونوں کان سے سننے کے عادی بنو، یہ نہیں کہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دو اور اذان و اقامت سنانے کا حاصل یہ ہے کہ اس کے قلب کی سادہ تختی پر جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کے کلمات نقش ہوں گے تو اس کے اثرات ضرور ظاہر ہوں گے۔

اذان میں اُمہات مسائل

اسی لیے ماہرین تعلیم نے تعلیم کے ادوار مقرر کیے ہیں کہ کب تعلیم شروع کی جائے مگر قربان جائیے اسلام پر کہ اس نے اس سادہ تختی پر جو بالکل صاف وشفاف ہے اس پر حقائق الٰہیہ کو پہلے ہی دن مختصر اور جامع کلمات میں نقش کردیا، اذان بہت بڑی دعوت ہے، یہی وجہ ہے کہ اذان کے بعد کی دُعا میں یہ الفاظ ہیں: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ" گویا اسی دعوت تامہ پر اُمت کے قیام کی شکل ہوگی، یعنی اُمت اُٹھے گی اور اس میں توحید بھی ہے، رسالت بھی ہے، اعمال بھی ہیں، "فلاح" میں آخرت کی طرف اشارہ بھی ہے، تمام اُمہات مسائل کو اور اہم چیزوں کو بیان کردیا گیا۔

مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں ہے آفاق

تو بچہ جب اس عالم میں قدم رکھتا ہے تو اولاً اس کو پاک صاف کرکے اس کے لوحِ قلب پر توحید ورسالت کے نقوش منقش کیے جاتے ہیں پھر اس کے بعد حکم ہے کہ اس نومولود کو غذا فراہم کی جائے اور غذا بھی کون سی؟ کھجور کے پھل سے اس کی ابتداء کی جائے، جسے **تحنیک** کہا جاتا ہے،

کھجور درخت فطرت ہے حقیقتاً مسلم کے مشابہ ہے، ایک جرمن ڈاکٹر نے اس کے فوائد میں ایک بہت ضخیم کتاب لکھی ہے، عجیب عجیب چیزیں اس نے اس کے متعلق کھولی ہیں۔ بہرحال اس کی **تحنیك** کردی جاتی ہے، گویا غذا کا مسئلہ حل ہوا اور وہ بھی ایسے درخت سے جس کی بہت خصوصیات ہیں اور جس کے مخصوص فوائد ہیں تو پہلے توحید و رسالت اور آخرت کے متعلق الفاظ دونوں کان میں سنائے گئے، پھر کھانے کا نظم کیا گیا، اس میں اِدھر اشارہ ہے کہ اے بندے! دُنیا میں قیام کرنے کے بعد آخرت تو تیرا پہلا ذوق اور مزاج ہو کہ تیرے سامنے خدائی پیغام کو سننا بنیادی چیز ہے اور کھانے کے لیے ہاتھ پیر مارنا یہ بعد کا مسئلہ ہے اور اس کو دو دو طرف سے سنایا گیا، اس سے ایک چیز اور نکلتی ہے وہ یہ کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کا مزاج سننے والا ہو، سننے پر ہی اس کی بنیاد ہو، اگر یہ مزاج بن گیا تو پھر وہ صحیح معنوں میں مسلم ہے اور مؤمن ہے اس لیے کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ سن کر مانتا ہے اور کافر کی شان یہ ہے کہ وہ دیکھ کر مانتا ہے، کافر پہلے دیکھے گا بلکہ تحقیق کرے گا، ریسرچ کرے گا اور اس میں گویا گم ہو جائے گا، پھر تسلیم کرے گا اور مؤمن کا حال یہ ہے کہ "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا" بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ:

کافر کی یہ پہچان کہ وہ آفاق میں گم ہے — اور مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں ہے آفاق

اتفاق واتحاد کا سبق

بچے کے کان میں پیدائش کے بعد اذان و اقامت کہی جاتی ہے جس میں ادھر بھی اشارہ ہے کہ تمام زندگی اسی آواز پر دوڑنا اور اسی پر جمع ہونا، اس کو آپ ایک مثال سے سمجھ لیں، دیکھئے! آپ کسی مسجد میں جائیں تو وہاں یہ منظر دیکھیں گے کہ ایک تلاوت کر رہا ہے، ایک نفل پڑھ رہا ہے، ایک تسبیح میں مشغول ہے، کوئی وضو کر رہا ہے، کوئی مراقبہ کر رہا ہے اور کوئی کسی کام میں لگا ہوا ہے۔ بہرحال سب متفرق دینی کاموں میں مشغول ہیں لیکن جہاں تکبیر ہوتی ہے اور اقامت کہی جاتی ہے تو سب کے سب اپنے کام چھوڑ چھاڑ کر صف در صف جمع ہو جاتے ہیں، اللہ کی بڑائی و کبریائی کے نام پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ کاش! کہ یہ حقیقت ہم میں مسجد کے باہر بھی آ جائے، اگر مسجد کے باہر بھی ہم اسی نام پر مجتمع ہو جائیں تو ہماری زندگی بن جائے، فلاح اور کامیابی ہمارے سامنے آ جائے اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ ہماری زندگی کے تمام شعبوں میں دین آ جائے، ہمارا دین صرف مصلے تک محدود نہ رہے، بازاروں میں بھی ہم دیندار ہوں، معاملات میں بھی دین

نمایاں ہو، معیشت میں بھی دینداری کی جھلک ہو، برتاؤ اور اخلاق میں بھی ہم دیندار ہوں، تاکہ دُنیا والے ہمیں دیکھ کر پہچان لیں کہ یہ اسلام کے نام لیوا ہیں۔

مؤمن وکافر کے مزاج کا فرق

کافر کا مزاج دیکھ کر ماننے کا ہے اور مؤمن کا مزاج ہے کہ وہ سن کر مانتا ہے، یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بچے کی آنکھ کھلوا کر اُسے کچھ دکھلایا نہیں گیا کہ یہ تختی ہے، یہ قاعدہ ہے اور یہ قرآن کریم ہے، یا یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ آپ کی مسجد کے امام صاحب ہیں یا مفتی صاحب ہیں یا مبلغ صاحب ہیں، کچھ نہیں! بچہ کے کان میں ندا دی گئی، ایک طرف اذان اور دوسری طرف اقامت اور اس میں بھی بڑی بڑی حکمتیں ہیں کہ چار دفعہ اللہ جل شانہ کی کبریائی بیان کی گئی تاکہ چاروں سمتوں میں جہاں اس کی نگاہ اُٹھے تو خدا کی بڑائی کے سوا اس کے سامنے کچھ نہ آئے اور بھی اس میں بڑی لطیف مناسبتیں ہیں۔

بڑوں کی آزمائش

اس سے ایک مسئلہ یہ بھی نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے بچہ کے لیے ماں کے پیٹ میں روزی کا نظم فرمایا اور پیدا ہوتے ہی اعلیٰ قسم کا رزق مہیا فرمایا، ایسا رزق جسے چبانے کی بھی ضرورت نہیں اور دانتوں کے بغیر کیسے چباتے۔ غرض چبا چبایا پھل اس کو فراہم کیا تو جس ذات نے ماں کے پیٹ میں اور پیدا ہوتے ہی غذا سے اور رزق سے محروم نہ رکھا ہو تو کیا دین اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو وہ غذاؤں سے محروم رکھے گا؟ ہرگز نہیں، ہاں! بڑے لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے، ہم لوگ تو ضعفاء ہیں، بلاشبہ حالات آتے ہیں اور فاقے پیش آتے ہیں مگر ہم لوگوں کا تو ایک ہی فاقہ میں افاقہ رُخصت ہو جاتا ہے، حواس گم ہو جاتے ہیں۔

آزمائش ہے نشانِ بندگانِ محترم　　جانچ ہوتی ہے انہیں کی جن پہ ہوتا ہے کرم

تو وہ جس پر کرم فرماتے ہیں اس کی جانچ ہوتی ہے، یہ نہیں کہ وہ گرم ہو گئے ہیں، اس لیے جانچ ہو رہی ہے، وہ تو تعذیبی شکل ہوتی ہے۔ "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ"

رزق کی فراوانی

دیکھیے، انسان کا منہ ایک ہے اور اس کے لیے ماں کی چھاتی میں حق تعالیٰ نے دودھ کی دو نہریں جاری فرما دیں، گویا اس کے لیے روزی کے دو دروازے کھول دیئے تو جس خدا نے بچپن سے جبکہ ذرا سا ننھا منا تھا، ایک سے زیادہ روزی کی راہیں کھول دیں تو دین اختیار کرنے کے بعد

کیا وہ راہیں بند کردیں گے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہونے کے بعد تو قرآن کریم کہتا ہے کہ ہر طرف سے رزق کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: "مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ" دوسری جگہ ارشاد ہے: "وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ" کہیں آسمانوں کی برکتوں کا ذکر ہے اور کہیں فرمایا اوپر اور نیچے، ہر طرف سے روزی کی اُن کے لیے کثرت ہوگی۔

روزی کے باب میں نگاہیں اوپر

اور یہی نہیں کہ کسی بچہ کو ماں اپنے زانو پر لٹاتی ہے اور دودھ پلاتی ہے، اس ہیئت سے ہم استدلال کرسکتے ہیں کہ بچہ کے بننے کی جگہ پیٹ ہے اور روزی اس کی نیچے سے نہیں آرہی ہے بلکہ پیٹ کے اوپر سینے سے آرہی ہے۔ معلوم ہوا کہ قدرت نے انسانوں کو یہ بتلایا کہ تم جہاں رہتے ہو، روزی کے باب میں تمہاری نگاہیں اس سے اوپر ہونی چاہیے اور اوپر والی ذات حقیقتاً حق تعالیٰ ہیں تو روزی کے مسئلہ میں نگاہ اوپر ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ اِس پر نظر گئی اور اُس پر نظر گئی، اس کو رزاق سمجھا، اس کو خالق سمجھا تو اس سے یہ بات نکلی کہ رب العالمین رزاق ہے۔

اس کی تربیت دیکھئے کہ تربیت کے کیسے پیارے انداز، کیسے اچھوتے اسلوب اور کیسے نرالے طریقے اختیار کیے؟ رب العالمین عجیب عجیب انداز سے انسان کی تربیت فرماتے ہیں۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ چھوٹا سا بچہ جب اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تو ان ساری تنگیوں میں رہنے کے باوجود کوئی اس بچہ سے پوچھے کہ تمہیں کوئی پریشانی ہے؟ اگر خدا اس بچہ کو زبان دے تو بچہ یہی کہے گا کہ مجھے کوئی تکلیف و پریشانی نہیں ہے تو جیسے ماں کا پیٹ بچہ کے لیے پریشانی کا باعث نہیں ہے، وہاں اس کو سکون واطمینان ہے، ایسے ہی زمین کی حیثیت ماں کی طرح ہے، جب بندۂ مؤمن قبر میں پہنچے گا تو اس کے لیے قبر میں کوئی پریشانی اور عذابی شکل نہیں ہوگی لیکن ایک شرط ہے اور وہ بھی بڑی عجیب! وہ یہ کہ بچہ جب دُنیا میں آتا ہے تو وہ سر کے بل آتا ہے۔

تو امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب بچے نے حق تعالیٰ کے تکوینی حکم کو سر کے بل پورا کیا اور اس عالَم میں آگیا تو اگر زندگی بھر یہی مزاج رہا کہ زندگی میں حق تعالیٰ کے تمام اُمور کو سر کے بل پورا کرتا رہا تو مرنے کے بعد قبر اس کے لیے ماں کے پیٹ سے زیادہ بہتر ثابت ہوگی، کوئی تکلیف و پریشانی نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ مزاج یہ ہو کہ امرِ الٰہی کو سر کے بل پورا کرے۔

عبدیت کا اعلیٰ رُکن

یہی وجہ ہے کہ اگر آپ نماز میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں تذلل اور عبدیت کا اعلیٰ رُکن سجدہ ہے، اسی لیے بعض محدثین وفقہاء نے لمبے سجدے کو ترجیح دی ہے اور بعض محدثین نے طولِ قرأت کو ترجیح دی ہے، اس کو آسان لفظوں میں اس طرح سمجھ لیں کہ بعضوں کا ذوق یہ ہوتا ہے کہ محبوب سے ہم کلام رہے اور بعضوں کا ذوق یہ ہوتا ہے کہ محبوب کے قدموں میں پڑا رہے تو کسی کا ذوق ہے پڑا رہے اور کسی کا ذوق ہے کھڑا رہے "وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاھِبُ" ......"نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی" مگر یہ کہ سجدہ کی حالت انتہائی تذلل، عبدیت اور تواضع کی ہے اور یہ وہ حالت ہے کہ جس میں بندہ قدمِ رحمٰن پر پڑا ہوا ہوتا ہے۔

نظامِ آخرت میں حکمت اخفاء

اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے چونکہ یہ عالَم، عالَمِ ابتلاء ہے، اسی لیے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو دفن کر کے جب لوگ لوٹتے ہیں تو بعض ملائکہ کا یہ تصرف ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی مٹی ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے طبیعتوں پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ لوگ دُنیا میں مشغول رہ سکیں، دنیوی و معاشی نظام قائم رہ سکے...اس لیے کہ اگر وہی کیفیت ہر وقت قائم رہے تو جینا دوبھر ہو جائے گا اور زندگی دُشوار ہو جائے گی۔ یہ ملائکہ کا تصرف ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ شانہ کے انتظامات سے ہے ورنہ حق یہ ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم پر اگر آخرت منکشف ہو جائے تو تمہارا سارا نظام معطل ہو جائے، رونے سے فرصت نہ ملے، ادھر کے مراحل بڑے سخت ہیں، اللہ پاک اپنے فضل سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

جہنم کا تصور

آخرت کے عذابوں کو کبھی کبھی سوچنا بھی چاہیے، آج کی اس غافل دُنیا میں آدمی کبھی جہنم کا تصور بھی کرے اور سمجھنے کے لیے آپ یہاں کی موٹی موٹی چیزیں لے لیجئے، بعض دفعہ پولیس کسی کو ریمانڈ پر لیتی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ کیسا ہی سخت دل کیوں نہ ہو، اس کا دل تھراجاتا ہے تو خدا کے فرشتوں کی پکڑ اور عذاب "اَلْاَمَان وَالْحَفِیْظ......!" سورۂ مدثر میں اُنیس فرشتوں کا تذکرہ آیا ہے "عَلَیْھَا تِسْعَةَ عَشَرَ" جہنم کے انتظامات پر اُنیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہیں جن میں سب سے

بڑے ذمہ دار کا نام "مالک" ہے اور وہ ہر ایک ایسے ہوں گے کہ ان کے ماتحت کروڑوں فرشتے ہوں گے، اُنیس کا عدد سن کر مشرکین مذاق اُڑانے لگے کہ ہم ہزاروں کی تعداد میں ہیں، اُنیس ہمارا کیا کرلیں گے، اگر بہت ہوا تو ہم میں سے دس دس اُن کے ایک ایک کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑے ہوجائیں گے، ایک پہلوان نے تو کہا کہ سترہ کو میں اکیلا ہی کافی ہوں، دو کو تم لوگ مل کر نمٹ لینا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی وہ اُنیس تو ہیں لیکن آدمی نہیں فرشتے ہیں، جن کی قوت کا حال یہ ہے کہ صرف ایک فرشتہ نے قوم لوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اُٹھا کر پٹک دیا تھا۔

بہرحال کہنے کا منشا یہ ہے کہ آخرت کے عذابوں کو ہم کبھی کبھی سوچ لیا کریں، وہاں کے مراحل بہت دُشوار گزار ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرماویں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داروغہ جہنم سے ملاقات

حدیث معراج میں موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی "مالک" خازنِ جہنم سے ملاقات ہوئی، داروغہ جہنم کو "مالک" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں ادھر اشارہ ہے کہ ان کو تعذیب کے باب میں اتنا زیادہ اختیار دیا جائے گا گویا کہ وہی "مالک" ہیں حالانکہ مالک تو حقیقتاً حق تعالیٰ ہی ہیں۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں یہ فرمایا گیا کہ یہ مالک ہیں، جہنم کے داروغہ، آپ انہیں سلام کریں چونکہ آپ مہمان کی حیثیت سے آئے تھے اور آنے والا سلام کرتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کے لیے کہا گیا لیکن "مالک" نے خود ہی سلام کیا، اُس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین سے فرمایا کہ اے جبرئیل! اس سفر میں جس کسی سے ملا ہوں وہ مسکرا کر پیش آیا، تبسم کے ساتھ پیش آیا مگر خازنِ جہنم کے چہرے پر میں نے ترشی، غضب اور جلال کے آثار دیکھے تو جبرئیل امین نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! اگر وہ کسی کے لیے مسکراتے اور ہنستے تو آپ کے لیے مسکراتے لیکن قدرت نے یہ مادہ ہی ان میں نہیں رکھا ہے۔

دوگنا عذاب کیسے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ" کے تحت فرماتے ہیں کہ وہ کافرین جنہوں نے اپنے کفر کے ساتھ لوگوں کو اسلام سے روکا ہے ان کے لیے جہنم میں ایسے بچھو ہوں گے جن کے ڈنک کھجور کے درخت کے برابر ہوں گے، آپ اندازہ لگائیے، ایک مور بچھو ہوتا ہے جو اگر پتھر پر ڈنک مار دے تو سیاہ ہوجاتا

ہے اور چھٹنے کے بعد اس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، وہ مور بچھو کہلاتا ہے، بڑا ہوتا ہے تو جب دنیوی بچھو کا یہ حال ہے تو پھر وہاں کے بچھو کا کیا حال ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ آمین

بہر حال میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ ہمیں وہاں کے عذاب کا کبھی تصور بھی کرنا چاہیے، سوچنا چاہیے تاکہ ہماری اس غفلت کی زندگی میں کچھ بیداری آجائے۔

نظام، ایک کام

ایک کام تو ہمیں یہ کرنا ہے کہ ہم اپنی زندگی کا نظام بنائیں اور دیکھو! غیروں نے ہم سے بھیک مانگی ہے، بعض بیچارے بھولے بھالے مسلمان کہہ دیتے ہیں کہ انگریزوں میں بڑا ڈسپلن ہے، سن لو! وہ سب ہم سے ہی لیا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام سے اس کائنات میں جو حکمتیں پہنچی ہیں ان کے سامنے دُنیا کے سارے حکماء گرد ہیں تو ایک کام یہ ہے کہ نظام بنائیں، نظام سے صحت بھی ٹھیک رہتی ہے اور نظام سے کھانے پینے کا بھی مزہ ہے۔

آرام کا مزہ کسے

جو آدمی مشغول رہتے ہیں، آرام کا مزہ اُنہیں سے پوچھئے اور جو فرصت علی خان ہے، بیچارے کا ٹائم ہی پاس نہیں ہوتا، اس کو چھٹی کی کیا قدر؟ پیٹ بھرے ہوئے کو کھانے کی کیا قدر؟ جس کو پیاس نہ لگی ہو اس کو پانی کی کیا قدر؟ کسی بھوکے سے پوچھئے کہ کھانا کیا چیز ہے؟ کسی پیاسے سے پوچھئے کہ پانی کیا چیز ہے؟

ہزار کام ہیں دُنیا میں داغ کرنے کے

تو حق یہ ہے کہ جب آدمی کام کرتا ہے تو کام کے بعد ہی ایک سرور محسوس ہوتا ہے، آپ تجربہ کر لیجئے اور وہ کیا زندگی ہوئی کہ کھالیا اور وقت گزار لیا، مجھے تو اس پر بڑا تعجب ہے کہ ہماری مسلم قوم کے بہت سے افراد یہ کہتے ہیں کہ مولانا! ٹائم پاس نہیں ہوتا! یہ ٹائم...... پاس کرنے کے لیے ہے؟ گھر میں ٹی وی لگائے اور کہتے ہیں کہ یہ ٹائم پاس کرنے کے لیے ہے، یہ بھی ایک نظام ہے ٹائم پاس کا، تعجب ہے، کہنے والے نے کہا ہے کہ:

فکر حبیب، ذکر خدا، یادِ رفتگاں دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

کہ زندگی دو دن کی اور کام تین تین ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا، اتباع

کر کے، اللہ کا ذکر کرنا اور پچھلے بزرگوں کے تذکرے، ہمارے سامنے تو بہت کام ہیں، اسی لیے داغ دہلوی جن سے ڈاکٹر اقبال رحمہ اللہ نے اصلاح لی، وہ کہتے ہیں کہ:

ہزار کام ہیں دُنیا میں داغ کرنے کے — جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

اور واقعی شاعر نے بھی کمال کر دیا، اس لیے کہ ہزار کام ہیں دُنیا میں اور "فرصت علی خان" کچھ نہیں کرتے، ان کا ٹائم ہی پاس نہیں ہوتا، قرآن شریف پڑھیں، حدیث شریف دیکھیں، فقہ دیکھیں، اللہ اللہ کریں، ذکر کریں، تسبیح پڑھیں، دین کی دعوت دیں، اس کے لیے محنت کریں، بزرگوں کی صحبت اختیار کریں، اکل حلال کی محنت کریں، کسی کو نصیحت کریں، ہزار کام ہیں انسان کے لیے اس جہاں میں، یہ کوئی زندگی ہوئی کہ ٹائم پاس نہیں ہوتا، بڑی حیرت کی بات ہے۔ لہٰذا آج سے ہم یہ طے کر لیں کہ ہم اپنے اوقات کو ضائع نہیں کریں گے، اللہ پاک ہمیں زندگی کی قدر کی توفیق عطا فرماویں۔

گناہ کرنے سے ڈھال پھٹ جائے گی

قرآن کریم میں شیطان کو کہا کہ "عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ" کھلم کھلا دشمن، جب دشمن نہیں دکھائی دیتا تو دشمنی کیسے دکھائی دے گی؟ دیکھیے نا! بصیرت کی نگاہوں سے، صاف سمجھ میں آتا ہے۔

غضب کو اس کی رحمت ہی روکے ہوئے ہے

مقصد یہ ہے کہ ہم توبہ کی عادت ڈالیں، اللہ کے آگے گڑگڑا کر رونے کی عادت ڈالیں، دیکھیے! جہنم کو ساتوں سمندر بجھا نہیں سکتے مگر مؤمن کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے جہنم کو اس کے حق میں بجھا دیں گے، بعض روایتوں میں ہے کہ جہنم کے کناروں پر بڑے بڑے سمندر ہیں، اگر یہ سمندر نہ ہوں تو جہنم کی تپش عالم کو برباد کر کے رکھ دے، جلا کر خاکستر کر دے، اس لیے کہ جہنم خدا کے غضب کا ظہور ہے اور پانی رحمت کا مظہر ہے، اس لیے بندہ تو کہتا ہے کہ اس کے غضب کو اس کی رحمت ہی روکے ہوئے ہے۔

اظہار برائے عبرت

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا انتقال کے بعد، پوچھا کیسے گزری؟ فرمایا کہ میرے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کا معاملہ لطف و کرم کا رہا، شروع میں تو ایسی کیفیت ہوئی کہ میں سمجھا لگیا ڈوبی لیکن بعد میں حق تعالیٰ کا کرم رہا۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا کہ بیت المال کی معمولی چیزوں کے باب میں کچھ معاملہ میرے سامنے تھا، اُسی کی اُلجھن میں تھا، اگر حق تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو عمر کیا اس کا جنازہ زمین میں دھنس جاتا اور برباد ہو جاتا، عمر کو کہیں پناہ نہ ملتی، دیکھو! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ وہ ماخوذ ہوئے، انہیں تو دُنیا میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی مگر حق تعالیٰ کبھی اس طرح کی کسی چیز کو ظاہر فرماتے ہیں تا کہ لوگوں کو عبرت ہو۔

جب سے اُمت نے راتوں کو رونا چھوڑ دیا

اس سے ایک مسئلہ اور سمجھ لیں، دیکھئے! جن کو جنت کی بشارت دی گئی تھی وہ تو راتوں کو بے قرار ہو کر روتے تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں راتوں کا رونا نصیب فرمائیں، بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ اُمت راتوں کو جب روتی تھی تو اللہ تعالیٰ ان کے دن ہنستے ہوئے رکھتے تھے، اور جب سے اُمت نے راتوں کو رونا چھوڑ دیا تو دنوں میں رونا پڑتا ہے، آج حالات ایسے ہی ہیں کہ سب طرف رونا ہی رونا ہے، ہندوستان جائیے، پاکستان جائیے، عربستان جائیے، ہر طرف ایک آگ لگی ہوئی ہے، کہیں آپس کے، کہیں غیروں کے، کہیں اقتصادی جھگڑے لگے ہوئے ہیں، سارے عالم میں ایک شور مچا ہوا ہے، امن و امان رُخصت ہے اور خاص طور سے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر حالات کی بارش ہے۔

ایک پیشین گوئی

وہ جو پیشین گوئی ہے کہ سارے عالم کی قومیں تم پر اس طرح ٹوٹیں گی جس طریقہ سے بھوکے کسی پیالہ پر ٹوٹ پڑتے ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم اُس زمانہ میں کم ہوں گے؟ فرمایا نہیں، کمی نہیں ہوگی بہت کثرت ہوگی، البتہ ''وہن'' پیدا ہو جائے گا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا ''مَا الْوَهْنُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟'' اے اللہ کے رسول! وھن کا کیا مطلب؟

فرمایا: ''حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ'' دُنیا کی محبت اور موت سے کراہیت، جب دُنیا کی محبت آ جاوے اور موت کو ناپسند کرنے لگے بس یہی سبب ہے اس شامت کا اور جہاں یہ نہیں ہے، آپ دیکھ لیجئے، جو سر پر کفن باندھ کر جیتا ہے وہ اچھے اچھوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔

بڑوں کے بڑے احوال

عشرۂ مبشرہ پر بات یاد آئی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات میں ہے کہ راتوں کی تنہائی میں ایسے بے قرار ہوکر روتے تھے جیسے کسی چھوٹے بچہ کو زہریلے سانپ اور بچھو نے کاٹ لیا ہو۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے باب میں ہے کہ ان کی آہیں ایسی تھیں کہ جس حجرہ میں آپ سوتے تھے اس کی چھت سیاہ ہوگئی تھی اور آپ کی اندرونی سوزش کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اطراف میں بھنے ہوئے گوشت کی بُو آتی تھی جس کی وجہ سے بعض مرتبہ بلی بھی آپ کے اردگرد چکر لگاتی تھی، بتایئے کیا کیفیت ہوگی؟ عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک آگ لگی ہوئی تھی مگر فرماتے کاش! میری ماں نے مجھے جنا نہ ہوتا، کاش! میں کوئی تنکا ہوتا، کاش! میں مؤمن کے بدن کا بال ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کاش! میں بکرا ہوتا کہ کسی مسلمان کے گھر پر بندھا ہوا ہوتا اور کوئی مہمان آتا تو مجھے ذبح کر دیا جاتا، ان حضرات کو دراصل آخرت کی فکر تھی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تو پھر یہ خوف کیسا؟ دیکھو! ایک بات یاد رکھنا...... کبھی یقین پر کوئی حال غالب آجاتا ہے، وہ یقین باقی ہے لیکن حال کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھو! آپ کبھی چڑیا گھر میں گئے ہوں گے جہاں پر شیر، چیتے اور مختلف جانور ہوتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ موٹی موٹی سلاخوں کے پنجرے میں شیر بند ہوتے ہیں اور یہ یقین بھی ہے کہ وہ باہر نہیں آسکتا لیکن جہاں غضب ناک ہوکر گرجتا ہے آپ تیزی سے دو چار قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں جبکہ آپ کو یقین ہے کہ وہ باہر نہیں آئے گا۔ مگر یقین پر کیفیتِ خوف غالب آجاتی ہے۔

اسی طرح ان حضرات عشرۂ مبشرہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر یقین تھا مگر خدا کی عظمتوں اور آخرت کے معاملات کے تصور سے وہ حال غالب ہو جاتا تھا، ان کے رونے میں بھی کمی نہیں تھی اور اس تقدیر پر یقین بھی باقی کہ پیغمبر کی بشارت پر حق الیقین تھا، علم الیقین نہیں، حق الیقین!

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

ایک ہے علم الیقین، ایک عین الیقین اور ایک حق الیقین، آپ کو اس بات کا علم ہے کہ آگ جلاتی ہے، پانی ڈبوتا ہے، یہ علم علم الیقین ہے اور اگر کسی کو خدانخواستہ اپنی آنکھوں سے جلتا ہوا یا ڈوبتا ہوا

دیکھیں، یہ عین الیقین ہے اور خود چولہے پر تشریف فرما ہو جائیں یہ حق الیقین ہے یا خود کو اگر تیرنا نہ آتا ہو اور کسی گہرے پانی میں پہنچ جائیں اور غرغرے شروع ہو جائیں تو حق الیقین نصیب ہو جائے گا۔

خدائی انصاف

فرعون کو بھی اُس وقت ڈوبتے ڈوبتے یقین آ گیا تھا، اس میں بھی ایک پتے کی بات سنئے، خدائی انصاف دیکھئے کہ اس نے عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان کے کلمے کہے: "اٰمَنْتُ بِرَبِّ هَارُوْنَ وَمُوْسٰی، اٰمَنْتُ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" مگر ایمان بالغیب کی روح باقی نہیں تھی، اس لیے کہ مشاہدہ ہو رہا تھا عذاب کا، وہی بات کہ کافر دیکھ کر مانتا ہے وہ تو کافروں کا بھی باپ تھا، بہرحال فرعون عذاب دیکھ کر ایمان لایا تھا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے الفاظ تھے، اس کی صرف صورت تھی، اس کی روح اور حقیقت نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی صورت اور بدن کو تو پانی سے نجات دی مگر روح گرفتار عذاب ہو گئی، قربان جایئے اس کے انصاف پر کہ روحِ ایمان نہیں ہے تو روحِ فرعون کو نجات نہیں اور بدن کی نجات بھی تنبیہ کے لیے ہے کہ ساری دُنیا دیکھ لے کہ متکبرین کا یہ حشر ہوتا ہے۔

خدا ایسوں کی بھی سنتا ہے

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ فرعون کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہا کہ بارش نہیں ہو رہی ہے اور دریائے نیل بند ہے، آپ جاری کرا دیجئے، اس لیے کہ آپ کو ہم نے معبود بنایا ہے، (معبود بنایا تھا انہوں نے، لفظ بنایا غور طلب ہے) اس نے کہا اچھی بات ہے، دریا کل جاری ہو جائے گا، رات کے وقت اُٹھا، تاج شاہی پہنا اور پہنچا "نیل" میں یا "قلزم" میں دریا خشک تھا، تاج زمین پر رکھا اور مٹی لی، سر پر ڈالی (دیکھئے سننے کے لائق بات ہے) اس نے کہا کہ اے احکم الحاکمین! اے رب العالمین! میں جانتا ہوں کہ آپ ہی مالک ہیں، آپ ہی سب کچھ ہیں، میں نے ایک دعویٰ کیا اور وہ بھی غلط، آج تک آپ نے اس دعوے کو نبھایا اور ظاہر کے اعتبار سے مجھے ویسا ہی رکھا، میں آپ سے دُعا کرتا ہوں کہ آج بھی میری بات رہ جائے، خوب گڑگڑا کر دُعا کی، وہ خدا ایسوں کی بھی سنتا ہے جبکہ ابلیس مردود ہو رہا تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی کہ "اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ" مجھے اُٹھائے جانے والے دن تک موقع دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تو مہلت مانگتا ہے تو جا! تجھ کو معین وقت ، تاریخ تک مہلت دی گئی۔

بہر حال فرعون نے رو کر گڑگڑا کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ دُعا مانگی، دُعا کا مانگنا تھا کہ پانی آنا شروع ہوا، سرسراہٹ محسوس ہوئی، فوراً تاج لیا اور چلا آیا اور دریائے نیل جاری ہوگیا۔

خود کردہ را علاجے نیست

جبرئیل امین زندگی میں ایک مرتبہ فرعون کے پاس انسانی شکل میں پہنچے ہیں اور کہا کہ ایک سوال کا جواب لینے آیا ہوں، مفتی تو تھا نہیں وہ! وہ تو مفت خور تھا، چار سو سال تک اس کے سر میں درد نہیں ہوا، دیکھئے! یاد رکھنے کی بات ہے بعض دفعہ ہم لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ قومیں نافرمان ہیں، اس کے باوجود وہ لوگ کتنے عیش میں ہیں، خدا کی ڈھیل بھی ایسی ہوتی ہے، کبھی دھوکے میں نہ آئے، کر لینے دیجئے، مزے کافروں کو، مشرکوں کو اور مجوسیوں کو، یہود و نصاریٰ کو، دُنیا میں آج عربوں کے بعد دولت میں سب سے پہلا نمبر یہود کا ہے، عربوں نے تو سب کو ٹھپ کر دیا ہے، اس کے بعد یہ بخیل قوم پہلے نمبر پر ہے، بخیل قوم، بہت بخیل، مکھی چوس بالکل۔

تو خیر فرعون کے پاس جبرئیل امین پہنچے اور کہا کہ ایک فتویٰ ہے وہ یہ کہ ایک مالک و بادشاہ نے اپنے غلام کو پالا پوسا، بڑا کیا، خوب نعمتیں دیں، اب غلام مالک کے آگے سینہ ٹھوک کر آتا ہے اور اس کی مالکانہ شان میں دخل دیتا ہے، ایسے مجرم کی کیا سزا ہے؟

تو فرعون نے اپنے نام کے ساتھ لکھا، اس کی کنیت ابوالعباس تھی، اس نے لکھا کہ میرا فتویٰ یہ ہے، ایسا شخص مستحق ہے کہ اُسے دریا میں ڈبو دیا جائے، بعض ارباب تفسیر لکھتے ہیں کہ جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو جبرئیل امین نے وہی فتویٰ نکال کر دکھایا کہ دیکھو! بڑے میاں، یہ ہے آپ کا فتویٰ۔

نفس اور شیطان سے کبھی غافل مت رہو

تو حق تعالیٰ شانہ کی عظمتوں کا تصور کر کے ہم جب یہ دیکھیں کہ نفس و شیطان گناہ کرانے سے باز نہیں آتے تو ہم ان کے کیے کرائے کو بیکار کرنے سے بھی غافل نہ ہوں، یہ گناہ روح کی گندگی اور خرابی ہیں، روح کا میل کچیل ہیں، شیطان اور نفس کے ورغلانے سے آدمی سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں، لہٰذا ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم توبہ کے غسل کے ذریعہ روح کی گندگی اور خرابی کو دور کر دیں، جب شیطان آپ کو پچھاڑنے کی کوشش کرتا ہے تو آپ بھی برابر کوشش کرتے رہئے، آپ بھی اس کی خبر لیجئے، بالکل اینٹی آف ابلیس بن جائیے، ادھر آپ سے گناہ سرزد ہوا، بس! آپ جائیے اور دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھئے اور اس کے بعد خوب گڑگڑا کر دُعا کیجئے۔ لیکن

حقوق العباد کا خیال رکھئے، نہیں تو کسی کے لاکھ دو لاکھ ہضم کر لیے اور دو رکعت پڑھ لی، معاملہ نمٹ گیا، ایسا نہیں ہے وہاں ادا کرنے پڑیں گے ورنہ تاجر حضرات بڑے چالاک ہوتے ہیں۔

قرآنی نسخہ

یہ نفس بہت چالاک ہے، اس کو بھی مکمل طریقہ سے قابو میں رکھنے کی کوشش کیجئے، مثلاً سڑک پر نکلے، بدنگاہی ہوگئی، اس کو سزا دو، بیس رکعت نفل پڑھو یا کہو کہ ہم چائے نہیں دیں گے، دیکھو! نفس قابو میں آتا ہے یا نہیں؟ تو ہمیں آج یہ طے کرنا ہے کہ ہم توبہ و استغفار کو لازم پکڑیں گے، خدا کی قسم! اگر توبہ و استغفار سے ساری زندگی کی مشکلات حل ہوتے ہوئے نظر نہ آئیں تو ہمارے منہ پر آکر تھوک دینا، یہ قرآنی نسخہ ہے۔

خدا سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا

کاش کہ ہم لوگ خدا کے آگے ہاتھ پھیلانے کے عادی بن جائیں، اُمت نے مانگنا چھوڑ دیا ہے، ایک بچہ کو جب یہ اعتماد ہے کہ ہمارا سپر پاور ماں باپ ہیں، کچھ ہو تو ماں باپ، ہمارا بھی بس یہی اعتماد ہو کہ ہمارے اللہ تعالیٰ ہیں، جب کچھ ہوگا خدا سے کہہ کر منوالیں گے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں) فرماتے تھے کہ جب کوئی مسئلہ آئے خدا سے رو کر مانگنے کی عادت ڈالو اور خدا سے منواؤ، انبیاء کرام علیہم السلام نے ایسا ہی کیا ہے، دعوت پر محنتیں کیں، نمازیں پڑھیں، گڑگڑائے اور خدا پر اعتماد کر کے مانگا، ہر پیغمبر نے خدا سے مانگا ہے اور خدا سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا، وہ ایسا در ہے کہ آج تک اس کے آگے ہاتھ پھیلانے والا کبھی ناکام نہیں ہوا، یقین سے مانگئے، دیکھئے پھر دُعا کیسے قبول ہوتی ہے۔

دُعا میں ہاتھ اُٹھانے کا طریقہ

ایک بزرگ تھے، سردی کے موسم میں مسجد میں آئے اور شال میں سے ایک ہاتھ نکال کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی، بہت ساری چیزیں مانگیں، آدھی قبول ہوئیں اور آدھی قبول نہیں ہوئیں، کہا کہ اللہ تعالیٰ! اتنی دُعائیں کیں اور آدھی ہی قبول ہوئیں، غیب سے آواز آئی کہ اے بندے! تو نے ایک ہاتھ پھیلایا، آدھی سن لی، دونوں پھیلاتا تو پوری سن لیتے۔

اس لیے کہ ان ہاتھوں پر رحمت نازل ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ لوگ بڑی غلطی میں ہیں جو دونوں سے ہاتھ

پلٹادیتے ہیں اور چہرے پر ہاتھ نہیں پھیرتے، یہ ہاتھ مرحوم ہیں، خدا کی طرف سے ان پر رحمت کی بارش ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ غفلت کی دُنیا کا انسان، ناسوتی دُنیا کا انسان، آسمانوں کے نیچے بسنے والا انسان، مجھ پر یقین واعتماد کر کے اُس عالم میں ہاتھ پھیلا رہا ہے، رحمت کو جوش آجاتا ہے، باقی بندے کی مصلحت بھی پیش نظر ہوتی ہے کہ کب دیا جائے اور کیا دیا جائے! غرض یہ کہ ہاتھ منہ پر پھیرنا مسنون ہے۔

قبولیتِ دُعاء میں جلدی نہ کریں

دیکھئے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عافیت سے بڑھ کر کسی نے کوئی چیز حق تعالیٰ سے نہیں مانگی اور یہ بھی ہے کہ یقین کے ساتھ خدا سے مانگو، یہ ضروری نہیں کہ ابھی آپ دُعا کریں اور صبح کو مل جائے، اس میں بھی لوگ دھوکہ میں ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے بددُعا کی فرعون کی ہلاکت کی، ہارون علیہ السلام نے آمین کہی، قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے: "قَالَ قَدْ اُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا" حق تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دُعا قبول ہوگئی لیکن دیکھو! فرعون کی ہلاکت و بربادی اس کے بیس یا چالیس سال کے بعد ہوئی، آدمی کو چاہیے کہ یقین سے دُعا مانگ کر اس ذاتِ عالی پر اعتماد کر کے فارغ ہوجائے اور قبولیت کے درپے نہ ہو، خدا بندوں کی مصلحتوں پر نظر فرما کر موقع بموقع عنایت فرماتے رہتے ہیں۔

اسی لیے حدیث میں ہے کہ دُعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ بندہ جلدی نہ کرے اور ہم لوگوں کی دُعائیں کیا ہوتی ہیں؟ بس! ہاتھ اُٹھایا اور بدقسمتی سے ناخن میں میل نظر آگیا تو وہی صاف کررہے ہیں، یہ دُعا ہورہی ہے، پھر تو ہوگیا...... کام، ایک صاحب دُعا کررہے تھے اور پیچھے "حلیم" کے لیے کچھ جھگڑے ہورہے تھے، تو وہ دُعا بھی مانگ رہے تھے، پیچھے بھی دیکھتے جارہے تھے، اب آپ بتائیے! یہ دُعا ہے؟ یہ تو دُعا کا مذاق وتمسخر ہے، تو غرض یہ کہ مانگنے کی عادت ڈالیں۔

حالاتِ موجودہ پر ایک نظر

واقعہ یہ ہے کہ ہماری بدحالی آج ایسی ہے کہ ہر جگہ مسلمان ذلیل ہورہا ہے، ہر جگہ پیٹا جارہا ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے، آج بھی خدا وہی ہے، قرآن وہی ہے، ضابطہ وہی ہے، سب کچھ وہی ہے، اگر تبدیلی آئی ہے تو ہم میں آئی ہے، اگر ہم اپنا مؤمن مسلم ہونا واضح کردیں تو وہ خدا جس نے باطل طاقتوں کے پرخچے اُڑائے ہیں، آج بھی وہ باطل کا منہ کالا کرنے کے لیے تیار ہے، شرط یہ ہے کہ ہم اپنا مسلم ہونا ثابت کریں، مگر مسلم قوم میں زنا کی کثرت ہوتی جارہی ہے جوا اور سٹے کی کثرت ہوتی جارہی ہے، دین کا مذاق اُڑایا جارہا ہے، یہ تو اللہ

کا شکر ہے کہ آپ کے اس انگلینڈ میں جماعت والوں کی محنت، بزرگوں کی آمد، مکاتب، مدارس کے سلسلے، کئی شکلیں خیر کی پیدا ہوگئی ہیں، ورنہ حق یہ ہے کہ عجیب حالات اس وقت ملک کے چل رہے ہیں، جہاں یہ دینی فضائیں اور محنتیں ہیں، وہیں لادینی اور بدامنی کی جو محنتیں ہو رہی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، آپ دُنیا میں نکلیں گے تو اندازہ ہوگا کہ کن کن راہوں سے زہر پھیلانے اور ذہن بنانے کی کوششیں جاری ہیں، بے انتہا و بے حساب روپ حکومتی پیانوں پر مختلف انداز سے لوگوں کے دلوں کو موہ لینے کے لیے خرچ کیے جارہے ہیں، وہاں صداقت نہیں ہے اس لیے وہ مادی چیز دے کر اپنانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہاں اسلام کے پاس صداقت وحقیقت ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی

کہنے کا منشا یہ ہے کہ اس حقیقی دین سے ہمارا تعلق ہے، ہم یہ طے کرلیں کہ گناہ ہوگا تو استغفار کریں گے اور برسوں حق تعالیٰ کو ناراض کر کے بدحالی کا منہ دیکھا، اب یہ طے کریں کہ اس کو خوش کر کے خوشحالی کا بھی منہ خدا ہمیں دکھلائے، اس کو خوش کرنے کی کوشش کریں۔ لہٰذا حقوق العباد کی ادائیگی کے اہتمام کا قصد کر کے یہاں سے اُٹھیں، ایسا نہیں کہ صرف ابھی رو دھو لیا، دُعا کرلی اور جو دینا ہے اور جو حقوق باقی ہیں ان کی فکر ہی نہیں، بس آدمی اپنے آپ میں مگن ہے جیسے ایک آدمی رو رہا تھا اس کے پاس کتا تھا، وہ مر رہا تھا، اس کے پاس ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا، کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہو؟ تو کہا کہ یہ کتا ہے اس سے مجھے پیار ہے اور یہ بھوک سے مر رہا ہے، پوچھا اس ٹوکرے میں کیا ہے؟ تو کہا روٹی ہے، اس نے کہا جب یہ بھوک سے مر رہا ہے تو یہ روٹی کیوں نہیں دیتے؟ تو کہا کہ روٹی دینے میں خرچ ہوتا ہے، آنسو بہانے میں کیا جائے گا۔

مسلمان کی کامیابی

تو اگر کسی کا حق دبایا ہے تو اس کو ادا کریں، یہ نہیں کہ بس آنے دو، جائز ناجائز کی کوئی تمیز نہیں، تھوڑا بینک بیلنس ہوگیا تو بہت خوش، سمجھتے ہیں کہ یہی کامیاب زندگی ہے اور یہی کامیابی ہے یہ تو یہود و نصاریٰ کی کامیابی ہے، مسلمان کی کامیابی تو یہ ہے کہ وہ چنے کھائے، سادہ رہے مگر خدا کی نافرمانی نہ ہو، بس یہ کامیاب زندگی ہے، جس کو ہم کامیاب سمجھ رہے ہیں وہ دھوکہ ہے دھوکہ، نظر کا دھوکہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم لوگ مجھ سے تعلق رکھتے ہو، میں تمہیں پکاروں اور تم جواب نہ دو تو مجھے کتنی گرانی ہوگی تو احکم الحاکمین آسمانِ دُنیا پر آ کر

کہیں کہ "هَلْ مِنْ تَائِبٍ" ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کے گناہ معاف کروں، ہے کوئی روزی کا طالب کہ میں اسے روزی عطا کروں، وہ پکار رہے ہیں، ذرا ان کی شفقتیں دیکھئے! مؤمن کو تو وجد آ جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نداء فرما رہے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا بڑا عجیب وغریب کرم ہے انسانوں پر، لیکن پھر بھی انسان ان سے غافل ہیں۔

خدا سے مانگنے کی فرصت نہیں

اسی لیے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ آٹھ آٹھ گھنٹے فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں، گجرات میں دس دس گھنٹے مشغول رہتے ہیں، لیکن دس منٹ خدا کے آگے ہاتھ پھیلا کر مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی، اِن ڈائریکٹ محنت ہو رہی ہے روزی کے لیے، لیکن جو ڈائریکٹ تعلق ہے وہ ہم اختیار نہیں کرتے۔ لہٰذا سب یہ طے کریں کہ کم از کم روزانہ دس منٹ اللہ کے حضور بھیک مانگیں گے۔

زندگی کی قدر و قیمت پہچاننے کا عزم کرلیں، حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا قصد کریں، یہ کریں کہ توبہ کو لازم پکڑنا ہے، استغفار کو لازم پکڑلیں اور خدا کے نام پر جڑنے والا مزاج بنائیں، سب اختلافات بھول جائیں، بہت پٹ چکے ہیں، سب آپسی جھگڑوں میں مشغول ہیں، کہیں علاقائی تعصب، کہیں رنگ وروپ کا تعصب، تصورات اور تخیلات کی وجہ سے جو عصبیت ہے سب کو بھول کر ایک دل ہونے کی کوشش کریں، اُمت سے اُمت پن ختم ہوتا چلا جارہا ہے اور بٹوارا ہوتا چلا جارہا ہے، اللہ پر یقین بنانے کی کوشش کریں، یہ بہت بڑی دولت ہے، یہ سپر پاور ہے، ہر وقت اپنے ساتھ رہنے والی چیز ہے۔ مساجد سے تعلق رہے، نمازوں کا اہتمام کریں، اللہ سے دُعائیں مانگیں، اُمت کے لیے اپنے لیے، ہر شعبۂ زندگی کی فکر کریں اور زندگی کی قدر کو پہچانیں تو ان شاء اللہ وعظ کا مقصد حاصل ہے۔

سفر در سفر زندگی

تعیین سفر

اسلام نے ہمارے سفر کی ابتداء بھی بتائی اور منزل بھی بتائی، کہاں سے چلے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا. ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ“

کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ گویا آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی کہ زمین کے ہر اطراف سے مٹی کے اجزاء اکٹھے کیے گئے، اس سے آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ تیار کر کے اس میں روح ڈالی گئی تو وہ جیتا جاگتا انسان بن گیا۔

یہ انسان اوّل کی ابتدا ہوئی باقی انسانوں کی تخلیق کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے پانی کے ایک قطرہ سے بنایا، اس قطرہ کو اللہ نے مٹی سے پیدا شدہ خوراک سے بنایا اور باپ کی پشت میں رکھا، پھر وہ ماں کے رحم میں منتقل ہوا تو ہر انسان کی ابتداء باپ کی پشت سے ہوئی، جب رحم میں گیا تو اس قطرے کا سفر آگے جاری ہوا، چالیس دن کے انقلاب کے بعد وہ جمع شدہ خون بن گیا۔

پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت میں تبدیل ہوا، پھر ہڈیاں بنیں جن پر کھال چڑھائی گئی، انسانی اجزاء کی پوری مشینری بنی۔ پھر چالیس دن کے بعد اس میں روح ڈالی گئی اور وہ ایک نئی شکل میں جلوہ گر ہوا۔ پہلے مُردہ تھا اب زندہ انسان ہو گیا۔ یہ انقلابات ہر چالیس دن بعد ہوئے۔

گل و گلزار زندگی میں

آج کل بڑی ترقی ہے، تخلیق کے تمام مراحل کے بارے میں ریسرچ جاری ہے اور ہر لمحہ کے انقلاب کے بارے میں کتاب بھی لکھ دی گئی ہے لیکن قرآن کریم نے یہ تجزیہ اس وقت کیا

جب کہ طب بھی عروج پر نہ تھی، روح پڑی انسان بنا وہی ناپاک خون اب خوراک بنا۔ یہ سارا مرحلہ باپ کی پشت سے ماں کے رحم میں منتقل ہونے کا عام طور پر نو ماہ کا ہوتا ہے۔

جب یہ سفر طے ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آتا ہے اور بچے کو کہتا ہے اب آپ کو دوسری جگہ منتقل کرنا ہے جو اس مقام سے زیادہ وسیع اور کشادہ ہے، مختلف خوراکیں ملیں گی، لباس بھی ملے گا، اب تو تنگ و تاریک جگہ میں ہے ایک ہی چیز تیری خوراک ہے۔ بچہ کہتا ہے کہ نہیں مجھے یہیں رہنے دو کہ کیا معلوم تمہارا وعدہ ٹھیک بھی ہے یا نہیں کہ بہر حال قضا و قدر کے فیصلے کے تحت وہ مانے نہ مانے اللہ کے حکم سے اس کو ماں کے پیٹ سے اس جہاں میں لایا جاتا ہے۔

بچہ روتا ہوا آتا ہے جو اس کی زندگی کی نشانی ہے۔ حدیث میں فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو شیطان ورغلاتا ہے کہ میرا بن کے رہنا۔ اس شیطان کی تکلیف اور کچھ جگہ سے منتقلی کی تکلیف کی وجہ سے روتا ہے، اس میں ایک سبق ہے کہ جب بچے کی اس دُنیا میں آمد ہوتی ہے تو بڑی خوشی سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے، عزیز اکٹھے ہوتے ہیں، مبارکبادی کی دعوتیں ہوتی ہیں، اسلام میں بیٹا بیٹی برابر ہیں، خوشی کی بات ہے لیکن وہ تنہا روتا ہوا آتا ہے، اس لیے کسی نے خوب کہا کہ اے بچے! تیری پیدائش پر سارے خوشیاں منا رہے تھے اور تو اکیلا رو رہا تھا اور اس رونے میں کسی نے ساتھ نہیں دیا۔ اب غیرت یہ ہے کہ ایسی اچھی زندگی گزار کہ جس دن تو مرے تو تو ہنستا ہوا جائے اور تیرے فراق میں سب رو رہے ہوں۔

اسی مضمون کو عربی شاعر نے کہا ہے کہ اے انسان! تجھے تیری ماں نے جنا اس حال میں کہ تو رو رہا تھا اور لوگ تیرے آس پاس ہنس رہے تھے، اب تو دُنیا میں ایسی اچھی زندگی گزار کہ موت کے دن تو مسکراتا جائے اور لوگ رو رہے ہوں۔ جب بچہ دُنیا میں آ کر دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ واقعی فرشتے نے سچ کہا تھا کہ یہ جہاں اس جہاں سے بدرجہا وسیع ہے جس میں روشنی بھی ہے اور خوراک و لباس بھی ہے یہاں سوسائٹی بھی ہے، ہر کوئی اُٹھاتا ہے اور پیار بھی کرتا ہے۔ یہ انسانی زندگی کا ایک مرحلہ ہے۔ یہاں بھی زندگی مرحلہ در مرحلہ ہوتی ہے، چھوٹے بچے کو اُٹھاتے اور کھلاتے ہیں کچھ بڑا ہوا تو اپنے آپ سے کھیلتا ہے اور کچھ اور آگے جاتا ہے تو دوسروں کا کھیل دیکھتا ہے، انسانی زندگی کے ان مراحل کو سورۂ حدید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ م بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ"

پہلے لعب خود کھیلنا، لہو کھیل دیکھنا، پھر جوانی میں زینت وخوش نمائی میں مبتلا رہتا ہے بار بار آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، سازوسامان کی دُھن میں لگا رہتا ہے، پھر اسے عقد زوجیت میں منسلک کر دیا جاتا ہے۔

ظرافت حضرت علی رضی اللہ عنہ

کسی دلچسپ دیہاتی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بایں ہمہ کہ بہت بڑے عالم تھے اور ایسے شخص کو اپنے علم کی پاسداری میں سنجیدہ رہنا پڑتا ہے، ایسا کم ہوتا ہے کہ آدمی صاحب علم بھی ہو اور ظریف بھی ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خوش مزاج بھی اور ظریف بھی تھے تو اس دیہاتی نے پوچھا "ماذا النکاح" کہ حضرت نکاح کیا ہے؟ فرمایا "سرور شھر" ایک مہینہ کی خوشی ہے۔ دیہاتی نے پوچھا پھر کیا تو فرمایا "لزوم مھر" مہر لازم ہو جاتا ہے، اس نے پوچھا پھر کیا ہوتا ہے، فرمایا غموم دھر۔ زندگی بھر کا روگ وغم لگ جاتا ہے، اولاد پھر ان کی تعلیم وتربیت پھر ان کے لیے مکان، کاروبار وغیرہ وغیرہ تو یہ زندگی بھر کا روگ ہے، اس نے پوچھا پھر کیا ہوتا ہے تو آپ اُٹھ کر سجدہ میں چلے گئے اور فرمایا "کسور ظھر" کہ کمر ٹوٹ جاتی ہے، ان ذمہ داریوں سے آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور کمر ٹیڑھی ہو جاتی ہے، یہ بھی زندگی کا ایک مرحلہ ہے اور پھر ایک وقت میں آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اب کوئی ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں کہ ہم عمر لوگ رہے نہیں اور کوئی نوجوان بوڑھے کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں۔ اکبر کہتے ہیں۔

اتنے جئے کہ جاننے والے چلے گئے　　کوئی نہ رہا اپنا تو چپ چاپ مر گئے

تو کوئی ساتھ بیٹھنے تسلی دینے اور بیمار پرسی کرنے والا بھی نہیں ہوتا، کوئی مر جائے تو لوگ روتے ہیں لیکن بڑے میاں کے انتقال پر کوئی نہیں روتا۔ زندگی تو ہر ایک کو اچھی لگتی ہے، خوشی سے کوئی تھوڑا ہی مرتا ہے۔ بہر حال جب اللہ کا نیک بندہ چاہے وہ جس عمر میں بھی فوت ہو جائے اللہ کی شان! کہ اس پر رونے والے بہت ہوتے ہیں۔ صاحب علم وفضل یا نیک ہو اس پر بہت رونے والے ہوتے ہیں۔

نیک وبد کی موت

حدیث میں ہے کہ آسمان وزمین بھی روتے ہیں.... اس لیے کہ سورۂ دخان میں فرمایا ہے.... کہ فرعون بہت بڑا بادشاہ تھا..... جب وہ مرا تو فرمایا...... اس پر نہ آسمان

رویا....نہ زمین روئی......یعنی اس کا مرنا کوئی بڑا حادثہ نہیں تھا۔

حدیث میں ہے کہ برا انسان دُنیا سے جاتا ہے تو ہر چیز پرندے درندے خوش ہو جاتے ہیں کہ اچھا ہوا منحوس چلا گیا۔ اگر زندہ رہتا تو نہ معلوم کتنے گناہ کرتا تو اس کی نحوست سے عذاب آتا تو ہم بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے۔ لہٰذا خوش ہوتے ہیں لیکن اللہ کا نیک بندہ فوت ہو جائے تو مخلوق روتی ہے۔ بہر حال عمر کا یہ سفر چلتا رہتا ہے۔

جب زندگی ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتی ہے تو انسان کی خواہشات بھی تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس کا مزاج و تقاضے بدل جاتے ہیں۔ جب یہ چھوٹا ہوتا ہے تو کھلونے سے خوش ہو جاتا ہے، جب ذرا بڑا ہوا اسکول جانے لگا تو اب کھلونے دیئے جائیں تو کہتا ہے مجھ سے مذاق کرتے ہو، یعنی اب میں سمجھ دار ہو گیا ہوں، اس طرح زندگی کے ساتھ ساتھ خواہشات بدلتی رہتی ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

برصغیر کے ایک ممتاز شاعر، اکبرالہ آبادی جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے لیکن اللہ نے دل و دماغ ایمان والا دیا تھا۔ یہ چند گنے چنے لوگ تھے جن کی شاعری میں اسلام جھلکتا ہے۔ اکبر کے بیٹے عشرت تھے، یہ تقسیم سے قبل کا دور ہے، اس زمانہ میں جو ذہین طالب علم ہوتے تھے انہیں برطانیہ میں تعلیم دی جاتی تھی اور پھر اس ملک میں کلیدی عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا تو اکبر خود بھی جج تھے ان کے بیٹے نے بچپن میں مطالبہ کیا کہ ابو! مجھے ایک گیند چاہیے۔

جس پر گھوڑا بنا ہوا ہو۔ انہوں نے تلاش کی لیکن نہیں ملی۔ عشرت بڑے ہوئے تو ولایت تعلیم کے لیے گئے تو وہاں کے ماحول کے نقصانات کو سمجھایا لیکن وہ وہاں چلا گیا اور وہاں کسی گوری کے ساتھ شادی بھی کر لی۔ تعلیم مکمل ہوئی تو واپس آ کر کلیدی عہدہ بھی مل گیا۔ بیٹا واپس آیا تو باپ نے اچھے پیمانہ میں دعوت کی اور دوست احباب کو بلایا اور جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو بیٹے کے جانے کے دوران کسی دُکان سے انہیں گھوڑے والی گیند مل گئی جو انہوں نے خرید کر رکھ لی۔ اب سب لوگ فارغ ہوئے تو اکبر اندر گئے اور گیند لا کر بچے کو دی اور کہا بیٹا!

آپ نے سات سال کی عمر میں ایک خواہش ظاہر کی تھی جو مجھے اس وقت نہیں ملی تھی بعد میں

ملی تھی۔ اب یہ اپنی مطلوبہ گیند لے لو۔ بیٹا شرمندہ ہوا اور لوگ سمجھے کہ اکبر بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہے کہ اب جبکہ بیٹے کی خواہشات بدل چکی ہیں تو یہ کیا حرکت ہے؟ جب بیٹے نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور گیند نہیں لی تو اکبر نے کہا مجھے بے وقوف نہ سمجھنا، میں بیٹے کو گیند نہیں ایک سبق دے رہا ہوں جو سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے کہ بیٹا! جس طرح بچپن کی خواہش آج تجھے شرمندہ کررہی ہے تو دُنیا میں کوئی ایسی خواہش نہ لے کر چلنا کہ قیامت کے دن تجھے رُسوا ہونا پڑے۔

آخری آرام گاہ؟

انسان منزل بہ منزل سفر طے کررہا ہے لیکن اس کا احساس نہیں کہ ہر لحہ زندگی کم ہورہی ہے۔ سال مکمل ہو تو سالگرہ مناتے ہیں کیک کاٹ کر کھلایا جارہا ہے۔

پچھلی عمر کا خیال ہے آگے کا خیال نہیں کہ کیا بنے گا؟ آئندہ لحہ اور زندگی کا پتہ نہیں کہ عمر میں کتنی مدت باقی رہ گئی ہے، یہ کس قدر نادانی ہے کہ عمر گزشتہ پر خوش ہورہے ہیں اور باقی زندگی کا پتہ ہی نہیں، کسی نے کیا خوب کہا ہے؟

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دُنیا کدھر دیکھتا ہے کہاں جارہا ہے

اس کیفیت میں ایکسیڈنٹ تو ہوگا، اللہ ہمیں ہوش نصیب فرمائے کہ جدھر جارہے ہیں ادھر ہی دیکھیں اور بے شک سال گزرنے پر بھی خدا کا شکر ادا کریں کہ عاقبت کے ساتھ زندگی یہاں تک پہنچی لیکن یہ بھی دیکھیں کہ باقی زندگی اور مستقبل کیا ہے؟ اس لیے کہ ہمارا سفر جاری ہے اور انتقال کے بعد قبر پر کتبے لگ جاتے ہیں اور بعض قبروں پر ''آخری آرام گاہ'' لکھا ہوتا ہے یہ دونوں باتیں غلط ہیں یہ آخری اسٹیشن نہیں۔

بلکہ قبر بھی ایک منزل ہے آخری نہیں اور آرام گاہ کہنا بھی درست نہیں کہ اللہ ہی جانتے ہیں کہ آرام گاہ ہے یا نہیں اور دُنیا میں جتنی مدت رہا قبر میں نامعلوم کتنی مدت رہے گا تو قبر بھی مرحلہ ہے اس کے بعد صور پھونکا جائے گا، سارے اہل قبر اُٹھیں گے، قیامت برپا ہوگی جس کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا، وہ بھی منزل نہیں بلکہ حساب کتاب کے بعد منزل کا تعین ہوگا جو اس زندگی کو سنوار کر گیا وہاں اس کو جنت کا ٹکٹ دائیں ہاتھ میں ملے گا، یہ منزل ہے اگر خدانخواستہ عمل درست نہیں تو جہنم منزل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب لوگ قیامت کے دن کامیاب ہو جائیں گے دائیں ہاتھ میں نامہ عمل ملے گا تو متقی جنت کی طرف جماعتی شکل میں چلیں گے۔

جب یہ سب جنتی جنت کے گیٹ پر پہنچیں گے تو پہلے ہی گیٹ کھول دیئے جائیں گے (تاکہ انتظار نہ کرنا پڑے) اور جنت کے دربان فرشتے ان کا خیر مقدم کریں گے کہ تمہیں آنا مبارک ہو۔ (سلام دُنیا میں بھی ملاقات کا تحفہ ہے کہ تم پر سلامتی ہو۔ جنت خود دارالسلام ہے وہاں کا سلام مبارکباد کے معنی میں ہوگا) خوش رہو اور یہاں ہمیشہ رہو گے (یہ منزل ہے) تو منزل جنت ہے جس کی طرف ہمارا سفر جاری ہے۔

لیکن افسوس! ہم نے اس دُنیا ہی کو منزل سمجھ رکھا ہے ساری جدوجہد اسی کے لیے ہے ہم تو منزل کو بھول چکے ہیں، اللہ ہمیں منزل کا شیدائی بنائے، اس کے لیے تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

"اے میرے دوست! دُنیا کی ناز و نعمت میں مغرور نہ ہو جا، سر جھکا کر چل کہ یہاں جو جھکتا ہے اللہ اسے اُٹھاتا ہے اور جو اُٹھتا ہے اللہ اسے جھکاتا ہے۔ عمر ایک دن ختم ہو جائے گی اور یہ نعمتیں زوال پذیر ہیں جب تو کسی جنازہ کو اُٹھا کر قبرستان لے جائے تو جان لے کہ ایک دن تیرا جنازہ بھی اُٹھا کر لوگ لے جائیں گے اور کسی کا جنازہ پڑھ تو سوچ کہ ایک دن تیرا جنازہ بھی پڑھا جائے گا، اور یہ بھی پتہ نہیں کہ جنازہ نصیب ہوگا یا نہیں؟ آج کل تو حالات ایسے ہیں کہ جنازہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔

باب 2

روح انسانی کو دنیا میں بھیجنے
کا مقصد
اور نصب العین

انسانی شرف وفضیلت کا راز

سائنس کی مدد سے سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر سکتے ہیں تو ایک کوا اور کرگس بھی اپنی اندرونی سائنس کی قوت سے اپنے پروں سے اتنی ہی بلندی پر پرواز کرتا ہے آپ پیتل تانبے اور دیگر معدنیات کے بنائے ہوئے مصنوعی پروں یعنی ہوائی جہازوں کے ذریعے اُڑتے ہیں اور چیل کوے وغیرہ پرندے اپنے بنے بنائے پروں اور خلقی طاقت سے اُڑتے ہیں۔

آپ ان مصنوعی پروں میں معدنیات کے محتاج ہیں اور ہوائی جہاز بنانے میں خون پسینہ ایک کرتے ہیں۔ تب کہیں اُڑتے ہیں اور یہ پرندے خود ہوائی جہاز ہیں۔

انسان اگر اُڑ گئے تو پرندے بھی اُڑتے ہیں یعنی پرواز کا جو فعل آپ نے کیا وہی پرندوں نے بھی کیا۔ آپ نے کپڑا بن کر تن پوشی کی اور بدن کو کپڑے سے چھپایا تو ہر چرند پرند بھی اپنی کھال اپنے پروں سے اپنے تن بدن کو چھپاتا ہے۔ آپ کا لباس مصنوعی ہے۔ اس کا لباس قدرتی ہے،

آپ رہنے کیلئے مکان بناتے ہیں، جانور بھی اپنا بھٹ اور گھونسلا بناتے ہیں۔

آپ اپنا رزق تلاش کرنے جنگل میں جاتے ہیں، وہ بھی اپنی غذا تلاش کرنے جنگل میں جاتے ہیں، وہ بھی اپنی غذا تلاش کرنے کھیتوں اور جنگلوں میں گھومتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ آپ پلاؤ زردہ کھاتے ہیں وہ گھاس دانہ کھاتے ہیں۔

آپ گوشت پکا کر کھاتے ہیں وہ اس مصیبت سے بری ہیں کچا ہی کھا لیتے ہیں، آپ اگر ان کے گھاس دانہ سے نفرت کرتے ہیں تو وہ آپ کے زردہ پلاؤ سے نفرت کرتے ہیں۔ غرض کوئی طبعی فن ایسا نہیں جن میں جانور آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکیں۔

آپ سیاست کے مدعی ہوں گے تو شہد کی مکھی اور چیونٹی سامنے آ کر اس دعوائے خصوصیت کو باطل کر دے گی۔ آپ کپڑا بننے اور جال بنانے کے فن کا دعویٰ کریں گے تو مکڑی سامنے آ کر بولے گی کہ یہ کام میں بھی کر سکتی ہوں۔

آپ فنِ طب کی مہارت کا دعویٰ کریں گے تو بندرا اُچھل کر کہے گا کہ جڑی بوٹی کی خاصیتیں کچھ میں بھی جانتا ہوں اور میں زہر کا تریاق جانے ہوئے ہوں۔

آپ فن پرواز کے مدعی ہوں تو پرندے سامنے آ کر کہیں گے کہ ہم اس فن میں تم سے زیادہ ماہر ہیں،

آپ انجینئری اور فن خانہ سازی کے مدعی ہوں گے تو ہر چرند پرند اور درند آپ کے مقابلہ میں آ کر کہے گا کہ یہ کام ہم سب جانتے ہیں۔

رہنے سہنے، لباس پہننے، علاج کرنے، مکان بنانے اور تنظیم و سیاست و صنعت کاری کرنے میں شریک ہیں تو ان فنون کی وجہ سے تو انسان ان جانوروں سے افضل نہیں ہو سکتا۔

افضلیت کسی خصوصیت کی بنا پر ہوتی ہے جو اس میں ہو اور اوروں میں نہ ہو تو حقیقت یہ ہے کہ وہ علم جو صرف انسانوں میں ہے اور اس کے سوا اور کسی میں نہیں۔ وہ علم شرائع اور علم احکام خداوندی ہے جس سے اللہ کی معرفت ہوتی ہے اور انسان اس علم کے ذریعے سعادت کے درجات طے کرتا ہے اور نیابتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

یہ علم کسی بھی غیر انسان میں نہیں پایا جاتا نہ ملائکہ میں یہ علم موجود نہ جنات اس علم سے آراستہ ہیں نہ حیوانات واقف ہیں اور جمادات و نباتات تو کیا واقف ہوتے؟

یہ علم خصوصیت ہے انسان کی شرائع صرف اس کی قسمت میں ہے جس نے اسے سب مخلوقات پر فوقیت و فضیلت دی جس کی یہ وجہ ہے کہ یہ علم بغیر پیغمبری کے نہیں آ سکتا کیونکہ یہ علم اللہ کی مرضیات و نامرضیات کے جاننے کا علم ہے اور کسی کی مرضی بلا اس کے بتلائے ہرگز معلوم نہیں ہو سکتی اور اللہ ہر کس و ناکس کو اپنے اندر کی بات نہیں بتلاتا، سو اس کے لیے اس نے نوع انسانی کو مخصوص فرمایا اور اس میں بھی برگزیدہ تر طبقہ انبیاء علیہم السلام کا تھا تو اس نے انہیں اپنی مرضیات و نامرضیات سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ میں فلاں چیز سے خوش ہوتا ہوں اسے کرو اور فلاں چیز سے ناخوش ہوتا ہوں، اسے نہ کرو یعنی امر و نہی بتلایا۔ پس امر و نہی کے قانون کو شریعت کہتے ہیں، اس شریعت کے علم کے لیے نبوت رکھی اور یہ نبوت نوع بشری کے ساتھ مخصوص رکھی اور نبوت کے علوم صرف انسان کو دیئے۔

اِنسانیت کا مدار ہی علوم الٰہیہ ہیں

چار ذی شعور مخلوق ہیں (۱) ملائکہ (۲) جنات (۳) حیوانات (۴) انسان۔

ان میں سے علم صرف انسان کو بخشا، باقی تین اقسام ملائکہ، جنات اور حیوانات کو یہ علم

نصیب نہ ہوا یا کسی قدر ہوا تو انسان کے طفیل اور اس کے واسطہ سے ہوا۔ سو اس میں اصل انسان ہی رہا جس میں کوئی مخلوق اس کی ہمسری تو بجائے خود ہے شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتی۔ اس سے واضح ہوا کہ علوم طبعیہ، علوم وہمیہ، علوم خیالیہ، علوم عقلیہ وغیرہ انسان کی خصوصیت نہیں یہ اور انواع کو بھی میسر ہیں کیونکہ یہ تمام علوم اپنے اندرونی قویٰ سے اُبھرتے ہیں اور وہ قوی جانداروں میں کم وبیش سب میں رکھے گئے ہیں۔ عقل ہو یا خیال، وہم ہو یا طبیعت ہر ایک کی چیز ہے اس لیے اُن کے ذریعہ جو تصور بھی جاندار کو بندھے گا۔ اس سے خود اس کے نفس کی مرضی و نامرضی اور خواہش و طلب کھلے گی، خدا کی مرضی نامرضی اور خدا کے مطلوبہ کاموں کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ خدا کی پسند ناپسند اس کے اندر سے آئے ہوئے علم سے سمجھ آ سکتی ہے اور وہی وحی کا علم ہے جو نبوت و رسالت کے ذریعے آتا ہے اور یہ صرف انسان کو دیا گیا ہے۔

اس سے نمایاں ہو گیا کہ انسان کی خصوصیت علوم طبعیہ، علوم وہمیہ، علوم خیالیہ، علوم شیطانیہ نہیں بلکہ علوم الٰہیہ ہیں، علوم نبوت اور علوم رسالت ہیں جو انسان کے سوا کسی کو میسر نہیں، اس لیے انسان اگر ساری مخلوقات پر برتری اور فضیلت کا دعویٰ کر سکتا ہے تو وہ علوم شرعیہ کے ذریعے کر سکتا ہے نہ کہ علوم طبعیہ وعقلیہ وہمیہ کے ذریعہ کہ یہ علوم انسان کے سوا اوروں کو بھی میسر ہیں۔ دوسرے لفظوں میں نہ صرف یہی کہ اس علم سے انسان کی برتری اور فضیلت ہی ثابت ہوتی ہے بلکہ اس کی انسانیت کا مدار بھی اس علم پر ہے کیونکہ جب یہ علم ہی انسان کی خصوصیت ٹھہرا کہ یہ علم نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں تو اس کا حاصل یہ نکلا کہ انسان اُس وقت تک انسان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس علم سے بہرہ ور نہ ہو کیونکہ جس چیز کی خصوصیت ختم ہو جائے جس سے وہ چیز چیز تھی تو پھر وہ شیء، وہ شیء نہیں رہتی، اگر آپ میں خصوصیت باقی نہ رہے تو آپ آپ نہ رہے، اگر خصوصیت انسان انسان میں ہو تو انسان انسان کہلائے گا ورنہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں وہ مکان بنانے، کھانے پینے علاج معالجہ کرنے میں انسان کے برابر ہیں۔

پس جب انسان کی خصوصیت یہ علم الٰہی ہے جس سے وہ مرضیات الٰہی سمجھ لیتا ہے تو یہ علم الٰہی جب انسان میں ہوگا تو اس کا نام انسان ہوگا ورنہ ایک کھاتا پیتا حیوان رہ جائے گا، کیونکہ کھانے پینے پہننے کو کتنا ہی خوش نما بنائے اور علمی رنگ میں نمایاں کرے تب بھی رہے گا جانور ہی کیونکہ جانور بھی یہ علوم اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے۔

بہر حال یہ بات صاف ہوگئی کہ نہ کھانا انسانیت ہے، نہ پینا، نہ مکان بنانا انسانیت ہے نہ سیاست و تنظیم اگر کوئی ماہر فن پچاس منزل کی بلڈنگ بھی بنائے، تب بھی وہ اس کی وجہ سے حیوانیت سے نہیں نکل سکتا کہ یہ کام یعنی مکان سازی اس کی خصوصیت نہیں حیوانیت کی خصوصیت ہے اور اگر مکان سازی پارچہ بافی نظم کاری میں عقل کو بھی لگا دیا جس سے یہ اشیاء مزین ہوگئیں تو گو بظاہر تو وہ جانوروں سے ممتاز اور افضل ہوگیا مگر حقیقت میں اُن سے اور زیادہ گھٹ گیا کیونکہ عقل جیسے پاک جوہر کو اُس نے اپنی طبیعت کا خادم اور غلام بنا دیا اور سب جانتے ہیں کہ طبیعت بے شعور ہوتی ہے اور عقل سرچشمہ شعور ہے تو ایک بے شعور کا حاکم بنا کر گویا جاہل کو بادشاہ اور عالم کو غلام کر دیا، یہ کہاں کی عقل ہے بلکہ بد عقلی ہے، جانور اس بے بیہودگی سے بری ہے، اس لیے ایسا کر کے انسان اُونچا تو کیا ہوتا جانوروں سے کہیں زیادہ نیچا اور کم مرتبہ ہوگیا کہ جانور طبع حیوانی کو استعمال کرتے ہوئے عقل کو اس کا غلام نہیں بناتے۔ اب خواہ ان میں عقل بالکل نہ ہو یا ہو تو نہ ہونے کے برابر ہو۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح رہے گی کہ انہوں نے طبیعت جیسے جاہل اور بے شعور حاکم کو اس کی جاہلانہ کارروائیوں کا عالم و فاضل نہیں بنایا اور یہ انسان طبعی حرکات کرتا ہے اور عقل سے انہیں مزین بنا کر ان حیوانی حرکات کو انسانی بلکہ ملکی حرکات ثابت کرنا چاہتا ہے تو جانور سے زیادہ احمق ثابت ہوا۔

طبعی تقاضوں کی مخالفت کمال ہے

نیز یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ طبعی تقاضوں کو پورا کر لینا کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ طبعی تقاضوں کیخلاف کرنا کمال ہے، اگر کوئی کہے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں کیونکہ میں کھانا کھایا کرتا ہوں تو لوگ کہیں گے کہ احمق یہ کون سے کمال کی بات ہے جانور بھی کھانا کھاتے ہیں یہ تو طبعی تقاضا ہے اس میں نہ محنت ہے نہ مشقت اور نہ ہی اس سے انسان کی کوئی جوانمردی اور جفاکشی ظاہر ہوتی ہے ورنہ سارے جانور بھی فضلاء اور باکمال ہوں گے یا اگر کوئی کہے گا کہ میں بڑا فاضل آدمی ہوں کیونکہ میں رات کو پڑ کر سوتا ہوں تو بھی کہا جائے گا کہ یہ تو ایک غیر اختیاری اور طبعی فعل ہے، جانور بھی کر لیتے ہیں تو اس میں کمال کی بات کیا ہوئی؟

کمال نام ہے خلافِ طبع کرنے کا کہ اس میں انسان کی محنت جفاکشی اور تحمل و صبر کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر کسی کو سنایا جائے کہ وہ مہینوں کھانا نہیں کھاتا تو لوگ اسے باکمال سمجھ کر اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں کہ واقعی خلافِ طبع پر قابو پالینا کمال ہے نہ کہ طبع کا غلام بن کر طبعی تقاضوں کو پورا کر لینا کمال ہے۔

انسانی زندگی کا سفر اور اس کا مقصد

دُنیا میں انسان جب بھی کوئی حرکت کرتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ کسی دانش منداور عقل مند انسان کی حرکت بلامقصد نہیں ہوتی۔ آپ جب مسجد کی طرف آنے کے لیے حرکت کرتے ہیں تو نماز مقصد ہوتی ہے۔ اس کے لیے آپ اپنا گھر چھوڑتے ہیں اور محنت مشقت اُٹھا کر مسجد میں آتے ہیں۔ ایک طالب علم سکول، مکتب یا مدرسہ کی طرف جاتا ہے تو محض حرکت مقصود نہیں ہوتی بلکہ حرکت سے تعلیم مقصود ہوتی ہے، اسے پڑھنا اور علم حاصل کرنا ہے، اس لیے وہاں جاتا ہے۔ ایک شخص اگر اپنے شیخ کے پاس خانقاہ کی طرف جاتا ہے تو اس حرکت کا مقصد اخلاقی تربیت ہوتی ہے کہ میرے نفس کی اصلاح ہو جائے، محض حرکت مقصود نہیں ہوتی۔ آپ ریل سے سفر کر کے کسی جگہ کے لیے حرکت کریں تو کوئی نہ کوئی اسٹیشن ضرور ہوگا جہاں آپ کو اُترنا ہوگا جو آپ کی منزل مقصود ہوگی۔ بلامقصد کے حرکت دیوانوں اور مجنون آدمی کا کام ہوتا ہے۔ دانش مند جب بھی کوئی حرکت کرے گا اس کا کوئی مقصد ضرور ہوگا اور وہ مقصد اس کے عقل مند ہونے پر دلالت ہوگی ورنہ اس کو بے وقوف کہیں گے۔ غرض یہ عقلی اور حسی قاعدہ ہے کہ کوئی حرکت مقصود نہیں ہوتی، حرکت سے وہ منزل مقصود ہوتی ہے جس کی طرف آدمی جاتا ہے۔

سفر انسانی کی ابتداء وانتہاء

اس اُصول کے پیش نظر آپ غور کریں تو زندگی بھی ایک حرکت ہے۔ ایک طرف سے آپ چلے ہیں اور ایک طرف جا رہے ہیں اور یہ کوئی چھوٹی موٹی حرکت نہیں کہ دس بیس میل کا سفر کر لیا بلکہ ایک لامحدود حرکت ہے جو دور تک جانے والی ہے اور بہت پہلے سے ہوئی ہے۔

جب ہم ماں کے پیٹ سے نکلے تو حرکت شروع ہوئی، نہیں ایسا نہیں بلکہ ماں کا پیٹ تو ایک اسٹیشن ہے، حرکت اوپر سے آ رہی ہے۔ اس جگہ جو انسان کی حرکت ہوتی ہے یہ "عالم الست" سے چلی ہے جس کو قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا اور احادیث نے اس کی تفسیر بیان کی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کمر پر اپنا داہنا ہاتھ مارا، جیسا ہاتھ اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب اور اس کی جناب کے لائق ہے۔ ہم جیسا ہاتھ تو نہیں ہے ہمارا ہاتھ تو جسمانی ہے اور وہ جسم سے پاک ہے تو جیسا ہاتھ اس کی جناب کے لائق اور

شان کے مناسب ہے ویسا ہی ہاتھ مراد لینا چاہیے تو داہنا ہاتھ مارا تو آدم علیہ السلام کی کمر میں سے ساری وہ اولاد نکل پڑی جو جنتی ہونے والی تھی اور قیامت تک آنے والی تھی۔اس کے بعد بایاں ہاتھ مارا تو ساری وہ اولاد نکل پڑی جو جہنمی ہونے والی تھی......تو نیک اور بد سارے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکل آئے۔اللہ نے ان کو ایک وادی میں جمع کیا۔اربوں، کھربوں انسان جو قیامت تک آنے والے تھے، کا ایک مجمع تھا، کوئی صف بندی نہیں تھی کہ ترتیب ہو بلکہ کسی کا منہ کسی کی طرف، کسی کی پشت کسی کی طرف اور کسی کا مونڈھا کسی کی طرف، جیسے ہجوم میں ہوتا ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا جن کے منہ آمنے سامنے تھے، ان میں تو محبت قائم ہوگئی، جن کی پشتیں ملی ہوئی تھیں ان میں عداوت قائم ہوگئی اور جن کے پہلو ملے ہوئے تھے ان میں کچھ محبت اور کچھ عداوت......یہی وجہ ہے کہ ایک انسان مشرق کا اور ایک مغرب کا، ایک ایشیا کا اور ایک افریقہ کا، کبھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن جب جمع ہوتے ہیں تو ان میں دیرینہ محبت معلوم ہوتی ہے حالانکہ پہلے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔یہ وہی عالم الست کا اثر ہوتا ہے......تو فرمایا گیا "الارواح جنود مجندۃ" روحیں جمع کردی گئیں، وہیں آپس میں محبتیں اور عداوتیں قائم ہوگئیں جو دُنیا میں آ کر ظاہر ہوئیں۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ماں کے پیٹ میں دو بچے پاؤں پھیلاتے ہیں، دونوں حقیقی بھائی ہیں لیکن آپس میں عداوت، کش مکش اور کسی وجہ سے مناسبت نہیں۔وہ اس سے لڑتا ہے اور وہ اس سے لڑتا ہے اور دو اجنبی اس طرح سے ملتے ہیں جیسے حقیقی بھائی ہیں۔یہ ازل سے ہی کسی میں محبت اور کسی میں عداوت ڈال دی گئی......اس طرح سے یہ روحیں وہاں جمع کی گئیں۔

یہ بھی حدیث میں فرمایا گیا کہ وہاں جوڑیاں بھی قائم کردی گئیں جس کا جس سے نکاح ہونے والا تھا، وہ عورت اس کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔گویا وہیں تقرر کردیا گیا کہ یہ زوج اور زوجہ بنیں گے تو اس طرح سے لوگوں کی جوڑیاں بنا کر کھڑے کردیئے گئے، ان سب کو حق تعالیٰ نے مخاطب فرمایا اور بلا واسطہ حق تعالیٰ نے ان سب سے کلام فرمایا اور سب کو اپنا جمال دکھلایا جس سے ہر ایک کے دل میں اپنے مالک کی محبت قائم ہوگئی اور یہ بھی فرمایا کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟"......(کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟)

حدیث میں ہے کہ سب انسان ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ اس کا کیا جواب دیں، سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بولے۔فرمایا:"بلیٰ"......(بے شک آپ ہمارے رب ہیں)

آپ کا فرمانا تھا کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ "بلٰی، بلٰی" بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بول سے سب انسانوں کے دل میں ڈال دیا گیا اور تمام انسان بولے کہ "بلٰی، بلٰی، بلٰی" بے شک آپ ہمارے پروردگار ہیں...... گویا سب سے پہلے معلم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے سب انبیاء علیہم السلام بولے اور انبیاء علیہم السلام کے بولنے سے پورے انسانوں تک یہ تعلیم پہنچ گئی۔

تو سب نے اللہ کے مالک ہونے اور رب ہونے کا اقرار کیا اور اس کی ربوبیت کو مانا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس عہد کو یاد رکھنا۔ دُنیا میں جب جاؤ گے تو اس عہد کو بھولنا نہیں۔ ہم انبیاء علیہم السلام کو بھیجیں گے جو آ کر تمہیں یاد بھی دلائیں گے، پھر اپنی زندگی صحیح کر کے کل کو ہمارے سامنے آنا اور اس عہد کو دل میں رکھ کر لانا، یہ مت کہنا کہ ہمیں تو کسی نے کچھ بتلایا ہی نہیں تھا، ہم کو کسی نے تعلیم ہی نہیں دی تھی۔

"اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ" (القرآن)

"قیامت کے دن یہ کہنے کا موقع نہیں ہوگا کہ ہم تو غافل تھے، نہ کسی کو رب جانتے تھے نہ کسی کو مالک وخالق، ہمیں یہ کسی نے بتلایا ہی نہیں تھا۔" تو فرمایا کہ ہم اپنا "رب ہونا" بتلا رہے ہیں اور ہم سب کے باپ آدم علیہ السلام کو اللہ نے گواہ بنایا اور فرمایا کہ اے آدم! میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنی ربوبیت کا اقرار ان سب کے دل میں ڈال دیا۔ زمین کو گواہ کیا اور آسمان کو بھی گواہ کیا کہ ہم نے تمہیں تعلیم دے دی اور اپنا جمال دکھلا کر اپنی محبت بھی پیدا کر دی اور سوال کا جواب دلا کر اپنی ربوبیت کا اقرار کرالیا کہ میں تم سب کا رب ہوں اور یہ کہ تم غافل نہیں ہو۔

یہی وجہ ہے کہ پیدا ہوتے ہی انسان اپنے دل میں ایک جمال محسوس کرتا ہے کہ میرا مالک اور خالق کوئی ضرور ہے "اور وہ ہے بھی ایک" ...... یہ انسان کو عقل سمجھاتی ہے۔ اسی وجہ سے ہر ایک کی فطرت میں اقرار موجود ہے، ہر ایک کے اندر عشق ومحبت خداوندی ڈلی ہوئی ہے، جسے ہر انسان محسوس کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام آ کر اسے دعوت دیتے ہیں۔ اس کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ محبت کو کس طرح ظاہر کیا جائے۔ اس ربوبیت کے اقرار کو کس عمل سے نمایاں کرے، وہ تعلیم دے کر اس کی تفصیل کر دیتے ہیں، اجمالاً ہر ایک انسان کے دل میں یہ جذبہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں نے نبوت کا اقرار کرنے میں پس وپیش کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق انکار نہیں کیا۔ یہ اسی عہد الست کا اثر ہے جو ان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔

احوال برزخ

انسان کا یہ سفر وہاں سے شروع ہوا تھا، وہاں سے یہ حرکت شروع ہوئی، آدم علیہ السلام کی کمر میں سے نکلے، اقرارِ توحید کے بعد پھر آدم علیہ السلام کی کمر میں لوٹا دیئے گئے...... اس کے بعد. پھر آدم علیہ السلام کی اولاد ہوئی، پھر اولاد کی اولاد اور آگے یہ سلسلہ چلتا رہا اور انسان اپنے اپنے والد کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے۔

تو پہلی منزل جہاں سے انسان چلا ہے وہ آدم علیہ السلام کی پشت ہے اور پھر اپنے باپ در باپ کی طرف منتقل ہوا۔ اس کے بعد پھر ہر انسان اپنی اپنی ماں کے پیٹ کی طرف منتقل ہوا۔ نو مہینے وہاں قیام کیا، یہاں اسے کچھ غذا ملی، کچھ اسے سمجھایا گیا، نو مہینے کی مدت گزار کر گاڑی آگے چلی، پھر دُنیا کا اسٹیشن آ گیا...... پھر دُنیا میں کسی کی عمر چالیس برس، کسی کی پچاس، کسی کی ساٹھ اور سو برس اور کسی کے دو برس...... پہلی اُمتوں کی بارہ بارہ سو، اٹھارہ اٹھارہ سو برس عمریں ہوئیں۔ اب عمریں کم ہو گئیں تو انسان آتے رہے اور اپنی اپنی عمر کے مطابق قیام کرتے رہے۔ جب دُنیا میں اس کی عمر ختم ہوئی تو عالم برزخ میں پہنچ گیا جس کو قبر کہتے ہیں...... اور قبر یہ نہیں ہے جس کو ڈیڑھ گز کا گڑھا بتلایا جاتا ہے یہ تو اُس کی علامت ہے، وہ ایک مستقل جہان ہے جس کو برزخ کہتے ہیں جو دُنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے، اس کا تعلق کچھ دُنیا سے ہے اور کچھ آخرت سے، مرنے والا بالکل دُنیا میں بھی نہیں رہتا اور بالکل آخرت میں بھی نہیں پہنچتا بلکہ بیچ بیچ میں رہتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ قبر میں جنت کی کچھ کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں اور آدمی جنت میں اپنے مقام کو دیکھتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ "یارب اقم الساعة" اے اللہ! جلدی قیامت کر دے تاکہ اس مقام کریم تک پہنچ جاؤں۔ وہاں سے خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اس میں یہ "مست" رہتا ہے تو آخرت بھی سامنے ہے اور دُنیا بھی سامنے ہے کہ کوئی ثواب پہنچائے تو پہنچ جاتا ہے۔

قبر پر زیارت کے لیے کوئی جائے تو حدیث میں ہے کہ قبر کی زیارت کا ادب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پشت کر کے میت کی طرف منہ کرے، میت اسے دیکھتا ہے اور پہچانتا ہے...... تو اُدھر اس کا رُخ جنت کی طرف ہے اور اِدھر اس کا رُخ دُنیا کی طرف ہے، وہاں سے ہوائیں آ رہی ہیں، اِدھر سے دُعائیں اور ثواب پہنچ رہا ہے...... خود اہل برزخ بھی دُنیا والوں کے لیے دُعائیں کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ مرنے والے کو جب نعمتیں ملتی ہیں اور قبولیت ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے اللہ!

جتنے میرے عزیز اور مسلمان بھائی ہیں اس وقت تک انتقال نہ کریں جب تک انہیں توبہ نصیب نہ ہو جائے۔ جب تک وہ اپنے گناہوں سے معافی نہ چاہ لیں تا کہ پاک صاف ہو کر یہاں پہنچیں جیسے تو نے مجھے پہنچا دیا...... تو ہر میت اہل دُنیا کے لیے دُعا کرتا ہے اور دُنیا والے میت کے لیے دُعائیں کرتے ہیں جیسے "اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم"......اے اللہ! ان کی مغفرت فرما کر ان پر رحم فرما "اعلیٰ درجاتھم فی الفردوس" ان کے درجات فردوس میں بلند فرما...... تو ہم ان کے لیے دُعا گو ہیں، وہ ہمارے لیے دُعا گو ہیں۔ ان کی دُعا کا ہدیہ ہم تک پہنچتا ہے اور ہمارے ثواب کا ہدیہ ان تک پہنچتا ہے۔

اسی واسطے فرمایا گیا کہ میت پر زیادہ رونے کی ضرورت نہیں، روئے دھوئے تو جب، جب ہمیشہ کے لیے جدائی ہو، یہ چند دن کی جدائی ہے، ہم بھی وہیں پہنچ جائیں گے جہاں وہ پہنچا ہے تو زیادہ رونے دھونے کی کیا ضرورت ہے، قبر پہ جاکے آپ ثواب پہنچائیں ان کو مل گیا۔ انہوں نے دُعا کا ہدیہ بھیجا وہ آپ کو مل گیا تو یہ کیا جدائی ہوئی......؟

یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارا کوئی عزیز بیرون ملک چلا جائے تو وہاں سے خط کی بھی آمدورفت ہے، ہدیہ بھی جاتا ہے، سلام وکلام بھی پہنچتا ہے، اس لیے آدمی روتا نہیں ہے، کہتا ہے کہ جب جی چاہے گا مل لوں گا اور آدمی ملاقات تو گویا ہوتی ہی رہتی ہے۔ اسی واسطے فرمایا گیا کہ میت پر اتنا رونا دھونا کہ آدمی نوحہ، بیان، بکاء کرے، ماتم کرنے لگے، گریباں پھاڑ ڈالے، رُخسارے نوچ ڈالے، یہ اللہ تعالیٰ پر بے اعتمادی کا بھی اظہار ہے...... اور بے وقوفی بھی ہے، اتنا تو تب روئے جب یہ بات ہو کہ اب کبھی ملنا نہ ہوگا، یہ چند دن کی جدائی ہے پھر ملاقات ہوگی۔

حاصل یہ ہے کہ جس کو ہم قبر کہتے ہیں وہ ڈیڑھ گز کی جگہ نہیں ہے وہ دراصل عالم برزخ ہے جو اتنا بڑا عالم ہے کہ دُنیا جیسے لاکھوں عالم اس میں بن سکتے ہیں تو انسان عالم برزخ کی طرف منتقل ہو گیا اور جب بھی منتقل ہوتا ہے ترقی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

آدم علیہ السلام کی کمر سے جب نکلا تو حدیث میں ہے کہ تمام انسان چیونٹیوں کی طرح تھے۔ ماں کے پیٹ میں آیا تو قد و قامت بڑھ گیا، غذا بھی ملنے لگی، دُنیا میں آیا تو قد و قامت اور بڑھ گیا، غذا بھی بڑھ گئی، وہاں حیض کا خون ملتا تھا یہاں صاف دودھ ملنے لگا، مٹھائیاں، عمدہ غلے، ترکاریاں، پھل پھول اور فروٹ ملنے لگے، ماں کے پیٹ میں یہ نہ تھے وہ تنگ جہان تھا جبکہ دُنیا میں ماں کے رحم جیسے کروڑوں جہان بن سکتے ہیں۔

اب انبیاء علیہم السلام نے خبر دی کہ تم آہستہ آہستہ ترقی کے عالم میں پہنچ رہے ہو۔ اس کے بعد ایک اور عالم آنے والا ہے اور وہ اتنا بڑا ہے کہ دُنیا جیسے کروڑوں عالم اس میں بن جائیں اور وہ عالم برزخ ہے وہاں نعمتیں اور راحتیں بھی زیادہ ہوں گی، دُنیا میں اگر بے چین رہے مگر ایمان تھا تو قبر کے اندر راحت ملے گی۔ ہزار برس تک اکرام سے پڑے سوتے رہنا، دُنیا میں زیادہ سونے کی ضرورت نہیں، کچھ اللہ کا نام لو، عبادت کرلو، باقی تکلیف اگر ہوتی ہے تو اُٹھائی جائے کیونکہ دُنیا تو تکلیف ہی کی جگہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ جب سوال و جواب قبر میں ہو چکے گا اور منکر نکیر کو سب کا جواب دے دے کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام تھا، میرے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو غیبی آواز پیدا ہوگی کہ "ان صدق عبدی"...... میرے بندے نے سچ کہا۔ "فافرشوہ من الجنة والبسوہ من الجنة والفتحوا لہ بابًا من الجنة"...... اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دو، جنت کے فرش بچھاؤ، جنت کا لباس بھی دو...... اور "ویوسع لہ قبرہ مدّ بصرہ" قبر اتنی وسیع کردی جاتی ہے کہ جہاں تک نگاہ پہنچتی ہے میدان ہی میدان نظر آتا ہے...... آسمان تک ہماری نگاہ پہنچتی ہے زمین سے آسمان تک پانچ سو برس کا راستہ ہے، قبر میں ہر انسان کو اتنا بڑا عالم ملے گا جتنا زمین سے لے کر آسمان تک کا مقام ہے تو عالم برزخ میں دُنیا جیسے لاکھوں عالم بن جائیں۔ معلوم ہوا کہ انسان ترقی کی طرف ہے۔

برزخ میں پہنچ کر پھر انبیاء علیہم السلام نے خبر دی کہ ایک اور عالم آنے والا ہے جو اس سے بھی بڑا ہوگا اور وہ عالم محشر ہے۔ اس عالم کی کل عمر تو چند صدیوں کی ہوگی، اُس عالم کا پچاس ہزار برس کا ایک ہی دن ہوگا۔ ایک دن میں سارے اوّلین و آخرین انسان جمع ہوں گے۔ اس کے بعد پھر انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ ایک اور عالم آنے والا ہے جس کا نام جنت ہے، وہ اتنا بڑا عالم ہے کہ عالم برزخ جیسے کروڑوں عالم اِس میں بن جائیں۔ اس لیے کہ عالم برزخ میں ایک آدمی کو اتنا حصہ ملتا ہے جتنا زمین سے لے کر آسمان تک کا مقام ہے اور جنت میں ادنیٰ جنتی کو جو حصہ ملے گا وہ اس دُنیا کے دس گنا کے برابر ہوگا، تو اندازہ کیجیے جنت کتنا بڑا عالم ہے۔

انسان کا سفر در سفر

تو انسان عالم الست سے چلا، عالم رحم میں آیا، عالم رحم سے چلا، عالم دُنیا میں آیا، عالم دُنیا سے چلا، عالم برزخ میں آیا، عالم برزخ سے منتقل ہوا، عالم حشر میں پہنچا۔ عالم حشر سے منتقل ہوا،

عالم جنت میں پہنچا اور جنت میں روزانہ ترقی ہوگی۔ نئے نئے عالم انسان پر کھلیں گے، عجائبات ظاہر ہوں گے، طرح طرح کی نعمتیں نمایاں ہوں گی۔

اس لیے کہ انسان میں تجدد پسندی کا جذبہ ہے کہ نئی نئی چیزیں اس کے سامنے آنی چاہئیں۔ اگر ہمیشہ پرانی چیزیں رکھی رہیں، آدمی کا دل گھبرا جاتا ہے، اگر روز پلاؤ کھانے کو ملے تو دوسرے دن جی گھبرا جائے، کسی دن دال، کسی دن چاول، کسی دن پلاؤ، روز نئی چیز ہو تو انسان کی طبیعت بہلتی رہتی ہے اور روز ایک ہی غذا ہو، چاہے وہ اعلیٰ ہو تو بھی آدمی کا دل گھبرا جاتا ہے۔

اسی واسطے دُنیا میں موٹر کاریں ہیں، ہر سال ان کا نیا ماڈل تیار کیا جاتا ہے، مکانات کے نقشے بدلتے رہتے ہیں۔ کل کچھ اور رنگ کا مکان تھا، آج اور رنگ کا، آج کل امریکن سٹائل مکان چلے ہیں ان کا کچھ اور ہی نمونہ ہے۔ سو برس کے بعد دُنیا میں معلوم نہیں کیا نمونہ بن جائے گا...... تو یہ انسان کی فطرت ہے کہ نئی سے نئی چیز سامنے آئے۔ جنت کی نعمتیں کتنی ہی پُر لطف ہوں لیکن اگر ایک ہی قسم کی نعمتیں ہوتیں اور ابدالآباد تک رہتیں تو آدمی گھبرا جاتا۔ اس لیے روز نئے نئے سامان ہوں گے۔

حدیث میں ہے کہ جنت میں ایک عالیشان محل ہے جس میں انسان مقیم ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر جو نگاہ اُٹھاتا ہے، اب تک معلوم تھا کہ سبز رنگ ہے، دوبارہ جو نگاہ اُٹھائی تو دیکھا کہ اب سرخ ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد نگاہ کی معلوم ہوگا کہ زرد رنگ ہو گیا تو محلات کے رنگ نئے نئے آتے رہیں گے، نئے نئے جہاں کھلتے رہیں گے، نئی نئی نعمتیں سامنے آتی رہیں گی اور نشاط پہ نشاط پہنچتا رہے گا۔ معلوم ہوا کہ جنت میں بھی حرکت ہی رہے گی...... اور وہ ختم ہونے والی نہ ہوگی بلکہ عروج ہوتا رہے گا۔ گویا اصل ترقی وہاں ہوگی۔

انسان حرکت میں ہے۔ اب بھی آپ حرکت میں ہیں، قبر و حشر میں بھی حرکت میں رہیں گے۔ جنت میں جا کر عالم متعین ہو جائے گا مگر نعمتوں اور لذائذ کی ترقی جاری رہے گی۔

تو انسان کی اتنی لمبی حرکت کا کوئی مقصد ہونا چاہیے۔ تھوڑی سی حرکت، گھر سے مدرسہ اور دکان دفتر تک کی جائے، اس کا ایک مقصد ہوتا ہے حالانکہ وہ چند گھنٹوں کی حرکت ہوتی ہے، یہ تو ہزاروں برس کی حرکت ہے تو اتنی طویل حرکت ہو اور بلا مقصد ہو، یہ عقل بالغ نہیں کہتی۔ عقل سلیم یہ قبول نہیں کرے گی کہ یہ انسان ایسے ہی بے کار حرکت کر رہا ہے، اس کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے، اللہ نے اُسے عبث و بے کار پیدا نہیں فرمایا۔

زندگی کی حقیقت

بلکہ یہ آپ کی زندگی، یہ خود ایک مستقل حرکت ہے، جو آدمی کے اندر بہت زور سے چل رہی ہے اور بہت دور تک چلتی رہے گی، جب تک آدمی کا بدن حرکت کرتا رہے کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہے، جب حرکت ختم ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ آدمی مر چکا ہے، قلب حرکت کرتا رہے، کہتے ہیں کہ قلب زندہ ہے، اگر قلب کی حرکت ختم ہو جائے، کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کا انتقال ہو گیا...... تو حرکت بند ہو جانے کا نام موت، اور حرکت کے جاری رہنے کا نام زندگی ہے...... انسان کی آنتیں جب تک حرکت کرتی رہتی ہیں فضلات خارج ہوتے رہتے ہیں، آدمی تندرست رہتا ہے، اگر آنتیں حرکت نہ کریں، ان میں غذا پڑی رہے، قبض ہو جاتا ہے، وہی موت کا پیش خیمہ ہے، تو آنتیں دل، جگر اور دماغ سب حرکت میں ہیں حتیٰ کہ عقل انسانی بھی حرکت میں ہے۔ آدمی اس سے کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے۔ کل کیا ہوگا؟ پرسوں کیا ہوگا؟ گویا ہر وقت دماغ حرکت میں ہے۔ اگر حرکت بند ہو جائے، کہا جائے گا کہ فلاں آدمی بے وقوف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عقل نہیں تو ایک ایک قوت اور عضو حرکت کرتا رہتا ہے۔ دیکھا جائے تو نہ صرف انسان بلکہ زندگی بھی حرکت میں ہے۔

اس لیے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انسان ازلی تو نہیں کہ ہمیشہ سے تھا مگر ابدی ضرور ہے کہ پیدا ہو گیا تو اب مٹنے والا نہیں۔ ابدالآباد تک وہ زندہ رہے گا، جگہیں بدلتی رہیں گی، ایک عالَم سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے اور پھر چوتھے عالَم میں تو مکان اور جہان بدلتے رہیں گے اور انسان باقی رہے گا۔

کیا مقصد زندگی خورد و نوش ہے؟

تو اس قدر طویل زندگی کا مقصد کیا ہے؟...... مقصد بھی اتنا طویل ہونا چاہیے جتنا لمبا سفر ہے۔ سفر تو ہزاروں برس کا ہو اور مقصد معمولی سا ہو۔ وہ اس کے اوپر چسپاں نہیں ہوگا۔ مقصد اتنا اونچا اور بلند ہونا چاہیے جو اس کی لمبی عمر کے مناسب ہو، جتنا ہی بڑا سفر اتنا ہی بڑا درشن ہونا چاہیے تو وہ کیا مقصد ہے جس کے لیے ہم پیدا کیے گئے اور اتنا لمبا سفر اختیار کیا؟

فرض کیجیے یہ مقصد ہو کہ بس آپ روٹی کھا لیجیے، یہ بھی ایک مقصد ہے کہ کچھ پیسے جمع کیے، کچھ روٹیاں کھائیں، کچھ مزے اُڑائے، بس آدمی ختم ہو گیا...... تو اتنا لمبا سفر اور اس کے لیے مقصد صرف روٹی......؟ (کلا و حاشا) روٹی تو جانور بھی کھاتے ہیں۔ پھر انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی،

یہ جو گائے، بھینس، بکری ہیں وہ سب اس مقصد کو ادا کر رہی ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات، اتنی بلند مخلوق اور اس کی زندگی کا صرف مقصد یہ کہ وہ روٹی کھالے اور ختم ہو جائے۔ (یا ایسے اسباب و وسائل میں زندگی گنوا دے جن کا نتیجہ بہرصورت روٹی ہو۔ مثلاً تجارت اور صنعت و حرفت وغیرہ یا باقی اسباب معاش جو روٹی کو نتیجہ کے طور پر میسر کرتے ہوں) یہ کوئی اہم مقصد نہیں ہے۔ اگر یہ اہم مقصد ہوتا تو جو اس مقصد کو زیادہ عمدگی سے انجام دیتا، وہ اشرف المخلوقات ہونا چاہیے تھا، وہ انسان نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے ہاتھی، بھینس اور گائے وغیرہ اشرف المخلوقات بنتے، انسان نہ بنتا، یہ اتنا نہیں کھا سکتا جتنا یہ جانور کھاتے ہیں۔ اگر کھانے کے لیے بیٹھ جائے تو ہاتھی کے برابر نہیں کھا سکتا، نہ پیٹ اتنا ہے نہ ہاضمہ اس جیسا ہے۔ اس لیے اس قدر طویل زندگی کا مقصد ظاہر ہے کہ وہ روٹی تو نہیں ہو سکتی، اتنی لمبی چوڑی حرکت کی زندگی، کیا محض اللہ نے اس لیے دی کہ چند لقمے کھا لیے جائیں، یہ تو عارضی سی بات ہے۔

پھر یہ کہ کھانے کا مقصد درحقیقت یہ ہوتا ہے کہ بدن باقی رہے۔ اس کے باقی رہنے کا کیا مقصد ہے؟ پھر مقصد کی تلاش شروع ہو گئی تو روٹی اگر مقصد بنتی، وہ مستقل چیز بنتی حالانکہ وہ بدن کے پالنے کا ذریعہ ہے۔ پھر سوال اپنی جگہ قائم کہ روٹی بدن کے پلنے کا ذریعہ ہوتی، پھر بدن کے پلنے سے کیا مقصد؟

اور اگر فرض کیجیے روٹی مقصد ہو بھی تو اتنی لمبی چوڑی عمر اور یہ مقصد؟ یہ مقصد تو پھر جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ جانور بھی تو آخر کھاتے پیتے ہیں۔ اگر آپ نے کھا پی لیا تو کون سا کمال کیا؟

آپ کہیں گے صاحب ہم تو پلاؤ، زردہ، اور مرغ کھاتے ہیں۔ جانور تو یہ نہیں کھاتے......

اس کا جواب یہ ہے کہ جانور کیوں مرغ نہیں کھاتے، کیا بلی مرغ نہیں کھاتی اور شیر گائے کو نہیں پھاڑ کھاتا؟ آپ نے گائے کا گوشت کھا لیا تو کیا کمال کیا؟ بھینسا وہ بھی کھا لیتا ہے آپ بھی کھا لیتے ہیں ، زیادہ سے زیادہ وہ مصالحہ نہیں ڈالتا، تو مصالحہ ڈالنا بھی کون سے کمال کی بات ہے؟ مصالحوں سے تو بلکہ گوشت کا اصل ذائقہ ختم ہو جاتا ہے۔ صحیح طور پر گوشت کو پکایا جائے، تھوڑا سا نمک مرچ ملا کے کھا لیا، گوشت کا اصل ذائقہ تو رہے گا، یہ مصالحوں کی بھرمار سے تو اصل ذائقہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

تو آپ نے بھی مرغ کھایا اور بلی نے بھی مرغ کھا لیا۔ اس نے اصل ذائقہ چکھا آپ نے بدلا ہوا۔ آپ تو گھاٹے میں رہے اور اس نے اصل گوشت کھایا۔ یہ کون سا کمال ہے؟ اگر یہ کمال ہوتا، پھر بلی بھی اشرف المخلوقات ہوتی، تو کھانا کوئی مستقل کمال نہیں، کھانا ضرورت کے لیے ہے تاکہ بدن باقی رہے اور بدن سے ہم کام لے سکیں۔ تو اصل مقصد وہ کام ہو گا بلکہ جن پر کام کی زیادتی

ہوتی ہے کھانا کھاتے ہوئے ان کا جی گھبراتا ہے، لوگ کہا کرتے ہیں کہ کام زیادہ ہے، کھانا وانا تو ہوتا ہی رہے گا۔ معلوم ہوا کہ کھانے کو اصل مقصد نہیں سمجھتے، کام کو اصل مقصد سمجھتے ہیں، تو کھانا کوئی اہم چیز نہیں، اگر ہمیں کوئی ایسا طریقہ ہاتھ لگ جائے کہ بلا کھائے پیے ہم کام کرتے رہیں، شاید کھانے کی طرف رُخ بھی نہ کریں، یہ تو مجبوری کی بات ہے کہ بلا کھائے پیے زندگی باقی نہیں رہتی۔

انسان جب اشرف المخلوقات ہے تو کھانا کھانا اس کی کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے کہ انسان ہی کھاتا ہو، انسان سے زیادہ بھینسا بھی کھاتا ہے۔ تو انسان کی زندگی کا یہ مقصد تو نہیں ہوسکتا کہ وہ روٹی کھالے اور مقصد حاصل ہوگیا اور اس لیے اتنا لمبا سفر کہ آدم علیہ السلام کی کمر سے نکلے، ماں کے پیٹ میں آئے، دُنیا میں آئے اور مقصد یہ ہو کہ کچھ کھا پی لے، یہ کیا مقصد ہوا؟ یہ کوئی اہم چیز نہیں، یہ تو بہیمیت کی علامت ہے، گو انسان میں بہیمیت ہے، اللہ نے اس کو اجازت دی ہے کہ وہ کچھ کھائے پیے، وہ بھی اچھا کھاتا پیتا ہے، خوشنما بنا کے کھاتا پیتا ہے، مگر مقصدِ زندگی یہ نہیں ہوسکتا۔

روحانی قوت کی کرشمہ سازیاں

ملائکہ علیہم السلام زندہ ہیں، وہ کون سی گوشت روٹی کھاتے ہیں؟ ذکر اللہ ہی سے تو زندہ ہیں۔ اصل زندگی ذکر اللہ کا نام ہے چونکہ ہم اس کوچے سے واقف نہیں، ذکر اللہ کی کوئی کیفیت ہمارے قلب میں نہیں، اس لیے ہم غلطی سے یہ سمجھ گئے کہ زندگی کھانے پینے کا نام ہے ورنہ اصل میں زندگی محبوب کا نام لینا ہے کہ آدمی محبوب کا نام لے۔

اگر دُنیا میں کسی کو کسی سے محبت ہو جائے اور محبوب چلا جائے، وہ فراق و ہجر میں رو رہا ہے، پریشان ہو رہا ہے، روتے روتے ضعیف ہوگیا۔ بالآخر چارپائی کو لگ گیا، اچانک اس نے کہا، او تیرا محبوب آ گیا، ایک دم اُٹھ کے بیٹھ جائے گا کہ کہاں ہے؟ یہ جو ایک دم جان آ گئی یہ کہاں سے آئی، کیا کوئی روٹی کھائی تھی......؟ کوئی پانی پیا تھا؟ محبوب کا نام ہی تو سامنے آیا۔ معلوم ہوا کہ زندگی کی قوت درحقیقت محبوب کا وصال ہے، روٹی اور کپڑا یہ زندگی کی قوت نہیں ہے، یہ تو عوارض میں سے ہے۔

دُنیا میں آدمی جب ان چھوٹے چھوٹے محبوبوں کی قوت سے زندہ ہوتا ہے اگر کسی کے دل میں اللہ کی محبت سما جائے تو اس کی زندگی کا کیا ٹھکانہ؟...... انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کی محبت میں غرق ہوتے ہیں اس لیے ان کی زندگی کی قوت محبوب کا نام اور اس کا ذکر ہے۔ روٹی پانی سے انبیاء علیہم السلام زندہ نہیں ہیں، ذکر اللہ سے زندہ ہیں، انبیاء علیہم السلام اگر ایک حبہ (دانہ) بھی نہ کھائیں تو بھی ان کی زندگی

میں فرق نہیں پڑ سکتا، وہ اپنی عبدیت ظاہر کرنے کے لیے کھاتے پیتے ہیں اور اُمت کے لیے سنت قائم کرنا مقصد ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ عمل کر کے نہ دکھائیں، ہم کس طرح سے کھائیں پئیں؟ ہمارے لیے نمونہ کیا بنے؟ تو اسوۂ حسنہ کے طور پر کھاتے ہیں، زندگی کی بقاء کے لیے نہیں، وہ اللہ کے ذکر سے ہے۔

آج اگر ہمیں یہ مقام میسر آ جائے کہ ہم بھی ذکر اللہ سے زندہ رہ سکیں تو کبھی روٹی کی طرف رُخ بھی نہ کریں، یہ تو مجبوری کی بات ہے، ذکر اللہ سے ہم ناواقف، غلط فہمی میں مبتلا کہ زندگی روٹی سے قائم ہے اس لیے روٹی کی طرف لپکتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اولیائے کاملین میں سے تھے، انہوں نے وفات سے دو مہینے پیشتر یہ فرمایا کہ: ”بحمد اللہ! اب مجھے زندہ رہنے کے لیے کھانے پینے کی حاجت باقی نہیں رہی۔ محض اتباعِ سنت کے لیے کھاتا اور پیتا ہوں ورنہ حاجت نہیں۔“

یعنی ذکر خداوندی دل ودماغ کے اندر اتنا رچ چکا ہے کہ اب اسی سے زندہ ہوں۔ پھر بھی اتباع سنت کے لیے کھاتے تھے تاکہ اس پر بھی اجر وثواب مل جائے۔ اگر ہمارے ہاتھ میں کوئی ایسا طریقہ آ جائے کہ بلا کھائے پئے ہم زندہ رہیں، کبھی کھانے پینے کی طرف دھیان نہ کریں، کون اس مصیبت میں پڑے کہ صبح سے شام تک چولہا جھونکو اور کھیتی کرو، وہاں سے غلہ آئے، وہ پسے، ایک مصیبت ہے۔ جب ہم اس کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں تو کیا ضرورت اس مصیبت میں پڑنے کی؟

مطلب یہ ہے کہ اوّل تو روٹی مقصد نہیں، جانور بھی کھاتے پیتے ہیں، اور اگر کسی درجہ میں یہ ہوتا بھی تو یہ مقصد جانوروں کو بھی حاصل ہے، انسان کو آخر اتنی بڑی زندگی کیوں دی گئی......؟ یہ حقیر چیز ہے اور زندگی بڑی عظیم چیز ہے۔ عظیم چیز کے اوپر ایسا تھوڑا سا مقصد مرتب ہو۔ یہ حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے۔

اصل میں کھانے کو چھوڑنا یہ کمال کی علامت ہے۔ کھانا کمال کی علامت نہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی بقدرِ ضرورت کھاتے پیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ دن بھر گھوڑے کی پشت پر سوار رہتے، کھانے کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی، ہر وقت جہاد میں مشغول ہیں، بعضوں کے پاس بغل میں چند ٹکڑے پڑے ہوتے، وہ کھا لیتے تھے اور بعضوں کے پاس وہ چند ٹکڑے بھی نہ ہوتے تھے، کھجور کی چند گٹھلیاں ہی پڑی ہوتی تھیں۔ جب بھوک نے بہت ستایا، بس وہ منہ میں ڈال کر نفس کو بہلا دیا کہ ہم بھی کچھ کھا لیں ورنہ وہ کھانے کی کیا چیز ہوتی ہے۔ کھانا تو

یہ تھا اور محنت وجدوجہد یہ کہ چوبیس گھنٹے گھوڑے کی پشت پر سوار ہیں اور جہاد میں مصروف ہیں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کرر ہے ہیں تو کمال ان کا سمجھا جائے گا جنہوں نے کھانا ترک کیا، کھانا کھانا کوئی کمال کی چیز نہیں۔ اہل کمال جتنے بھی ہیں وہ کم ہی کھاتے ہیں، اس لیے انبیاء علیہم السلام نے کم کھایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کم کھایا، حتیٰ کہ اولیاء اللہ نے بھی کم کھایا۔

اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صومِ وصال رکھنا شروع کیا، روزہ پر روزہ، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کو دیکھ کر صومِ وصال شروع کر دیئے۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا"ایکم مثلی یطعمنی ربی ویسقینی" تم میں مجھ ایسا اور میری مثل کون ہے؟ مجھے تو میرا پروردگار کھلاتا پلاتا ہے، اس سے میرے اندر طاقت ہے تو وہ کیا چیز کھلائی جاتی تھی؟ آسمان سے کوئی زردہ، پلاؤ اور بریانی کی رکابیاں نہیں اُترتی تھیں، وہ ذکر اللہ کی طاقت تھی جو رگ وپے میں رچ بس گیا تھا اور سرایت کیے ہوئے تھا، وہ روحانی قوت تھی اس وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کام کرتے تھے، یہ مادی قوت نہ تھی، اگر ساری عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لقمہ بھی استعمال نہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت میں فرق نہیں آسکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے کھایا پیا ہے تاکہ اُمت کے لیے نمونہ بن سکے، اُمت کے لیے راستہ بنے، جائز وناجائز کا پتہ چلے ورنہ کھانے کی محتاجگی نہیں تھی۔

حاصل یہ نکلا کہ کھانا کھانا کمال نہیں ہے، کھانے کو ترک کرنا، یہ کمال ہے، دُنیا بھی اسی کو کمال سمجھتی ہے۔ اگر ایک شخص بہت کھاتا ہے تو کوئی خیال بھی نہیں کرے گا، اگر آپ کسی سے کہیں میں بہت باکمال ہوں اس لیے کہ میں بہت کھاتا ہوں تو وہ کہے گا، یہ کون سے کمال کی بات ہے؟ سبھی کھاتے ہیں، جانور بھی کھاتے ہیں اور اگر کوئی ایسا شخص نظر پڑے جو ہفتہ عشرہ تک کھانا نہیں کھاتا مخلوق اس کے پیچھے ہولے گی کہ معلوم ہوتا ہے "وَلی اللّٰہ" ہیں۔

معلوم ہوا دُنیا بھی نہ کھانے کو کمال سمجھتی ہے، دُنیا کے نزدیک کمال بھی کھانے کو ترک کرنا ہے۔ کھالینا یہ کمال نہیں۔ اسی لیے روزے کو اصل عبادت فرمایا گیا۔ روزہ میں ترک طعام ہے، کھانا تو نیت سے عبادت بنتا ہے، اپنی ذات سے عبادت نہیں اور روزہ رکھنا یہ اپنی ذات سے عبادت ہے۔ اللہ کے ہاں بھی مقبولیت نہ کھانے سے پیدا ہوتی ہے، کھانے سے نہیں ہوتی۔

ہم صبح سے شام تک کھاتے رہتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ الگ، دوپہر کا کھانا الگ، شام کا الگ اور رات کا الگ اور وہ بھی اتفاق سے چار دفعہ کھانے کے بعد گنجائش نہیں ہوتی۔ ذرا بھی

اور گنجائش ہوتی تو ایک دفعہ اور اضافہ کر لیتے ...... بہر حال! یہ کوئی بڑا کمال نہیں ہے۔ کمال کھانے کو ترک کر دینا ہے تو اتنی بڑی زندگی کا مقصد متعین کرنا ہو اور وہ ہو کھانا، یہ تو آپ بھی کمال نہیں سمجھتے۔ اس واسطے یہ اتنی لمبی حرکت کی منزلِ مقصود روٹی نہیں بن سکتی۔

کیا مقصدِ زندگی عزت واقتدار ہے؟

پھر آخر کیا مقصد ہے؟ ہو سکتا ہے آپ کہیں دُنیا میں اس سفر کا مقصد روٹی نہیں ہے مگر کرسی، عزت، آبرو، جاہ و اقتدار اور منزلت ہو، یہ روٹی سے بہر حال اونچے درجے کی چیز ہے۔ آدمی اپنی عزت بچانے کی خاطر پیسہ اور روٹی داؤ پر لگا دیتا ہے تاکہ آبرو پر حرف نہ آئے تو آبرو روٹی سے زیادہ اونچی چیز ہے۔ زندگی کا مقصد یہ عزت بھی نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ جس کو آپ عزت کہتے ہیں وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ دوسرے آپ کو اچھا سمجھیں۔ بس یہی تو عزت ہے اس کے سوا تو کچھ نہیں کہ دوسرے یہ خیال کریں کہ آپ بہت بڑے آدمی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی عزت خیالی چیز ہے، کسی نے خیال کر لیا کہ آپ بڑے ہیں تو بڑے بن گئے۔ کسی نے خیال نہ کیا، آپ چھوٹے کے چھوٹے رہ گئے۔ تو ایک بے بنیاد چیز ہے جس کا نام عزت ہے، خیالی چیز ہے اور پھر خیال بھی دوسرے کا، اپنا نہیں ......اگر اپنا خیال ہوتا، چلو صبح سے شام تک یہ خیال کئے بیٹھے رہتے کہ ہم بہت بڑے آدمی ہیں، بڑے باعزت ہیں، یہ تو خیالی چیز ہے اور خیال بھی دوسرے کا جس پر ہمیں قبضہ حاصل نہیں ہے۔ کوئی دوسرا اگر خیال کئے بیٹھا رہے تو بڑے ہوں گے اور اگر اس نے یہ خیال کر لیا کہ آپ بڑے نہیں، بس آپ حقیر ہو گئے، تو عزت ایک بے بنیاد چیز ہے، ایسی عزت محض خیالی پلاؤ ہے اور کچھ نہیں۔

عزت فی الحقیقت اللہ کے ہاں مقبول ہونے کا نام ہے۔ عزت کسی کے خیال کر لینے کا نام نہیں ہے، اللہ جس کو قبول کر لے، وہ باعزت ہے، جس کو رد کر دے وہ بے عزت ہے، عزت وذلت خدا کی طرف سے ہوتی ہے، بندے کے ہاتھ میں نہیں ہے، اگر بندے سے عزت کرائیں تو اس کی خوشامد کرتے پھریں تو ذلیل تو پہلے ہی تھے، اب ہاتھ جوڑتے پھریں کہ حضور میری عزت کی جائے کیوں کہ عزت سے پہلے تو ذلت ہے، اب خوشامد کے بعد اور ذلیل ہو گئے، عزت تو کیا ہونی تھی......؟

اور اگر آپ ڈنڈا لے کر کہیں کہ کر میری عزت ......وہ آپ کے ڈنڈا رسید کرے گا کہ تو میری عزت کر۔ یہ تو پہلے سے زیادہ تذلیل ہو جائے گی تو عزت نہ انسان کے دبانے سے ملتی ہے نہ خوشامد سے ملتی ہے۔ عزت خدا کی طرف سے ملتی ہے جب کہ بندہ اللہ کی اطاعت کرے، یہ ان کا فرمانبردار

بنے؟ وہ قبول کرلیں گے، ان کے قبول کرنے سے انسانوں میں قبولیت پیدا ہوگی۔ یہ اصل عزت ہے۔

عزت کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اللہ کسی کو عزت دے، حق تعالیٰ قبول فرمالیں تو ہی عزت ہے اور حق تعالیٰ تب ہی قبول فرماتے ہیں جب کوئی نیکی اختیار کرے، مامورات کرے اور بدی سے بچے، بدعمل و بدکار کبھی باعزت نہیں ہوسکتا تو اصل عزت نیکی میں ہے، حق تعالیٰ کے سامنے جھکنے میں اور اس کی اطاعت میں ہے، نہ یہ کہ لوگوں کے خیال میں آجائے کہ یہ باعزت ہیں، یہ خیال ہی بے بنیاد ہے، اس لیے کہ کل ہے، پرسوں کو نہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ زندگی کی اتنی لمبی چوڑی حرکت اور اتنا طویل سفر اس کا مقصد نہ تو روٹی بن سکتی ہے اور نہ کرسی۔ اس لیے کہ روٹی بہائم کی علامت ہے اور اقتدار پسندی یہ خیالی چیز ہے تو زندگی تو حقیقی ہو اور اس کا مقصد محض خیالی ہو۔ یہ بے جوڑ بات ہے، سمجھ میں آنے والی نہیں ہے اور حکمت خداوندی کے بھی خلاف ہے۔

مقصدِ زندگی قرآن کریم کی روشنی میں

تو یہ دونوں چیزیں مقصد نہیں بن سکتیں، پھر آخر مقصد کیا ہونا چاہیے۔ لمبی زندگی کا مقصد بھی، خود اتنا لمبا ہونا چاہیے جو زندگی کے ساتھ آخر تک ساتھ جائے۔ یہ دونوں باتیں روٹی اور کرسی لمبا مقصد نہیں۔ اس لیے کہ روٹی آپ اس وقت تک کھائیں گے جب تک دُنیا میں موجود ہیں اور جب قبر میں پہنچ گئے تو روٹی تو رہ گئی اور زندگی آگے تک جارہی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ زندگی آگے تک جارہی ہے اور مقصد پہلے ہی ختم ہوگیا تو یہ مقصد کیسے بنے گا؟

اسی طرح دُنیا کا جاہ و اقتدار جو تخیل اور خیال سے ہوتا ہے، وہ بھی کوئی پائیدار چیز نہیں ہے، جب انسان ختم ہوگیا اور یہاں سے منتقل ہوگیا تو عزت بھی ختم ہوگئی۔ ایک بادشاہ جب انتقال کر جاتا ہے، وہ اپنا سارا اقتدار دُنیا میں چھوڑ جاتا ہے۔ قبر میں اُس کا اقتدار ساتھ نہیں جاتا۔ اب زندگی باقی ہے اور حکومت ختم ہوگئی تو یہ اقتدار کیسے مقصدِ زندگی بن سکتا ہے کہ زندگی تو آگے جارہی ہے اور مقصد پیچھے رہ گیا۔ اس لیے نہ روٹی، نہ عزت و اقتدار اور حکومت مقصد بن سکتی ہے بلکہ صرف ایک چیز مقصد بن سکتی ہے، اس مقصد کو قرآن کریم نے پیش کیا۔ فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

"میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت اور اطاعت کریں۔"

انسان کی خلقت اور پیدائش کا اصل مقصد یہ ہے، اگر ایک انسان عبادت میں لگ گیا، اس نے زندگی کا مقصد پورا کرلیا، عبادت میں نہ لگا، زندگی رائیگاں چلی گئی، مقصد پورا نہ ہوا تو قرآن حکیم نے مقصد بتلایا ہے کہ زندگی کا مقصد فی الحقیقت اطاعتِ خداوندی اور عبادتِ خداوندی ہے۔ عبادتِ خداوندی ہوگی تو عزت بھی حاصل ہوگی، بھوکے نہیں رہوگے، روٹی بھی ملے گی۔ اصل مقصد یہ ہے۔

یہ مقصد کیوں ہے؟ اس لیے کہ روٹی اگر مقصد ہو تو عمر تو بہت آگے تک جارہی ہے اور روٹی قبر کے کنارے پر ختم ہوگئی۔ وہ مقصد کیا ہوا جو پوری عمر پر مرتب نہ ہو، مقصد وہ ہے کہ جب تک عمر چلے، مقصد بھی چلتا رہے، وہ مقصد، مقصد نہیں بن سکتا کہ عمر تو آگے تک چلے اور وسیلہ قبل از وقت ختم ہوجائے۔

اسی طرح سے خیالی عزت بھی قبر سے آگے نہیں جاسکتی۔ جب قبر میں ہم پہنچ گئے، کوئی ہمارے لیے (بڑے ہونے کا) خیال باندھے نہ باندھے، ہمارے لیے برابر ہے۔ وہاں تو اپنے عمل کا امتیاز ہوگا، وہاں یہ تھوڑا ہی دیکھا جائے گا کہ پبلک ہمارے لیے کیا خیال لیے ہوئے ہے؟ یہ نہیں دیکھا جائے گا۔

ابدی زندگی کا ابدی مقصد

اور اگر طاعت وعبادت مقصد ہو تو یہ فی الحقیقت لمبا چوڑا مقصد ہے جو پوری عمر پر مرتب ہوتا ہے کہ جب تک انسان دُنیا میں موجود ہے عبادت اس کے ساتھ رہے گی، قبر میں جب پہنچے گا، جب بھی عبادت موجود ہوگی۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے تو فرمایا گیا کہ **"الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون"** انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"کانی انظر الی موسیٰ یلبّی"** میں موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ لبیک لبیک کہتے ہوئے میدانِ عرفات کی طرف جارہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام حج بھی کرتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اونٹنی پر سوار ہیں اور وہ حج کررہے ہیں، اس اونٹنی کا لگام اون اور صوف کا ہے۔

حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے طواف فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام بھی طواف میں ساتھ تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص "مربوع القامۃ" یعنی چوڑا سینہ اور بہت موزوں قد اور سرخ و سفید چہرہ جیسے گلاب کا پھول ہوتا ہے اور اتنا تر وتازہ گویا ابھی حمام میں سے غسل کرکے نکلے ہیں کہ

بالوں سے ابھی پانی ٹپک پڑے گا۔ اتنا شاداب اور تروتازہ اور نہایت حسین وجمیل چہرہ...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون طواف کررہے ہیں؟...... کہا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح اللہ ہیں...... معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام طواف بھی کرتے ہیں، لبیک لبیک کہتے ہوئے میدانِ عرفات میں بھی جاتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، قبر میں ذکر اللہ بھی کرتے ہیں۔

توانبیاء علیہم السلام کے لیے تو ذکر اللہ اور عبادت صراحتہ احادیث سے ثابت ہے، ہمارے آپ کے لیے اور عام المؤمنین کے لیے تو یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ ہاتھ پیر سے عبادت کرتے ہیں...... مگر ہاں ایک عبادت ہم بھی کرتے ہیں، وہ عبادت ہم قلب سے کرتے ہیں، بدن تو رہتا نہیں، انبیاء علیہم السلام کا تو بدن بھی محفوظ ہے، وہ تو بدن سے عبادت کرتے ہیں، ہمارا بدن تو مٹ مٹا جاتا ہے۔ اس لیے بدنی عبادت نہیں رہے گی مگر روحی عبادت ہم بھی کرتے ہیں اور وہ قلب کے جذبے اور تخیل کی عبادت ہے۔ اس لیے کہ بدنی عبادت تو جب کریں جب بدن ہو، یہ عمل کا آلہ ہے، جب بدن نہیں رہے گا آگے صرف روح ہی رہ جائے گی، روح عمل نہیں کرسکتی مگر جذبات کی عبادت کرسکتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ جب منکر نکیر سوال و جواب کے لیے آتے ہیں اور دو تین سوال کرتے ہیں کہ "من ربک؟" تیرا پروردگار کون ہے؟ "وما دینک؟" تیرا دین کیا تھا؟ "ومن نبیک؟" تیرے نبی کون تھے؟ توحید رسالت اور شریعت، ان تینوں کا سوال ہوتا ہے...... حدیث میں فرمایا گیا جب ملائکہ علیہم السلام مؤمن سے کہیں گے کہ "من ربک؟" تیرا پروردگار کون تھا؟ تو بموجب حدیث مؤمن کو جو اس وقت، وقت دکھلایا جائے گا وہ ایسا ہوگا جیسے سورج غروب ہونے کو ہے اور دھوپ میں زردی چھا چکی ہے، دن ختم ہو چکا اور مغرب آنے والی ہے۔ "یتمثل له الشمس" قبر میں سورج کی صورت مثالی دکھلائی جائے گی...... تو فرشتوں کے جواب میں یہ بندۂ مؤمن کہے گا: "دعونی اُصلی" ...... میاں پرے کو ہٹو، وقت تنگ ہوگیا ہے، میری نماز قضا ہونے کو ہے، مغرب آ جائے گی، تو ایک فرشتہ دوسرے سے کہتا ہے کہ اس سے "رب" کے بارے میں کیا سوال کرتے ہیں یہ تو رب کی عبادت کرنے کو ہے۔ دوسرا کہتا ہے بہرحال ہماری ڈیوٹی ہے جو انجام دینی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ جواب حق دے گا، اس کا چہرہ اور عمل ہی بتلا رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہاں بدنی عبادت تو نہیں کرسکتے مگر تخیل کی عبادت تو کریں گے جذبہ یہ ہوگا تبھی "دعونی اُصلی" کہیں گے کہ میاں پرے کو ہٹو، نماز پڑھنے دو۔

اس پر فرشتے کہیں گے کہ اب نماز کا وقت نہیں یہ تو عالم برزخ ہے وہ جو نماز پڑھنے کی تکلیف دی گئی تھی، وہ دُنیا میں دی گئی تھی۔ برزخ اور عالم آخرت میں یہ تکلیف نہیں دی گئی۔ اس وقت اُسے پتہ چلے گا کہ یہ سورج کی صورت مثالی ہے حقیقی دن نہیں ہے، میں تو قبر کے اندر ہوں۔

مگر "دعونی اُصلی" کون کہے گا جس نے دُنیا میں نماز پڑھنے کی عادت ڈالی ہو۔ اگر دُنیا میں نماز سے بے پرواہ رہے گا تو اس کی زبان سے "دعونی اُصلی" نہیں نکل سکے گا کہ مغرب کا وقت آرہا ہے اور مجھے نماز پڑھنے دو...... اس لیے کہ زندگی میں روزانہ اصلی مغرب کی نماز کا وقت آتا تھا اور اسے نماز کی پرواہ بھی نہیں ہوتی تھی تو جو یہاں بے پرواہ تھا، وہاں بھی بے پرواہ رہے گا جسے یہاں پرواہ تھی، وہاں جا کر بھی پرواہ دار بنے گا......

حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے "**تحشرون کما تموتون و تموتون کما تحیون**"...... تمہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس حالت میں موت آئی اور موت اس حالت پر آئے گی جس حالت پر زندگی گزاری۔ اگر زندگی ذکر و عبادت میں گزاری ہے تو موت کے وقت بھی ذکر و عبادت کا ہی دھیان ہوگا اور جب قبر سے اُٹھے گا جب بھی ذکر کا دھیان ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی حاجی میدانِ عرفات میں یا منٰی میں لبیک لبیک کہتے ہوئے مرگیا، جب وہ میدانِ محشر میں قبر سے اُٹھے گا تو اس کی زبان پر لبیک لبیک جاری ہوگا۔

"لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک"

وہ یہی سمجھے گا کہ میدانِ عرفات میں جا رہا ہوں...... آگے جا کے پتہ چلے گا کہ یہ تو میدانِ محشر ہے، میدانِ عرفات نہیں ہے...... مگر زبان سے لبیک کیوں نکلا؟

اس لیے کہ لبیک کہتے ہوئے انتقال کر گیا تھا اور لبیک کہتے ہوئے انتقال کیوں کیا؟ اس لیے کہ زندگی بھر یہ جذبہ تھا کہ کسی طرح حج کروں...... تو جس حالت پر آدمی زندگی گزارتا ہے۔ اسی حالت پر موت آتی ہے اور جس حالت پر موت آتی ہے، قبر سے اُٹھتے ہوئے بھی وہی حالت ہوگی۔

معلوم ہوا ذکر اللہ اور عبادتِ خداوندی وہ چیز ہے کہ دُنیا میں بھی ساتھ، قبر میں بھی ساتھ اور میدانِ محشر میں بھی ساتھ۔ اور جنت میں بھی ساتھ رہے گی۔ حدیث میں ہے کہ "**یلھمون التسبیح**" اہل جنت کو تسبیح الہام کی جائے گی۔ بلا ارادہ سانس کے ساتھ اللہ اللہ جاری ہوگا، ارادہ کرنے کی ضرورت نہیں، جنت میں یہ تکلیف نہیں دی جائے گی کہ تم بیٹھ کر ذکر اللہ کرو، عبادت کرو،

نمازیں پڑھو، وہ تو عیش کی جگہ ہے، ہر وقت راحت ہوگی مگر ان کے دلوں میں الہام کیا جائے گا۔ ہر وقت سانس کے ساتھ اللہ اللہ جاری ہوگا، اصل غذا وہ ہوگی، اس کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں بھی ہوں گی لیکن کھانے پینے کی محتاجگی نہیں ہوگی، تفریح طبع کے لیے کھائیں پئیں گے، بھوک کی تکلیف نہیں ہوگی کیونکہ جنت میں تکلیف کا کوئی نشان نہیں۔

تو عبادتِ خداوندی دُنیا سے چلی، قبر میں پہنچی، میدانِ محشر میں پہنچی اور جنت تک پہنچ گئی۔ یہ چیز ایسی ہے جو زندگی کا مقصد بن سکتی ہے اگر زندگی ابدی ہے تو عبادت بھی ابدی ہے، کھانا پینا ابدی نہیں، یہ تو قبر تک ختم ہو گیا، قبر میں کوئی کھانا پینا نہیں ہوگا اور اگر کچھ کھانا پینا ہوگا بھی، وہ بھی ذکر اللہ ہی ہوگا، جنت میں کھانا پینا ہوگا مگر محتاجگی نہیں ہوگی، اصل محتاجگی ذکر اللہ کی ہوگی اور وہ زبان پر جاری رہے گا۔

دنیوی زندگی کی رُوح

زندگی کا مقصد بنانے کے اگر کوئی چیز لائق ہے تو وہ عبادتِ خداوندی ہے ذکرِ حق اور طاعت خداوندی ہے۔ یہ چیز ہے جس سے انسان انسان بنتا ہے۔

قرآن کریم میں اسی کو فرمایا گیا "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَاْكُلُوْنَ "...... میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یہ نہیں فرمایا کہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَاْكُلُوْنَ" میں نے اس لیے پیدا کیا کہ خوب کھائیں، خوب مزے اڑائیں، یا یوں فرمایا ہو کہ "الا لیعزّون" یہ عزتوں کا خوب خیال باندھیں بلکہ فرمایا "الا لیعبدون" فقط میری عبادت کریں۔

آگے فرمایا "مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ" میں ان سے رزق نہیں مانگتا، یہ وہ عبادت کریں اور فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ" رزق دینے والے ہم ہیں، طاقتوں کے خزانے ہمارے ہاتھ میں ہیں۔

مطلب یہ کہ ایک کام ہم اپنے ذمے لیتے ہیں۔ ایک تم اپنے ذمے لو، تمہارا کام یہ ہے کہ تم ہماری عبادت کرو اور ہمارا کام یہ ہے کہ ہم تمہیں رزق دیں۔ تم عبادت کرنا ترک کرو گے ہم روٹی دینا ترک کر دیں گے۔ ہم تمہیں محتاج و مفلس کر دیں گے، گویا مقصدِ زندگی محض اور محض اطاعت حق ہے۔

"شبہ کا جواب"

یہاں ممکن ہے کوئی سوال کرے اور سوال وہی کر سکتا ہے جو قرآن شریف پڑھا ہوا ہو اور قرآن

شریف کے کچھ مقاصد اس کے سامنے ہوں کہ صاحب! قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقصد جانوروں کا بھی ہے، وہ بھی عبادت کرتے ہیں، اس لیے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ کوئی چیز عالَم میں ایسی نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ درخت اور اس کی شاخیں، آسمان و زمین، چاند اور سورج سب اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں، زبان سب کی الگ الگ ہے، تسبیحیں سب کی الگ الگ ہیں مگر ہیں سب تسبیح میں مشغول......اب اگر کوئی فرانسیسی زبان میں اللہ کو یاد کرنے لگے، ہم نہیں سمجھیں گے، کوئی فارسی زبان میں مناجات کرنے لگے۔

غیر فارسی دان نہیں سمجھ پائے گا۔ کوئی عرب، عربی زبان میں دُعاء کرنے لگے، ہم نہیں سمجھ سکیں گے...... جب ہم اپنے بھائی بندوں کی زبان نہیں سمجھتے تو جانوروں کی زبان نہ سمجھیں، اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟ طوطا کس زبان میں بول رہا ہے، کبوتر کس زبان میں گویا ہے، اگر ہم نہیں سمجھتے تو کیا ہوا، ہم اپنے بھائی بندوں کی زبان بھی نہیں سمجھتے جو انسان اپنے بھائی بندوں کی زبان نہ سمجھے، وہ اگر جانوروں کی زبان نہ سمجھے تو تعجب کی کیا بات ہے......؟ قرآن میں یہی تو فرمایا گیا کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے "وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ" تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے، ان کی زبان الگ ہے، تمہاری زبان الگ ہے۔ پرندہ بظاہر تو سیٹیاں بجا رہا ہوتا ہے مگر حقیقت میں اللہ کی تسبیح کر رہا ہے، شیر دھاڑ رہا ہے مگر حقیقت میں اللہ کا نام لے رہا ہے، ہاتھی چنگھاڑتا ہے مگر حقیقت میں اللہ کا نام لیتا ہے، شیر کی زبان دھاڑنا اور چنگھاڑنا ہے مگر ہے وہ بھی تسبیح ......اور پرندوں کی زبان ہی سیٹیاں بجانا ہے، تم سیٹیاں سمجھتے ہو حقیقت میں تسبیح و تہلیل ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے ہمیں واقف کر دے، تب ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ تو وہی حمد و ثناء کر رہے ہیں۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ آپ کبھی تار گھر میں ٹیلی گراف دینے کے لیے گئے ہوں گے تو آپ نے تار لکھ کر آفیسر کو دے دیا، اُس نے جو مشین پر ہاتھ رکھ کر پیتل کا جو ایک کھٹکا ہوتا ہے اس کو حرکت دی تو وہ کھٹ کھٹ کھٹا کھٹ شروع کی، آپ کہیں گے کہ یہ بڑا احمق آدمی ہے، میں نے تو اسے کہا تھا کہ بھائی تار دے دے اور یہ کھٹ کھٹ کر رہا ہے......لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس کھٹا کھٹ میں ہی سارے علوم اور معلومات دوسرے ملک میں پہنچ رہی ہیں۔ ظاہر میں تو یہ کھٹا کھٹ معلوم ہوتی ہے اور حقیقت میں یہ اصطلاحات ہیں۔ ان کے ذریعے سے جو خبر یا پیغام دیا

ہے، وہ دوسرے ملک پہنچ رہا ہے، دیکھنے میں کھٹ کھٹ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اسی طرح سے پرندہ ظاہر میں تو سیٹی بجاتا ہے مگر حقیقت میں وہ تسبیح کرتا ہے۔ اللہ نے اسے شعور دیا ہے وہ عبادت کرتا ہے جس طرح سے ہم تار کی اُس آواز کو محض آواز ہی سمجھتے ہیں...... لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اس فن کو جان لیں تو یہ کھٹ کھٹ نہیں، علوم ہیں...... بالکل اسی طرح جانوروں کی بولی ہے اگر ہم کسی طرح سے سیکھ جائیں، تب ہمیں پتہ چلے کہ یہ حمد وثناء میں مصروف ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے پرندوں کی بولیوں کا علم دیا تھا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا "یَاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ......" سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں،

اے لوگو! ہمیں جانوروں کی بولیوں کی تعلیم اللہ کی طرف سے دی گئی ہے، کوئی جانور بولتا تھا، فرماتے تھے کہ اس کا یہ مطلب ہے۔ حدیث میں بعض جانوروں کی تصریحات بیان کی گئی ہیں مثلاً تیتر یہ تسبیح پڑھتا ہے۔ تیتر بولتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ "کما تدین تدان" جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، جیسی کرتوت ہوگی ویسے ہی نتیجہ سامنے آئے گا...... یہ اس کی تسبیح ہے۔

حدیث میں ہے کہ بعض ملائکہ علیہم السلام کی یہ تسبیح ہے۔ "سبحان من زین الرجال باللحی و زین النساء بالذوائب" پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھیوں سے زینت دی اور عورتوں کو چوٹیوں اور مینڈھیوں سے زینت دی۔ عورتوں کے لیے چوٹی اور مینڈھی رکھنا حسن ہے، مرد کے لیے داڑھی رکھنا حسن ہے، ہر ایک کا حسن الگ الگ ہے، مردانہ حسن داڑھی ہے اور زنانہ حسن چوٹی اور مینڈھیوں سے ہے۔ غرض بعض ملائکہ علیہم السلام کی تسبیح یہ ہے تو مختلف طریقوں سے پرندے، چرندے اور درندے بلکہ ہر مخلوق کسی نہ کسی طرح کی تسبیح میں مشغول ہے۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

ممکن ہے یہ سوال کرے کہ آپ نے انسان کو اشرف المخلوقات کہہ کر اس کی زندگی کا مقصد عبادت اور ذکر اللہ بتلایا۔ وہ جانور، کنکریاں اور پتھر بھی کرتے ہیں، پھر انسان نے کیا کمال کیا جو ذکر اللہ اور عبادت کرلی؟ جیسے آپ نے یوں کہا تھا کہ گدھا، گائے اور جانور بھی کھانا کھاتے ہیں اگر انسان نے کھالیا تو کیا بڑی بات ہے؟ قرآن کریم کی رُو سے ہم کہیں گے ذکر وطاعت خداوندی جانور بھی کرتے ہیں اگر انسان نے کرلی تو کون سا کمال کیا؟ یہ کون سا بڑا مقصد ہے؟ تو ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ جانور بھی تسبیح وعبادت کرتے ہیں مگر وہ ارادی عبادت نہیں، وہ

ارادہ سے عبادت نہیں کرتے، یہ ان کی طبیعتوں کی فطرت کا تقاضا ہے، جیسے مشین چلتی ہے تو مشین ارادہ کر کے نہیں چلتی، ارادہ چلانے والے کے ہاتھ میں ہے، اس کا کام تو بس یہ ہے کہ گھوم رہی ہے..... تو جانور تسبیح وغیرہ جو کرتے ہیں، وہ اپنی طبیعت سے کرتے ہیں، ارادہ وشعور اور اختیار سے نہیں کرتے، یہ سمجھ کر کہ یہ عبادت ہے اور اس کا یہ ثمرہ نکلے گا، یہ عقل وشعور جانوروں کو نہیں دیا گیا ...... ارادی عبادت صرف انسان کرتا ہے تو غیر اختیاری عبادت پر اجر وثواب کچھ نہیں ملے گا، ارادہ واختیار سے کی ہوئی عبادت پر اجر وثواب ملتا ہے اور انہیں افعال پر ترقی مدارج ہوتی ہے اور جو بلا ارادہ خود بخود ہو، اس پر نہ کوئی اجر وثواب، نہ ہی ترقی مدارج کا وعدہ......

حاصل یہ نکلا کہ جانور بھی عبادت کرتے ہیں مگر وہ غیر ارادی عبادت ہے، اس میں اختیار کا دخل نہیں، یہ ایک طبعی تقاضا ہے، جیسے ہم طبیعت کے تقاضے سے کھاتے پیتے ہیں، عقل وشعور سے نہیں کھاتے، بھوک جو لگتی ہے تو دلائل سے تھوڑا ہی لگتی ہے کہ آپ بیٹھ کر عقل سے سمجھیں کہ اس وقت مجھے بھوک لگنی چاہیے۔ اس میں یہ برکات اور یہ فوائد وغیرہ ہیں لیکن بھوک جب لگے گی تو آپ لاکھ دلیل سے اسے رد کرنا چاہیں وہ تو تب بھی لگ کر رہے گی۔ جیسے انسان بے ارادہ کھاتا اور پیتا ہے اور اس پر اجر وثواب نہیں، ایسے ہی اگر کوئی بے ارادہ عبادت کرے، اس پر بھی کوئی اجر وثواب نہیں۔

انسان ارادہ، عقل وشعور سے اور اپنے معبود کو پہچان کر عبادت کرتا ہے اور اُس کی یہ شان ہے، اس کے یہ کمالات ہیں اور یہ اس کی صفات ہیں، پھر حق عائد ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں، مجھ پر واجب ہے کہ میں اپنے مالک کو یاد کروں۔ دلائل سے سوچ کر، سمجھ کر، ارادہ اور اختیار سے عبادت کرتا ہے...... کبوتر، کتا، بلی اس شعور سے عبادت نہیں کرتے، سیٹیاں بجانا ان کی طبیعت کے تقاضے کی تسبیح ہے۔ اس واسطے یہ فرق ہوگیا۔ دوسرے لفظوں میں حاصل یہ نکلا کہ اتنی لمبی چوڑی زندگی کا مقصد ارادی عبادت ہے جو جانوروں کو میسر نہیں۔

دوسرے شبہ کا جواب

مگر ایک سوال پھر بھی شاید آپ کے ذہن میں پیدا ہو کہ اچھا! ...... یہ ہم نے مان لیا کہ جانور ارادی عبادت نہیں کرتے یا اختیاری عبادت صرف انسان کرتا ہے مگر ملائکہ علیہم السلام تو ارادہ سے عبادت کرتے ہیں وہ تو اپنے معبود کو پہچان کر شعور سے عبادت کرتے ہیں۔ پھر اگر انسان نے ارادہ اور شعور سے عبادت کر لی تو کیا کمال کیا ......؟ انسان کے پیدا کرنے کی کیا

ضرورت تھی، یہ کام تو فرشتے بھی کر رہے ہیں، پھر سوال وہیں کا وہیں رہ گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ملائکہ علیہم السلام ارادہ سے عبادت کرتے ہیں، اختیار سے عبادت کرتے ہیں لیکن ارادے کی کی ہوئی عبادت ہی ان کے نفس کا تقاضا ہے، اس لیے کہ ان میں گناہ کا مادہ نہیں وہ تو برائی کر ہی نہیں سکتے وہ جب کریں گے نیکی ہی کریں گے، جب کریں گے عبادت ہی کریں گے، تو وہ بھی ان کی طبیعت کا تقاضا ہوا۔ فرق اتنا ہے کہ جانور طبیعت کے تقاضے سے بلا ارادہ عبادت کرتے ہیں۔ ملائکہ علیہم السلام طبیعت کے تقاضے سے ارادی عبادت کرتے ہیں تو دونوں جگہ طبیعت کا تقاضا ہی ہے، فرشتوں کی طبیعت میں گناہ کا مادہ نہیں اور شر کا مادہ نہیں کہ وہ مقابلہ کر کے عبادت کریں۔ بس وہ عبادت ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔

انسان اپنے نفس کا مقابلہ کر کے عبادت کرتا ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ میں آرام سے پڑ کے سوؤں۔ وہ کہتا ہے نہیں لحاف اُتار کے جا کر اپنے رب کی عبادت کر، سردیوں کے زمانے میں نفس کا تقاضا یہ ہے کہ گرم گرم لحاف میں پڑا رہے مگر انسان اِس گرمی کو چھوڑ کر لحاف کو اُتار کر وضو کرتا ہے اور اسے ٹھنڈے گرم کی خبر نہیں۔ ہوا میں چل کر مسجد کی طرف آتا ہے، مسجد میں آنے کے بعد بھی اونگھ آ رہی ہے مگر پھر بھی وہ عبادت کرتا ہے تو اس کی عبادت اپنے نفس کے مقابلے میں ہے۔ فرشتے نفس کا مقابلہ کر کے عبادت نہیں کرتے، فرشتوں کے نفوس تو پاک ہیں، ان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ عبادت کرو...... فرق ہو گیا...... تو یہ عبادت زیادہ قابلِ قدر ہے جو اپنا مقابلہ کر کے کی جائے، اس لیے کہ طبعی تقاضوں کے مطابق کیے ہوئے کام زیادہ قابلِ توجہ نہیں ہوتے۔

اگر آپ یوں کہیں کہ میں بڑے اعلیٰ درجہ کا انسان ہوں اس لیے کہ میں روٹی کھایا کرتا ہوں، لوگ کہیں گے کہ بھائی یہ کونسا کمال ہے؟ یہ تمہاری طبیعت کا تقاضا ہے، تم اسے پورا کرو گے ہی...... کوئی ایسا کام بتاؤ کہ تم نے اپنے نفس کے خلاف کر کے کیا ہو؟ اور اگر کسی کی نسبت یہ معلوم ہو کہ فلاں صاحب ایک ایک ہفتہ تک کھاتے ہی نہیں، دُنیا پیچھے دوڑ پڑے گی کہ صاحب کوئی ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں، دُنیا ہے کہ جھکی جا رہی ہے کیوں؟ اس لیے کہ نفس کے خلاف کام کر رہے ہیں، نفس کا تقاضا کھانا ہے اور وہ ایک ایک ہفتہ کھانا نہیں کھاتے تو کھانا کمال نہیں، نہ کھانا کمال ہے۔

اس لیے فرشتہ اگر عبادت کرتا ہے تو نفس کے خلاف نہیں، وہ ایسا ہے جیسے ہم نے روٹی کھالی۔ اگر طبیعت کے خلاف کر کے عبادت ہوتی تو کمال تھا اور قابلِ قدر تھا۔ معلوم ہوا کہ انسان کی عبادت

فرشتے کی عبادت سے زیادہ قابل قدر ہے، وہ طبیعت کے تقاضے پورا کرتا ہے، یہ طبیعت کا مقابلہ کر کے عبادت کرتا ہے، اپنے کو پہلے ختم کرتا ہے، پھر عبادت کرتا ہے، یہ زیادہ قابل قدر ہے۔

اب گویا اس لمبی چوڑی زندگی کا مقصد یہ نکلا کہ عبادت ہو، ارادی ہو اور نفس کی مخالفت کے ساتھ ہو، یہ کام انسان ہی کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا، اس واسطے فرمایا کہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں ......ایسی عبادت جو ارادی ہو اور نفس کی مخالفت سے ہو تو انسان کی عبادت ہی کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ وہ ملائکہ علیہم السلام اور دیگر مخلوقات سے بڑھی ہوئی ہے اور افضل ہے۔ بہر حال مقصد زندگی اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے، وہ صرف عبادت اور طاعت خداوندی ہو سکتی ہے۔

طاعت خداوندی مقصد زندگی کیوں ہے؟

اس کی بناء اور حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی جتنی بھی چیزیں ہیں، یہ سب آپ کے کام کی ہیں۔ چنانچہ سب آپ کے کام میں لگی ہوئی ہیں، زمین بھی آپ کے کام میں لگی ہوئی ہے، سورج بھی آپ کے کام میں لگا ہوا ہے، دریا بھی آپ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، الغرض کائنات کا ہر ذرّہ اس کا خادم ہے اور حضرت انسان مخدوم ہے۔

اس لیے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار ان چیزوں پر ہے، ان میں سے ایک بھی نہ رہے تو انسان باقی نہ رہے گا، اگر سورج بالکل ہٹا دیا جائے، زندگی ختم ہو جائے گی، نہ سورج نکلے گا، نہ چاندنا ہوگا، نہ حرارت اور گرمی باقی رہے گی، انسان باقی نہیں رہ سکتا، زندگی کا شیرازہ بکھر جائے گا......اسی طرح اگر دُنیا میں سے ہوا کو کھینچ لیا جائے، ایک لمحے کے لیے بھی آدمی زندہ نہیں رہ سکتا، سانس ہی نہیں چل سکتا تو زندگی ختم ہو گئی...... "علی هذا القياس" دُنیا میں پانی نہ رہے اور ایک قطرہ و بوند بھی کسی کو نہ ملے تو بھی انسان زندہ نہیں رہ سکتا......غرض آگ، پانی، مٹی، ہوا، زمین، سورج اور ستارے "وغیر ذلک" ان میں سے اگر ایک چیز بھی ختم کر دی جائے، انسانی زندگی ختم ہو جائے گی......معلوم ہوا کہ ہر چیز انسان کے کام کی ہے۔ انسانوں کے لیے ہی بنائی گئی ہے لیکن انسان خود ان میں کسی کے بھی کام کا نہیں، اگر سارے انسان ختم ہو جائیں، سورج کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا، اگر ایک بھی انسان باقی نہ رہے، زمین اسی طرح قائم رہے گی، آسمان اسی طرح قائم رہے گا تو آپ نے اندازہ کیا کہ ان میں سے ایک چیز بھی نہ رہے، انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور سارے انسان ختم ہو جائیں، ان چیزوں کا کچھ نہیں جاتا۔

معلوم ہوا کہ یہ ساری چیزیں تو انسان کے کام کی ہیں، مگر انسان ان میں سے کسی کے کام کا نہیں، آخر دُنیا کے کروڑوں انسان ختم ہو گئے اور یہ سب کچھ اسی طرح موجود ہے۔

اِنسان صرف اللہ کے کام کا ہے

انسان ان میں سے کسی کے بھی کام کا نہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری چیزیں انسان کے کام کی ہیں۔ آخر انسان کس کے کام کا ہے؟

جواب اس کا یہی ہے کہ جب انسان مخلوقات میں سے کسی کے کام کا نہیں ہے، خالق کے کام کا ہوگا اور خالق کا کام یہ ہے کہ اس کے سامنے اس کی اطاعت کرے، اس کے سامنے نیاز مندی برتے، عبادت کرے اور جھکے تو انسانی زندگی کا مقصد اصلی نکل آیا جو طاعت اور عبادت خداوندی ہے۔ اسی لیے یہ سارا کارخانہ قائم کیا گیا، کھانے اور پینے کا نظام قائم کیا گیا کیونکہ انسان اس وقت تک عبادت نہیں کرسکتا۔ اس لیے غذائیں، پانی اور ہوا کو پیدا کیا...... اسی طرح جب تک چاند تانہ ہو، عبادت نہیں کرسکتا، اللہ نے سورج چاند کو پیدا کر دیا۔ درخت، جانور، پہاڑ پیدا کر دیئے، یہ سب کچھ اس لیے پیدا کیا کہ انسان یہ سب کچھ استعمال کر کے تیار ہو جائے اور اپنے اللہ کی عبادت کرے۔ الغرض یہ سارے انتظامات انسان کے لیے اور انسان اپنے مالک کے لیے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص گھوڑا پالے تو گھوڑے کے لیے اصطبل بنائے گا اور اصطبل کے لیے ایک سائیس رکھے گا جو گھوڑے کی خدمت کرے گا، گھاس دانہ اس کے لیے مقرر کرے گا، اس کے لیے ملازم رکھے گا، یہ سارا گھوڑے کے لیے کیا جارہا ہے اور گھوڑا کس کے لیے؟ صرف مالک کی سواری کے لیے...... اگر سواری کے وقت گھوڑا شرارت کرنے لگے اور سواری کا کام نہ دے۔ وہ گھوڑا کس کام کا؟ وہ تو گولی مار دینے کے قابل ہے۔ مالک کہے گا میں نے سارے انتظامات اس کے لیے کیے اور اس کو اپنے لیے رکھا، اگر میرے ہی کام کا یہ نہیں تو یہ رکھنے کے قابل کہاں؟ اس لیے جب گھوڑا ختم ہو جائے گا، مالک اصطبل کو، سائیس کو، ملازم وغیرہ کو از خود ختم کردے گا، اس لیے کہ یہ سب چیزیں گھوڑے کے لیے تھیں اور گھوڑے کا مقصد تھا کہ مالک کو سواری کا کام دے، جب وہ مقصد پورا نہیں ہوگا، گھوڑا بھی ختم، اصطبل بھی ختم، سائیس بھی ختم۔

دُنیا کو اللہ نے ایک اصطبل بنایا جس میں غذائیں رکھیں، اصطبل کی چھت بھی بنائی، پھر اس میں آگ، ہوا وغیرہ سب کچھ رکھا۔ یہ سب کچھ آپ کے لیے اور آپ اس لیے کہ مالک کی عبادت

کریں، اگر انسان عبادت نہیں کرے گا تو وہ گولی مار دینے کے قابل ہے اور اگر سارے ہی مل کر عبادت چھوڑ دیں تو سارے انسان ختم ہو جائیں گے۔ یہ اصطبل بھی ڈھا دیا جائے گا اور اس میں جو سامان کھانے پینے کا ہے وہ بھی ختم کر دیا جائے گا اور اسی کا نام قیامت ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت اشرار خلق پر قائم ہوگی، ان لوگوں پر جو بدترین خلائق ہوں گے جنہیں اچھے برے کی تمیز نہیں ہوگی، بر سرِ بازار برائیاں کرتے پھریں گے، جیسے جانور اور بہائم ہوتے ہیں۔ اللہ کی کوئی قدر قلوب میں باقی نہیں رہے گی، جب اس طرح کے انسان بن جائیں گے تو وہ بھی ختم کر دیئے جائیں گے، آسمان بھی اُٹھا دیا جائے گا، زمین بھی ختم کر دی جائے گی، اس لیے کہ جب تخلیق انسانی سے مقصد خداوندی ہی پورا نہیں ہوتا، پھر یہ چیزیں بھی بیکار ہیں، یہ ساری چیزیں انسان کے لیے ہیں، اگر وہ مالک کے کام کا ہے تو ساری چیزیں برقرار رہیں گی، اگر وہ اپنے مالک کے کام کا نہیں یہ ساری چیزیں ختم کر دی جائیں گی۔

عقلی اعتبار سے عبادتِ خداوندی کی ضرورت

آپ اللہ سے لو لگائیں تو یہ ساری کائنات آپ کی خدمت کرے گی لیکن اگر آپ اپنے مالک کو چھوڑ کر اس کائنات سے لو لگائیں گے تو مالک کا کیا بگڑے گا، وہ یہ چاہے گا کہ یہ انسان گولی مار دینے کے قابل ہے۔

بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کسی صاحب جمال عورت سے نکاح کرے۔ بڑی شائستہ، مہذب اور حسین وجمیل ہو، اس کے لیے ایک بہت عمدہ بلڈنگ تیار کی تاکہ یہ عورت آرام کر سکے، بلڈنگ میں کچھ فراش مقرر کیے تاکہ وہ اس کو جھاڑیں اور صاف کریں۔ باورچی مقرر کیے تاکہ دو وقت کھانا پکائیں، تو اس نے یہ خیال کیا کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اس لیے ایک لمبا چوڑا تاج محل قائم کیا، بڑی لمبی چوڑی اور عالیشان بلڈنگ قائم کی۔ یہ سب کچھ کاہے کے لیے؟ صرف بیوی کے لیے اور بیوی کاہے کے لیے؟ صرف خاوند کے لیے......

اگر یہ بیوی خاوند کے بجائے کسی نوکر سے ملاقات شروع کر دے یا اس محل میں باہر سے کوئی آدمی آنے لگے تو خاوند پر کیا گزرے گی؟ وہ کہے گا یہ بیوی طلاق دینے کے قابل ہے بلکہ گولی مار دینے کے قابل ہے۔ اس نے تو میری آبرو ختم کر دی...... تو وہ بیوی کو ختم کر دے گا جب بیوی ختم ہوگئی، بلڈنگ کو کیا کرے گا؟ اسے بھی وہ ختم کر دے گا اور جب بلڈنگ ہی نہ رہی، فراش کو رکھ کر کیا

کرے گا؟ باورچی وغیرہ کس کام آئیں گے؟ یہ تو ساری چیزیں بیوی کے لیے تھیں، جب بیوی کو طلاق دے کر نکال دیا، ان چیزوں کی کیا ضرورت باقی رہی؟ یہ قصہ کب ہوگا؟ جب بیوی اپنے خاوند کی ہونے کے بجائے کسی دوسرے کی بننے لگے، فراشوں سے ہاتھ ملانے لگے، نوکروں سے آشنائی کرنے لگے، ایسے میں یہ بیوی نکال دینے ہی کے قابل ہوگی۔

ٹھیک اسی طرح سے سمجھ لیجئے کہ اللہ نے انسان کو بڑی مخلوق بنایا۔ اللہ کو انسان سے اس سے بھی زیادہ محبت ہے جتنی کہ ایک خاوند کو بیوی (بلکہ ماں کو بچے) سے ہو سکتی ہے۔ اس کی ضرورت سے حق تعالیٰ شانہ نے ایک بڑی بلڈنگ تیار کی اور آسمان کا خیمہ قائم کیا اور زمین کا فرش بچھایا۔ "جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا" زمین کو ہم نے تمہارے لیے فرش بنایا۔ "وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا" آسمان کو تمہارے لیے محفوظ چھت بنا دیا، روشنی کی ضرورت تھی تو چاند سورج کے بلب لٹکا دیئے تاکہ کائنات کے اندر روشنی ہو، کاروبار کے لیے تیز روشنی کی ضرورت تھی تو دن میں سورج نکال دیا، رات کو ہلکی روشنی کی ضرورت پڑتی ہے تو چاند اور ستارے نکال دیئے، ان میں روشنی بھی ہے مگر آنکھوں میں چمک نہیں پیدا کرتی تو رات میں دھیمی اور دن میں تیز روشنی رکھی۔ دن کاروبار کے لیے اور رات آرام کے لیے ہے۔

فرمایا: "وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا" رات کو سکون کے لیے بنایا گیا تاکہ آرام کیا جا سکے۔ "وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا" دن کو کام کاج کے لیے بنایا گیا تاکہ کارخانے لگا کر کام کریں تو اس میں تیز روشنی رکھی، رات کو دھیمی روشنی رکھی، پانی کی ضرورت تھی، سو طرف دریا بہا دیئے، بارش سسٹم الگ قائم کیا تاکہ پانی ہر وقت ملتا رہے۔ مخلوق کو تکلیف نہ ہو، زمین کو فرش بنایا، یہ فرش بھی ہے اور گودام بھی ہے اس لیے کہ غذائیں اسی میں سے نکلتی چلی آ رہی ہیں، گندم، چاول اور بے شمار نعمتیں بھی تو یہ فرش اور بچھونا بھی ہے اور ساتھ ہی گودام بھی کہ اس میں سارے غلے رکھے ہوئے ہیں۔ ساری ترکاریاں رکھی ہوئی ہیں، بارش سسٹم بھی اسی میں ہے، دریا بھی اسی میں ہیں۔

پھر پانی آسمان میں نہیں ہے، زمین کے اندر ہے اور زمین کے بھی اوپر نہیں ہے تاکہ انسان کو تکلیف نہ ہو...... سورج کی روشنی بھی، گویا وہ ایک لالٹین اور چراغ ہے جس سے انسانوں کو روشنی پہنچتی ہے، ایک گھڑی بھی جس سے صحیح اوقات معلوم ہوتے ہیں، جس روز سے اس کے مالک نے اس کو بنایا ہے، صحیح ٹائم دیتی ہوئی چلی آ رہی ہے، آج تک کبھی اس میں خرابی پیدا نہیں ہوئی اور یہ

ایک ہیٹر بھی ہے جس سے گرمی پہنچ رہی ہے تو سورج ایک ہے مگر منافع اس کے بیشمار ہیں۔اسی طرح زمین ایک ہے مگر اس کے منافع بیشمار ہیں۔

یہ سارا قصہ اس لیے کیا تا کہ انسان کو تکلیف نہ ہو، کھانے کو ملے، پینے کو ملے، ہوا ملے تا کہ اس کے کام کاج میں کوئی خلل نہ پڑے مگر یہ ساری چیزیں انسان کے لیے ہیں اور انسان اپنے مالک کے لیے ہے تا کہ اس کی اطاعت و عبادت کرے۔اس لیے کہ سب کچھ دینے والے وہ ہیں، اور محسن وہ ہیں۔اس احسانِ عظیم کا بھی تقاضا ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔

عبادت وطاعت کا عام مفہوم

اور پھر عبادت وطاعت کے مفہوم کو اتنا عام رکھا کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہو سکتی ہے اور اسے ایک مخصوص انداز کے ساتھ متعین نہیں کیا بلکہ اس کو اتنا آسان کر دیا کہ مسلمانوں کی خدمت کرنا، دوستوں کی خدمت کرنا یہ بھی اللہ اللہ کرنا ہے جو طاعت و عبادت میں داخل ہے۔

عبادت فقط نماز روزہ میں نہیں ہے، عبادت کھانے، پینے میں بھی ہے، سونے، جاگنے، چلنے پھرنے میں بھی ہے۔گویا اللہ فقط مسجد میں نہیں ملتا، گھر میں بھی ملتا ہے، دستر خوان پر بھی ملتا ہے، ہر جگہ آدمی اللہ کا جمال دیکھ سکتا ہے جبکہ سچی نیت سے چلے اور طریقِ شریعت کے مطابق چلے۔اتباع کا جذبہ لے کر چلے تو ہر چیز اُس کے لیے طاعت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اسلام دنیوی معاملات سے روکنے کے لیے نہیں آیا

حق تعالیٰ شانہ نے یہ فرمایا کہ یہ ساری دُنیا تمہارے لیے ہے اور تم اپنے مالک کے لیے ہو، مملوک کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کے سامنے نیاز مندی سے جھکے اور اطاعت کرے، جب آدمی اس میں مضبوط ہو جائے گا تو کوئی بھی دُنیا کا کام کرے۔اِس میں خیر و برکت ہو گی۔

اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم کاروبار نہ کرو، دنیوی معاملات ترک کر دو، اپنے تحفظ کی شکلیں اختیار نہ کرو، سب کچھ کرو مگر اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کرو، عابد اور بندے بن کر کرو، یہ سمجھ کر کہ اسباب میں کچھ نہیں رکھا، اس کے حکم کی تعمیل میں ہم نے یہ اسباب اختیار کیے ہیں تو دین اسلام صرف راستہ درست کرنے کے لیے آیا ہے...... آپ کے کاموں میں روڑے اٹکانے کے لیے نہیں آیا، قلب کا رُخ اللہ کی طرف پھیر لو اور کام ساری دُنیا کے کرو، وہ خیر بنتے چلے جائیں گے، مسلمان کی شان یہ ہے کہ دل بیار، دست بکار، دل مالک میں لگا ہوا ہے اور ہاتھ پیر کاروبار

میں لگے ہوئے ہیں، دل کاروبار میں نہ اٹکا ہوا ہو، کاروبار میں ہاتھ اٹکے ہوئے ہوں، ایسے کاروبار میں بھی برکت ہے، یہ بھی عبادت ہی شمار ہوگی۔

تو اسلام کاروبار اور تجارت وزراعت کو روکنے کے لیے نہیں آیا۔ سب چیزوں کی اجازت دی مگر یہ کہ میرے ساتھ تعلق قائم کر کے میرے حکم کے مطابق چلو۔ اس لیے اسلام آیا ہے، اگر اپنے نفس کے حکم کے مطابق چلو گے تو نفس تو ہر ایک کا آزاد اور باغی ہے۔ ظاہر ہے اس سے نہ دُنیا بنے گی نہ آخرت...... اگر یہ ساری چیزیں حکم خداوندی کے تحت کریں تو اس میں خیر و برکت ہوگی، دُنیا بھی بنی اور آخرت بھی بنی۔

تو دین کا کام قلب کا رُخ درست کرنا ہے جب وہ درست ہو جائے گا، سارا راستہ درست ہوتا چلا جائے گا اور اگر خدانخواستہ وہ غلط ہوگا، سارے کام غلط ہوں گے، مثلاً آپ سفر میں جائیں اور دو چار ہزار میل کا سفر کیا لیکن رُخ بدل گیا تو جتنا سفر کرتے جاؤ گے منزل مقصود سے دُور ہٹتے چلے جاؤ گے تو سفر کی تیاری میں تو آپ نے کمی نہیں کی، روپیہ بھی خرچ کیا، سامان بھی لیا لیکن بجائے اِدھر کے اُدھر کو چل پڑے۔

جانا تھا آپ کو نیروبی اور راستہ فرانس کا اختیار کر لیا اور اپنے دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ نیروبی جا رہا ہوں، جتنا چلو گے نیروبی سے دور ہوتے چلے جاؤ گے، اسلام یہ کہتا ہے کہ راستہ بھی چلو، روپیہ بھی خرچ کرو مگر منزل متعین کر لو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے، جنت کی طرف چلنا ہے، آخرت کی طرف چلنا ہے، رُخ صحیح کر لو، ساری دُنیا دین بنتی چلی جائے گی اور رُخ اللہ تعالیٰ سے پھیر لو۔ یہ ساری چیزیں وبال بنتی چلی جائیں گی۔ خیر و برکت تو اس میں کیا ہوگی؟ اسلام کا کام راستہ درست کرنا اور صراطِ مستقیم پر چلنا ہے اور یہی حاصل عبادت ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ تو فرمایا گیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں...... اور عبادت کا مفہوم عام قرار دیا...... اس لیے کھانا، پینا، سونا، جاگنا بھی عبادت ہے۔ جب کہ منزل مقصود ہماری ذات کو ٹھہرا دیا جائے، بس مقصود یہ ہے کہ مسلمان کی منزل مقصود اللہ ہو، وہ ہر کام کرتا جائے، خدا کی طرف چلتا جائے، اس کا ہر کام باعث خیر و برکت ہوگا۔ اور فرمایا:

مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ

''ہم یہ نہیں کہتے کہ تم ہمیں رزق پہنچاؤ، تم ہمیں روٹی کھلاؤ، ہم تو غنی ہیں۔''

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ

''روزی کا ذمہ دار اللہ ہے، وہ دینے والا ہے۔''

ہم روزی نہیں مانگتے، تمہاری نیازمندی چاہتے ہیں، روزی ہم دیں گے۔

اللہ اور بندہ میں معاہدہ

تو ایک کام اللہ نے اپنے ذمہ لیا اور ایک کام بندہ کے ذمہ لگایا، اپنے ذمہ یہ کیا کہ ہم رزق دیں گے، عزت دیں گے، تمہارے ذمہ یہ کیا کہ تم عبادت کرو...... نیازمندی برتو......اب تم اپنا کام چھوڑ دو گے، وہ بھی اپنا کام چھوڑ دیں گے، اس لیے جو عبادت ترک کردے گا تو روزی اور اقتدار و عزت، جو دیا جا رہا تھا، اس کو بھی بند کر دیا جائے گا۔

اگر اسی کام میں لگے رہے جو آپ کے سپرد کیا گیا، پھر وہ بھی اپنا کام انجام دیں گے، گویا معاہدہ ہے لیکن جب یہ عہد شکنی کرے گا تو دوسرے کے ذمہ عہد پورا کرنا نہیں رہ جاتا۔

آج جو مسلمان پریشان ہیں کہ ہمارا غلبہ ختم ہوگیا، اقتدار ختم ہوگیا، حاسدین ہم پر چھاگئے، اس کی وجہ یہی ہے کہ تم نے اپنا کام چھوڑ دیا، انہوں نے اپنا کام چھوڑ دیا۔

اور انہوں نے اِس لیے نہیں چھوڑا کہ اُن کے خزانے میں کوئی کمی تھی۔ معاہدہ تھا کہ یہ کام تمہیں کرنا ہوگا اور یہ ہم کریں گے، جب یہ عہد شکنی کرے گا تو دوسرے کے ذمہ عہد باقی نہیں رہے گا۔ یہ اللہ کا قانون ہے، آپ نے اطاعت کا عہد چھوڑ دیا، انہوں نے رزق دینے کا عہد چھوڑ دیا، رزق فقط روٹی کو نہیں کہتے، رزق روٹی، عزت، اقتدار اور طمانیت قلب یہ سب کچھ اس میں آتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہم سب پریشان ہیں، روٹی ہمیں کھا رہی ہے اور ہم روٹی کو کھا رہے ہیں، یہ کیوں ہے؟ اس واسطے کہ وہ جو اطمینانِ قلب والی روزی تھی، وہ ملنا بند ہوگئی، وہ ہم سے چھین لی گئی، اس لیے چھین لی گئی کہ ہم نے عہد شکنی کی۔ یہیں سے آپ نے زندگی شروع کی ہے، یعنی عہد الست سے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:

''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ......؟'' ......''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' ...... میں تمہارا پالنے

والا نہیں ہوں؟...... تمہیں روزی اور عزت دینے والا نہیں ہوں؟...... یہ ساری چیزیں رب میں داخل ہیں...... تو اللہ نے سوال کیا اور سب نے کہا کہ:...... "قَالُوْا بَلٰی"...... "کیوں نہیں بے شک آپ ہی رب ہیں۔"

سب کچھ آپ ہی ہیں تو فرمایا: شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ "فرمایا کہ تم بھی گواہ رہو، کہیں قیامت کے دن یوں کہہ دو کہ ہمیں تو یہ بات ہی نہیں بتلائی۔"

ہم کس کی عبادت کرتے؟ کس کو رب مانتے؟ اس لیے ہم نے بتلا دیا اور سمجھا دیا:

"اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ م بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ"...... "یہ بھی مت کہنا کہ جو ہمارے پچھلے تھے وہ بہت برائیاں کر گئے، ان کی وجہ سے ہمیں پتہ نہیں تھا۔"

کسی کی برائی سے کوئی نہیں پکڑا جائے گا، خود جو برائی کرے گا، اس کی اس کو سزا ملے گی۔ تم یہ مت کہنا کہ "اشرک اباؤنا" ہمارے ماں باپ نے شرک اور بت پرستی کی تھی، ہم تو بعد میں تھے، ہمیں کیوں پکڑا جاتا ہے، جواب میں ہم بتلاتے ہیں کہ ماں باپ کی وجہ سے کوئی نہیں پکڑا جائے گا، جیسے ماں باپ سے عہد لیا تھا، تمہارے سے بھی عہد لیا تھا، ایک ایک فرد سے عہد لیا تھا۔ انہوں نے اگر عہد شکنی کی تھی تو تم نے کیوں کی؟ قیامت کے دن یہ عذر نہیں چلے گا کہ پچھلوں کی برائی نے ہمیں اندھیرے میں رکھا، ہمیں تو کچھ پتہ نہیں تھا، ہم غفلت میں رہے۔

تو ہماری زندگی عہد الست سے چلی ہے... جہاں اقرار ربوبیت کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں خالق اور مالک ہوں مجھے یاد رکھنا... اسی عہد کو یاد دلانے کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آئے۔

اس لیے جب بندہ اس عہد پر پکا رہے گا... اور اس کے مطابق چلے گا... تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے عہد کو پورا کریں۔

دُنیاوی زندگی کا نصب العین

حق تعالیٰ کے انعامات انسانوں کے اوپر بیشمار ہیں جن کی کوئی گنتی نہیں کی جاسکتی، قدم قدم پر نعمتوں کی بارشیں ہیں اور لحہ بہ لحہ انسانوں کو عجیب عجیب انعامات دیئے جارہے ہیں۔ خود ہی ارشاد فرمایا "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا"...... "اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے بیٹھ جاؤ تو تم شمار نہیں کرسکتے، ان کا احاطہ نہیں کرسکتے۔"

غرض انسان کے اوپر بے شمار نعمتیں ہیں لیکن ساری نعمتوں کی اصل اُصول زندگی کی نعمت ہے جو ہمیں عطاء کی گئی۔ اگر زندگی نہ ہو تو کوئی بھی نعمت نہ ہمارے لیے نافع بن سکتی ہے نہ مفید ہوسکتی ہے تو اصل میں سب سے بڑی نعمت زندگی ہے۔ ایک زندہ انسان ہی نعمت سے مستفید ہوسکتا ہے تو نعمتیں ساری ایک طرف اور زندگی ایک طرف۔ عظیم ترین یہ نعمت یا عمر جس کی کوئی قیمت نہیں ہے اللہ نے بے قیمت عطاء کردی ہے۔

لطف تو ناگفتۂ ما می شنود　　　مانبودیم و تقاضائے ما نبود!

نہ ہم تھے نہ ہماری طرف سے کوئی پکار تھی، نہ ہماری طرف سے کوئی تقاضا تھا مگر تیرا لطف و کرم ہماری خاموش آواز کو سن رہا تھا، ہم چاہتے تھے کہ ہمیں زندگی ملے۔ اس خاموش پکار پر اتنی بڑی نعمت دے دی کہ سارے جہاں مل کر بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتے۔ ایک انسان چاہتا ہے کہ میرے ہاں اولاد ہو، اگر نہیں ہوتی تو دُنیا کے خزانے خرچ کردے نہیں ہوتی اور دینے پہ آتے ہیں تو غریب انسان کے اتنی دے دیتے ہیں کہ بظاہر وہ تنگ آجاتا ہے تو نہ مانگنے سے ملتی ہے نہ قیمت سے ملتی ہے...... محض فضل سے ملتی ہے۔

سب سے بڑی نعمت یہ عمر ہے۔ پھر یہ عمر بھی کوئی چھوٹی موٹی عمر نہیں ہے۔ آپ اسے عمر سمجھتے ہیں کہ دُنیا میں کسی کی زندگی پچاس برس ہوگی؟ کسی کی ساٹھ ہوگی؟ بہت لمبی عمر ہوئی تو اسّی نوّے برس کی ہوگی؟ یہ زندگی ہے......؟ یہ زندگی کا ایک معمولی حصہ اور زندگی کا ایک چھوٹا سا جز ہے۔

ابدی زندگی

انسان کے بارے میں امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''انسان ازلی تو نہیں ہے مگر ابدی ہے۔'' ہمیشہ سے نہیں تھا لیکن پیدا ہونے کے بعد اب ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اب انسان کے لیے مٹنا نہیں ہے، وطن کا انتقال ایک وطن سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ نقل مکانی ہوتی رہتی ہے لیکن زندگی انسان سے چھنتی نہیں ہے۔

یہ پہلے عالَم الست میں تھا جبکہ اللہ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے سب بنی آدم کو نکالا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر داہنا ہاتھ مارا تو ساری نیک اولاد نکل پڑی اور بایاں ہاتھ مارا تو ساری بد اولاد نکل پڑی۔ یہ بنی آدم کا پہلا ظہور ہے تو عہد الست میں ابتدائی ظہور ہے، وہاں سے انسان کا آغاز ہوتا ہے، اس کے بعد منتقل ہو کر ماں کے پیٹ میں آ گیا، پھر ماں کے پیٹ کی عمر نو مہینے کی ہے، پہلے بھی فنا نہیں ہوا تھا، ماں کے پیٹ میں بھی آ کر فنا نہیں ہوا، عہد الست سے انتقال ہوا تو رحم مادر میں آیا۔ رحم مادر سے انتقال ہوا تو دُنیا میں آ گیا، ہر ایک عالَم سے گزرتے ہوئے انتقال ہوتا ہے اور دوسرے عالَم میں پہنچ جاتا ہے، دُنیا میں انتقال ہوگا تو برزخ کے اندر پہنچ جائے گا، برزخ سے انتقال ہوگا تو عالَم حشر کے اندر پہنچ جائے گا، وہاں پچاس ہزار برس کا ایک دن ہوگا۔ عالَم حشر سے انتقال ہوگا تو عالَم جنت میں پہنچ جائے گا۔

پھر جنت میں ابدالآباد تک روزانہ انتقالات ہیں۔ بڑے بڑے جہاں اور روز نئی نئی نعمتوں کی تجدید ہوگی، وہاں بھی درجہ بدرجہ عروج حاصل کرتا رہے گا تو جب سے انسان کا ظہور ہوا، اب تک برابر سفر میں ہے اور سفر کرتا رہے گا، اس لیے انسان ازلی نہیں ہے مگر ابدی ہے کہ مٹنے والا نہیں ہے تو آپ کی عمر تھوڑی نہیں ہے جس کو بیس پچاس اور سو برس سمجھ لیں، یہ انسان کی عمر کا ایک معمولی حصہ ہے، انسان ابدی طور پر زندہ ہے، اس ابدی اور لامحدود عمر کا ایک معمولی حصہ ہے جس کو ہم زندگی کہتے ہیں، یہ زندگی کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ انسان کی زندگی بڑی طویل اور لمبی ہے۔

اختیاری نصب العین کی ضرورت

اس دنیوی زندگی کو گزارنا، اس کے لیے اللہ نے ایک تو غیر اختیاری حصہ رکھا ہے، وہ آپ چاہیں نہ چاہیں گزر جائے گا اور جب انسان پیدا ہوگیا تو اب مٹنے والا نہیں ہے لیکن کچھ چیزیں اختیار میں دی ہیں کہ اپنے ارادے اور اختیار سے زندگی کا نصب العین بناؤ، اس کے تحت زندگی کو

گزارو۔اس لیے کہ جو وقت یا جو زندگی بلا نصب العین کے گزرتی ہے وہی مجنونانہ حرکت کہلاتی ہے۔اِک دیوانے کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔زندگی اس کی بھی گزر رہی ہے تو دیوانگی کے ساتھ عمر کو گزارنا یہ دانش مند کا کام نہیں ہے، یہ دیوانوں کا کام ہے، زندگی کا کوئی نصب العین بنانا پڑے گا جس کے تحت زندگی گزاری جائے کہ ہم کیوں زندہ ہیں؟ کیا مجھے کرنا ہے؟ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ اور یہ جو روز میرے انتقال ہوتے رہتے ہیں اس جہاں سے اس جہاں کی طرف اور وہاں سے وہاں کی طرف، آخر یہ کیا کوئی افسانہ ہے؟ یا کوئی قصہ ہے کہ خواہ مخواہ انسان چل رہا ہے۔

ہم ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتے ہیں، کوئی نہ کوئی مقصد دینی یا دنیوی سوچ لیتے ہیں کہ اس لیے جارہے ہیں، بلا مقصد ریل میں بیٹھ جائیں اور کوئی پوچھے کہ کیوں جا رہے ہیں؟ کہ یوں ہی......کہا جائے گا کہ تم دیوانے ہو؟......تو دیوانہ اسے کہتے ہیں جو بلا نصب العین اور بلا مقصد کے زندگی گزارے، دانش مند وہ ہے کہ اس کی ہر نقل وحرکت کا کوئی نصب العین ضرور ہو......تو اتنی بڑی حرکت جو ہزاروں برس سے چل رہی ہے اور ابدلآباد تک چلتی رہے گی اور بلا مقصد ہو؟ یعنی دیوانگی بھی ہو اور اتنی لمبی دیوانگی کہ اس کی کوئی حد ونہایت نہ ہو۔کم سے کم انسان کے لیے زیبا نہیں جو مدعی ہے کہ میں سب سے بڑا دانش مند ہوں، مجھے عقل کامل دی گئی ہے، یہ مدعی ہے کہ میں ساری کائنات پر فوقیت رکھتا ہوں اور افضل ہوں حتیٰ کہ ملائکہ کی جنس سے بھی افضل ہونے کا دعویدار ہے تو یہ انسان جو اتنا بڑا دعویٰ رکھتا ہے اس کی اتنی بڑی زندگی بلا کسی مقصد کے؟ تو ایک طرف یہ عقل کا دعویٰ کہ سب سے بالاتر اور ایک طرف یہ مجنونانہ حرکت کہ کوئی نصب العین زندگی کا نہیں، یہ کوئی جوڑ نہیں لگتا۔اس لیے انسان وہی کہلائے گا جو اپنی زندگی کا کوئی نصب العین متعین کرے۔

ابدی مقصد

اور نصب العین بھی معمولی نہیں ہونا چاہیے۔اس واسطے کہ جب عمر لمبی اور ابدلآباد تک کی ہے تو مقصد ایسا ہو جو ابدلآباد تک چلے۔چند دن میں ختم ہو جائے وہ بھی دیوانگی ہوگی کہ عمر تو لاکھوں برس کی لے کر آیا اور مقصد وہ سوچ لیا جو دس بیس برس میں ختم ہو جائے، اس کا مقصد یہ ہے کہ پھر بلا مقصد کے عمر گزرے، پھر اس کے اوپر دیوانگی آجائے تو مقصد اور نصب العین زندگی کا ہونا چاہیے اور ایسا ہونا چاہیے جیسی خدا نے عمر دی ہے کہ عمر لمبی ہے تو مقصد بھی لمبا ہو، اگر وہ دس جہاں طے کرے تو وہ مقصد بھی دس جہاں طے کرے، اس لیے یہ غور کرنے کی بات ہے کہ زندگی

جیسی نعمت اور دولت جو انمول موتی کی طرح سے ہے، ساری دُنیا مل کر بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتی، اس کے لیے کوئی ایسا پاکیزہ اور اعلیٰ مقصد ہونا چاہیے کہ ہماری دانش کے بھی سب قائل ہو جائیں اور خود انسان بھی ایک دوسرے کا قائل ہو کہ واقعی صحیح مقصد ہے۔

عزت کے بارے میں سنہری اُصول

اس سے ایک اُصول معلوم ہوتا ہے کہ جو مقبولیت عوام سے اوپر کی طرف چلتی ہے وہ بے بنیاد ہوتی ہے۔ عوام میں پھیل گئی آگے خواص میں اس کا کوئی وجود نہیں، وہ عزت فرضی ہوتی ہے، چند دن کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور جو خواص سے چلے، عوام کی طرف آئے وہ حقیقی عزت ہوتی ہے تو میں نے عرض کیا انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام، علمائے ربانی اور صالح بندوں کی محبت کوئی کارنامہ کر جانے والوں کی محبت جو رہتی دُنیا تک قلوب میں باقی رہتی ہے وہ حقیقی عزت ہے، اس کی بنیاد فرضی نہیں ہوتی، آدمی کا خیال نہیں ہوتا قلب کی گہرائی ہوتی ہے، اگر آدمی یہ بھی چاہے کہ میں اپنے خیال سے یہ محبت نکال دوں، اُسے قدرت نہیں ہوتی......اس کا دل ملامت کرے گا کہ نہیں تجھے محبت رکھنی پڑے گی، اس لیے کہ وہ بنیادوں پر قائم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عزت وہ ہے جو اللہ کی طرف سے چلے، مقبولیت عند اللہ ہو، وہ عزت نہیں ہے کہ لوگوں کے تخیلات کے اوپر اس کی بنا ہو کیونکہ خیال رات دن بدلنے والی چیز ہے تو ایسی محبت و عزت جو کہ خیالی ہو، اس کو ہم اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں، یہ زندگی کی توہین ہے، زندگی امر واقعی اور نصب العین فرضی اور خیالی بنا رہے ہیں، زندگی کی بنیادیں اٹل کہ انسان ابدی ہے اور عزت جو نصب العین ٹھہرا، اس کی کوئی بنیاد نہیں کہ کل کو ہے، پرسوں کو نہیں، یہ زندگی کی توہین کرنا ہے، اس لیے یہ بھی نصب العین نہیں بن سکتی تو نہ دولت اور رہی عزت مقصد زندگی بن سکتی ہے نہ روٹی بن سکتی ہے۔ اگر دُنیا ہی تک زندگی محدود ہوتی تو چلو ہم یہی نصب العین قرار دے لیتے مگر مشکل یہ ہے کہ زندگی آگے جانے والی ہے، یہ زندگی کا کروڑواں معمولی حصہ ہے دائمی اور ابدی زندگی تو آگے ہے اس واسطے کوئی اور نصب العین ہونا چاہیے۔

انسان کا علم؟

وہ مقصد اور نصب العین کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ انسان تجویز نہیں کر سکتا۔ انسان بے چارہ محدود ہے وہ اپنے حال کی بات دیکھے گا، اس کا ماحول ایک محدود ماحول ہے، اس کے اندر وہ گھرا

ہوا ہے، وہیں کی سوچے گا تو انسان بے چارے کا تخیل ہی کیا؟ اس کی عقل ہی کیا؟ کہ وہ ایک لامحدود نصب العین سوچ لے...... اپنے تخیل کے دائرے میں سوچے گا وہ محدود چیز ہوگی، کارآمد نہیں ہوگی، اس لیے انسانی زندگی کا نصب العین وہ بتلا سکتا ہے جو خود بھی لامحدود ہو، اس کا علم بھی ازلی ابدی ہو، ازل سے ہے اور ابد تک جانے والا ہے جو خود انسان کا خالق ہے، اس کی زندگی کے اُتار چڑھاؤ کو جانتا ہے، اس کے داؤ بھات سے واقف ہے۔ فرمایا گیا:

"اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ"

"جس نے پیدا کیا کیا وہ نہیں جانے گا مخلوق کو؟ وہی اصل میں جاننے والا"

ہم تم اپنے سے اتنے واقف نہیں ہیں جتنا ہمارا خالق ہم سے واقف ہے۔ ہمیں آج یہ پتہ ہے ہی نہیں کہ ہمارے پیٹ میں کیا ہو رہا ہے، یعنی پیٹ ہمارا، نفس ہمارا، خود ہمیں ہی پتہ نہیں، اندر کیا ہو رہا ہے حالانکہ عظیم الشان مشین ہے جو چل رہی ہے، غذا پہنچ رہی ہے، معدہ اپنا کام کر رہا ہے، جگر، دل اور دماغ اپنا کام کر رہا ہے...... جب آپ لقمہ کھاتے ہیں وہ معدے میں پہنچتا ہے، معدہ اسے لے کر سفید حریرہ بنا دیتا ہے اور کچھ فضلات ہیں جن کو انتڑیوں کی طرف پھینک دیتا ہے اور اس کا جوہر جگر کی طرف پھینک دیتا ہے، جگر کو کہتے ہیں کہ یہ طباخ بدن ہے (بدن کا باورچی ہے) جگر اس حریرے کو پکاتا ہے، جب ہنڈیا پکتی ہے تو ایک حصہ اوپر جھاگ کی طرح ہوتا ہے۔ ایک حصہ تلچھٹ کی طرح ہوتا ہے، ایک حصہ بیچ بیچ میں ہوتا ہے اور ایک حصہ وہ ہے جو جوہر بنتا ہے، وہ جو اوپر کا جھاگ کا حصہ ہے وہ بلغم ہے جو نیچے تلچھٹ کا حصہ ہے وہ سودا ہے، جو بین بین ہے وہ صفرا ہے اور ان تینوں چیزوں سے مل کر جو جوہر بنتا ہے اسے خون کہتے ہیں، یہ چار خلطیں تیار ہوئیں، جگر باریک رگوں کے ذریعہ سے خون کو قلب کے اندر بھیجتا ہے۔

قلب کے بارے میں اطباء لکھتے ہیں، یہ ایسا ہے جیسے چوگڑی ہوتی ہے کہ بیچ میں سے دبا ہوا، دونوں کنارے پھیلے ہوئے جیسے اُگال دان ہوتا ہے تو بیچ میں سے پتلا اور دونوں کنارے چوڑے، یہ قلب کی صورت ہے، اس کا ایک حصہ بطن عالی اور ایک بطن سافل کہلاتا ہے۔ یہ خون بطن سافل کے اندر پہنچتا ہے، قلب اس کو پھر اپنی حرارت سے پکاتا ہے، اس کے پکانے سے ایک لطیف بھاپ پیدا ہوتی ہے، وہ روح حیوانی کہلاتی ہے، اس روح کے اوپر پھر اوپر سے روح آتی ہے جس کو روح ربانی کہتے ہیں، اس سے انسان کے علم اور اِدراک کا تعلق ہے...... تو بدن کا حصہ نیچے

ایک سواری ہے اس پر روح حیوانی سوار ہے، پھر روح حیوانی ایک سواری ہے، اس پر روح ربانی سوار ہے، اس طرح سے یہ تین چیزیں ہیں جو مل کر سفر طے کر رہی ہیں ...... تو آپ نے اندازہ کیا کہ کس طرح غذائیں پہنچ رہی ہیں اور ہضم ہو رہی ہیں اور اس سے طرح طرح کی چیزیں بن رہی ہیں لیکن خود انسان کو اس وقت پتہ نہیں کہ معدہ کیا کر رہا ہے؟ جگر کیا کر رہا ہے؟ اور قلب کیا کر رہا ہے؟ جب ہمارے اندر سب کچھ ہو رہا ہے اور ہمیں کچھ پتہ نہیں تو اس کا محدود علم ہے تو لامحدود زندگی کا نصب العین کیسے تجویز کرے گا؟ یہ اگر تجویز کرے گا تو چند روزہ ہو گا جیسے خود اس بیچارے کا علم چند روزہ ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ زندگی کا نصب العین تجویز کرنے والا وہ ہو جو زندگی کا خالق ہے، وہی اس کے اوّل و آخر سے واقف ہے، وہی نصب العین متعین بھی فرما سکتا ہے۔

خالق انسان کا تجویز کردہ نصب العین

اس خالق نے ایک نصب العین تجویز فرمایا اور اپنے فرمان کے ذریعے ہم تک بھیج دیا جس کو قرآن کریم کہتے ہیں۔ فرمایا: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ"

میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ وہ میری اطاعت کریں۔ تو مقصد زندگی در حقیقت اپنے خالق و مالک کی اطاعت وعبادت نکلی، عبادت کا لفظ سن کر ممکن ہے کہ آپ کو یہ تخیل پیدا ہوا ہو کہ بس اب کہا جائے گا کہ جا کے مسجد میں بیٹھو، کوٹھی بھی چھوڑ دو اور بنگلہ بھی اور مسجد کا راستہ لو، عبادت تو وہاں ہو گی ...... اور ممکن ہے یہ کہا جائے کہ بھائی! یہ دولت جو ہے اسے خیر باد کہو، یہ سب کچھ صدقہ کر کے جاؤ اللہ کے راستہ میں اور اپنا گھر بار چھوڑ دو۔

دولت سے بھی خدا ملتا ہے

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ انسان جس دائرے میں رہے اسے مایوس نہیں کرتا، خدا تک پہنچنے کا لازمی راستہ بتلاتا ہے، یہ نہیں کہا کہ انسان آج جس دائرے میں ہے اس دائرے کو چھوڑ کر فلاں دائرے میں جائے جب تو مجھ تک آئے گا اور اگر نہیں چھوڑے گا تو مجھ تک نہیں آئے گا، ایسا نہیں ہے۔

اگر ایک آدمی دولت مند ہے، اسے اسلام یہ کبھی نہیں کہے گا کہ تو اپنی ساری دولت کو ختم کر دے بلکہ اسی دولت کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بنائے گا۔ اس کے صرف اور آمد کا طریقہ بتلائے گا، اس کے قوانین بتلائے گا کہ میری اطاعت کے تحت اس کو خرچ کر ...... اور میری اطاعت کے تحت اس کو صرف کر، یہ سب تیرے لیے عبادت ہے، تو اس کرنے سے مجھ تک پہنچ

جائے گا تو دولت مند کو کہے گا کہ تو دولت کے راستے سے مجھ تک پہنچ۔

اس واسطے کہ ہزاروں عبادتیں ہیں جن کا تعلق ہی مال سے ہے، اگر دولت نہیں ہوگی تو آدمی زکوٰۃ کیسے دے گا؟ صدقہ فطر کیسے دے گا؟ خیرات کیسے کرے گا؟ صلہ رحمی کیسے کرے گا؟ حج کیسے کرے گا؟ اجتماعی اُمور کیسے انجام دے گا؟ غرض خیرات وصدقات اور چندے، یہ سارے اعمال انجام نہیں دے سکتا، جب تک دولت نہ ہو اور یہ سارے کام اسلام کے ہیں تو اسلام کیسے کہہ دے گا ...... کہ دولت کو ضائع کردو یا حاصل نہ کرو یا آ گئی ہے تو اسے کھودو بلکہ اسی کو رکھ کر اسی دائرے میں سے راستہ نکال دے گا کہ اس کے اوپر چلو۔

لیکن اگر دولت مندوں کو اسلام نے راستہ بتلایا کہ تم اپنی دولت کو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ تو ممکن تھا کہ ایک غریب آدمی کا دِل ٹوٹتا کہ بس دولت مند دُنیا اور آخرت دونوں کما لے گیا، میں یہاں بھی محروم وہاں بھی محروم؟ نہ صدقہ دے سکتا ہوں نہ خیرات، نہ صلہ رحمی کے قابل ہوں تو میں دُنیا میں بھی ایسے ہی بے چارہ وبے کس رہا اور آخرت میں پہنچا تو بھی عبادتیں کم ہوئیں، اس کا دل ٹوٹا ...... اسلام نے فوراً ڈھارس دی کہ تو بھی مایوس مت ہو۔ حدیث میں فرمایا کہ:

"اے غریب! تو اپنی غربت پر پریشان مت ہو، اس وقت کو یاد کر کہ قیامت کے دن اُمراء اپنے حساب کتاب میں لگے ہوئے ہوں گے اور غرباء پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل بھی ہو چکے ہوں گے۔ تو غریب نے کہا کہ مجھے میری غربت مبارک، مجھے تمول کی ضرورت نہیں ہے، یہ پانچ سو برس کی مدت خدا جانے کیسے گزرے گی؟ ...... حساب دے سکیں نہ دے سکیں؟ کوئی عتاب نہ ہو، مصیبت نہ کہیں بھگتنی پڑے، دُنیا کی ساٹھ ستر برس کی عمر تو گزر ہی جائے گی، میں سچے دل سے اپنی غربت پر خوش ہوں تو اسے دولت کی نعمت دی اور اسے استغناء کی نعمت دی، دولت نہیں ہے مگر اس کا دل غنی ہے......

دولت مند کو دولت کی وجہ سے ہزار مصیبتیں ہیں، اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے، کہیں چور ڈاکو نہ آ جائے، حاکم حسد کرے تو اس سے بھی کس طرح بچوں اور دولت کو بچاؤں، کہیں ٹیکسوں کا اور محصول کا قصہ، غرض صبح سے شام تک ایک مصیبت ہے، مگر غریب کہتا ہے کہ میں مصیبت زدہ نہیں ہوں۔

غرض ایک دولت مند کو اگر مادی دولت دی گئی تو غریب آدمی کو جو صابر اور محتسب ہے، اس کو استغناء کی دولت دی گئی، یہ کمالِ غناء سے بادشاہوں سے زیادہ مزے میں اور مطمئن ہے......

فرمایا گیا کہ دُنیا میں تجھے یہ نعمت ملی کہ تجھے غنی بنا دیا گیا، سینکڑوں مصیبتوں سے چھوٹ گیا اور

آخرت کی یہ نعمت ہے کہ پانچ سو برس پہلے تو جنت میں داخل ہو جائے گا اور اُمراء ابھی حساب و کتاب میں ہوں گے تو دولت مند یوں خوش ہے کہ میں اپنی دولت سے جنت کمار ہا ہوں، غریب آدمی یوں خوش ہے کہ میں اپنے غناء سے جنت کمار ہا ہوں تو اسلام نے کسی حالت میں مایوس نہ کیا، نہ دولت مند کو یہ کہا کہ تو فقیر بن...... نہ فقیر کو یہ کہا کہ تو دولت مند بن۔ ہر ایک حالت و کیفیت میں اس کو تسلی دی اور اُسے راستہ بتلا دیا۔ یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ کسی حالت کے بدلے بغیر اسی حالت میں اسلام راستہ نکالتا ہے، مایوس نہیں ہونے دیتا۔

صحت و مرض میں بھی خدا ملتا ہے

حدیث میں فرمایا گیا سب سے بڑی نعمت جس پر رشک کیا جائے وہ صحت و تندرستی ہے، صحت نہ ہو تو عبادت کیسے کرے؟ حج کو کیسے جائے؟ نماز کیسے پڑھے؟ روزہ کیسے رکھے؟ گویا ساری عبادتیں صحت سے وابستہ ہیں، اس لیے اس کی فضیلتیں بیان کی گئیں، صحت مند اور تندرست آدمی خوش ہے کہ مجھے اللہ نے صحت دی ہے، خدا کا شکر ہے میں جانی عبادت بھی کر رہا ہوں، محنت بھی اُٹھا رہا ہوں، حج کو بھی جا رہا ہوں لیکن بیمار کا دل ٹوٹا کہ افسوس میں کچھ عمل نہ کر سکا، نہ میں مسجد تک جا سکتا ہوں، نہ میں حج کرنے جا سکتا ہوں، نہ جہاد کے لیے جا سکتا ہوں، کوئی کام بھی میں نہیں کر سکتا، افسوس میں محروم رہا، اسلام نے آ کر فوراً تسلی دی کہ پریشان مت ہو...... حدیث میں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ بعضے بندوں سے پوچھیں گے کہ...... ”اے بندے! میں بیمار ہوا تو مجھے پوچھنے نہ آیا......؟ میں مریض ہوا تو میری مزاج پرسی کو نہ حاضر ہوا؟“

بندہ کہے گا: ”اے اللہ! آپ تو رب ہیں، آپ کو بیماری سے کیا تعلق؟ بیماری تو عیب اور نقص کی چیز ہے، آپ ہر نقص اور برائی سے بری ہیں۔“

فرمائیں گے: میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا، اگر تو بیمار پرسی کے لیے جاتا، مجھے اس کی چارپائی کی پٹی پر موجود پاتا...... بیمار کا دل بڑھ گیا کہ میری وہ خصوصیت ہے کہ بیماری میں حق تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، کسی تندرست کی چارپائی پر حق تعالیٰ نہیں ہیں اور بیمار کی چارپائی پر موجود ہیں...... یعنی خاص تجلی، لطف و کرم اور عنایت موجود ہے۔

کسی تندرست کے بارے میں حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تندرستی اپنے اوپر لے کر کہا ہو کہ میں تندرست تھا تو میرے پاس کیوں نہیں آیا، بیمار کے بارے میں اپنے اوپر لے کر فرمایا کہ میں بیمار ہوا تو

مجھے پوچھنے نہ آیا، گویا بیمار اتنا عزیز ہے کہ اس کی بیماری کو اپنی بیماری فرمایا کہ میں بیمار ہوا...... تو بیمار کا دل بڑھ گیا کہ ایسی تندرستی کو سلام ہے جس سے اتنا قرب نہ ہو، مجھے یہ بیماری عزیز اور مبارک ہے، میں اس بیماری کو چھوڑنا نہیں چاہتا، یہ توجہ الی اللہ کا ذریعہ بن رہی ہے اور درجات و مراتب طے ہو رہے ہیں۔

زندگی اور موت میں بھی خدا ملتا ہے

زندگی ہے، یہ بڑی نعمت ہے، زندگی نہ ہو تو آدمی طاعت و عبادت کیسے کرے؟ ترقی کے مدارج کیسے طے ہوں؟ سارے کام زندگی سے متعلق ہیں، موت جب آئے مرنے والے کا دل ٹوٹا کہ یہ تو اپنی زندگی میں سب کچھ کما رہا ہے، میں تو ختم ہو چکا، میرے لیے اب کچھ نہ رہا، فوراً اسلام نے تسلی دی کہ بے صبر مت بن، پریشان مت ہو...... "تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ"...... مؤمن کا سب سے بڑا تحفہ موت ہے جو اس کو اللہ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔

فرمایا: "اِنَّ الْمَوْتَ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ"

موت ایک پُل ہے جس سے گزر کر حبیب اپنے محبوب حقیقی سے جا ملتا ہے۔ اگر موت بیچ میں نہ ہو تو اللہ سے ملنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اگر یہ زندگی ختم ہو کر اگلی زندگی نہ آئے تو جمالِ خداوندی کے دیکھنے کی کوئی صورت نہیں ہے...... تو اس سے مرنے والے کو تسلی ہوگئی کہ میں تو بڑے درجات کی طرف جا رہا ہوں مجھے زندگی نہیں چاہیے...... بلکہ ایسے میں موت کی تمنا پیدا ہو جاتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَللّٰھُمَّ حَبِّبِ الْمَوْتَ اِلٰی مَنْ یَّعْلَمُ اَنِّیْ رَسُوْلُکَ"

اے اللہ! ہر اس شخص کے دل میں موت کی محبت ڈال دے جو میرے رسول ہونے کا قائل ہو...... جو مجھے رسول مانتا ہے، اس کے دل میں موت کی محبت ڈال دے، اس لیے کہ اگر اُسے اللہ سے محبت ہے، اللہ تک پہنچانے والی چیز موت ہے تو اس سے بھی محبت ہوگی کیونکہ منزل اگر محبوب ہے تو راستہ بھی عزیز اور محبوب ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہود نے دعویٰ کیا تھا کہ اولیاء اللہ تو ہم ہیں، فوراً قرآن کریم نے مطالبہ کیا: "قُلْ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"

"اے یہود! اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تم اولیاء اللہ ہو تو ذرا موت کی تمنا تو کر کے دکھاؤ۔"

ولی اللہ وہ ہوتا ہے.... جس کے دل میں اس زندگی سے زیادہ موت کی محبت ہوتی

ہے.....ان کی زبانوں پر یہ شعر رہتا ہے کہ:

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروئیم　　　تادر میکدہ شاداں و غزلخواں بروئیم

وہ کون سا مبارک دن ہوگا کہ اس اُجڑے ہوئے دیار کو چھوڑ کر ہم اس شہر مطلوب تک پہنچیں گے اور غزلخواں، شاداں اور فرحاں جائیں گے، وہ کون سا دن ہوگا کہ اس گندے جہان کو چھوڑ کر پاک جہان میں جائیں گے۔

ابن الفارض رحمہ اللہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو ترجمہ نگار لکھتے ہیں کہ آٹھوں جنتیں ان کے سامنے کھول دی گئیں اور منکشف ہوئیں تو ابن الفارض رحمہ اللہ نے منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کرلیں اور یہ شعر پڑھا:

اِنْ کَانَ مَنْزِلَتِیْ فِی الْحُبِّ عِنْدَکُمْ　　　مَا قَدْ رَاَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ اَیَّامِیْ

''اگر میری عمر بھر کی محنت کا ثمرہ یہ آٹھ کھلونے ہیں جو آپ نے رکھ دیئے تو افسوس میری عمر ضائع ہوگئی، مجھے کچھ نہ ملا۔'' مؤرخین لکھتے ہیں کہ آٹھوں جنتیں چھپادی گئیں، تجلیاتِ خداوندی سامنے آئیں اور ان کی روح غرغرا کر پرواز کرگئی۔ تو ایک مرنے والا جب یہ دیکھتا ہے کہ تجلیاتِ خداوندی میرے استقبال کو آرہی ہیں، اسے کیسے زندگی کی تمنا باقی رہ سکتی ہے؟

حدیث میں ہے کہ جب مؤمن کے مرنے کا وقت آتا ہے تو ملک الموت کے اعوان وانصار دو قسم کے ہیں ایک وہ جو دائیں ہاتھ پر ہیں، لاکھوں کروڑوں فرشتے ہیں، ایک وہ ہیں جو بائیں ہاتھ پر ہیں، دائیں ہاتھ والے مؤمنوں کی ارواح قبض کرتے ہیں اور بائیں ہاتھ والے کفار کی ارواح قبض کرتے ہیں، دائیں ہاتھ والے روشن چہرے کے ملائکہ ہیں، سورج اور چاند کی طرح ان کے چہرے چمکتے ہیں اور بائیں ہاتھ والے ملائکہ سود الوجوہ ہیں، سیاہ اور بھیانک چہرے، ہیبت ناک ان کی شکلیں ہیں۔

مؤمن پر جب موت کا وقت آتا ہے تو وہ دُور سے کچھ ستارے اور روشنی دیکھتا ہے، وہ تحیر میں مبتلا ہوتا ہے کہ یہ روشنی کیسی ہے؟ یہ چاند سورج کیسے ہیں؟

یہ جو وقت ہوتا ہے اِدھر سے غفلت کا اور اُدھر متوجہ ہونے کا ہوتا ہے، ابھی نزع نہیں شروع ہوا، ابھی غفلت طاری ہوئی، نزع تب شروع ہوگا جب سانس چلنے لگے لیکن ابتداءً یہ خوشی طاری ہے اور یہ غفلت ہے کہ اِدھر کا جہان چھپ جاتا ہے اور اُدھر کا جہان روشن ہوجاتا ہے اور یہ نظر پڑتا ہے کہ لاکھوں چاند اور سورج ہیں جو آہستہ آہستہ میری طرف بڑھے چلے آرہے ہیں تو یہ تحیر میں

دیکھتا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیسا کارخانہ ہے......؟......اور ملائکہ علیہم السلام یہ آہستہ آہستہ اس لیے بڑھتے ہیں کہ مقصد شفقت ہے، اگر اِک دم آ پڑیں تو یہ گھبرا نہ جائے کہ یہ کیا بات ہوگئی، اس لیے آہستہ آہستہ اس کے دل میں گنجائش کرتے ہوئے آتے ہیں کہ وہ سہتا جائے اور یہ سمجھتا جائے، پھر اخیر میں قریب آجاتے ہیں، پھر اسے کوئی اوپری بات معلوم نہیں ہوتی......اور یہ نہیں کہ آتے ہی روح قبض کرنی شروع کردی۔ حدیث میں ہے کہ اس میت کو عالَم آخرت کی ترغیب دلاتے ہیں اور دُنیا سے نفرت دلاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ: "اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الطَّیِّبَۃُ کَانَتْ فِی الْجَسَدِ الطَّیِّبِ اُخْرُجِیْ اِلٰی رَوْحٍ وَّرَیْحَانٍ وَرَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانٍ"

اے پاک روح! اے پاک نفس! تو نے اپنے بدن کو نیک اعمال سے پاک کیا، اپنی روح کو بھی ذکر سے نیک کیا یا نیک کلمات سے پاک رکھا تو اے پاک روح، اپنے پاک بدن سے چلی آ اور کہاں جا؟

"اُخْرُجِیْ اِلٰی رَوْحٍ وَ رَیْحَانٍ"...... بہاروں کی طرف اور نعمتوں کی طرف چل اور اس پروردگار کی طرف چل جو تجھ پر نامہربان نہیں بلکہ شفیق، مہربان اور رحمت والا ہے، تیرا منتظر ہے...... یہ گویا ترغیب دیتے ہیں تاکہ بندہ راضی ہو اور اس کی رضا کے بعد روح قبض کرنا شروع کریں۔

انبیاء علیہم السلام کی ارواح قبض کرنے کے لیے ملک الموت آتے ہیں تو باقاعدہ اجازت مانگتے ہیں جب انبیاء علیہم السلام اجازت دے دیتے ہیں تب قبض روح شروع ہوتا ہے، مؤمن سے اجازت نہیں لی جاتی مگر ترغیب دی جاتی ہے تاکہ وہ موت کے اوپر مطمئن ہوجائے، اس کی رضا حاصل ہوجائے تب قبض روح شروع ہو تو یوں ترغیب دیتے ہیں کہ اس گندے جہان کو چھوڑ اور اس پاک جہان کی طرف چل۔ ادھر نفس کی حکومت تھی، اُدھر اس رب کی حکومت ہے جو تجھ پر کبھی نامہربان نہیں ہے، ہمیشہ تجھ پر مہربان رہے گا، روح وریحان اور نعمتوں کی طرف چل۔

سب جانتے ہیں کہ موت سے انسان کو طبعاً کراہت ہے، کتنی نعمتیں ہوں مگر موت قبول کرنے کے لیے آدمی تیار نہیں ہوتا، تو جب وہ اس ترغیب سے راضی نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ پھر ملائکہ اس کو جنت کے تحفے دکھلاتے ہیں، کچھ پھل کچھ لباس، اس کو دیکھ کر ایک دم روح پرواز کرنی شروع کردیتی ہے اور تشبیہ دی گئی کہ اس طرح سے نکل جاتی ہے جیسے مشک میں پانی بھر کر پانی اُلٹ دو، اس کا منہ کھول کر نیچے کردو اور سارا پانی غرغرا کر نکل جائے گا، ایک قطرہ باقی نہیں رہے گا، اس طرح روح شوق و ذوق میں پرواز کر جاتی ہے تو ملائکہ علیہم السلام آتے ہیں، ترغیب

دیتے ہیں، بندے کی رضا حاصل کرتے ہیں، جب وہ راضی ہوتا ہے تب اس کی روح قبض کرتے ہیں، یہ ملائکہ علیہم السلام کی شفقت ہے، ملک الموت اس سے بات بھی کرتے ہیں۔

جب نزع شروع ہوا، یہ ملک الموت کے اعوان وانصار کا کام ہے۔نزع ہونے کے بعد روح کا قبض کرنا اور قبضے میں لے لینا یہ ملک الموت کا کام ہے۔گویا ابتدائی مبادی یہ ملائکہ طے کرتے ہیں اور آخری نتیجہ ملک الموت علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ زندگی جیسے نعمت ہے موت بھی ایک نعمت ہے۔اسلام نے اگر زندگی کی تعریف کی اور ترغیب دی اور کہا کہ تم دُعائیں مانگو کہ ہماری عمر صالحات وحسنات کے ساتھ دراز ہو، اب ایک شخص زندہ ہے تو ممکن ہے مرنے والے کے دل میں مایوسی پیدا ہو کہ اِسے تو سب کچھ مل گیا، میری عمر ختم ہوگئی تو اُسے اس حالت میں تسلی دی کہ تیری موت تیرے لیے تحفہ اور روح وریحان کا پیغام ہے۔حق تعالیٰ کی رضا اور خوشی کا پیغام ہے، غرض یہ اس پر راضی کہ مجھے موت آ رہی ہے، وہ اس پر راضی کہ مجھے زندگی مل رہی ہے نہ یہ مایوس نہ وہ مایوس...... اسلام نے ہر ایک کو تسلی دی ہے، کسی حالت میں اپنے پیروؤں کو مایوس نہیں کرتا، ہزار مصیبتیں آ جائیں، اسلام مایوس نہیں ہونے دے گا، ہزار نعمتیں آ جائیں، اس میں راستے دکھلائے گا، مصائب کے بارے میں فرمایا:

"لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ، اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ"

کتنی مصیبت آ جائے، کبھی مایوس مت ہونا، مؤمن کا کام نہیں ہے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔

تو مصائب میں اسلام تسلی دیتا ہے کہ مصیبت سے مت گھبراؤ، مصیبت بھیجنے والے پر نظر رکھو، نعمت میں آدمی راضی کہ نعمت مل گئی، مصیبت آ گئی تو صابر اس کے اندر بھی راضی کہ مجھے بھی نعمت مل گئی، میرے اخلاق میں وہ بلندی پیدا ہوئی کہ نعمتوں میں وہ بلندی پیدا نہیں ہو سکتی تھی تو اس مصیبت نے میرے اخلاق اونچے کر دیئے...... غرض کوئی حالت ایسی نہیں ہے کہ انسان کو مایوس بنا دیا گیا ہو۔

کوئی حالت ایسی نہیں جس میں خدا نہ ملتا ہو، اگر آپ کوٹھی بنگلوں میں رہ کر چاہیں، وہاں بھی اللہ کو یاد کر سکتے ہیں، آپ کی نیت صحیح ہونی چاہیے، آپ کا نصب العین درست ہونا چاہیے، مال کماؤ تو جائز طریق پر، خرچ کرو جائز طریق پر، تو کمانا بھی عبادت، خرچ کرنا بھی عبادت ہے، دونوں پر سچی نیت سے اس طرح اجر ملے گا جس طرح نماز پڑھنے پر ملتا ہے۔یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی مفلس بنے جب خدا کو پائے گا۔

دولت اپنی ذات سے بری نہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب مقبول ہیں لیکن ان میں مال دار بھی ہیں اور نادار بھی، لکھ پتی بھی ہیں اور کروڑ پتی بھی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے بھی جن کا مذہب یہ تھا کہ اگر ایک وقت کا کھانا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے وقت کے لیے آدمی جمع کرے تو جہاں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں وہاں عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ جیسے بھی ہیں جو لکھ پتی اور کروڑ پتی لوگوں میں ہیں جن کی تجارت تھی۔

ان کی تجارت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دُعا دی تھی اور حال یہ تھا کہ ان کی تجارت کی کوٹھیاں روم، مصر اور شام میں جگہ جگہ بنی ہوئی تھیں اور نفع کا مال جب آتا تھا تو یہ نہیں تھا کہ دس پانچ آدمی لے کر آجائیں بلکہ اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور فرماتے تھے کہ گھر میں ڈال دو، وہ اس قدر ہوتا تھا کہ غلے کی طرح ڈھیر لگ جاتا تھا، دولت کی یہ کیفیت تھی۔

مگر اس کے ساتھ قلب کی کیا کیفیت تھی؟...... حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ مہمانداری کا یہ عالم تھا کہ تین تین سو چار چار سو مہمان، دسترخوان پر جمع ہوتے تھے، جب نعمتیں چنی جاتیں، دسترخوان سج جاتا اور کھانے کے لیے بیٹھتے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رونا شروع کرتے، بے اختیار دل بھر آتا اور فرماتے: اے اللہ! تیرے نبی کے دسترخوان پر کبھی ایک سے دوسرا کھانا جمع نہ ہوا اور میرے دسترخوان پر اتنی نعمتیں......؟ کہیں میری جنت کی نعمتیں دُنیا ہی میں تو نہیں ختم کی جارہی ہیں۔

یہ کہہ کر روتے اتنا روتے کہ بے خود ہوجاتے، سارے حاضرین اور مہمان بھی روتے اور بے کھائے پیئے دسترخوان اُٹھ جاتا۔

رات کو پھر دسترخوان بچھایا جاتا، پھر اللہ کی نعمتیں چنی جاتیں۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہوتا اور کہتے کہ:...... ''اے اللہ! مہاجرین اوّلین اتنی غربت اور بے کسی سے دُنیا سے گئے کہ فاقے پر فاقے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس غربت میں وفات پائی کہ کفن بھی پورا میسر نہیں تھا، اگر سر ڈھانپا جاتا تو پیر کھل جاتے تھے، پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر میں سر ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال کر دفن کردیا گیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تو یہ حالت اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا گھر پیسوں اور اشرفیوں سے بھرا پڑا ہے کہیں دُنیا ہی میں میری جنت کی نعمتیں تو ختم نہیں کی جارہی ہیں؟''

پھر روتے، سارے حاضرین روتے اور بے کھائے پیئے دسترخوان اُٹھ جاتا، تین تین وقت کے فاقے اس طرح سے آتے تھے تو دولت کا یہ حال اور قلب کا یہ حال؟ غرض اسلام دولت کا مخالف نہیں ہے تمول کو برا نہیں کہتا لیکن تمول سے اگر دِل بگڑ جائے اس دل کو اسلام برا کہتا ہے، دولت اس لیے نہیں ہے کہ دل کو بگاڑا جائے بلکہ اس لیے ہے کہ صحیح دل رکھ کر اس کو صحیح مصرف میں لگایا جائے تو آدمی کی دولت بری نہیں ہے آدمی برا ہوتا ہے، آدمی برا ہے تو دولت بری ہو جائے گی، آدمی اچھا ہے تو دولت اچھی ہو جائے گی، سامان اپنی ذات سے اچھا یا برا نہیں، سامان والے کو دیکھو کہ وہ اچھا ہے یا برا......؟ وہ اچھا ہے تو سارا سامان اچھا، وہ برا ہے تو سارا سامان برا، لوگ خواہ مخواہ دولت کو برا کہتے ہیں، دولت بیچاری نے کیا قصور کیا ہے؟ آدمی اپنے کو دیکھے۔

دولت کی مثال

عارف رومی رحمہ اللہ نے ایک بڑی عجیب مثال دی ہے۔ فرمایا: دولت کی مثال ایک سمندر کی ہے اور انسان کا دِل کشتی جیسا ہے۔ پانی اگر کشتی سے باہر رہے تو منزلیں طے کرے گی اور اگر کشتی کے اندر آ گیا تو کشتی بھی گئی اور کشتی والا بھی گیا تو فرمایا: دولت ایک سمندر کی مانند ہے اور ہمارے دل کشتیوں کی مانند ہیں۔ اگر دولت دل سے باہر باہر ہے تو پار لگا کے آخرت کے کنارے پر پہنچا دے گی لیکن اگر دل کے اندر آ گئی تو دل بھی ڈوبا اور دل والا بھی ڈوبا۔ غرض دولت کی برائی نہیں کی دولت کا محل بتایا کہ دل سے باہر ہاتھ پاؤں میں رکھو، کماؤ، کھاؤ پیو اور خرچ کرو لیکن رہنی چاہیے ہاتھ پیر کے اندر...... دل کے اندر فقط محبت خداوندی ہونی چاہیے...... دولت کی محبت نہیں ہونی چاہیے۔

طبعی محبت کی رعایت

اور اگر تھوڑی بہت طبعی طور پر محبت ہو بھی، آخر بالکل محبت کو کیسے دل سے نکال دے، کچھ نہ کچھ محبت ہوتی ہے تو اسلام نے بھی یہ نہیں کہا کہ بالکل محبت نکال دو، تمہیں طبعی طور پر محبت و تعلق ہے۔ لہٰذا رکھو مگر وہ محبت اتنی نہ ہو کہ جب محبت خداوندی کا مقابلہ پڑے تو یہ محبت غالب آ جائے، مقابلہ پڑے تو وہ محبت غالب رہنی چاہیے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تمہارے ماں باپ اور اولاد اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ تمہارے اموال اور تمہاری تجارتیں جن میں کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو کہ بازار کھوٹا نہ ہونا چاہیے اور تمہاری وہ بلڈنگیں، اعلیٰ اعلیٰ مکانات ومحلات جن سے تم راضی ہو اور تمہارے قلوب میں کشش موجود ہے، "اَحَبَّ اِلَیْکُمْ" اگر یہ اللہ کی محبت کے مقابلہ میں زیادہ محبوب بن گئے تو مصائب اور فتنوں کا انتظار کرو۔

اس میں بتلا دیا گیا کہ "احبیت" کی ممانعت ہے کہ بمقابلہ خدا زیادہ محبوب نہیں ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا تھوڑی بہت محبت ہو تو اجازت دی ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ اُسے اپنے مال اور اپنی چیزوں سے محبت ہوتی ہے، ہر انسان ولی کامل نہیں ہوتا، یہ پیغمبروں کے مقامات ہیں کہ ذرہ برابر قلب میں لگاؤ نہیں ہے، اولیاء کے مقامات ہیں کہ دولت یا مال سے ذرّہ برابر لگاؤ نہیں، اب ہم اور آپ اس مقام تک کہاں پہنچ سکتے ہیں؟ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ محبت رکھو، ہم نکالنا نہیں چاہتے، مگر مقابلہ پڑ جائے تو یہ دیکھو کہ محبت خداوندی کے مقابلے میں یہ مغلوب ہے یا غالب ہے؟ اگر غالب ہو تو پھر مصیبتوں کا انتظار کرو، اگر مغلوب ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، بہر حال اس کی گنجائش دی ہے..... معلوم ہوا دولت کے اندر رہ کر بلکہ دولت کی کچھ نہ کچھ محبت رکھ کر پھر بھی آدمی اللہ تک پہنچ سکتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ دولت اس سے چھنی جائے تب اللہ تک پہنچے، یہ اسی دولت کو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بنائے۔

حاصل یہ نکلا کہ عبادت کا لفظ سن کر یہ دھیان نہ جانا چاہیے کہ گھر بار چھوڑ کر مسجد میں جاؤ، مسجد میں بھی خدا ملتا ہے، گھر میں بھی ملتا ہے۔

انسان ہر حال میں خدا تک پہنچ سکتا ہے

کھانا کھاتے ہوئے دستر خوان پر بھی ملتا ہے حتیٰ کہ استنجاء تک جاتے ہوئے بھی آدمی اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ایک آدمی کھانا کھا رہا ہے اور اس نیت سے کھا رہا ہے کہ اگر میرے پیٹ میں کچھ قوت پڑ جائے تو اللہ کے راستہ میں عبادت وطاعت میں صرف کروں گا، وہ پورا کھانا عبادت میں داخل ہے اور اس شان سے داخل ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ جس نے بسم اللہ سے کھانا شروع کیا اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا" پر ختم کیا یعنی کھا کر یہ کہا۔ فرماتے ہیں: "غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبٍ"

پچھلے گناہ سب بخش دیئے جاتے ہیں، اب کھائی روٹی اور معاصی کی بخشش ہو رہی ہے جو نماز پر ثمرہ مرتب ہوتا ہے، وہ دستر خوان پر مرتب ہوا۔ معلوم ہوا آدمی دستر خوان پر بیٹھ کر بھی اللہ تک پہنچ سکتا ہے، روزہ سے بھی پہنچتا ہے افطار سے بھی پہنچتا ہے، روزہ رکھے گا اس کے لیے فرماتے ہیں۔

"اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اُجْزٰی بِہٖ" روزہ میرا ہے، میں اس کا بدلہ دوں گا اور افطار کرنے بیٹھا تو فرمایا افطار کرنے والے کے لیے دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت یہ ہے کہ پانی پی کر پورے بدن میں سیرابی آ گئی اور دوسری فرحت یہ ہے کہ اللہ کی ملاقات نصیب ہوگی رضائے خداوندی نصیب ہوگی۔ غرض روزے میں آدمی فاقہ کر کے اللہ تک پہنچا اور کھا کر بھی اللہ تک پہنچا، یہ ضروری نہیں ہے کہ جب فاقہ کرے جبھی پہنچے اسی طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی جب مفلس ہو جبھی اللہ تک پہنچے، سرمایہ دار ہو تب بھی پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ سرمایہ کا اوّل و آخر دُرست ہو، حرام اور ناجائز کمائی نہ ہو، خرچ میں بھی ناجائز طریقہ نہ ہو۔

آج کا جنید و شبلی

ایک انسان حرام سے بچ جائے اور فرائض ادا کرتا رہے تو وہ ولی کامل ہے، یہ اِس زمانے میں جنید بغدادی جیسا ہے، اُس زمانے میں جنید بننے کے لیے بے شک یہ ضروری تھا کہ کسی مکروہ کا بھی ارتکاب نہ کرے اور کوئی مستحب بھی نہ چھوٹنے پائے لیکن آج کا جنید اگر فرائض سرانجام دے اور حرام سے بچ جائے تو ان شاء اللہ اُسے جنید و شبلی جیسا اجر ملے گا۔

اس لیے کہ آج کا زمانہ انتہائی فتنوں اور رُکاوٹوں کا زمانہ ہے۔ ان رُکاوٹوں میں رہ کر آدمی اپنے دین پر قائم رہ جائے تو وہ مجاہد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرماتے ہیں کہ آج تم ایسے دور میں ہو کہ اگر دین کے دس حصوں سے نو حصے انجام دو۔ ایک حصہ چھوٹ جائے، تم سے قیامت کے دن مواخذہ ہوگا کہ تم نے ایک حصہ کیوں چھوڑا......؟ فرمایا: تمہارے بعد میں ضعفاء آنے والے ہیں کہ اگر دین کے دس حصوں میں سے ایک حصے پر عمل کریں اور نو حصے چھوٹ جائیں تو انہیں اجر وہ دیا جائے گا جو تمہیں دیا جا رہا ہے۔

یہ اس لیے کہ تمہارے سامنے رُکاوٹیں نہیں خدا کا رسول موجود ہے معجزے موجود، خیر القرون کے اندر تم موجود ہو، سارے دواعی اور اسباب دین موجود ہیں۔ اس لیے دین پر عمل کرنا تمہارے لیے دُشوار نہیں۔ بعد والے وہ ہوں گے کہ نہ ان کی آنکھوں کے سامنے اللہ کا رُسول موجود، نہ معجزے ہوں گے، نہ ان کے سامنے خیر القرون ہوگا نہ وہ حالات و کیفیات ہوں گی بلکہ شک ڈالنے والے اور شبہات پیدا کرنے والے زیادہ ہوں گے، فتنوں کا ایک ہجوم ہوگا جو ان سب کے اندر رہ کر دین پر قائم ہوگا، وہ تھوڑا بھی کرے گا تو اجر وہ ملے گا جو آج تمہیں دیا جا رہا ہے۔

غرض رُکاوٹوں اور موانع کی کثرت میں جو چیز آتی ہے وہ قابل قدر ہوتی ہے، اس واسطے

دولت دُنیا ہو، تمول ہو، بلڈنگیں ہوں، باغات ہوں، اگر حلال طریق پر کمائی جائیں، حق تعالیٰ نے عطا کیا تو اس کا عطیہ ہے، ضائع نہ کیا جائے لیکن اسی سے پوچھ کر خرچ کیا جائے۔

ہماری ملکیت کی حیثیت

اس واسطے کہ اپنی جان کے بھی ہم مالک نہیں ہیں تو اپنے مالوں کے مالک بھی ہم نہیں ہیں، جان کا مالک وہ ہے جس نے جان بنائی، ہمارے مالوں کا مالک وہ ہے جس نے مال بنا کر ہمارے سپرد کیا ہے۔ درحقیقت مالک حق تعالیٰ شانہ ہیں، ہم امین وخزانچی ہیں، خزانچی کا کام یہ نہیں ہوتا کہ اپنی مرضی سے جسے چاہے دے دے، مالک سے پوچھنا پڑے گا کہ کتنا کس کو دوں؟ وہاں سے آرڈر ہوگا جتنا حکم ہوگا اتنا خرچ کرنا پڑے گا۔ فرمایا گیا: "اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ" زمین کا مالک اللہ ہے جسے چاہے بخش دے، ہم مالک نہیں ہیں اور جب بخش دیتے ہیں تو بخشنے کے بعد بھی مالک وہی رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"وَ کُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ" سارے انسان دولتوں کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اصل وارث ہم ہیں، پھر وراثت ہمارے ہی پاس آجائے گی، ہم ہی اوّل میں مالک تھے، ہم ہی اخیر میں ہیں اور درمیان کے حصہ میں بھی مالک ہم ہی ہیں، ہمارا ہی آرڈر چلے گا، ہمارے ہی کہنے کے مطابق وہ خرچ کی جائے گی۔ اسی لیے فرماتے ہیں: "وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ" اس دولت میں سے خرچ کرو جو ہماری بخشی ہوئی ہے۔ یہ لفظ اس لیے کہہ دیا کہ کہیں تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم مالک ہو یا تم اس دولت کے بنانے والے ہو، پیدا کرنے والے بھی ہم ہیں، مالک بھی ہم ہیں تو فرمادیا کہ "مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ" وہ جو ہم نے تمہیں دولت دی ہے اس میں سے خرچ کرو۔

ترغیب انفاق

اس عنوان سے خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کو اپنی چیز دوسرے کو دینے میں طبعاً رُکاوٹ ہوتی ہے اور اگر یوں کہا جائے کہ بھائی یہ چیز تمہاری کب ہے تو دینا آسان ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ: "مال مفت دل بے رحم"

جب مال مفت کا ملے گا، آدمی بے تکلف خرچ کرے گا، ایک چیز دوسرے کی ہے، میں کیوں بخل کروں؟ اس لیے فرمایا کہ تم اسے اپنی چیز سمجھتے کیوں ہو؟ یہ تو ہماری چیز ہے، جب ہم اجازت دے رہے ہیں تو ہماری چیز سمجھ کے خرچ کرو تا کہ سخاوت کر سکو، اطمینان سے دے سکو۔

یہ تمول اور دولت خود دین کے کمانے کا ذریعہ ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے بھی ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (وعبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) جیسے بھی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے اوپر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احسان ہے کہ چالیس ہزار روپیہ میری ذات کے اوپر خرچ کیا ہے، اس زمانے کا چالیس ہزار روپیہ ایسا ہے جیسا آج کا چالیس لاکھ روپیہ۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ضرورت پیش آئی اور خدام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کیا، یہ خرچ کرنا عین طاعت وعبادت بنا، وہی ترقی کا باعث بنا کہ صدیقیت کا مقام ملا۔

بادشاہت کے ساتھ عبادت

حاصل یہ نکلا کہ انسان کسی بھی حالت میں ہو عبادت سے محروم نہیں رہ سکتا، ہر مقام کی عبادت ہے، دولت مند کی عبادت دولت کے ساتھ، غریب کی عبادت غربت کے ساتھ ہوتی ہے، بادشاہ کی عبادت بادشاہت کے ساتھ ہوتی ہے اور فقیر بے نوا کی عبادت فقر وفاقہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

امیر کے بارے میں فرمایا کہ "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ" سات قسم کے لوگ ہوں گے جن کو قیامت میں عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی جس دن بجز اللہ کے سائے کے کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

اس میں پہلی نوع فرمایا: "اِمَامٌ عَادِلٌ"...... وہ بادشاہ جو عدل وانصاف والا ہو۔ اسے عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی...... ایک فقیر یہ سمجھتا تھا کہ اسے اتنے اونچے مراتب مل رہے ہیں، یہ تخت پہ بیٹھا ہوا بادشاہ ہے، اس کے سامنے وسائل زندگی کھلے ہوئے ہیں، عیش کے سارے سامان اس کے قبضے میں ہیں، یہ کیا دیندار ہوتا؟ لیکن اسلام نے آکر اُسے تسلی دی کہ تو تخت پر بیٹھ کر بھی اللہ کو پا سکے گا اگر تو عدل وانصاف کرے تو تجھے وہ مقام ملے گا کہ تجھے عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی۔

غرض ایک فقیر بے نوا کو بھی یہ مقام دیا گیا اور ایک بادشاہِ وقت کو جو تخت وتاج کا مالک تھا، اسے بھی یہ مقام دیا گیا تو اسلام کسی کے ساتھ بخل نہیں کرتا، نہ یہ کہتا ہے کہ تو اپنا مقام بدل جب جا کے تجھے خدا ملے گا بلکہ اپنے مقام پر رہ مگر ضرورت کس چیز کی ہے؟ فکر کی ضرورت ہے، بے فکرا انسان کوئی انسان نہیں ہے جس انسان کا نصب العین نہیں ہے، وہ انسان نہیں ہے عقل مند انسان وہ ہے کہ اپنا نصب العین ٹھہرا دے تو نصب العین طاعت وعبادت خداوندی نکلا۔ دولت مند ہوگا

تب بھی اطاعت کرسکتا ہے۔ مفلسی میں ہوگا تب بھی یہ نصب العین اپنا سکتا ہے، بادشاہی تخت پر ہے تب بھی یہ نصب العین قائم ہے، غربت میں ہے تب بھی، تندرستی میں ہو تب بھی یہ نصب العین قائم اور انتہائی بیماری میں ہو تب بھی زندگی ہو تو بھی یہ نصب العین قائم، موت آجائے تو بھی یہ عجیب ترین نصب العین ہے جو اس لمبی عمر کے ساتھ اخیر تک چلتا ہے۔

میدانِ حشر میں جذبۂ عبادت

مقصد یہ ہے کہ زندگی کا نصب العین وہ ہونا چاہیے کہ انسان اُسے اس دُنیا میں بھی نصب العین بنا سکے اور جب قبر میں پہنچے تب اس کا نصب العین اس کے ساتھ ہو اور وہ عبادت ہے، عبادت کا جذبہ جیسے یہاں ہے ویسے وہاں ہوگا۔

میدانِ حشر میں جب آدمی اُٹھے گا اسی حالت پر اُٹھے گا جس حالت پر موت آئی ہے اگر نماز پڑھتے ہوئے، ذکر کرتے ہوئے، حج کرتے ہوئے موت آئے، اسی حالت میں قبر سے "اَللّٰہ اَللّٰہ" یا "لبیک لبیک" کہتے ہوئے اُٹھے گا اور دل میں تمنا ہوگی کہ میدانِ محشر میں نماز پڑھوں۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ جو دارالعلوم کے شیخ، مربی اور اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا: قیامت کے دن اگر حق تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ اے امداد اللہ! مانگ کیا مانگتا ہے؟ عرض کروں گا: نہ مجھے جنت چاہیے نہ حوریں اور نہ محلات چاہئیں، مجھے تو اپنے عرش کے نیچے دو گز جگہ دے دیجئے میں وہاں پر نماز پڑھتا رہوں۔

گویا اس درجہ نماز کی تڑپ کہ اگر وہاں بھی طلب ہوگی تو نماز کی ہوگی، تو یہ ایک ایسا عمدہ نصب العین ہے کہ دُنیا، قبر اور میدانِ محشر میں بھی ساتھ ہے۔

جنت میں عبادت

اور جنت میں بھی ساتھ ہوگا، جنت کے بارے میں فرمایا گیا "یُلْهَمُوْنَ التَّسْبِیْحَ" جتنے جنتی ہوں گے ان کی زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہوگا، یہ ارادۃً نہیں ہوگا، ارادے کی محنت دُنیا میں انہوں نے اللہ اللہ کر کے اُٹھائی تھی۔ اب اللہ کا ذکر نفس میں رچ گیا ہوگا اس لیے بلا ارادہ ذکر جاری ہوگا۔ سانس کے ساتھ اللہ کا نام نکلے گا جیسے پاس انفاس ہوتا ہے کہ آنے والے سانس کے ساتھ اللہ اور جانے والے کے ساتھ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو...... غرض اہل جنت کی زبانوں پر بلا ارادہ تسبیح وتہلیل اور اللہ کا نام جاری ہوگا، یہ اس کا اثر ہوگا کہ دُنیا میں انہوں نے محنت کر کے ذکر اللہ کو اپنا

نصب العین بنالیا تھا......اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا کہ حافظ قرآن سے کہا جائے گا "رَتِّلْ وَارْتَقِ" تلاوت کرتا جا اور ترقی کرتا جا، جتنی تیری ہمت ہے درجات کماتا جا۔ معلوم ہوتا ہے جنت میں روزانہ ترقی ہوگی، تلاوت کے ذریعے سے روزانہ عروج ہوگا، نیا سے نیا مقام، نئی سے نئی حالت، نئی سے نئی کیفیت اور نئی سے نئی نعمت ملتی رہے گی.....تو عبادت کا نصب العین وہ ہے کہ دُنیا سے چلا قبر تک پہنچا۔ پھر حشر تک پھر جنت تک پہنچا اور جنت میں پھر نئے سے نئے جہان، نئے سے نئے مقامات ابدالآباد تک آتے رہیں گے اور عبادت کا یہ نصب العین ساتھ رہے گا۔

ایمان کی وجہ سے ہر چیز پاکیزہ بن جائے گی

اس لمبی زندگی کے لیے نصب العین بھی لمبا ہونا چاہیے، معمولی نصب العین جو چند دن کے بعد ختم ہو جائے، وہ زندگی کے حسب حال اور لائق نہیں ہے، یہ زندگی کی توہین ہے۔ آپ زندگی کا نصب العین روٹی کو بنائیں، یہ اس کی توہین ہے، اس لیے کہ روٹی انسانوں کو بھی ملتی ہے، جانوروں کو بھی ملتی ہے یا دولت کمانے کو نصب العین بنائیں تو دولت خود ایک ذریعہ اور واسطہ ہے خود مقصد نہیں ہے، آدمی کی جب جان پر آنے لگتی ہے تو دولت کو خرچ کر دیتا ہے۔ معلوم ہوا دولت خود مقصود نہیں، جان مقصود ہے اور جب ایمان پر آنے لگتی ہے تو جان گنوا دیتا ہے کہ ایمان محفوظ رہنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے ایمان مقصود ہے تو سب سے بڑا نصب العین ایمان ہوا کہ نہ جان کی پرواہ کی نہ مال کی تو ان چیزوں کو نصب العین بنانا عارضی چیزوں کو نصب العین بنانا ہے، اس واسطے لمبی زندگی کا نصب العین وہ ہونا چاہیے جو زندگی کے آخری گوشے تک پہنچ جائے۔ وہ طاعت وعبادت خداوندی ہے وہ دولت ایمان ہے، وہ دولت عرفان ہے، وہ اللہ کی معرفت اور پہچان ہے۔

اس کو سامنے رکھ کر آدمی مال کو بھی کماتا رہے، جان اور آبرو کو بھی کماتا رہے، اس وقت اس کی جان بھی قیمتی جان بن جائے گی کیونکہ ایمان کے لیے ذریعہ بنی، مال بھی اس کا پاک مال بن جائے گا کیونکہ ایمان کے لیے وسیلہ بنی، اس کی اولاد بھی پاک بنا دی جائے گی کیونکہ ایمان اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ذریعہ بنے گی۔ اسی واسطے حدیث میں فرمایا کہ "نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ" نیک آدمی کا مال بھی نیک ہوتا ہے، نیک مال نیکی کا ذریعہ بنتا ہے تو انسان پاک رہے گا تو مال بھی پاک بنے گا، اگر انسان نے اپنے قلب اور روح کو معصیتوں سے ناپاک بنا دیا اس کا مال بھی ناپاک بنے گا، اس لیے مال کی مذمت نہ کی جائے، مذمت اپنی کی جائے، غلطی

ہماری ہوتی ہے، ڈال دیتے ہیں مال کے اوپر، آدمی پاک بن جائے ساری چیزیں پاک بن جائیں گی، بلڈنگ بھی پاک، مکان بھی پاک، ہر چیز اچھی ہو جائے گی، یہ جبھی ہوگا جب اپنی پوری زندگی کی نقل و حرکت کا اصلی نصب العین اطاعتِ خداوندی بنایا جائے۔

اصل مقصد یہ ہے کہ طاعت حق ہو، یہ ہوگی تو ہر چیز پائیدار اور کارآمد بن گئی اور اگر طاعت حق باقی نہ رہی تو مال بھی وبال، جان بھی وبال، صحت بھی وبال، ساری ہیئتیں حقیقتیں، حرکتیں سب وبال جان بن جائیں گی۔ اندر ایمان نہیں رہے گا اور اگر ایمان آ گیا پھر اس کے لیے ہر چیز نعمت و راحت کا ذریعہ بنے گی۔

زندگی کی قدر کی صورت

حاصل کلام یہ ہے کہ ہمیں اس زندگی کی قدر کرنی چاہیے، یہ اللہ کی ایک نعمت ہے اور قدر کی صورت یہ ہے کہ اس کو کسی نصب العین کے تحت خرچ کیا جائے۔ بلا موضوع اور بلا مقصد نہ خرچ کیا جائے اور یہ مقاصد نہیں ہیں کہ مجھے عیش مل جائے یا میری زندگی آرام سے گزر جائے یا میرے پاس دولت زیادہ ہو جائے یا میرے پاس کوٹھی ہو، یہ کوئی مقصد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ دے آدمی بنائے مگر اس کو بھی کسی مقصد کے تابع کیا گیا ہے، کوٹھی میں نیت کرے کہ میں اس لیے بناتا ہوں کہ دوست احباب جمع ہوں گے، خدا کا نام لیں گے، موقع ہوگا تو جماعت ہوگی، اب کوٹھی نہ ہوئی عبادت گاہ بن گئی، اس کوٹھی میں آپ کو وہ اجر مل گیا جو مسجد میں ملتا۔

نصب العین اور نیت صحیح ہو تو انسان کی پوری زندگی کارآمد بن جاتی ہے...... یہ چند باتیں میں نے اس لیے گزارش کیں کہ مجمع میں وہ حضرات بھی ہیں جن کو اللہ نے نعمتوں سے نوازا ہے اور حق تعالیٰ نے دولتیں دی ہیں اور یہ شکر کی بات ہے کہ اللہ اپنے بندے کو نعمت عطا کرے۔ فقط اسی کے خوش ہونے کی بات نہیں ہے بلکہ اس کے ہر بھائی کو خوش ہونا چاہیے کہ ہمارے بھائی کو حق تعالیٰ نے نعمت دی اور سرفراز کیا اور ایسے لوگ بھی ہیں جن کو یہ دولت تو نہیں ملی مگر علم اور ایمان کامل کی دولت ملی ہوئی ہے تو اس درجے کی دولت ان کے پاس نہیں ہے اور بہت سے بیچارے ایسے بھی ہیں کہ نہ یہ دولت ہے نہ وہ دولت، مگر ساتھ میں حسرت اور صبر کی دولت ہے کہ ہائے ہمیں کچھ نہ ملا اور ہم محروم رہ گئے، طاعت وعبادت مالی نہ کر سکے۔ ان کی حسرت اس دولت کے قائم مقام ہے، اس حسرت سے ان کو اجر و ترقی دی جائے گی......

ایسے مختلف لوگ موجود ہیں اس واسطے نصب العین مشترک ہونا چاہیے جو سب کے لیے کارآمد ہو، وہ طاعت حق اور عبادتِ خداوندی ہے کہ وہ دولت میں بھی قائم رہ سکتا ہے اور ناداری میں بھی، حسرت میں بھی قائم رہ سکتا ہے، فرحت میں بھی اور ایسی چیز کے لیے زیبا ہے کہ اس کو ہم اس لمبی عمر کا نصب العین اور مقصد بنا سکیں تو اس مقصد کو پیش نظر رکھا جائے، اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ"

عبادت کے معنی

اور عبادت کے معنی حقیقت میں نہ نماز پڑھنے کے ہیں نہ روزہ رکھنے کے ہیں نہ زکوٰۃ دینے کے ہیں، عبادت کے معنی تعمیل حکم کے ہیں کہ جو ہم کہیں اس کی اطاعت کی جائے، اگر ہم کہیں نماز پڑھو تو نماز پڑھنا عبادت ہے، اگر ہم کہیں ہرگز نماز مت پڑھو تو چھوڑنا عبادت بن جاتا ہے، اگر ہم کہیں روزہ رکھو تو روزہ رکھنا عبادت ہے۔ پانچ وقت میں نماز پڑھو تو نماز عبادت اور تین وقتوں میں حکم ہے کہ ہرگز مت پڑھو، سورج ڈوبنے اور نکلنے کے وقت اور زوال کے وقت، ان اوقات میں آدمی نماز پڑھے گا تو گنہگار ہوگا...... معلوم ہوا نہ نماز پڑھنا عبادت نہ چھوڑنا عبادت، کہنا ماننا عبادت ہے۔

رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم ہے، عید کا چاند دکھائی دیا تو عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، اگر کوئی رکھے گا تو گنہگار ہوگا، معلوم ہوا نہ روزہ عبادت نہ اس کا چھوڑنا عبادت، کہنا ماننا عبادت ہے جب ہم کہیں رکھو تو رکھنا عبادت، جب ہم کہیں چھوڑ دو، تو چھوڑنا عبادت ہے۔

فرمایا گیا: خودکشی حرام ہے، اپنے آپ کو قتل مت کرو لیکن اگر نفیر عام ہو اور یوں فرما دیا جائے کہ میدانِ جہاد میں ذبح ہو جاؤ، گھوڑوں کو بھی ختم کر دو، یہ عبادت ہو جائے گی، معلوم ہوا نہ جان کی حفاظت عبادت، نہ جان گنوانا عبادت، کہنا ماننا عبادت ہے، جب ہم یوں کہیں جان کی حفاظت کرو، حفاظت کرنا عبادت ہے جب ہم یوں کہیں کہ اس جان کی پرواہ مت کرو، جان دیدو، پھر جان دے دینا عبادت ہے۔

غرض عبادت کا حاصل یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی کو قانونِ خداوندی کے تحت میں گزارنا، ہر حالت میں اسی کی رضا کو سامنے رکھنا اور اپنی منشاء کو ختم کرنا یہ عبادت ہے۔

بہرحال اسلام کسی حالت میں کسی کو مایوس نہیں کرتا، جس حالت میں بھی انسان ہو، اسی حال میں رہتے ہوئے خدا تک پہنچنے کے لیے اسے راہ بتلاتا ہے اور انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔

دُنیا

مُحسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

دنیا کی دولت ایک خوشنما اور لذیذ چیز ہے۔ جو آدمی اس کو جائز طور سے حاصل کرتا ہے خدا اس کو برکت دیتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کا ضرر کرے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کا ضرر کرے گا سو تم باقی رہنے والی چیز کو (یعنی آخرت کو) فانی ہونے والی چیز پر (یعنی دنیا پر) ترجیح دو۔ (احمد و بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس شخص کا مال ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو اور اس کو (حدِ ضرورت سے زیادہ) وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو۔ (احمد و بیہقی)

باب 3

انسان کے سفر میں
دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت

انسانی زندگی کی قدر و قیمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو زندگی عطا فرمائی' اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے اور ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' یہ لمحات ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیئے ہیں تا کہ ہم ان لمحات کو دنیا یا آخرت کے کسی مفید کام میں صرف کریں' اگر ہم ان لمحات کو فضول اور بے فائدہ کاموں میں صرف کر رہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی کی ناقدری اور ناشکری ہے۔

فضول بحث و مباحثہ

مثال کے طور پر بہت سے لوگ فضول بحثوں میں الجھتے رہتے ہیں جن کا کوئی حاصل اور نتیجہ نہیں' دو چار آدمی کہیں بیٹھ گئے تو کسی موضوع پر بحث شروع ہوگئی' اب ایک شخص اپنے موقف پر دلیل پیش کر رہا ہے اور دوسرا شخص اپنے موقف پر دلیل پیش کر رہا ہے اور اس بحث و مباحثہ کے اندر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں' حالانکہ اگر اس بحث کا تصفیہ بھی ہو جائے تو بھی نہ دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا اور نہ آخرت کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا' ایک مؤمن کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے اوقات کو فضول بحثوں میں برباد کرے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں فضول بحثوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے' کوئی بھی مسئلہ اٹھا دیا اور اس میں دو فریق بن گئے اور بحث شروع ہوگئی حالانکہ وہ مسئلہ ایسا ہے کہ اگر اس کا تصفیہ بھی ہو جائے تو دنیا و آخرت کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

شریعت کے حکم میں تحقیق کرنا

یہاں تک فرمایا گیا کہ جس چیز کے بارے میں شریعت نے کوئی خاص حکم نہیں دیا بلکہ اس کے بارے میں شریعت نے چھوٹ دی ہے تو اس کے اندر مزید تحقیق میں پڑنا بھی پسند نہیں کیا گیا' اس لئے کہ شریعت نے جب عام حکم دیا ہے اور اس کے لئے کوئی خاص حکم مقرر نہیں کیا تو خواہ مخواہ اس کی فکر میں پڑنا اور اس کے اندر بحث کرنا کوئی عقلمندی کا کام نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت جواب

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ ان صاحب نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ میرے گھر کے قریب ایک نہر ہے میں اس نہر میں نہانے کیلئے جاتا ہوں جب میں اس نہر میں داخل ہوتا ہوں تو نہر میں داخل ہوتے وقت مجھے اپنا منہ مغرب کی طرف کرنا چاہیے یا مشرق کی طرف کرنا چاہیے؟ یعنی قبلہ کی طرف کروں یا دوسری طرف کروں؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ تم اپنا منہ اپنے کپڑوں کی طرف کرلیا کرو کہ کوئی تمہارے کپڑے لے کر نہ بھاگ جائے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ جب شریعت نے تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں لگائی کہ نہاتے وقت اپنا منہ مغرب کی طرف کرو یا مشرق کی طرف کرو تو پھر خواہ مخواہ اپنے کو پابند کرنا عقل مندی کا کام نہیں۔

بنی اسرائیل کا گائے کے بارے میں سوالات

قرآن کریم کی سورۃ البقرہ میں یہ واقعہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک گائے ذبح کرو' کوئی قید اور کوئی شرط نہیں لگائی۔ اب سیدھی سی بات یہ تھی کہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کردیتے تو حکم پر عمل ہو جاتا' لیکن بنی اسرائیل نے سوالات شروع کردیئے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہیے؟ اس کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟ اس کی کھال کیسی ہونی چاہیے؟ وہ گائے مذکر ہو یا مؤنث ہو؟ جب انہوں نے سوالات کر کے خود اپنے اوپر پابندیاں عائد کرنا شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی بتا دیا کہ گائے ایسی ہو' ان صفات کی حامل ہو اور اس کا رنگ زرد ہو' اب اس زمانے میں زرد رنگ کی گائے ملتی نہیں تھی' تلاش کر کے تھک گئے' بالآخر بڑی مشکل سے ایک صاحب کے پاس وہ گائے مل گئی پھر اس کو ذبح کیا قرآن کریم ان کے بارے میں فرماتا ہے:

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (سورۃ البقرۃ:۷۱)

یعنی آخر میں جا کر انہوں نے وہ گائے ذبح کی' ورنہ قریب تھا کہ وہ ذبح نہ کر پاتے' اس لئے کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنے اوپر پابندیاں عائد کرلی تھیں۔

زیادہ سوالات مت کرو

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (سورۃ المائدۃ: ۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات مت کرو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہارے لئے ناگواری کا سبب ہو۔ لہٰذا خواہ مخواہ ایسی چیزوں کے پیچھے پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

فضول سوالات کی بھرمار

میرے پاس لوگوں کے بکثرت فون آتے ہیں اور مسائل پوچھتے ہیں اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ حلال، حرام یا جائز اور ناجائز کا مسئلہ پوچھ لیا، لیکن بسا اوقات سوال کرنے والے بالکل فضول سوال کرتے ہیں۔

ایک مجلس میں میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! میں یزید کے بارے میں کیا بتاؤں، مجھے تو اپنے بارے میں فکر ہے کہ میں فاسق ہوں یا نہیں؟ جس شخص کو اپنی فکر پڑی ہوئی ہو وہ دوسروں کے بارے میں کیا فکر کرے؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ. وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (البقرۃ: آیت ۱۳۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو گزر گئے، ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اعمال جو زندگی میں انجام دینے ہیں جن کے نتیجے میں جنت اور جہنم کا فیصلہ ہونے والا ہے، جو حلال و حرام ہیں اور جائز و ناجائز ہیں، ان کی فکر کرو، فضول بحثوں میں اپنے اوقات کو ضائع کرنا مؤمن کا کام نہیں۔

ایک لمحہ میں جہنم سے جنت میں پہنچنا

زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک منٹ اتنا قیمتی ہے کہ اگر تم چاہو تو ایک منٹ کے اندر اپنے آپ کو جنت الفردوس کا مستحق بنالو۔ اگر ایک انسان ایک منٹ کو صحیح استعمال کرے تو ایک منٹ کے اندر جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ جائے۔ ایک ستر سال کا کافر اگر سچے دل سے یہ کلمہ پڑھ لے۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ.

تو وہ ایک منٹ میں جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ گیا۔ ایک بڑا گناہ گار جس نے ہزاروں لاکھوں گناہ کر لئے لیکن ایک مرتبہ سچے دل سے کہے کہ اے اللہ! میں اپنی ساری پچھلی زندگی سے

توبہ کرتا ہوں، سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، جس لمحہ میں اس نے توبہ کرلی، اسی لمحہ میں وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں پہنچ گیا۔ اگر ایک لمحہ کے اندر آپ نے ''سبحان اللہ کہہ دیا یا الحمدللہ'' کہہ دیا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ کلمات انسان کے میزانِ عمل کو بھر دیتے ہیں۔

زندگی عظیم نعمت ہے

یہ سب چیزیں ابھی نظر نہیں آرہی ہیں لیکن جب یہ آنکھیں بند ہوں گی اور انسان دوسرے عالم میں پہنچے گا تو اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ زندگی کتنی قیمتی تھی۔

لہٰذا جو لمحات تم صحیح کام میں صرف کر کے اس کے ذریعہ جنت کے زرو جواہر کما سکتے ہو، ان لمحات کو تم ٹھیکروں اور پتھروں میں ضائع کر رہے ہو؟ زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں فرمایا کہ موت کی تمنا مت کرو، اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اگر تمہیں زندگی کے مزید لمحات میسر آجائیں تو ان لمحات میں نہ جانے کس نیکی کی توفیق ہو جائے جو تمہارا بیڑہ پار کر دے، اس وجہ سے یہ مت کہو کہ یا اللہ! میں مر جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، یہ بڑی عظیم نعمت ہے، اس نعمت کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کرو، اس نعمت کو فضول بحثوں میں اور فضول کاموں میں صرف کرنا مناسب نہیں۔

مجلس آرائی مت کرو

اسی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ فضول مجلس آرائی کرنا اور گپ شپ کرنا اور اس میں گھنٹوں گزار دینا پسندیدہ عمل نہیں، بلکہ اس بات کی کوشش کرو کہ ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ ہو۔ ہاں! دنیا کے فائدے کے جو کام ہیں، ان کو کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا، وہ دنیا کے فائدے کے کام کرو، اگر نیت صحیح ہو تو وہ دنیا کے کام بھی دین بن جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارا طریقہ درست کر دے اور ہماری نیت درست کر دے تو وہ کام جن کو ہم دنیا کے کام کہتے ہیں، وہ بھی آخرت کے کام بن جائیں گے، لیکن ایسے کام جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہے، ان سے اعراض کرو۔

زندگی کا سفر امام غزالی رحمہ اللہ کی نظر میں

اے غافل مسکین اس حقیقت کو جان لے کہ تو مسافر ہے اور تو توشہ سفر سے غافل ہے اور اس صحرا سے بھی غافل ہے جو تیرے راستے میں پڑتا ہے اس صحرا میں تیری پہلی منزل باپ کی پشت ہے اور دوسری منزل ماں کا رحم ہے۔ پھر تیسری منزل اس دنیا کی فضا ہے۔ پھر چوتھی منزل قبرستان ہے۔ تو قبر میں اسی راستے سے پہنچے گا۔

قبر کی منزل کے بعد تو ایسے صحرا کے کنارے پہنچے گا جس کی انتہا کو مخلوق میں سے کوئی نہیں جانتا وہ تیری پانچویں منزل قیامت کا میدان ہے۔ اس آخری منزل کے بعد تو اپنے اصلی وطن اور قیام گاہ جنت یا دوزخ میں پہنچے گا۔

خوب سمجھ لے کہ تیرے اول و آخر کا یہ حال ہے اور تو دنیا میں اپنی حقیقت کو بھولے ہوئے اور اپنے انجام کو فراموش کیے ہوئے غفلت میں بیٹھا ہے اور اپنا پورا دل اسی کی تدبیروں میں لگا رکھا ہے اور دنیا ہی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے گویا تو یہاں سے کوچ نہیں کرے گا اور ہمیشہ یہیں رہے گا اور تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تیری عمر کتنی دراز ہے۔

وہ ازل اور ابد سے بے حد مختصر ہے ازل سے مراد وہ عرصہ دراز ہے جس میں تیرا وجود نہ تھا اس کی کوئی ابتدا نہیں ہے اور ابد سے مراد آئندہ کا عرصہ دراز ہے اور تجھے ازل اور ابد کے درمیان میں کتنا ہی کام کرنا ہے اور تم اگر ابد کی درازی کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کائنات کو باجرے سے پر سمجھو اور ایک پرندہ اس باجرے کے ڈھیر میں سے سو ہزار سال میں ایک دانہ کھاتا ہے اور جب ایک عرصہ دراز کے بعد یہ ڈھیر ختم ہو جائے گا اس کے بعد بھی ابد کی درازی میں سے کچھ کم نہ ہوگا کیونکہ اب بھی جو کچھ عرصہ باقی رہے گا وہ لامتناہی ہوگا۔

ازل و ابد کے درمیان اس طویل عرصہ میں اپنی چھوٹی سی عمر کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کے قول کو غور سے سنو جب لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ

نے اس دنیا کو کیسا پایا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس دنیا کو ایسے گھر کی مانند دیکھا جس کے دو دروازے ہوں۔ میں ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے باہر نکلا۔ یہ حضرت نوحؑ کا قول ہے جبکہ آپ اس دنیا میں ساڑھے نو سو برس رہے۔ اور آپ کو اس دنیا سے جا کر قریب قریب پانچ ہزار برس ہوئے ہیں۔

ہر وہ چیز جس کی مقدار متناہی ہوتی ہے اگر وہ طول کھینچے تو تم اس کو ختم شدہ سمجھو کیونکہ آخر وہ ایک دن ختم ہونے والی ہے لیکن آخرت وہ ابدیت رکھتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اگر کسی کو دنیا کی مملکت مشرق سے مغرب تک تمام بلا شرکت غیرے دیدی جائے پھر بھی جب اس کے مرنے کا وقت آجائے گا تو وہ اس کیلئے حسرتوں اور افسوس کا پیش خیمہ ہوگی اور وہ کہے گا کاش مجھے دنیا میں قوت لایموت (اتنی غذا جس سے زندگی بسر ہو سکتی ہے) سے زیادہ کچھ نہ ملتا اس لئے وہ شخص کیونکر عقلمند ہو سکتا ہے جو ہمیشہ رہنے والی سلطنت آخرت کو ایسی حقیر اور مختصر دنیا کے بدلے میں بیچ دیتا ہے اب جبکہ کسی شخص کو بھی دنیا کی کوئی چیز بلا شرکت غیرے مکمل حاصل نہیں۔

بلکہ وہ اس کیلئے پریشانی خاطر اور تکدر کا باعث ہے تب آخرت کو اس حقیر اور مختصر دنیا کے عوض میں فروخت کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہو سکتا ہے بلکہ عقلمند جانتا ہے کہ ساری زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سعادت ابدی کے مقابلے میں اور اللہ تعالیٰ کے خزانہ قدرت میں مٹی کے ڈھیلے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے بلکہ روئے زمین کی ہر لذت اور خوشی اس ڈھیلے کی دھول اور گرد سے زیادہ کچھ نہیں ہے کیونکہ اس گرد و غبار کے اٹھنے بیٹھ جانے اور اس کے معدوم ہو جانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ بزرگان دین رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اگر دنیا نہ ہوتی مگر ایک فنا ہونے والا سونے کا برتن اور آخرت نہ ہوتی۔

مگر ایک باقی رہنے والا مٹی کا برتن تب اس صورت میں بھی عقلمند وہی ہوتا جو باقی رہنے والے مٹی کے برتن کو فنا ہونے والے سونے کے برتن کے مقابلے میں پسند اور اختیار کرتا اب جبکہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے تو عقلمندی یہی ہوگی کہ اس ذلیل اور ہیچ اور فنا ہونے والی دنیا کے مقابلے میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی شریف آخرت کو اختیار کریں۔

دنیا کو ایک سرا سمجھو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان مسافروں کیلئے بنایا ہے جو اپنے معبود و مقصود حقیقی کی بارگاہ کا عزم و ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ سرا صحرائے قیامت کے کنارے بنائی گئی

ہے اس لئے مسافر باپ کی پیٹھ اور ماں کے رحم سے اپنا لباس حاصل کرتے ہیں اور اس سرا میں پہنچتے ہیں اور راستہ کا توشہ لیتے ہیں اور دوسری کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ جو کوئی بغیر توشہ اور سامان سفر صحرائے قیامت میں اترے گا وہ ہلاک ہو جائے گا ایسی ہلاکت کہ عذاب سے رہائی نہ ملے گی۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے آمین)

توشہ آخرت کیا ہے؟

اگر کوئی دریافت کرے کہ توشہ آخرت اور اس کا سامان کیا ہے کہ میں اس کی تیاری میں مشغول ہو جاؤں اور دنیا سے دست کش رہوں۔

یہ جان لو کہ آخرت کیلئے کوئی توشہ نہیں مگر تقویٰ اور کوئی سامان نہیں مگر ایمان' ایمان کی حقیقت کلمہ ''لااله الا الله محمد رسول الله'' (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے' محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں) ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ''وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى'' (توشہ اپنے ساتھ لے لو پس بہترین توشہ تقویٰ ہے)

اور فرمایا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ ا مَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (اور نہیں بھیجتے ہم پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پس جو کوئی ایمان لاتا ہے اور نیکی کرتا ہے.... پس اس پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) اور فرمایا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِىْ فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِىْ اٰمِنَ مِنْ عَذَابِىْ (لاالہ الا اللہ میرا قلعہ ہے پس جو میرے قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب سے امن میں رہا)

حقیقت آخرت

اے بندگان خدا! جان لو کہ یہ سرائے فانی جس میں کہ ہم رہتے ہیں وہ آخرت کی کھیتی ہے اور وہ عالم جہاں ہم سب کو جانا ہے وہ سرائے ابدی ہے اور مقام جزا ہے یہ دنیا راستے کی منزل ہے یہیں سے سب مسافر توشہ لیتے ہیں اور آخرت کیلئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ہر ایک کیلئے ایک مدت مقرر فرمائی ہے جس میں وہ اس منزل میں رہتا ہے۔ اس مدت کی آخری حد موت ہے اس میں زیادتی ہوتی ہے اور نہ کمی' جب موت آتی ہے تو روح جسم سے نکل جاتی ہے اور قیامت میں جو حساب اور بدلہ کا دن ہوگا روح کو جسم واپس دیا جائے گا اور سب کو اٹھایا جائے گا۔

ہر شخص اپنے کردار اور عمل کو نامہ اعمال میں دیکھے گا جو کچھ کیا ہے اس کو یاد دلایا جائے گا۔ ہر شخص کو اسکی فرماں برداری' گناہ گاری اور نافرمانی کی مقدار یاد دلائی جائیگی اس ترازو سے جو اس کام کے لائق ہوگا۔ اعمال تولے جائیں گے اور وہ ترازو اس دنیا کے ترازو کی طرح نہ ہوگا۔ قبر کا سوال حق ہے قبر میں روح جسم میں لائیں گے پھر جسم کو بٹھایا جائے گا۔ اس کے دین اور پیغمبر کے بارے میں سوال کرینگے۔ کافروں کو عذاب ہوگا اور ایک دروازہ دوزخ کی جانب سے ان کی قبر میں کھول دیا جائے گا۔ مومنوں کو دلہن کی طرح سلا دیا جائے گا اوران کی قبر میں جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔

یہ بھی جان لیجئے کہ تمام مخلوق کو پل صراط پر سے گزارا جائے گا۔ پل صراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگی۔ جو کوئی اس عالم میں صراط مستقیم پر ثابت قدم رہا ہوگا وہ پل صراط پر آسانی سے گزر جائے گا اور جو صراط مستقیم پر نہ رہا ہوگا۔

وہ پل صراط پر راستہ نہ پاسکے گا اور دوزخ میں جا گرے گا۔ یہ جاننا چاہئے کہ تمام مخلوق پل صراط پر سے گزرے گی اوراس سے کردار وعمل کے بارے میں سوال ہوگا۔ صادقوں سے صدق کی حقیقت طلب کی جائے گی۔ منافقوں' ریا کرنے والوں اور کافروں کو شرمندہ اور ذلیل کیا جائے گا اوران کی فضیحت اور رسوائی ہوگی۔

ایک جماعت کو بغیر حساب بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ ایک کا آسانی سے حساب لیا جائے گا اور ایک جماعت کو حساب میں دشواری ہوگی۔ آخر کار سب کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا اوران کو ہرگز رہائی نہ ملے گی۔

اطاعت گزار مسلمانوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ ان میں سے جس کسی کو انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی شفاعت حاصل ہوگی ان کی بخشش ہوگی اور جس کی شفاعت نہ ہوگی ان کو دوزخ میں بھجوایا جائے وہ بقدر گناہ سزا پائیں گے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے بہشت میں داخل ہونگے۔

زندگی کے سفر میں راحت کا نسخہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر ایک وقت گزرا ہے کہ میں بڑے بڑے مالداروں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا اور ہر وقت انہی کے ساتھ رہتا، ان کے ساتھ کھاتا پیتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ شاید مجھ سے زیادہ کوئی رنج اور تکلیف میں نہیں تھا۔ اس لئے کہ میں جس دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے اور میں اپنی سواری پر بڑا خوش ہوتا کہ میری سواری بڑی اچھی ہے لیکن جب کسی دوست کے۔ پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کی سواری تو میری سواری سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے اور وہ بہت اعلیٰ اور عمدہ ہے اور بازار سے اپنے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار لباس خرید کر لایا اور وہ لباس پہن کر جب دوست سے ملنے گیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے تو مجھ سے بھی اچھا لباس پہنا ہوا ہے۔ لہٰذا جہاں بھی جاتا ہوں تو اپنے سامان سے اچھا سامان نظر آتا ہے۔ کسی کا مکان اچھا ہے، کسی کے کپڑے اچھے ہیں، کسی کی سواری اچھی ہے۔

پھر بعد میں میں نے ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا جو زیادہ مالدار نہیں تھے بلکہ معمولی قسم کے لوگ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے راحت اور آرام حاصل ہو گیا۔ اس لئے کہ اب میں جس کے پاس بھی ملاقات کے لئے جاتا ہوں اور اس کے حالات دیکھتا ہوں اور اسکے مقابلے میں میں اپنی حالت دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے۔ میری سواری اس کی سواری سے اچھی ہے۔ میرا لباس اس کے لباس سے اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یا اللہ آپ نے اس سے بہتر عطا فرمایا یہ ہے "قناعت" اگر یہ قناعت حاصل نہ ہو پھر نہ صرف یہ کہ انسان ساری عمر دنیا حاصل کرنے کی دوڑ میں مبتلا رہے گا بلکہ راحت بھی نصیب نہیں ہوگی۔

راحت کی حقیقت

"راحت" اس پیسے اور اس دولت کا نام نہیں بلکہ "راحت" تو ایک قلبی کیفیت کا نام ہے جو محض اللہ جل جلالہ کی عطا ہوتی ہے۔ کوٹھی اور بنگلے کھڑے کر لو، نوکر چاکر جمع کر لو دروازے پر لمبی

لمبی گاڑیاں کھڑی کرلو، یہ سب چیزیں جمع کرلو اس کے باوجود یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر لیٹتے ہیں تو نیند نہیں آتی حالانکہ اعلیٰ درجے کا بستر لگا ہوا ہے اعلیٰ درجے کی مسہری ہے شاندار قسم کے گدے اور تکیے لگے ہوئے ہیں ساری رات کروٹیں بدلتے گزر رہی ہے نیند کی گولیاں کھا کھا کر نیند لائی جا رہی ہے وہ گولیاں بھی ایک حد تک کام دیتی ہیں اس کے بعد وہ بھی جواب دے جاتی ہیں دیکھئے! سامان راحت سب موجود ہیں۔ بنگلے ہیں، گاڑی ہے روپیہ پیسہ ہے، ایئر کنڈیشنڈ کمرہ ہے آرام دہ بستر ہے لیکن رات کی بے چینی کو دور کرنے میں کوئی چیز کارآمد نہیں۔ وہ اسباب بے چینی دور نہیں کرسکتے بلکہ اللہ جل شانہ ہی اس بے چینی کو دور فرما سکتے ہیں۔

دوسری طرف ایک مزدور ہے، جس کے پاس نہ ڈبل بیڈ ہے نہ اس کے پاس ائیر کنڈیشن کمرہ ہے نہ اس کے پاس ایسے نرم گدے اور تکیے ہیں لیکن جب رات کو بستر پر سوتا ہے تو صبح کے وقت آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھتا ہے آپ خود فیصلہ کریں کہ اس مزدور کو راحت حاصل ہے اس مالدار کو راحت حاصل ہے؟ یاد رکھیئے! زندگی کے سفر میں ''راحت'' اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے اسباب راحت پر ''راحت'' حاصل ہونا ضروری نہیں۔ ''راحت'' اور چیز ہے ''اسباب راحت'' اور چیز ہیں۔

یاد رکھئے! جب تک انسان کے اندر ''قناعت'' پیدا نہ ہو اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنے کا عادی نہ بن جائے۔ اس وقت تک کبھی راحت اور سکون حاصل نہیں ہوسکتا۔ چاہے اس کے لئے کتنے ہی پیسے خرچ کر ڈالو، اور کتنا ہی ساز و سامان جمع کرلو، بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا، وہ یہ کہ ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔ اپنے سے اوپر والے کو مت دیکھو، اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اوپر کی طرف دیکھنے کے بُرے نتائج

زندگی کے سفر میں ہمیشہ اپنے سے نیچے کے لوگوں کو دیکھئے اور اپنے سے اوپر کے لوگوں کو نہ دیکھئے۔ اس کے ذریعہ ''قناعت'' پیدا ہوگی۔ لیکن اگر اس پر عمل نہیں کرو گے، بلکہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھتے رہو گے تو ہمیشہ رنج اور صدمہ میں رہو گے اور یہ رنج اور صدمہ کسی نہ کسی وقت ''حسد'' میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ جب دل میں دنیا کی حرص پیدا ہوگئی اور کسی کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھ لیا تو پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ ''حسد'' پیدا نہ ہو۔ کیونکہ ''حرص دنیا'' کا لازمی خاصا یہ ہے کہ اس سے ''حسد'' پیدا ہوگا کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ گیا اور میں پیچھے رہ گیا، اور پھر

''حسد'' کے نتیجے میں ''بغض'' ''افتراق'' عداوتیں اور دشمنیاں پیدا ہونگی۔ آج معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ یہ سب چیزیں کس طرح معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔

اور جب یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ مجھے دوسروں سے آگے بڑھنا ہے تو اس کے نتیجے میں لازمی طور پر انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگی کہ وہ حلال و حرام کی فکر چھوڑ دے گا۔ اس لئے کہ جب ایک آدمی نے یہ طے کرلیا کہ مجھے یہ چیز ہر قیمت پر حاصل کرنی ہے تو اب وہ چیز چاہے حلال طریقے سے حاصل ہو، یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس کے حاصل کرنے کے لئے پھر وہ رشوت بھی لے گا، دھوکہ بازی بھی کرے گا، ملاوٹ بھی کرے گا سارے بُرے کام وہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کو تو فلاں چیز حاصل کرنی ہے۔ یہ سب ''قناعت'' اختیار نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ ''قناعت'' اختیار کرو اور اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔

اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی حالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ خود اصحاب صفہ میں سے ایک تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی کے پاس اپنے جسم کو ڈھانپنے کے لئے پورے دو کپڑے نہیں تھے، بلکہ کسی کے پاس تو صرف چادر تھی اور اسی چادر کو اس نے اپنے گلے سے باندھ کر نصف پنڈلی تک اپنے جسم کو اس کے ذریعہ چھپا رکھا تھا، اور کسی کے پاس صرف زیر جامہ تھا۔ جس کے ذریعہ اس نے جسم کا نیچے کا حصہ تو چھپا رکھا تھا اور اوپر کا جسم ڈھانپنے کے لئے اس کے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا اور بعض اوقات یہ ہوتا کہ وہ صحابی جنہوں نے اپنے گلے سے چادر باندھی ہوئی ہوتی وہ اپنی چادر کو چلتے ہوئے اس خوف سے بار بار سمیٹتے تھے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے اور بہت احتیاط سے چلتے تھے۔ اس حالت میں وہ صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے پڑے ہوئے تھے۔ کیا وہ حضرات اگر دنیا جمع کرنا چاہتے تو نہ کر سکتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیت، ذہانت اتنی عطا فرمائی تھی کہ اگر دنیا حاصل کرنا چاہتے تو ضرور حاصل کر لیتے۔ لیکن وجہ یہ تھی کہ ان کو دنیا کی طرف التفات ہی نہیں تھا۔ بس بقدر ضرورت جو مل گیا اس پر اکتفا کرلیا۔ اس زمانے میں ''اصحاب صفہ'' کے چبوترے پر ایک ستون تھا۔ اس کی یادگار اب بھی موجود ہے۔ اس ستون کے ساتھ لوگ اصحاب صفہ کے لئے کھجور کے خوشے لٹکا دیا کرتے تھے۔ کھجور کے وہ خوشے ان اصحاب صفہ کی غذا ہوتے تھے۔ جب کسی کو بھوک لگتی وہ اس خوشے سے کھجور لیکر کھا لیتا۔

خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں مسجد نبوی میں رہتا تھا اور بعض اوقات بھوک کی شدت کی وجہ سے میرا یہ حال ہوتا تھا کہ میں نڈھال ہو کر مسجد نبوی کے دروازے پر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے چنانچہ لوگ میری گردن پر پاؤں رکھ کر گزرتے تھے۔ اس زمانے میں اہل عرب کے اندر یہ مشہور تھا کہ اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی گردن پر پاؤں رکھا جائے تو اس سے دورہ ٹھیک ہو جاتا تھا۔ پھر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! نہ مجھے مرگی کا دورہ تھا اور نہ وہ غشی کی کیفیت تھی بلکہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر میں لیٹا ہوا ہوتا تھا۔ اس حالت میں حضرت ابو ہریرہؓ نے وقت گزارا۔ تب جا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث ہم تک پہنچائیں اور ذخیرہ حدیث میں سب سے زیادہ احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہیں۔

ہم مسلمانوں کیلئے زندگی کے سفر میں قدم قدم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات بہترین نمونہ ہیں کہ کس طرح انہوں نے خود فاقے برداشت کر کے موٹا جھوٹا پہن کر روکھی سوکھی کھا کر ہمارے لئے یہ پورا دین محفوظ کر گئے۔ یہ ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ دونوں راستے میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ معلوم نہیں یہ دونوں اس وقت کس وجہ سے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے جا کر ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ بھوک لگی ہوئی ہے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ سوچا کہ کچھ محنت مزدوری کر کے کچھ کھانے کا بندوبست کریں۔ ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر ان حضرات سے پوچھا کہ آپ حضرات کس وجہ سے باہر تشریف لائے ان حضرات نے جواب دیا۔ ما اخرجنا الا الجوع یا رسول الله! ہمیں بھوک نے باہر نکالا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں پھر آپ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست ہیں۔ ان کے باغ میں چلتے ہیں۔ وہ ایک انصاری صحابی تھے۔ ان کا ایک

باغ تھا، چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ صحابی موجود نہیں ہیں۔ انکی اہلیہ موجود تھیں۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمرؓ ہمارے باغ میں تشریف لائے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اور انہوں نے کہا کہ آج مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مہمان ہیں۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے باغ میں تشریف فرما ہوئے تو ان کی خاتون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دیجئے کہ میں آپ کے لئے ایک بکری ذبح کرلوں۔ آپ نے فرمایا کہ بکری ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ کوئی دودھ دینے والی بکری ذبح مت کرنا۔ ان خاتون نے عرض کیا کہ میں دوسری بکری ذبح کروں گی۔

چنانچہ ان خاتون نے بکری ذبح کی اور اس کا گوشت اور باغ کی تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے تناول فرمایا۔ جب کھا کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے کی جو نعمت عطا فرمائی کہ اتنا اچھا اور عمدہ کھانا، اتنا عمدہ پانی اور درختوں کا اتنا عمدہ سایہ جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ یعنی آخرت میں تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ تم نے ان کو کس مصرف میں استعمال کیا؟

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کی تربیت فرمائی کہ بھوک کی شدت کے عالم میں یہ تھوڑا سا ایک وقت کا کھانا میسر آ گیا، اس کے بارے میں بھی ان کے دلوں میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے کہ اس کی محبت تمہارے دلوں میں نہ آجائے بلکہ یہ خوف پیدا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو ہیں لیکن کل قیامت کے دن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا ہوگا۔ یہ ذہنیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا فرمادی تھی۔

مجدد وقت کا بیان فرمودہ زاد سفر

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ حقیقت میں وہ ہمارے دور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں اور اپنے عہد کے مجدد ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں بتا گئے کہ ہمیں ہماری صلاحیت اور ظرف کے مطابق کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے شاید یہ

بات ان سے زیادہ بہتر انداز میں کوئی اور نہ بتا سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے ہمیں اس بات میں ایک اصول بتا دیا کہ دنیا کتنی حاصل کرو اور کس درجے میں حاصل کرو اور دنیا کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرو۔ یہ اصول اصل میں تو مکان کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ آدمی کیسا مکان بنائے؟ لیکن یہ اصول زندگی کے سفر میں اس کی تمام ضروریات پر لاگو ہوتا ہے۔

مکان بنانے کے چار مقاصد

چنانچہ مجدد وقت فرماتے ہیں کہ مکان چار مقاصد کے لئے بنایا جاسکتا ہے۔ پہلا مقصد ہے ''رہائش'' یعنی ایسا مکان جس میں آدمی رات گزار سکے اور اس کے ذریعہ دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سے حفاظت ہو جائے۔ اب یہ ضرورت ایک جھونپڑی کے ذریعہ بھی پوری ہوسکتی ہے۔ اس مقصد کے تحت مکان بنانا جائز ہے۔

دوسرا مقصد ہے ''آسائش'' یعنی صرف رہائش مقصد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ رہائش آرام اور آسائش کے ساتھ ہو۔ مثلاً جھونپڑی اور کچے مکان میں انسان جوں توں گزارہ تو کرلے گا لیکن اس میں آسائش حاصل نہیں ہوگی اور آرام نہیں ملے گا ہوسکتا ہے کہ بارش کے اندر اس میں سے پانی ٹپکنا شروع ہوجائے اور اس میں دھوپ کی تپش بھی اندر آرہی ہے۔ اس لئے آسائش حاصل کرنے کے لئے مکان کو پکا بنادیا تو یہ آسائش بھی جائز ہے کوئی گناہ نہیں ہے۔

تیسرا درجہ یعنی اس مکان کی سجاوٹ یعنی آپ نے مکان تو بنالیا اور اس کی وجہ سے آپ کو رہائش حاصل ہوگئی لیکن اس کی دیواروں پر پلاسٹر نہیں کیا ہے اور نہ اس پر رنگ وروغن ہے اب رہائش حاصل ہوگئی لیکن اس کی دیواروں پر پلاسٹر نہیں کیا ہے اور نہ اس پر رنگ وروغن ہے اب رہائش بھی حاصل ہے اور فی الجملہ آسائش بھی حاصل ہے لیکن آرائش نہیں ہے اس لئے کہ اس پر رنگ وروغن نہیں ہے۔ جب آپ اس مکان میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اب اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے رنگ وروغن کر کے کچھ زیب وزینت کرلے تو یہ بھی کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ آرائش والا کام کرے۔

چوتھا درجہ ہے ''نمائش'' یعنی اس مکان کے ذریعہ رہائش کا مقصد بھی حاصل ہوگیا۔ آسائش اور رہائش کا مقصد بھی حاصل کرلیا اب یہ دل چاہتا ہے کہ اپنے مکان کو ایسا بناؤں کہ دیکھنے والے یہ کہیں کہ ہم نے فلاں شخص کا مکان دیکھا اس کو دیکھ کر اس کی خوش ذوقی کی داد دینی

پڑتی ہے۔ اور اس کی مالداری کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آدمی اپنے مکان کے اندر کوئی کارروائی کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو بڑا آدمی سمجھیں تاکہ لوگ اس کو دولت مند سمجھیں تاکہ لوگ اس کو اپنے سے زیادہ فوقیت والا سمجھیں تو یہ صورت حرام ہے خلاصہ یہ ہے کہ رہائش حاصل کرنا جائز، آسائش حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرنا جائز، آرائش کے حصول کے لئے کوئی کام کرنا جائز، لیکن "نمائش" اور دکھاوے کے لئے کوئی کام کرنا حرام اور ناجائز ہے اور نمائش کی غرض سے جو چیز بھی حاصل کی جائیگی وہ حرام ہوگی۔

راحت در قناعت

"قناعت" کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس پر آدمی راضی اور خوش ہو جائے۔ لیکن "قناعت" کے ساتھ اگر آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ میرے مکان میں فلاں تکلیف ہے یہ دور ہو جائے، اور میں جائز طریقے سے اور حلال آمدنی سے اس تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہوں تو یہ "آسائش" کے اندر داخل ہے اور جائز ہے۔ یہ خواہش "حرص" کے اندر داخل نہیں۔ یا مثلاً اگر ایک شخص نے یہ سوچا کہ میرا مکان ویسے بہت اچھا ہے ماشاءاللہ۔ لیکن جب میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا۔ اس لئے دل چاہتا ہے کہ اس میں کچھ سبزہ وغیرہ لگا ہوا ہو۔ تاکہ دیکھنے میں اچھا لگے اور میرا دل خوش ہو جایا کرے۔ اب وہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے تو یہ حرص میں داخل نہیں۔ بشرطیکہ اس کام کو کرانے کے لئے جائز اور حلال طریقہ اختیار کرے۔

ناجائز اور حرام طریقہ اختیار نہ کرے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر مکان میں تمام سہولتیں حاصل ہیں۔ اچھا بھی لگتا ہے۔ آرام بھی ہے لیکن میرے مکان کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تھرڈ کلاس آدمی ہے، یا میں جس محلے میں رہتا ہوں اس میں میرا مکان دوسروں کے مکانوں کے ساتھ میچ نہیں کرتا، بلکہ میرے مکان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالداروں کے محلے میں کوئی نچلے درجے کا آدمی آگیا ہے۔ اب اس غرض کے لئے مکان کو عمدہ بناتا ہوں تاکہ اس کی نمائش ہو، لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کو دیکھ کر لوگ مجھے دولت مند سمجھیں۔ اس وقت یہ کام کرنا حرام ہے، حرص میں داخل ہے اور یہ کام "قناعت" کے خلاف ہے، یا اگر کوئی شخص "آسائش" اور "آرائش" کو حاصل کرنے کے لئے ناجائز اور حرام طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مثلاً رشوت کی آمدنی کے ذریعہ وہ یہ

آسائش اور آرائش حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یا سود لے کر، دوسرے کو دھوکہ دے کر یا دوسرے کا حق مار کر یہ چیز حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ حرص میں داخل ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کم از کم ادنیٰ درجہ حاصل کر لیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اعلیٰ درجے کے لوگ تھے۔ اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے صحابہ کرام کے اس اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اس کا ادنیٰ درجہ تو حاصل کرنے کی فکر کریں اور یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر اور موت کا دھیان انسان کے اندر پیدا نہ ہو جائے۔ آج انسان سالہا سال کے منصوبے بنا رہا ہے۔ اس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا، بیٹھے بیٹھے انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا زندگی کے سفر میں ایسے لمبے لمبے منصوبے بنانے سے پرہیز کرے اور صرف بقدر ضرورت دنیا کے مال و اسباب پر قناعت کرے۔ اس قناعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی راحت عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی سکون ملے گا اور اس کا طریقہ وہ ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اپنے سے اوپر کی طرف مت دیکھو اسلئے کہ اوپر کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔

ایک عبرتناک قصہ

ایک یہودی نے مال و دولت کے بہت خزانے جمع کر رکھے تھے۔ ایک دن وہ خزانے کا معائنہ کرنے کے ارادے سے چلا۔ خزانے پر ایک چوکیدار بٹھایا ہوا تھا۔ لیکن وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں چوکیدار تو خیانت نہیں کر رہا ہے اس لئے اس چوکیدار کو اطلاع دیئے بغیر وہ خود اپنی خفیہ چابی سے خزانے کا تالہ کھول کر اندر چلا گیا۔ چوکیدار کو پتہ نہیں تھا کہ مالک معائنہ کے لئے اندر گیا ہوا ہے۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خزانے کا دروازہ کھلا ہے تو اس نے آ کر باہر سے تالا لگا دیا۔ اب وہ مالک اندر معائنہ کرتا رہا۔ خزانے کی سیر کرتا رہا جب معائنہ سے فارغ ہو کر باہر نکلنے کے لئے دروازہ کے پاس آیا تو دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ اب اندر سے آواز لگاتا ہے تو آواز باہر نہیں جاتی۔ اس خزانے کے اندر سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں لیکن بھوک مٹانے کے لئے ان کو کھا نہیں سکتا تھا۔ پیاس لگ رہی ہے لیکن ان کے ذریعے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ حتیٰ کہ اس خزانے کے اندر بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کے جان دیدی اور وہی خزانہ اس کی

موت کا سبب بن گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (توبہ ۵۵)

اللہ تعالیٰ بعض اہل دنیا کو اس دنیا ہی کے ذریعے اس دنیاوی زندگی میں عذاب دیتے ہیں۔ اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو اس کا طریقہ وہی ہے کہ اپنے سے اوپر والے کو مت دیکھو۔ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ البتہ جائز حدود میں رہ کر اپنی جائز ضروریات پوری کرلو۔ باقی صبح و شام دن رات دنیا کو جمع کرنے کے اندر جو انہماک اور جو فکر ہے اس کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔

ایک تاجر کا عجیب قصہ

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کر رہا تھا۔ سفر کے دوران ایک تاجر کے گھر رات گزارنے کے لئے قیام کیا۔ اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا وہ اس طرح کہ اپنی تجارت کے قصے مجھے سناتا رہا کہ فلاں ملک میں میری یہ تجارت ہے۔ فلاں جگہ میری اس چیز کی دکان ہے فلاں ملک سے یہ چیز درآمد کرتا ہوں، یہ چیز برآمد کرتا ہوں۔ ساری رات قصے سنا کر آخر میں کہنے لگا کہ میری اور سب آرزوئیں تو پوری ہوگئی ہیں اور میری تجارت پروان چڑھ گئی البتہ اب صرف ایک آخری سفر کرنے کا ارادہ ہے۔ آپ دعا کریں کہ میرا وہ سفر کامیاب ہو جائے تو پھر اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کرلونگا اور بقیہ زندگی اپنی دکان پر بیٹھ کر گزاردونگا۔

شیخ سعدی نے پوچھا کہ وہ کیسا سفر ہے؟ اس تاجر نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فارسی گندھک لے کر چین جاؤں گا۔ اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ چین میں بہت زیادہ قیمت پر فروخت ہو جاتی ہے پھر چین سے چینی برتن لے کر روم میں فروخت کرونگا اور وہاں سے رومی کپڑا لے کر ہندوستان میں فروخت کرونگا اور پھر ہندوستان سے فولاد خرید کر حلب (شام) میں لے جا کر فروخت کرونگا اور حلب سے شیشہ خرید کر یمن میں فروخت کرونگا اور پھر وہاں سے یمنی چادر لے کر واپس فارس آجاؤں گا۔

غرض یہ کہ اس نے ساری دنیا کے ایک سفر کا منصوبہ بنالیا اور شیخ سعدی سے فرمایا کہ بس! اس ایک آخری سفر کا ارادہ ہے۔ اس کے لئے آپ دعا کردیں۔ اس کے بعد میں قناعت سے اپنی دکان پر بقیہ زندگی گزاردونگا۔ اس وقت بھی یہی خیال ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی باقی زندگی دکان پر ہی گزار لے گا۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کے سفر کی روئیداد سنی تو میں نے اس سے کہا

آن شنیدستی کہ در صحرائے غور بار سالارے بیفتاد از ستور

گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور

فرمایا کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ گور کے صحرا میں ایک بہت بڑے سوداگر کا سامان اس کے اونٹ سے گرا ہوا پڑا ہوا تھا۔ اور ایک طرف اس کا اونٹ بھی مرا پڑا تھا اور دوسری طرف وہ خود بھی مرا پڑا تھا۔ اس کا وہ سامان زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیادار کی تنگ نگاہ کو یا تو قناعت پُر کرسکتی ہے یا قبر کی مٹی پُر کرسکتی ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ سعدیؒ بیان فرماتے ہیں کہ جب دنیا انسان کے اوپر مسلط ہوجاتی ہے تو پھر اس کو کسی اور چیز کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ ہے دنیا کی محبت جس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر یہ محبت نہ ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مال دیدے اور اس کے ساتھ دل اٹکا ہوا نہ ہو اور وہ مال اللہ تعالیٰ کی پیروی میں رکاوٹ نہ بنے۔ وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں صرف ہو اور اس کے ذریعہ انسان جنت کمائے تو وہ مال پھر دنیا نہیں ہے وہ مال بھی آخرت کا سامان ہے لیکن اگر اس مال کے ذریعہ آخرت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو وہ دنیا ہے جس سے روکا گیا ہے۔

دل سے دنیا کی محبت کم کرنے کا طریقہ

دنیا کی محبت دل سے نکالنے اور آخرت کی محبت دل میں لانے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر انسان اس بات کا مراقبہ کرے کہ دن رات ہم غفلت میں مبتلا ہیں۔ مرنے سے غافل ہیں۔ اللہ کے سامنے پیش ہونے سے غافل ہیں۔ حساب وکتاب سے غافل ہیں۔ جزا اور سزا سے غافل ہیں آخرت سے غافل ہیں اور اس غفلت کی وجہ سے آخرت اور موت کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے تھوڑا سا وقت نکال کر انسان یہ مراقبہ کرے کہ ایک دن مرونگا، اس وقت میرا کیا حال ہوگا؟ اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی؟ کس طرح سوال وجواب ہونگے؟ اور مجھے کیا جواب دینا ہوگا۔ روزانہ ان باتوں کا استحضار کرے۔ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ ان باتوں کا مراقبہ کرے تو چند ہفتوں میں ان شاء اللہ، وہ یہ محسوس کرے گا کہ دنیا کی محبت دل سے نکل رہی ہے۔

زندگی کے سفر میں تین اہم چیزیں

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس طرح صبح کرے کہ اس کو تین چیزیں حاصل ہوں ایک یہ کہ وہ اپنے سر چھپانے کی جگہ میں بے خوف ہو یعنی اپنے گھر میں بے خوف ہو اور اس کو کسی دشمن کا یا کسی ظالم کے ظلم کا خطرہ نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے بدن میں اس کو تکلیف نہ ہو بلکہ صحت اور عافیت کی حالت میں ہو، کوئی بیماری نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے پاس ایک دن کے کھانے کا انتظام موجود ہو۔ جس شخص کو یہ تین چیزیں حاصل ہوں۔ اس کو گویا کہ پوری کی پوری دنیا تمام اسباب کے ساتھ جمع کر کے دیدی گئی ہے۔ (جامع ترمذی)

لہٰذا اگر کسی کو یہ تین چیزیں حاصل ہو گئیں۔ اس کی دنیا کی ضرورت پوری ہو گئی۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس کو عافیت مل گئی اور ضرورت کے مطابق دنیا مل گئی اور ایسے شخص کو ناشکری میں نہیں مبتلا ہونا چاہیے۔

سفر میں شکر کا زادراہ

انسان کو شکر کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ناشکری سے بچنا چاہیے۔ ہم لوگ صبح و شام جو ناشکری میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں۔ اسکی نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے لیکن جب ذرا سی کوئی بات طبیعت کے خلاف پیش آ گئی تو بس اب تمام نعمتوں کو بھول کر ناشکری کرنے لگے اور ان نعمتوں کے مقابلے میں اس ذرا سی تکلیف کو لے کر بیٹھ گئے اور اس کے نتیجے میں ناشکری کرنے لگے یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہو گئیں تو تمہیں پوری دنیا مل گئی۔ اگر اس سے زیادہ نہیں ملی تو اس پر شکوہ کرنے اس پر ناشکری کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

آج اگر لوگوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا حال ہے؟ تو اکثر لوگوں کی زبان پر جملہ آ جاتا ہے کہ "گزر رہی ہے" "ٹائم پاس ہو رہا ہے"۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ یہ بڑی ناشکری کا کلمہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تو میسر نہیں ہے۔ تکلیفوں کا عالم ہے لیکن میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں اس کو گزار رہا ہوں اور وقت پاس کر رہا ہوں۔ حالانکہ جب تم سے کوئی پوچھے کہ کیا حال ہے؟ کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں۔ ان کا

دھیان کرو اور پہلے ان کا شکر ادا کرو کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اگر تھوڑی بہت کوئی تکلیف ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ جو تکلیف ہے یہ بھی حقیقت میں نعمت ہی کا ایک عنوان ہے لیکن میں کمزور ہوں اس تکلیف کا تحمل نہیں کرسکتا یا اللہ اپنی رحمت سے اس تکلیف کو دور فرما دیجئے۔ یہ الفاظ کہو یہ مت کہو کہ میں بڑی مشکل سے زندگی کا سفر گزار رہا ہوں۔

سفر میں منصوبے کیسے؟

یہ زندگی کا گزرنا اس لئے مشکل لگتا ہے کہ اپنے ذہن میں پہلے سے ایک بہت بڑا منصوبہ بنالیا کہ دنیا کا یہ سامان اور اسباب حاصل کرنا ہے۔ مثلاً میرے پاس اتنا شاندار بنگلہ ہونا چاہیے۔ ایسی شاندار کار ہونی چاہیے اتنے نوکر چاکر ہونے چاہئیں۔ اتنی اولاد ہونی چاہیے۔ اتنا بینک بیلنس ہونا چاہیے۔ ایسی تجارت ہونی چاہیے۔ یہ منصوبہ پہلے سے بنالیا۔ پھر اگر اس منصوبے کے مطابق کسی چیز میں کمی رہ گئی تو بس اب ناشکری کرنے لگے کہ ہم تو زندگی گزار رہے ہیں۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم نے یہ جو بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی کی ہے اس لئے کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہیں۔

ایک یہ کہ گھر میں تم اطمینان سے ہو۔ دوسرے یہ کہ جسم میں عافیت ہے۔

تیسرے یہ کہ ایک دن کا اپنا اور اپنے بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام موجود ہے تو تمہیں ساری دنیا مل گئی۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالے کہ بس ان تین چیزوں کا نام دنیا ہے جو مجھے ملنی ہے تو اس کے بعد اگر اس کو ان تین چیزوں سے زیادہ دنیا ملے گی تو وہ شخص شکر ادا کریگا کہ میں مستحق تو کم کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زیادہ دے دیا اور اگر اس سے زیادہ چیزیں نہیں ملیں گی تو وہ شخص کم از کم ناشکری نہیں کریگا بلکہ وہ یہ سوچے گا کہ دنیا اتنی ہی تھی جو مجھے ملنی چاہیے تھی اور وہ مل گئی۔ بہر حال ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم دنیا کے اس عارضی سفر میں پہلے سے بڑے بڑے منصوبے خود بنالیتے ہیں پھر اس میں جب کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے تو ناشکری کردیتے ہیں۔

سکون اور خوشی کا راستہ

دنیا کے اسی سفر میں اطمینان اور عافیت کا راستہ "قناعت" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی جائز طریقے سے مناسب تدبیر کے تحت جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ اس پر مطمئن ہو جائے۔

زیادہ کی حرص اور ہوس نہ کرے۔ اس کے علاوہ دنیا میں خوش رہنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ مال و دولت کے انبار لگالو۔ بینک بیلنس کے انبار لگالو کوٹھیاں بنالو۔ کاریں رکھ لو لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو ان کوٹھیوں اور بنگلوں میں بھی سکون نہیں ملے گا اس مال و دولت کے ڈھیر میں بھی سکون نہیں ملے گا اور اگر قناعت کی دولت تمہیں حاصل ہے تو پھر یقین رکھو کہ چٹنی روٹی میں بھی تمہیں وہ مزہ آجائے گا اور وہ اطمینان و سکون میسر آجائیگا جو بڑی بڑی کوٹھی بنگلوں میں اور اعلیٰ درجے کے کھانوں میں میسر نہیں آئے گا۔ آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

دور حاضر کے الٹے معیار

آج لوگ دنیا ہی کے پیمانے سے ناپے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس کے پاس زیادہ روپے پیسے نہیں ہیں۔ وہ جب کسی بڑے دولت مند کو دیکھتا ہے کہ اس کے پاس پیسے بہت ہیں۔ اس کی فیکٹریاں کھڑی ہوئی ہیں اس کے نوکر چاکر ہیں اس کے پاس بینک بیلنس ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ سب چیزیں دیکھ کر وہ سمجھتا ہے کہ یہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے پھر اس کو خوش نصیب سمجھنے کے نتیجے میں اپنے دل میں یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ مجھے یہ چیزیں میسر نہیں آئیں اور دل چاہتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں بھی مل جائیں لیکن بات یہ ہے کہ تمہیں کیا معلوم ہے کہ اس مال و دولت کے پیچھے اس کوٹھی اور بنگلے کے پیچھے اس کو سکون میسر ہے یا نہیں؟ چونکہ لوگ میرے پاس آکر اپنے اندرونی حال بتاتے ہیں اس لئے نہ جانے کتنے لوگ خود میرے علم میں ایسے ہیں کہ اگر ایک عام آدمی اس شخص کو اور اس کے ظاہری حالات کو دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ دنیا کی عظیم ترین دولت اس کو ملی ہوئی ہے کاش! میں بھی اس جیسا بن جاؤں۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی اندرونی زندگی میں کیا عذاب برپا ہے۔ اور کس مصیبت میں مبتلا ہے بڑے بڑے امیر اور دولت مندوں نے مجھ سے رو رو کر یہ کہا کہ کاش! ہمیں یہ روپیہ نہ ملا ہوتا۔ کاش! ہمیں یہ دولت میسر نہ آئی ہوتی۔ شاید ہمیں اس کے بغیر زیادہ امن و سکون اور زیادہ عافیت مل جاتی۔

اسلامی طرز حیات میں سکون

بہر حال یہ راحت اور سکون پیسے سے نہیں خریدا جا سکتا اور نہ دولت کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے وہ اگر چاہیں تو چٹنی روٹی میں دیدیں۔ اور اگر نہ چاہیں تو کوٹھی اور بنگلے میں بھی نہ دیں لہٰذا کہاں تک اس کے پیچھے دوڑ لگاؤ گے؟ کہاں تک منصوبے بناؤ

گے۔اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ دنیا کی اتنی سی حقیقت سمجھ لو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ ہی نہیں۔لہٰذا اگر اس دنیا میں اتنا اگر مل جائے تو بڑی غنیمت کی بات ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا اس پر قناعت میسر نہیں تو پھر دنیا کے مال و اسباب میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔مگر سکون میسر نہیں آئے گا بعض لوگ اربوں کے مالک ہیں اگر ساری زندگی بیٹھ کر کھاتے رہیں تب بھی ختم نہ ہو مگر پھر بھی اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ اور مل جائے اور اس کے لئے جائز اور ناجائز حلال و حرام سب ایک کیا ہوا ہے۔باوجودیکہ اربوں کے مالک ہیں ارے پہلے یہ دیکھ لو کہ جو دولت تمہارے پاس ہے اس کو کہاں استعمال کرو گے؟

غیر اسلامی معاشرہ کی حالت

امریکہ کا ایک شہر ہے لاس اینجلس وہاں کے ایک دوست مجھے ایک بازار میں لے گئے اور بتایا کہ یہ بازار دنیا کا سب سے مہنگا بازار ہے اور یہاں سے چیزیں سب سے مہنگی بکتی ہیں میں نے پوچھا کہ کتنی مہنگی بکتی ہیں؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں پر ایک موزے کی قیمت دو ہزار ڈالر ہے جس کا مطلب ہے پاکستانی تقریباً پچاسی ہزار روپے کا ایک موزہ۔

ٹائی کی قیمت تین ہزار ڈالر، سوٹ کی قیمت دس ہزار پندرہ ہزار ڈالر بیس ہزار ڈالر ہے ایک ایک لاکھ ڈالر کے سوٹ ملتے ہیں ایک دکان کے پاس سے گزرے تو ہمارے میزبان دوست نے بتایا کہ اس دکان کے ایک حصہ میں تو آدمی خریداری کے لئے جا سکتا ہے اس کے بعد دوسرے حصے میں جانے کے لئے ایک زینہ پر جانا پڑتا ہے اس حصے میں کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک اس دکان کا مالک خود اس کو ساتھ لے کر نہ جائے اور وہاں لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مالک اس شخص کو بہت سے کلر کے سوٹ اور بہت سے ڈیزائن کے سوٹ دکھاتا ہے اور پھر مالک اس کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ آپ کے جسم کے لئے کونسا کلر اور کونسا ڈیزائن مناسب ہوگا اور پھر مالک اس گاہک سے صرف مشورہ دینے کے دس ہزار ڈالر وصول کرتا ہے اور سوٹ کی خریداری کے پیسے الگ دینے ہونگے۔شہزادہ چارلس نے اس سے مشورے کے لئے ٹائم مانگا تھا تو چھ مہینے کے بعد کا اس کو ملاقات کا ٹائم دیا کہ آپ چھ ماہ کے بعد فلاں وقت پر آپ تشریف لائیں تو آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کونسے کلر کا سوٹ پہنیں اور کونسے ڈیزائن کا سوٹ پہنیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ دولت کی ہوس تو ختم نہیں ہوئی اور اب جب دولت آ گئی تو اس کو

کہاں خرچ کریں۔ چنانچہ اس دولت کو خرچ کرنے کے یہ راستے تلاش کر لئے۔ اب اس میں دولت خرچ ہو رہی ہے بہر حال ایک طرف تو دولت اس طرح پانی کی طرح بہائی جا رہی ہے لیکن ابھی ہم لوگ اسی سڑک پر ایک میل دور ہی گئے تھے۔ وہاں یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہر سگنل پر بھکاری بھیک مانگ رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بھکاری جب ہماری گاڑی کے پاس آیا تو میرے دوست نے اس سے کہا کہ اس وقت میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس بھکاری نے کہا کہ میں ڈالر نہیں مانگ رہا ہوں۔ اگر آپ کے پاس پینی (ریز کاری) ہو تو وہ دیدیجئے۔ اس لئے کہ میں کھانے کو ترس رہا ہوں۔ ایک طرف تو یہ حال ہے اور دوسری طرف دو ہزار ڈالر کے موزے بک رہے ہیں۔ آخر دولت جمع کرنے کی کوئی حد اور انتہا تو ہوگی۔ جتنی دولت ہے۔ پہلے اس کو تو خرچ کر لو، پھر بعد میں اور فکر کرنا۔ یہ دنیا کی ہوس ایسی لامتناہی ہوس ہے جس کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں۔ اس کو "جوع البقر" کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی بھوک ہے جو کبھی مٹتی نہیں چاہے جتنا کھالے ایسی پیاس ہے جو کبھی بجھتی نہیں چاہے جتنا پانی پی لے۔

حرص کی کوئی حد نہیں

ہمارے ہی ملک کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار جو ملک کے گنے چنے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں ایک روز میرے پاس آئے بات چیت ہوتی رہی میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے لوگ آپ کے اوپر رشک کرتے ہیں اس دولت کو کچھ ایسے کاموں میں بھی خرچ کر دیجئے جس سے یہ دولت آخرت میں بھی کارآمد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت دولت دیدی ہے آپ نے بہت کچھ کما لیا اب توبہ کر لیجئے کہ سود کی لعنت سے بچیں گے۔ میری بات سن کر انہوں نے سود پر بحث شروع کر دی کہ سود کیسے حرام ہے؟ سود کے بغیر دنیا میں کیسے گزارا ہوگا۔ کیسے تجارت ہوگی میں نے ان کو سمجھایا تو آخرکار خاموش ہو گئے۔ پھر خود ہی مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا صاحب بات تو آپ صحیح کہتے ہیں مگر میں اس ہاتھ میں اٹھنے والی کھجلی کو کیا کروں؟ یہ کھجلی کسی طرح بھی ختم نہیں ہوتی چاہے کتنے کارخانے لگا لوں کتنی فیکٹریاں لگا لوں۔ چاہے کتنا بینک بیلنس جمع کر لوں۔ مگر یہ کھجلی ختم نہیں ہوتی اور اس کھجلی کا نتیجہ یہ ہے کہ گھر اندر سے برباد ہے۔ گھر کا سکون میسر نہیں اولاد کی راحت میسر نہیں آپس میں لڑائی جھگڑے ہیں۔ تو دولت تو بہت ہے لیکن راحت اور آرام میسر نہیں۔

قارون کے واقعہ سے عبرت و نصیحت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قارون کے خزانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓ ءُا بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ (قصص ۷۶)

یعنی اس کے خزانے کی صرف چابیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک بڑی جماعت مل کر اس کو اٹھایا کرتی تھی۔ اس کی چابیاں اٹھانا ایک آدمی کے بس میں نہیں تھا۔ جب وہ اپنی دولت لے کر لوگوں کے پاس سے گزرا تو بعض لوگوں نے اس کی دولت دیکھ کر کہا:

یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ

کاش وہ دولت ہمیں بھی ملی ہوتی۔ جیسی دولت قارون کو ملی ہے۔ وہ تو بڑا خوش قسمت آدمی ہے قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ قارون کی ظاہری حالت کو دیکھ رہے تھے کہ چونکہ وہ بڑی دولت رکھنے والا ہے۔ اس لئے بڑا قابل رشک ہے۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی اس مال و دولت کے پیچھے کیا عذاب چھپا ہے۔ چنانچہ جب بعد میں لوگوں نے قارون کا انجام دیکھا تو انہیں لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے کہ اس نے ہمیں قارون جیسا نہیں بنایا۔ بہر حال دنیا کے مال و اسباب کی کوئی حد تک نہیں کہاں تک تم اس کے پیچھے دوڑو گے کہاں تک تم حسرتیں کرو گے؟ اور یاد رکھنا کہ کسی بھی حد پر جا کر تمہیں قرار نہیں آئے گا اگر قرار آئے گا تو وہ صرف اور صرف محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت میں آئے گا کہ قناعت اختیار کر لو قناعت کا مطلب یہ ہے کہ مناسب اور جائز تدبیر کے تحت حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس کو اپنے لئے کافی سمجھو اور اس پر مطمئن ہو جاؤ۔ جس دن یہ قناعت حاصل کر لی تو ان شاء اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دنیا کا تھوڑا بہت اسباب جو تمہیں میسر ہے اسی اسباب میں وہ راحت حاصل ہو جائیگی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل نہیں۔ جو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو میسر نہیں۔

آمدنی اختیار میں نہیں خرچ اختیار میں ہے

آمدنی بڑھانا انسان کے اختیار میں نہیں اور خرچ کم کرنا انسان کے اختیار میں ہے لہٰذا خرچ کم کر کے قناعت اختیار کر لو۔ ان شاء اللہ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ پریشانی اس لئے ہوتی ہے تم نے پہلے سے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنالیا کہ اتنی آمدنی ہونی چاہیے۔ جب اتنی آمدنی نہیں ہوگی

تو اب پریشانی شروع ہو گئی لیکن اگر تم نے اپنا خرچ کم کر کے اپنی زندگی کو سادہ بنالیا اور اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا اور یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کم دیا ہے تو کم پر گزارہ کرلوں گا اگر زیادہ دیا ہے تو اس کے مطابق گزارہ کرلوں گا اور اس کے نتیجے میں اپنی آمدنی پر مطمئن ہو گئے تو پھر بس راحت اور عیش کی زندگی گزرے گی۔ اس کا نام ہے قناعت ہے۔

قناعت کی دُعا

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو بڑی کام کی دعا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہیے۔ فرمایا: اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِی بِمَا رَزَقْتَنِی وَبَارِکْ لِی فِیْهِ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا عجیب وغریب دعا ہے۔ ایک ایک جملہ پر آدمی قربان ہو جائے اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس پر مجھے قناعت عطا فرمایئے اور اس میں میرے لئے برکت عطا فرما دیجئے۔ سبحان اللہ۔

اگر یہ دعا ہمارے حق میں قبول ہو جائے تو پھر زندگی کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ "قناعت" حاصل ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر وقت یہ جو ہمیں زیادہ کمانے اور زیادہ کھانے کی اور دنیا کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی دھن لگی ہوئی ہے۔ یہ دھن ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد سکون اور راحت حاصل ہو جائیگی اور دوسرے جملے میں فرمایا کہ اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما۔ برکت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اگرچہ دیکھنے میں تھوڑی ہو لیکن اس چیز سے فائدہ زیادہ پہنچ جائے۔ برکت کے یہ معنی ہیں۔ آج کل لوگ برکت کا لفظ استعمال تو بہت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے مکان بنالیا یا خرید لیا تو اب لوگ مبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے مبارک ہو، کار مل گئی۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے، شادی ہو گئی مبارک کرے اللہ تعالیٰ مبارک کرے یہ برکت اور مبارک کا لفظ استعمال تو ہم بہت کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب نہیں معلوم کہ کیا مطلب ہے؟ برکت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمہارے لئے باعث راحت بنادے اور ایسا باعث راحت بنادے کہ چاہے یہ چیز مقدار میں تھوڑی ہو لیکن فائدہ اس چیز سے زیادہ پہنچ جائے اسی کا نام برکت ہے۔

آج کی دنیا statistics (اعداد و شمار، حساب کتاب) کی دنیا ہے۔ آج لوگ پیسوں کو گنتے ہیں کہ اتنی آمدنی ہوئی، اتنا پیسہ اور اتنا روپیا اتنے ڈالر حاصل ہوئے۔ اتنی تنخواہ ملی۔ لیکن اس گنتی کے نتیجے میں فائدہ کتنا حاصل ہوا اس کو کوئی شمار نہیں کرتا۔ ایک انگریز مسلمان نے ایک بڑی

اچھی کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے the ring of quantity گنتی کی حکومت یعنی اس وقت دنیا پر جو چیز حکومت کر رہی ہے وہ گنتی اور مقدار ہے کہ اتنے زیادہ پیسے حاصل ہو جائیں۔ لیکن اس گنتی کے پیچھے فائدہ کتنا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا

برکت کی مثال

ایک شخص نے سو روپے کمائے۔ جب گھر واپس جانے کے لئے بس اسٹاپ کی طرف چلا تو راستے میں ایک دوست مل گیا۔ اس نے کہا میں تمہیں اپنی گاڑی میں گھر پہنچا دیتا ہوں مجھے بھی اسی طرف جانا ہے چنانچہ وہ آرام سے گھر پہنچ گیا اور کرائے کے پانچ روپے بچ گئے۔ پانچ روپے بچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سو روپے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوگئی۔ اگر وہ دوست نہ ملتا تو اس کے پانچ روپے کرائے میں خرچ ہو جاتے۔ جب بازار میں سودا خریدنے گیا تو اللہ تعالیٰ نے سستی چیز دلا دی، یہ برکت ہوگئی۔

بے برکتی کی مثال

اس کے برخلاف ایک آدمی نے ایک لاکھ روپے کمائے۔ اور خوشی خوشی ایک لاکھ روپے لے کر گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بیٹے کو فلاں بیماری لاحق ہوگئی ہے اس لئے فوراً ہسپتال لے جانا ہے چنانچہ بچے کو لے کر ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے ٹیسٹ لکھ دیے اب صرف ٹیسٹ کرانے پر ہزاروں روپیہ خرچ ہو گیا۔ پھر ڈاکٹر نے کہا کہ اب ہسپتال میں داخل کرنا پڑے گا چنانچہ ہسپتال میں داخل کر دیا اور اس طرح وہ ایک لاکھ روپیہ ہسپتال کے بل اور ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ میں خرچ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ایک لاکھ روپے میں بے برکتی ہوگئی برکت نہ ہوئی۔

چنانچہ "رشوت" کی جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس میں یہی بے برکتی ہوتی ہے اگر ایک جگہ سے رشوت لے گا تو دس جگہ پر رشوت دینی پڑے گی۔ مثلاً ایک جگہ سے رشوت لی اور اب ان پیسوں کو گن گن کر خوش ہو رہا ہے کہ میرے پاس دس ہزار کے بیس ہزار روپے ہو گئے۔ بیس کے پچاس ہزار ہو گئے۔ پچاس ہزار سے ایک لاکھ ہو گئے۔ لیکن اس کو یہ پتہ نہیں کہ یہ ایک لاکھ روپے جو رشوت لے کر جمع کئے گئے ہیں۔ وہ دس آدمیوں کو جا کر دینے پڑیں گے۔ دوسری جگہ جائے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ کل جب کسی دفتر میں کام پڑے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ یہ سارے پیسے اس طرح تقسیم ہو جائیں گے۔ اس کا نام بے برکتی ہے۔ "برکت" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے یہ انسان کے زور بازو سے

حاصل نہیں ہوتی۔اس لئے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! جو کچھ آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس پر قناعت عطا فرمادیئے اوراس میں مجھے برکت عطا فرمادیجئے۔

قناعت بڑی دولت ہے

یہ قناعت بڑی دولت ہے۔اس سے بڑی دولت کوئی اور چیز نہیں۔آج لوگ روپے پیسے کو دولت سمجھتے ہیں۔کوٹھی، بنگلے کو اور مال واسباب کو دولت سمجھتے ہیں۔یادرکھئے۔ان میں سے کوئی چیز دولت نہیں۔اصل دولت ''قناعت'' ہے۔بخاری شریف کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سامان کی کثرت اور مالداری کا نام غنی نہیں ہے بلکہ نفس کے غنی کا نام ''مالداری'' ہے کہ انسان کا دل بے نیاز ہو۔کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی فکر نہ کرے بس جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر مطمئن ہو اور جو کچھ نہیں ملا اس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔اگر میرے حق میں بہتر ہوتا تو ملتا۔نہیں ملا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے اسی میں بہتری ہوگی۔

اسوہ حسنہ کا پیغام

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ حکم کریں تو یہ احد پہاڑ آپ کے لئے سونے کا بنادیا جائے اور یہ سارا سونا آپ کی ملکیت ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمادیا کہ نہیں۔ایسا نہ کریں کیونکہ میں تو اس طرح زندگی گزارنا چاہتا ہوں کہ کھانا مل جائے تو شکر کر کے کھالوں اور اگر نہ ملے تو صبر کروں تاکہ شکر کی نعمت بھی حاصل ہو جائے اور صبر کی نعمت بھی حاصل ہو جائے اور مال کی زیادتی مجھے مطلوب نہیں۔ مجھے تو ایسا ''غنیٰ'' چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرانے والا ہو۔چنانچہ یہ دعا بھی فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ غِنًی یُطْغِیْنِیْ

''یعنی اے اللہ میں ایسی مالداری سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے سرکش بنادے''۔

زندگی کے سفر میں دو اہم باتیں

پہلی بات:۔ کہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو۔چھوٹی سے چھوٹی نعمت جو بظاہر دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہو رہی ہے۔اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ناشکری

سے بچو۔ تھوڑی دیر کے لئے سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں اس وقت میرے اوپر برس رہی ہیں میرا وجود میری زندگی، میری سانسوں کی آمدورفت میری آنکھیں، میرے کان، میرے دانت، میرا منہ میرے ہاتھ، میرے پاؤں۔ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر رکھی ہیں۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود حاصل نہ ہوں۔ صحت عافیت، گھر، گھر والے، سکون، آرام، راحت ان سب نعمتوں کا تصور کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اوپر والے کو مت دیکھو، بلکہ نیچے والے کو دیکھو، اور دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو۔ اور تیسرا سبق یہ ملا کہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر "قناعت" اختیار کرلو۔ لیکن قناعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز تدبیر بھی اختیار مت کرو۔ اس لئے کہ جائز تدبیر اختیار کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ مثلاً تجارت کر رہا ہے تو تجارت کرے۔ ملازمت کر رہا ہے تو ملازمت کرے زراعت کر رہا ہے تو زراعت کرے لیکن اس جائز تدبیر کے نتیجے میں حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس پر مطمئن ہو جائے اور اس پر قناعت اختیار کرلے اور یہ نہ سوچے کہ جو میں نے منصوبہ بنایا ہے اس میں جائز طریقے سے تو کم مل رہا ہے لہٰذا ناجائز طریقے سے زیادہ حاصل کرلوں۔ ایسا نہ کرے بلکہ قناعت اختیار کرے کیونکہ قناعت کے بغیر گزارا نہیں۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے قناعت عطا فرما دیجئے اور جو کچھ آپ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس میں برکت عطا فرمائیے۔

دنیا کے سفر کی فریب کاریاں

کچھ لوگ ہوتے ہیں، انہوں نے سانپ کا منتر سیکھا ہوتا ہے، وہ واقعی سانپ کو پکڑ لیتے ہیں.... ہمیں بھی ایک آدمی کا ایک مرتبہ تجربہ ہوا.... وہ اللہ کا بندہ سانپ کو جہاں دیکھتا تھا، ایسے اٹھاتا تھا جیسے رسی اٹھاتے ہیں.... بلکہ ایک جگہ ایک لمبا سا سانپ سویا پڑا تھا، تو کسی نے اسے کہا کہ دیکھو کہ وہ سانپ ہے.... وہ آیا اور اس نے ہاتھ مار کر پہلے سانپ کو جگایا.... کہتا ہے، سوئے ہوئے کو کیا پکڑنا؟ جب وہ بھاگنے لگا تو اس کو پکڑ لیا.... وہ اس کا گولا بنا دیتا تھا، رسی کی طرح جیب میں ڈال لیتا تھا، ہم حیران ہوتے تھے کہ نہ اس نے دانت توڑے نہ کچھ اور کیا عجیب اس کا معاملہ تھا.... تو علماء نے لکھا کہ جس طرح لوگوں نے سانپ کا منتر سیکھا ہوتا ہے اور سانپ انہیں نقصان نہیں دیتا، صحابہ رضی

اللہ عنہم نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کا منتر سیکھ لیا تھا، دنیا ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی....

عوام الناس تو سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ دریائے دجلہ سے پار ہو گئے، یہ عوام الناس کے نزدیک ہے.... محققین کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ جب فتوحات دنیا شروع ہوئیں تو ان کے سامنے دنیا کا دریا بہہ گیا، اس دریا میں سے وہ اپنے ایمان کو حفاظت سے لے کر گزر گئے، یہ ان کی بڑی کرامت ہے.... تو دنیا تو ہمارے سامنے آج کھلی ہوئی ہے، جس بندے کو دیکھو اللہ نے ضرورت سے زیادہ دی ہوئی ہے، پھر اسی کے پیچھے بندہ لگ پڑے تو گویا اس نے اپنی آخرت کا نقصان کر لیا.... تو مقصود ہمارا آخرت ہے، دل میں ہوس نہ ہو، تڑپ نہ ہو، بن طلب اللہ عطا کر دے تو انسان اس دنیا کو دین کے لئے استعمال کرے....

دُنیا کی فریب کاریوں کی عبرت انگیز مثال

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس کی فریب کاریوں کو بڑے اچھے انداز میں سمجھایا کہ ایک آدمی جا رہا تھا کہ ایک شیر اس کے پیچھے بھاگا اس کے قریب کوئی بھی درخت نہیں تھا کہ جس پر وہ چڑھ جاتا.... اسے ایک کنواں نظر آیا اس نے سوچا کہ میں کنویں میں چھلانگ لگا دیتا ہوں جب شیر چلا جائے گا تو میں بھی کنویں سے باہر نکل آؤں گا جب اس نے نیچے چھلانگ لگانے کے لیے دیکھا تو کنویں میں پانی کے اوپر ایک کالا ناگ تیرتا ہوا نظر آیا....

اب پیچھے شیر تھا اور نیچے کنویں میں کالا ناگ تھا وہ اور زیادہ پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ اب میں کیا کروں اسے کنویں کی دیوار پر کچھ گھاس اگی ہوئی نظر آئی اس نے سوچا کہ میں اس گھاس کو پکڑ کر لٹک جاتا ہوں، نہ اوپر رہوں کہ شیر کھائے اور نہ نیچے جاؤں کہ سانپ ڈسے، میں درمیان میں لٹک جاتا ہوں جب شیر چلا جائے گا تو میں بھی باہر نکل آؤں گا تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک کالا اور ایک سفید چوہا دونوں اسی گھاس کو کاٹ رہے ہیں جس گھاس کو پکڑ کر وہ لٹک رہا تھا اب اسے اور زیادہ پریشانی ہوئی اس پریشانی کے عالم میں جب اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے قریب ہی شہد کی مکھیوں کا ایک چھتہ نظر آیا اس پر مکھیاں تو نہیں تھیں مگر وہ شہد سے بھرا ہوا تھا یہ چھتہ دیکھ کر اسے خیال آیا کہ ذرا دیکھوں تو سہی اس میں کیسا شہد ہے چنانچہ اس نے ایک ہاتھ سے گھاس کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ کی انگلی پر جب شہد لگا کر چکھا تو اسے بڑا مزا آیا اب وہ اسے چاٹنے میں مشغول ہو گیا نہ اسے شیر یاد رہا نہ ناگ یاد رہا اور نہ ہی اسے چوہے یاد رہے سوچیں کہ اس کا انجام کیا ہو گا....

یہ مثال دینے کے بعد امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں...." اے دوست! تیری مثال اسی انسان کی سی ہے...ملک الموت شیر کی مانند تیرے پیچھے لگا ہوا ہے...قبر کا عذاب اس سانپ کی صورت میں تیرے انتظار میں ہے...کالا اور سفید چوہا، یہ تیری زندگی کے دن اور رات ہیں...گھاس تیری زندگی ہے جسے چوہے کاٹ رہے ہیں....اور یہ شہد کا چھتہ دنیا کی لذتیں ہیں جن سے لطف اندوز ہونے میں تو لگا ہوا ہے تجھے کچھ یاد نہیں، سوچ کہ تیرا انجام کیا ہوگا...." واقعی بات یہی ہے کہ انسان دنیا کی لذتوں میں پھنس کر اپنے رب کو ناراض کر لیتا ہے کوئی کھانے، پینے کی لذتوں میں پھنسا ہوا ہے اور کوئی اچھے عہدے اور شہرت کی لذت میں پھنسا ہوا ہے، یہی لذتیں انسان کو آخرت سے غافل کر دیتی ہیں اس لیے جہاں ترک دنیا کا لفظ آئے گا اس سے مراد ترک لذات ہوگا....

دنیا....مقامِ عبرت

دُنیا کافر کیلئے ہے

بشر بن حارث کہتے ہیں ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کرنے لگے یا رب! مجھے کوئی اپنا ولی دکھا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے موسیٰ! فلاں فلاں کھنڈرات کو جا کر دیکھ لو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بعض کھنڈرات تلاش کئے۔ ایک کھنڈر میں انہوں نے ایک آدمی کی ہڈیاں دیکھیں جسے درندوں نے کھا لیا تھا۔ عرض کیا یہ کیا ماجرہ ہے آپ نے اپنے ولی پر درندوں کو کیسے مسلط کر دیا۔

ارشاد ہوا ہاں میری عزت کی قسم! میں نے تو اس کی جان بھی بھوکا پیاسا ہونے کی حالت میں نکالی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب! اس کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد ہوا: چونکہ میرا ولی میرے انتہائی قریب تھا۔ اور میرے ہاں اس کا ایک مرتبہ و مقام تھا۔ اگر تم اسے دیکھ لیتے مارے شوق کے تمہاری جان نکل جاتی کہ میں اپنے کسی ولی کیلئے دنیا کو پسند نہیں کرتا ہوں۔

دنیا کو تین طلاقیں

خیثم بن معاویہ کہتے ہیں کہ میرے ایک شیخ نے بتایا کہ بصرہ میں ایک مالدار آدمی رہتا تھا اسکی ایک خوبصورت حسین و جمیل بیٹی تھی۔ ایک دن اسکے باپ نے اس سے کہا کہ بنو ہاشم کے عربوں اور عجمیوں نے تجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے مگر تو نے انکار کر دیا میں سمجھتا ہوں تیری نظریں

مالک بن دینار اور انکے احباب پر جچی ہوئی ہیں؟ وہ کہنے لگی بخدا یہی میرا مطلوب ہے۔

باپ نے بیٹے سے کہا مالک بن دینار کے پاس جاؤ اور انہیں میری بیٹی کے مرتبے، مقام اور اس کی خواہش سے آگاہ کرو۔ چنانچہ بیٹا مالک بن دینار کے پاس آیا اور کہنے لگا فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے اور بعد سلام کہتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں اس شہر کا مالدار آدمی ہوں۔ اور میری جاگیر سب سے زیادہ ہے۔ میری ایک حسین وجمیل بیٹی ہے جو آپ سے محبت رکھتی ہے لہٰذا اسے نکاح کیلئے قبول فرمالیجئے مالک بن دینار نے جواب میں فرمایا۔ اے فلاں آدمی! تیرے اوپر بڑا تعجب ہے کیا تم نہیں جانتے کہ میں دنیا کو تین طلاقیں دے چکا ہوں۔

دنیاداروں کے سامنے جھکنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی تم میرے قریب ہرگز نہیں ہو سکتے' جب تک کہ میری قضا پر راضی نہ ہو جاؤ کیونکہ یہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور تمہارے اعمال میں سے جو عمل تم کرو اور وہ تمہاری نیکیوں کو برباد کر دے تکبر سے بڑھ کر نہیں۔

اے موسیٰ! دنیا والوں کے سامنے عاجزی مت کرو ورنہ میں تجھ سے ناراض ہو جاؤں گا اپنے دین کی وجہ سے ان کی دنیا سے خوفزدہ مت ہونا ورنہ میں تمہارے لئے اپنی رحمت کے دروازے بند کر دوں گا۔ اے موسیٰ! ان گنہگاروں سے کہو جو ندامت و پشیمانی کرنے والے ہیں تمہیں خوشخبری ہو اور عجب (خود پسندی) میں مبتلا عمل کرنے والوں سے کہو کہ تم خسارے میں ہو۔

موت سے عبرت

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام جب کسی ایسے گھر کے پاس سے گزرتے جس کے رہائشی مر چکے ہوتے تو اس گھر کے پاس کھڑے ہو کر آواز لگاتے

ہلاکت ہے تیرے ان مالکان کے لئے جو تیرے وارث ٹھہرے ہیں۔ تو نے ان کے پہلے لوگوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے اس سے یہ وارثین عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔

نظر کے کرشمے اور دُنیا کی حقیقت

ایک بار بادشاہ وقت افلاطون کے پاس آیا اور بعد امتحان اس نے بادشاہ کو اپنے پاس آنے کی

اجازت دی.... جب رخصت ہونے لگا تو افلاطون نے کہا کہ میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں.... بادشاہ نے دل میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دنوں تک تنہائی میں رہتے رہتے خبط ہو گیا ہے.... یہ جنون ہی تو ہے کہ آپ کی ایسی پھٹی ٹوٹی حالت اور بادشاہوں کی دعوت کرنے کے حوصلے اور بادشاہ اس خیال میں معذور بھی تھا وہ تو اسی متاع کو بڑی چیز سمجھتا تھا.... مگر افلاطون کی نظر میں اس کی وہ وقعت تھی جیسے بچے ایک گھر بناتے ہیں وہاں سہہ دریاں بھی ہیں کمرے بھی ہیں سب کچھ موجود ہے مگر باپ اس کو دیکھ کر ہنس رہا ہے کہ ان حضرات کا سارا گھر میری ایک لات کا ہے.... بس ایسی ہی متاع ہے عقلاء دُنیا کی جیسے ایک نہیارا اپنے سر پر چوڑیوں کا ٹوکرا لئے جا رہا تھا گاؤں والوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی چیز کی بابت انہیں پوچھنا ہوتا ہے اپنی لاٹھی سے آہستہ سے ایک کھوا دیا کرتے ہیں.... کھود کرید کرنے کے لئے اسی طرح دیہاتی نے ان چوڑیوں میں لاٹھی سے کھودا دے کر منہیار سے پوچھا کہ ارے یہ کیا ہے اس نے کہا جی بس ایک دفعہ اور مار دو کچھ بھی نہیں یعنی ایک ضرب سے سب تقسیم تفریق سے مبدل ہو کر کسور تک پہنچ گئی اور کسور بھی صرف کسور عام نہیں بلکہ کسور اعشاریہ بھی غرض سارا حساب یہیں ختم ہو گیا تو اہل دُنیا کے نزدیک دُنیا کی متاع بڑی چیز ہے....

اسی بناء پر بادشاہ نے عذر کیا افلاطون کو اس خیال کا ادراک تھا اس لئے افلاطون نے کہا میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں یہ سن کر بادشاہ نے دل میں تو یہی کہا کہ واقعی اس کے دماغ میں خلل معلوم ہوتا ہے اس کے پاس ضروری سامان تک نہیں یہ مجھے کھلاوے گا کیا.... لیکن زبان سے یہ بات تو ادب کی وجہ سے کہہ نہ سکا کہ یہ عذر کیا کہ آپ کو فضول تکلیف ہو گی افلاطون نے کہا کہ نہیں مجھے کچھ تکلیف نہیں ہو گی.... میرا جی چاہتا ہے.... جب اصرار دیکھا تو بادشاہ نے دعوت منظور کر لی.... اچھا آ جاؤں گا اور ایک آدھ ہمراہی بھی میرے ساتھ ہو گا افلاطون نے کہا کہ نہیں مع لشکر اور وزراء امراء سب کی دعوت ہے.... غرض ایک ساتھ دس ہزار کی دعوت کر دی اور لشکر معمولی نہیں خاص شاہی لشکر بادشاہ نے کہا خیر خبط تو ہے ہی یہ بھی سہی غرض تاریخ معین پر بادشاہ مع لشکر اور امراء کے افلاطون کے پاس جانے کے لئے شہر سے باہر نکلا تو کئی میل پہلے سے دیکھا کہ چاروں طرف استقبال کا سامان نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کیا گیا ہے ہر شخص کے لئے اس کے درجہ کے موافق الگ الگ کمرہ موجود ہے اور دو طرفہ باغ لگے ہوئے ہیں رات کا وقت تھا ہزاروں قندیل جگہ جگہ ناچ رنگ نہریں اور وہ ایک عجیب منظر پیش نظر تھا اب بادشاہ نہایت حیران تھا کہ یا اللہ یہاں تو کبھی کوئی ایسا شہر تھا

نہیں غرض ہر شخص کو مختلف کمروں میں اتارا گیا اور ہر جگہ نہایت اعلیٰ درجہ کا سامان فرش فروش.... جھاڑ فانوس.... افلاطون نے خود آ کر مدارت کی اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا....

ایک بہت بڑا مکان تھا اس میں سب کو جمع کر کے کھانا کھلایا گیا کھانے ایسے لذیذ کہ عمر بھر کبھی نصیب نہ ہوئے تھے بادشاہ کو بڑی حیرت کہ معلوم نہیں اس شخص نے اس قدر جلد یہ انتظامات کہاں سے کئے بظاہر اس کے پاس کچھ جمع پونجی بھی نہیں معلوم ہوتی یہاں تک کہ جب سب کھا پی چکے تو عیش وطرب کا سامان ہوا ہر شخص کو ایک الگ کمرہ سامان سے آراستہ پیراستہ .... اندر گئے تو دیکھا کہ تمیم لطف اور تکمیل عیش کے لئے ایک ایک حسین عورت بھی ہر جگہ موجود ہے غرض سارے سامان عیش وطرب کے موجود تھے خیر وہ لوگ کوئی متقی پرہیز گار تو تھے نہیں اہل خانقاہ تھوڑے ہی تھے بلکہ خواہ مخواہ کے آدمی تھے جیسے مشہور ہے.... الفربہ خواہ مخواہ مراد آدمی یہ رنگ مہمانی دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور رات بھر خوب عیش اڑائے کیونکہ ایسی رات انہیں پھر کہاں نصیب ہوتی یہاں تک کہ سو گئے....

جب صبح آنکھ کھلی تو دیکھتے کیا ہیں کہ نہ باغ ہے بلکہ نرا اراغ ہے.... نہ درخت ہیں بلکہ نرے کرخت ہیں یعنی بجائے درختوں کے دیکھا کہ پتھر کھڑے ہوئے ہیں اور ایک ایک پولا سب کی بغل میں ہے اور پاجامہ خراب ہے یہ عورتیں تھیں بڑے شرمندہ ہوئے کہ لاحول ولاقوۃ یہ کیا قصہ ہے بادشاہ کی بھی یہی حالت تھی افلاطون نے بادشاہ سے کہا کہ تم نے دیکھا یہ ساری دُنیا جس پر تمہیں اتنا ناز ہے ایک عالم خیال ہے اور حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں.... اس قدر قوی تصرف تھا افلاطون کے خیال کا کہ پس اس نے یہ خیال جما لیا کہ ان سب کے متخیلہ میں یہ ساری چیزیں موجود ہو جائیں بس سب کو وہی نظر آنے لگیں جب وہ لوگ سو گئے اس نے اس خیال کو ہٹا لیا پھر صبح اٹھ کر جو انہوں نے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا.... افلاطون مجاہدہ و ریاض کئے ہوئے تھا.... اس لئے یہ قوت اس کے خیال میں پیدا ہو گئی تھی یہ تصوف نہیں ہے تصرف ہے.... یہ اور چیز ہے وہ اور چیز ہے بس مزہ سب سرد ہو گیا افلاطون نے کہا کہ جیسے تمہیں ان چیزوں میں مزہ آتا ہے مجھے بالکل نہیں آتا کیونکہ مجھے ان کی حقیقت معلوم ہے تو واقعی جو کچھ نظر آیا وہ عالم خیال تھا مسمریزم میں بھی جو کچھ نظر آتا ہے وہ عالم خیال ہی ہوتا ہے اور یہ جو حاضرات واضرات ہے یہ بھی وہی ہے محض قوت خیالیہ کا اثر ہوتا ہے روح ووح کچھ نہیں ہوتی.... اسی واسطے بچوں پر یہ عمل چلتا ہے....

باب 4

اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ مادی وروحانی نعمتیں اور ان کا احساس بیدار کرنے کی ضرورت

خدائی نعمتیں اور انسان کی ناقدری

اگر دیکھا جائے تو ہمارا سارا وجود سر سے لے کر پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے عبارت ہے، ہمارا وجود، ہماری آنکھیں، ہمارے کان، ہماری ناک، ہمارا منہ، ہماری زبان، ہمارے ہاتھ پاؤں، ہمارے جسم کا ایک ایک حصہ، اللہ جل شانہ کی نعمت ہے اور ایسی نعمت ہے کہ پیدائش سے لیکر مرتے دم تک ہم ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور بے مانگے مفت اور بغیر کسی محنت کے یہ نعمتیں ہمیں عطا کی گئی ہیں۔

انسانی وجود نعمتوں کا خزانہ

اگر انسان ذرا دھیان کرے تو اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ آنکھ جو مجھے ملی ہوئی ہے جس کے ذریعہ میں جو چاہتا ہوں، دیکھ لیتا ہوں، بینائی کی طاقت مجھے حاصل ہے، اس آنکھ کے ذریعہ میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہوں، اس آنکھ کے ذریعہ میں بے شمار چیزوں کا علم حاصل کرتا ہوں، یہ کتنی بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہوئی ہے لیکن چونکہ یہ مفت میں مل گئی ہے، بے مانگے مل گئی ہے، اس کو حاصل کرنے کے لیے کوئی محنت نہیں کرنی پڑی، اس وجہ سے اس نعمت کی قدر نہیں ہوتی، اگر آنکھ میں ذرا سا بال پڑ جائے تو پھر دیکھو کہ بے چینی کا کیا عالم ہوتا ہے، اگر کسی وقت بینائی ایک لمحے کے لیے جاتی رہے تو پورے جسم میں زلزلہ آ جاتا ہے کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا اور اگر کوئی ایسی بیماری کھڑی ہو جائے جس کے نتیجے میں بینائی جاتی رہے تو اس وقت ساری زندگی کی کمائی ہوئی دولت خرچ کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا کہ یہ دولت لے لو اور میری بینائی مجھے واپس کر دو۔

یہ زبان ہے جس کے ذریعہ آپ جو بات کہنا چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں، ادھر دماغ میں کوئی بات آئی اور ادھر زبان سے نکل گئی، کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی، کوئی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑتا، یہ سرکاری مشین ہے جو پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد کام کرنا شروع کر دیتی ہے اور مرتے دم تک

ساتھ دیتی ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے، یہ کان ہیں جن کے ذریعہ آپ جو چاہتے ہیں سن لیتے ہیں اوراس کے ذریعہ آپ بے شمار چیزوں کا علم حاصل کرتے ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایسی مشین ہے جو پیدائش کے وقت سے لے کر مرتے دم تک ساتھ دیتی ہے، یہ کتنی بڑی اور عظیم نعمت ہے لیکن چونکہ بے مانگے مل گئی ہے اس لیے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں۔ قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب اس میں ذرا نقص آ جائے۔ (خدا نہ کرے)

ہر کام سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا

یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی چند چھوٹی چھوٹی مثالیں ہیں، ورنہ ہر وقت ہر انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اگر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو گے، شمار نہیں کر سکتے۔ اس کی ایک واضح دلیل شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "گلستان" کے شروع میں لکھی ہے، ہر کتاب کے لکھنے کا قاعدہ یہ ہوتا ہے اور یہ مسنون بھی ہے کہ جب بھی آدمی کوئی بات کہنا شروع کرے یا کوئی تحریر یا کوئی کتاب لکھے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے، قرآن کریم کی ابتدا بھی ان الفاظ سے ہو رہی ہے: "الحمدللّٰہ رب العلمین"

ہم جو تقریر کرتے ہیں یا خطاب کرتے ہیں، اس میں سب سے پہلے خطبہ پڑھتے ہیں، وہ خطبہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد و ثناء پر مشتمل ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "گلستان" کو اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر کے عجیب و غریب الفاظ سے شروع کیا کہ: اس خدائے عزوجل کا احسان مند اور شکر گزار ہوں جس کی اطاعت موجب قرب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی اس کی نزدیکی کا باعث ہے اور شکر ادا کرنے میں نعمت کی زیادتی ہے جو سانس کہ اندر جاتا ہے، وہ زندگی کو بڑھانے والا ہے اور جو سانس باہر آتا ہے وہ سانس روح کو فرحت بخشنے والا ہے، پس ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں اور اس کی ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔

مطلب ان کے کہنے کا یہ ہے کہ اے اللہ! میں آپ کا شکر تو ادا کر رہا ہوں، لیکن میں کیسے یہ شکر ادا کر سکتا ہوں، اس لیے کہ اگر میں صرف اپنے جسم میں آنے جانے والے سانس پر غور کروں تو میں صرف اس سانس کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں، کیوں؟ اس لیے کہ انسان

جب سانس لیتا ہے تو ایک مرتبہ سانس اندر جاتا ہے اور ایک مرتبہ باہر آتا ہے، سانس کا اندر جانا ایک نعمت ہے اور سانس کا باہر آنا دوسری نعمت ہے، اس لیے کہ اگر سانس اندر ہی نہ جائے تو موت اور اگر سانس اندر جا کر باہر نہ آئے تو موت، یہ تو اللہ تعالیٰ نے زندگی اس طرح قائم کی ہوئی ہے کہ سانس اندر بھی جاتا ہے اور باہر بھی آتا ہے۔ لہٰذا ہر سانس دو نعمتوں پر مشتمل ہے اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔ لہٰذا اگر بندہ یہ چاہے کہ وہ صرف سانس کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے تو جتنی دیر میں وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اتنی دیر میں دوسرا سانس آ جائے گا اور اس دوسرے سانس پر پھر دو شکر واجب ہوں گے تو ساری زندگی انسان صرف سانس کی نعمت کا شکر ہی ادا کرتا رہے، کوئی اور کام نہ کرے تو صرف ایک سانس کی نعمت کا شکر بھی انسان ادا نہیں کر سکتا۔

لیکن اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! میں نے تجھے اتنی نعمتوں سے نہال کیا ہوا ہے، تیرا جسم ایک نعمت ہے، تیری صحت ایک نعمت ہے، تیرا کھانا ایک نعمت ہے، تیرا پینا ایک نعمت ہے، تیرا روزگار حاصل کرنا ایک نعمت ہے،

تیرا گھر ایک نعمت ہے، تیرا بستر ایک نعمت ہے، تیری چارپائی ایک نعمت ہے، غرض نعمتوں کا ایک جہاں ہے جس میں تو زندگی گزار رہا ہے، ہم تجھ سے یہ نہیں چاہتے کہ تو ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرے، اس لیے کہ یہ تو تجھ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن کم از کم یہ دھیان تو کر لیا کر کہ ساری نعمتیں کسی دینے والے کی عطا ہیں، اس دینے والے کا کبھی دل میں خیال لے آ اور اس بات کا اقرار کر لے کہ اے اللہ! میں ساری نعمتوں کا تو شکر ادا نہیں کر سکتا، لیکن جتنی بھی نعمتیں ہیں، ان کا اقرار کرتا ہوں کہ آپ ہی نے مجھے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ بہر حال دن بھر میں کچھ وقت تو ایسا ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا ہو جائے۔

قرآن کریم میں فرمایا "ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ" یعنی آج تو تم غفلت میں زندگی گزار رہے ہو، صبح سے شام ہو جاتی ہے اور شام سے صبح ہو جاتی ہے، ہماری دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہو اور ان نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو، تمہیں ان نعمتوں کے ہونے کا خیال اور دھیان بھی نہیں آتا، لیکن ایک وقت ایسا آئے گا جب تم سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کیا کیا نعمتیں ہم نے تم کو دی تھیں اور ان نعمتوں کا تم نے کیا حق ادا کیا اور کیا شکر ادا کیا۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان قیامت کے روز اللہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے تمہیں فلاں فلاں نعمتیں دی تھیں، تم نے ان کو کس طرح استعمال کیا؟ تم نے اس نعمت کو ضائع تو نہیں کیا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا انعام تھا، اس کا دیا ہوا رزق تھا، تم نے اس کو ضائع تو نہیں کیا، اگر ضائع کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس نعمت کی ناشکری کی ہے، ناقدری کی اور اللہ کی نعمت کا حق ادا نہیں کیا۔

ذرا ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے طرزِ عمل کو دیکھیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے روز ہمیں کھانا عطا فرماتے ہیں، بھوک لگتی ہے، کھانا مل جاتا ہے، آج کوئی غریب سے غریب آدمی بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کو کسی نہ کسی شکل میں کھانا نہ مل جاتا ہو، الحمد للہ! کوئی شاذ و نادر ہی ایسا شخص ہوگا جو فاقے جھیل رہا ہو، کھانا کسی نہ کسی صورت میں ہر ایک کو مل جاتا ہے، غریب کو بھی، امیر کو بھی، دولت مند کو بھی، خوشحال لوگوں کو بھی، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ تم واقعتہً اس کھانے کی نعمت کو صحیح طور پر استعمال کر رہے ہو؟

اس نعمت کو ضائع تو نہیں کر رہے۔ خاص طور پر جو لوگ ذرا خوشحال ہیں، ان کے ہاں یہ طرزِ عمل ہے کہ کھانا ان کے سامنے آیا، اپنی مرضی سے جتنا کھانا تھا کھالیا، باقی بچے ہوئے کھانے کو ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں، اس طرح پھینک دیتے ہیں کہ ہم اس کھانے سے مستغنی اور بے نیاز ہیں، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کا ہر ہر حصہ ایک نعمت ہے، اس کو ٹھکراؤ نہیں، اس کو ضائع مت کرو، کسی نہ کسی اللہ کی مخلوق کے کام آجائے، اگر وہ کھانا تم سے بچ گیا ہے تو کسی دوسرے آدمی کو دے دو، کسی غریب کے گھر پہنچا دو، اوّل تو کھانا اس طرح کھاؤ کہ جو کھانا بچ جائے وہ اس طرح نہ بچے کہ دوسروں کے لیے قابلِ نفرت ہو، پلیٹ میں تھوڑا کھانا نکالو اور اس کو کھالو، مزید ضرورت ہو تو اور لے لو لیکن یہ نہ ہو کہ پلیٹ تو پوری بھر لی، اور اس میں سے آدھا کھالیا اور باقی آدھا اس طرح بیکار گیا کہ وہ کسی کے کھانے کے قابل نہ رہا۔

آج ہم اپنی دعوتوں کا حال دیکھیں، شادی، بیاہ اور دوسری تقریبات میں جو دعوتیں ہوتی ہیں ان کے اندر ذرا دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے، خاص طور پر جو بوفے سسٹم میں کھانا لگا دیا جاتا ہے اور لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ آپ اپنی مرضی سے حسبِ خواہش کھانا نکال لیں تو ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں کسی طرح اپنی پلیٹ بھر لوں، چاہے کھایا جائے یا نہ کھایا جائے، پتہ نہیں بعد میں ملے گا یا

نہیں ملے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھری ہوئی پلیٹ آدھی یا تہائی کھائی اور باقی ضائع ہوگیا۔

ہماری دعوتوں میں جو کھانا بچ جاتا ہے اگر حساب لگایا جائے تو کم وبیش بیسیوں آدمیوں کا پیٹ بھرنے کے لیے وہ کافی ہے اور جو دعوتیں لمبی چوڑی ہوتی ہیں، ان میں تو بچے ہوئے کھانے سے سینکڑوں آدمیوں کا پیٹ بھر جائے، ہم اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اس طرح ضائع کررہے ہیں، اس لیے کہ وہ بچا ہوا کھانا اب کوڑے میں پھینک دیا جائے گا۔

دن رات یہ صورت ہو رہی ہے اور ہمیں دھیان بھی نہیں آتا کہ ہم اللہ کی نعمت کی کیسی ناقدری اور ناشکری کررہے ہیں، ہوٹلوں میں تو سیروں اور منوں کے حساب سے کھانا بچتا ہے اور کوڑے کی نذر ہو جاتا ہے، اگر وہ کسی ضرورت مند بندے کو پہنچ جاتا تو اس کی بھوک مٹ جاتی، اس کے کام آجاتا، لیکن اللہ کی نعمت کو اس طرح ضائع کیا جارہا ہے۔

رزق کے قدردان

ایک صاحب علم اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ایک بزرگ کے ہاں کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد دستر خوان پر ہڈیاں، روٹی کے ذرّات، روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رہ گئے، میں نے چاہا کہ دستر خوان اُٹھا کر باہر جھاڑ دوں۔ جب میں دستر خوان اُٹھانے لگا تو میزبان بزرگ نے پوچھا کہ کیا کرنے جارہے ہو؟

میں نے کہا کہ حضرت! دستر خوان جھاڑنے جارہا ہوں، بزرگ نے فرمایا کہ کیا تمہیں دستر خواں جھاڑنا آتا ہے؟ میں نے کہا یہ کیا دستر خوان جھاڑنا بھی کوئی فن ہے؟

جس کو سیکھا جائے، اس پر انہوں نے فرمایا: ہاں! یہ بھی ایک فن ہے اسی لیے میں نے تم سے پوچھا، میں نے کہا کہ حضرت! پھر مجھے یہ فن سکھا دیجئے، فرمایا کہ چلو میں تمہیں یہ فن سکھاتا ہوں۔

چنانچہ آپ میزبان بزرگ نے پہلے دستر خوان کے اوپر وہ ہڈیاں علیحدہ کیں جو صرف ہڈیاں تھیں، ان میں کوئی گوشت نہیں تھا، ان ہڈیوں کو ایک طرف جمع کیا، کچھ ہڈیاں ایسی تھی جن پر کچھ گوشت بھی لگا ہوا تھا، ان کو ایک طرف علیحدہ جمع کیا، پھر روٹی کے جو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے ان کو ایک طرف جمع کیا، پھر جو روٹی کے ذرّات اور برادہ تھا، اس کو ایک طرف جمع کیا۔

پھر فرمایا کہ میں نے ان میں سے ہر چیز کی الگ الگ جگہ مقرر کی ہوئی ہے، یہ ہڈیاں میں

فلاں جگہ پر رکھتا ہوں، وہاں کتا آتا ہے اور ان ہڈیوں کو کھالیتا ہے، اور یہ جو دوسری ہڈیاں ہیں جس پر گوشت کا کچھ حصہ بھی لگا ہوا ہے، ان کی جگہ فلاں ہے وہاں پر بلی آتی ہے وہ ان کو کھالیتی ہے اور یہ روٹی کے ٹکڑے اس دیوار کے اوپر رکھ دیتا ہوں، وہاں کوے اور چیلیں آتی ہیں، وہ ان ٹکڑوں کو اُٹھا کر لے جاتے ہیں اور یہ روٹی کے ذرّات اور برادہ فلاں جگہ ڈال دیتا ہوں، وہاں چیونٹیوں کا بل ہے وہ چیونٹیاں کھالیتی ہیں۔ یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے، اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہیے، اللہ کی کسی نہ کسی مخلوق کے کام میں آنا چاہیے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ان میزبان بزرگ میں الحمدللہ اس بات کا احساس تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے، یہ رزق بیکار نہیں جانا چاہیے بلکہ اس کا ایک ایک ذرّہ اللہ کی کسی نہ کسی مخلوق کے کام آنا چاہیے۔

آج اگر اس اُصول پر عمل کرلیں کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوگا تو شاید اس ملک میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے اور فقر و فاقہ کا سدباب ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی وجہ سے ہم نے اپنے اوپر یہ عذاب مسلط کیا ہوا ہے کہ کسی کے گھر میں تو رزق کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور کوئی کھانے کو ترس رہا ہے، قرآن کریم ہمیں زندگی کے سفر میں یہ احساس دلاتا ہے کہ ہم نے ان نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا؟ کسی نعمت کی ناقدری تو نہیں کی، اس کو بیکار ضائع تو نہیں کردیا: اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے کسی رزق کو ضائع نہیں ہونے دیں گے اور اس کو کسی نہ کسی صحیح مصرف پر لگائیں گے جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو اور ہم رزق کی ناقدری میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

زندگی کے سفر میں قدم قدم پر نعمتوں کا احساس

جب قیامت کا دن آئے گا اور آخرت کا عالم شروع ہوگا تو اس دن ہر انسان سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ جو جو نعمتیں دُنیا میں عطا کی گئی تھیں تم نے ان کی کیا قدر کی؟ اور ان کو تم نے کس طرح استعمال کیا؟ یہ سوال قیامت کے دن ہر انسان سے ہوگا۔

کہنے کو تو یہ بات مختصر سی ہے کہ نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا لیکن اگر اس کی گہرائی میں جائیں تو بڑی زبردست تنبیہ ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی زندگی میں فرمارہے ہیں کہ جو نعمتیں ہم نے تمہیں دُنیا میں عطا فرما رکھی ہیں، ان کو استعمال کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھو کہ ایک دن آئے گا جب تم سے ان سب نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، یہ امتحان ہے جو تم سے قیامت کے دن لیا جائے گا اور اس امتحان کے اندر اگر تم نے صحیح جواب دیا اور صحیح حقیقت بتادی تو تم کامیاب ہو جاؤ گے ورنہ تمہارے لیے زبردست ناکامی ہوگی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ فرمائی جارہی ہے۔ اگر غور کریں تو یہ زبردست لمحہ فکریہ ہے کیونکہ ہر انسان ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے، سر سے لے کر پاؤں تک، اس کے ماحول میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ایک جہان ہے جس میں وہ جی رہا ہے، ان سب کے بارے میں اس کو جواب دینا ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا؟ اور اس کی کیا قدر کی؟

سب سے پہلا سوال یہ ہوگا کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی اس کو تم نے ضائع تو نہیں کیا؟ اس نعمت کا صحیح استعمال کیا یا نہیں؟ اگر تم نے اس نعمت کو ضائع کر دیا تو تم نے اس نعمت کی ناشکری کی اور اس کی ناقدری کی، اس واسطے تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ اگر کھانا کھاتے وقت کھانے کی چیز یا نوالہ تمہارے ہاتھ سے گر جائے تو تم اس کو ضائع نہ کرو بلکہ اگر اس کو صاف کر کے کھانا ممکن ہو تو صاف کر کے اس کو کھالو، یہ درحقیقت اس نعمت کی قدر کرنے کا ایک طریقہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، ہاں

اگر وہ چیز اس طرح گر گئی ہے کہ اب اس چیز کو کھانا ممکن نہیں تو پھر معاف ہے ورنہ جب تک کھانے کے قابل ہو تو اس کو ضائع مت کرو۔ ہم چونکہ دینی تعلیمات سے دور ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے اس بات کو ہم عیب سمجھتے ہیں کہ دستر خوان پر گرنے والی چیز کو اُٹھا کر کھالیں جبکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اس کو صاف کرو اور کھالو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک واقعہ منقول ہے کہ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایران تشریف لے گئے، اس وقت ایران میں کسریٰ کی حکومت تھی، کسریٰ بڑا ظالم اور جابر قسم کا بادشاہ تھا اور اس زمانے میں سپر پاور سمجھا جاتا تھا، جب کسریٰ کے ساتھ مذاکرات کا وقت آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس نے دعوت دی کہ ہم سے آکر بات کریں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذاکرات کے لیے تشریف لے گئے، جب مذاکرات کے لیے اس کے دربار میں گئے تو جیسا کہ شاہی مہمانوں کے ساتھ سلوک ہونا چاہیے، اس طرح اس کے دربار میں ایک دستر خوان بچھا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں پیش کیں، اتفاق سے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی چیز کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے وہ نوالہ دستر خوان پر گر گیا، انہیں یاد آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تلقین فرمائی ہے کہ اگر اللہ کے رزق کا کوئی حصہ زمین پر گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو بلکہ اس کو صاف کر کے کھالو۔ چنانچہ اسی سنت پر عمل کرنے کے لیے انہوں نے اس نوالے کو اُٹھانے کے لیے نیچے ہاتھ بڑھایا جو ساتھی برابر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

انہوں نے اشارہ کر کے منع کیا، ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ نوالہ اُٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، اس لیے کہ بادشاہ کے ساتھ مذاکرات ہو رہے ہیں بادشاہ کی مجلس میں، اگر یہاں نیچے سے نوالہ اُٹھا کر کھائیں گے تو یہ لوگ سمجھیں گے یہ ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، ذرا سی چیز نیچے گر گئی ہے تو اس کو اُٹھا کر کھانے کی فکر میں ہیں، ان کے ذہن میں اسی عمل کی وجہ سے برا تاثر قائم ہوگا اور یہ کوئی اچھا محسوس نہیں کریں گے۔

ساتھی کے اشارہ کر کے منع کرنے کے جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا

کیا میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے چھوڑ دوں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میرے سامنے ہے، اس پر میں عمل کر رہا ہوں، اس کی وجہ سے یہ

مجھے اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، چاہے اس کا یہ اچھا تاثر لیں، یا برا تاثر لیں، میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیم، اور آپ کی دی ہوئی تربیت کے خلاف نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ نوالہ اُٹھایا، صاف کیا اور کھالیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی تعلیمات کی عظمت اور محبت دل میں پیوست ہو جاتی ہے تو پھر وہ انسان ساری دُنیا سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

آج ہم اس فکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ سنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں فلاں ناراض نہ ہو جائے، فلاں ناراض نہ ہو جائے، وہ ہمیں حقیر نہ سمجھے، وہ ہمیں برا نہ سمجھے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ساری دُنیا ہم پر ہنس رہی ہے اور ساری دُنیا کے آگے ہم ذلیل و خوار ہیں۔

بہر حال! یہ بات کہ اگر لقمہ نیچے گر جائے تو اس کو صاف کر کے کھالو، لیکن ہم لوگ نہ جانے کن کن تصورات کے اندر مبتلا ہیں جس کی وجہ سے اس کو چھوڑے ہوئے ہیں، اصل مقصد اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چھوٹی چھوٹی نعمت کی قدر پہچانو اور اس کو ضائع نہ ہونے دو، آج ہمارے معاشرے میں جو مصیبت آئی ہوئی ہے، اس کی ایک بہت بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری ہے، آج پورا ملک بجلی کی کمی لوڈ شیڈنگ کے نتیجے میں بلبلا رہا ہے، مظاہرے ہو رہے ہیں، احتجاج ہو رہا ہے، لیکن اس میں بہت بڑا دخل اس بات کو ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری اس طرح کی جارہی ہے کہ بلاوجہ بجلی خرچ کی جارہی ہے جس کا کوئی مقصد نہیں، بہت سے کام ہم دن کی روشنی میں آرام سے کر سکتے ہیں لیکن پردے ڈال کر دن کی روشنی ختم کر کے بجلی جلائی جارہی ہے جس کے نتیجے میں بجلی خرچ ہو رہی ہے، قومی دولت کا ضیاع ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ ہر جگہ نظر دوڑا کر دیکھئے تقریباً ہر دفتر میں اور ہر گھر میں یہ منظر نظر آئے گا کہ بجلی کے قمقمے بلاوجہ جل رہے ہیں، ان کو بند کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا لیکن جل رہے ہیں، بلاوجہ پنکھے چل رہے ہیں، اے سی بلاوجہ چل رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری ہے جس کے نتیجے میں پوری قوم اس کا نقصان بھگت رہی ہے، ایک طرف تو بجلی کی کمی کا رونا رویا جارہا ہے اور دوسری طرف کھیل اور میچ رات کے وقت منعقد کیے جارہے ہیں جس میں سرچ لائٹس لگا کر روشنی کا اعلیٰ ترین انتظام کر کے کھیل ہوتا ہے، جس میں بے انتہا بجلی کا خرچ ہو رہا ہے حالانکہ وہ کھیل دن میں بھی ہو سکتا ہے، تقریبات میں بجلی کا ضیاع ہو رہا ہے، شادی ہالوں میں بجلی کا ضیاع ہو رہا ہے، غرض ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری کی تو اللہ تعالیٰ

نے ہم سے یہ نعمت چھین لی، اس کے نتیجے میں پوری قوم بلبلا رہی ہے۔

ایک جہاں دیدہ شخصیت اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ میرا چین جانا ہوا، وہاں کے سب سے بڑے شہر "بیجنگ" میں جب میں اُترا اور ایئر پورٹ سے ہوٹل کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کہیں ویرانے میں جا رہا ہوں کیونکہ رات کا وقت تھا، روشنی بہت کم تھی، کہیں کہیں راستے میں چھوٹے چھوٹے بلب لگے ہوئے تھے، میں یہ سمجھا کہ شاید یہ شہر کے باہر کا علاقہ ہے لیکن سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بالکل شہر کا مرکز ہے اور وسط ہے، میں نے ڈرائیور سے سوال کیا کہ شہر کا مرکزی علاقہ ہے لیکن روشنی کا معقول انتظام نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے بلب لگے ہوئے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہیں روشنی والا سائن بورڈ نظر نہیں آیا جو روشنی کی وجہ سے چمک رہا ہو، تو اس نے بتایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بجلی کم ہے، لہٰذا ہم اسی حساب سے اس کو استعمال کرتے ہیں اور اسی لیے چھوٹے چھوٹے بلب لگائے ہوئے ہیں، جب بجلی کی پیداوار زیادہ ہو جائے گی تو بڑے بلب لگالیں گے۔

یہ وہ تعلیم ہے جو ہمیں دینِ اسلام نے عطا فرمائی، وہ یہ کہ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ، اپنی وسعت کی حد تک کام کرو، اس سے آگے نہ بڑھو، آج ہم میں سے ہر شخص کی زبان پر بجلی کی قلت کا شکوہ ہے، ہر شخص بجلی کی قلت سے پریشان ہے لیکن جب وہ استعمال کرنے پر آتا ہے تو اس وقت یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ قومی دولت ہم اس طرح ضائع کر رہے ہیں، نہ جانے کتنے لوگ ہسپتالوں میں بیمار ہیں اور ان کے آپریشن صرف اس وجہ سے رُکے ہوئے ہیں کہ بجلی نہیں ہے، آج اگر ہم پوری قوم بجلی کو استعمال کرتے وقت اس بات کا لحاظ کرلیں کہ بجلی بلاوجہ ضائع نہ ہو تو نہ جانے اس کی وجہ سے بجلی کی اتنی مقدار بچ جائے کہ کسی مریض کا آپریشن ہو سکے، کسی کی جان بچ جائے، کسی کو فائدہ پہنچ جائے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں، اس کے نتیجے میں ہم یہ عذاب بھگت رہے ہیں۔

آیئے زندگی کے اس سفر میں ہم یہ عہد کریں کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں میسر ہیں، ان کی صحیح قدر پہچانیں گے اور ان کو ضائع ہونے سے بچائیں گے اور ان نعمتوں کو صحیح استعمال کریں گے اور ضرورت سے زائد نعمت کو دوسروں کے لیے چھوڑ دیں گے۔ اگر اس کا اہتمام کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ قیامت کے روز ہم سے ان نعمتوں کے بارے میں جو سوال ہونے والا ہے، ان شاء اللہ اس سوال کے جواب میں ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

اللہ کی نعمتوں کی قدر پہچانو

دین میں نعمتوں کی قدر کرنے کا اہتمام

حدیث شریف میں ''اسراف'' سے منع کیا گیا ہے۔ ''اسراف'' کے معنی ہیں ''فضول خرچی'' اس لیے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور اس نعمت کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو اس سے خود فائدہ اُٹھاؤ، یا اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ، اس نعمت کو بیکار ضائع مت کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ وضو کرتے وقت پانی بقدر ضرورت استعمال کرو، یہ نہ ہو کہ پانی بے دریغ بہہ رہا ہو اور وضو کے لیے جتنے پانی کی ضرورت تھی، آپ نے اس سے زیادہ پانی بہا کر ضائع کر دیا۔

یہاں تک کہ حدیث شریف میں ہے کہ وضو میں فضول خرچی سے بچو اور زیادہ پانی استعمال کرنے سے بچو، چاہے تم کسی دریا کے کنارے وضو کر رہے ہو۔ یعنی دریا کے کنارے وضو کرنے کی صورت میں اگرچہ پانی کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، اس لیے کہ بڑی مقدار میں پانی موجود ہے لیکن اس کے باوجود فرمایا گیا کہ اس موقع پر بھی اسراف سے بچو اور اتنا ہی پانی استعمال کرو جتنے پانی کی واقعی ضرورت ہو، اس سے زیادہ پانی خرچ مت کرو۔ ایسا کیوں کرو؟ اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وافر مقدار میں پانی موجود ہے اور اگر کثرت سے استعمال کرو گے تو پانی میں کمی واقع نہیں ہوگی لیکن اگر تم نے ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کرنا گناہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک مرتبہ دریا کے کنارے وضو کرتے ہوئے بے تحاشا پانی استعمال کرے گا تو اس کو فضول خرچی کی عادت پڑ جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہاں پانی کم ہوگا وہاں پر بھی بے تحاشا پانی استعمال کرے گا، اس لیے عادت درست کرانا مقصود ہے کہ جب دریا کے کنارے وضو کرو تب بھی اسراف مت کرو۔ زندگی کے سفر میں ہر نعمت استعمال کرتے وقت بھی

اُصول سامنے ہونا چاہیے کہ جو بھی نعمت ہو، اس کو فضول ضائع مت کرو۔

کہ اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں کہ جب وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اس میں فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسا بھی نہ ہو کہ آدمی کنجوس ہو جائے۔

اس کے بیوی بچوں کو ضرورت ہے لیکن پیسے بچانے کی خاطر ان کی ضرورت پوری نہیں کر رہا ہے، یہ کنجوسی اور بخل ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ دوسرے یہ کہ "اسراف" کرنا یعنی ایسی جگہ خرچ کر رہا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں، نہ دُنیا میں اس کا کوئی فائدہ ہے، نہ آخرت میں اس کا کوئی فائدہ ہے، ایسی جگہ پر خرچ کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

ایک صاحب علم بزرگ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے تم فائدہ اُٹھاتے ہو، ان کی تھوڑی مقدار کی بھی قدر کرو، یہ نہ ہو کہ اگر زیادہ مقدار میں ہے تو قدر کر لی اور تھوڑی مقدار کی صورت میں قدر نہیں کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، اس کے ہر ہر جز کی قدر کرنی چاہیے۔

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کھانا سامنے آتا اور ابھی کھانا شروع نہیں کیا، اس وقت یہ دُعا پڑھتے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ بِمَا رَزَقْتَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ"

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے یہ رزق عطا فرمایا، اس کے حاصل کرنے میں میری طاقت اور قوت کو کوئی دخل نہیں، آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے رزق عطا فرمایا ہے تو پہلے ہی قدم پر اعتراف کر لیا۔ جب کھانا شروع کرتے تو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھتے یا "بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ" پڑھتے۔

یعنی میں اللہ کے نام پر کھانا کھا رہا ہوں اور جب کھانا ختم فرماتے تو یہ دُعا پڑھتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ"

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں کھانا کھلایا، ہمیں پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور جب دستر خوان اُٹھایا جاتا اور باقی بچا ہوا کھانا واپس جا رہا ہوتا تو اس وقت آپ یہ دُعا پڑھتے: "غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ يَا رَبَّنَا"

یہ عجیب و غریب الفاظ تلقین فرمائے۔ دیکھئے انسان کی نفسیات یہ ہے کہ جس وقت وہ کھانا

شروع کر رہا ہوتا ہے اور بھوک لگی ہوتی ہے تو اس وقت کھانے کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ بڑے رغبت اور اشتیاق سے کھانے کی طرف لپکتا ہے اور کھانا شروع کر دیتا ہے لیکن جب کھانا کھا چکا اور پیٹ بھر گیا، تو وہی کھانا جس کی طرف بڑے اشتیاق کے ساتھ لپک کر گیا تھا جس کی طرف بڑی رغبت کا اظہار کیا تھا، اب پیٹ بھرنے کے بعد اس کھانے سے نفرت معلوم ہونے لگتی ہے اور اس سے کہا جائے کہ ایک نوالہ اور کھالو تو وہ منع کر دیتا ہے اور اس طرح کھانے سے انکار کرتا ہے جیسے وہ کوئی قابل نفرت چیز ہے اور کھانے سے اور اللہ کے رزق سے نفرت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے، اس لیے اس وقت کے لیے آپ نے یہ دُعا تلقین فرمائی کہ "غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ يَا رَبَّنَا" اے اللہ! یہ کھانا ہم واپس تو کر رہے ہیں لیکن اس وجہ سے نہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ضرورت تو ہے اور آئندہ بھی ضرورت رہے گی اور نہ اس لیے واپس کر رہے ہیں کہ ہمیشہ کے لیے اس کو واپس کر رہے ہیں۔

بلکہ جب دوبارہ ہم کو بھوک لگے گی تو دوبارہ اس کی حاجت اور ضرورت ہوگی اور نہ ہم اس سے بے نیاز ہو کر واپس کر رہے ہیں، ہماری اپنی کمزوری ہے کہ جتنا کھانا تھا، اس کے کھانے کے بعد مزید کھانے کی گنجائش نہیں رہی، اس واسطے ہم اس کو واپس کر رہے ہیں۔

اسلام کی مبارک تعلیمات اور ان مسنون دعاؤں کے ذریعے زندگی کے سفر میں ہمیں قدم قدم پر نعمتوں کی قدر کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ جب ہم معمولی معمولی نعمتوں کی قدر کریں گے تو خود زندگی جو بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے قیمتی لمحات کو بھی ناقدری سے بچائیں گے اور زندگی کے سفر میں احساس نعمت کو اجاگر رکھیں گے۔

بہر حال! ہر شخص کو اس دُنیا سے جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے، ہر شخص کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ پہلے سے باخبر کر رہے ہیں کہ تم سے قیامت کے روز ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا جو نعمتیں ہم نے تمہیں دی تھیں، پہلا سوال یہ ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کی کیا قدر کی؟ اس نعمت کو ضائع تو نہیں کر دیا؟ اس نعمت کو بیکار تو نہیں ڈال دیا؟ آج ہم سب اپنی زندگی میں اس سوال کی تیاری کر لیں اور اب تک ہم سے اس بارے میں جو غفلت ہوئی ہے تو آج یہ طے کر لیں کہ ان شاء اللہ آئندہ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کی ناقدری نہیں کریں گے اور ناشکری نہیں کریں گے اور اللہ کی ہر نعمت کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔

نعمتوں کی قدر دانی کا نفسیاتی طریقہ

زندگی کے سفر میں ہمارے سب سے بڑے رہنما اور مہربان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ان لوگوں کو دیکھو جو تم سے نعمتوں میں کم ہیں اور ان کو نہ دیکھو جو تم سے نعمتوں میں زیادہ ہیں، یہ زیادہ مناسب بات ہے کہ تم اللہ کی نعمتوں کی ناقدری نہ کرو گے۔

حدیث کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو مختلف انداز میں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ نعمتیں دی ہیں۔ اگر کسی کو چاہیے کہ وہ سکھ اور چین کی زندگی گزارے تو اس کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو دیکھے جو مال اور نعمتوں میں اس سے کم درجہ کے ہیں اور ان لوگوں کو نہ دیکھے جو مال و دولت اور دیگر نعمتوں میں اس سے زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ نیچے دیکھنے سے اپنے اوپر کی نعمتوں کا احساس پیدا ہوگا اور ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق ملے گی، اگر اوپر والوں کو دیکھے گا تو اللہ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری ہوگی کہ مجھے تو اتنا نہیں ملا جو فلاں کو ملا ہے تو اس طرح جو کچھ ملا ہے اس پر بھی شکر نعمت نہ کرے گا اور اگر نیچے والوں کو دیکھے گا تو کہے گا ماشاء اللہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ دیا ہے تو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتوں کا شکر گزار رہے گا اور ناشکری نہیں کرے گا۔

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دُنیاوی جتنی نعمتیں ہیں ان کی محبت دل میں نہ ہو، نعمتیں بہت ہیں لیکن آج کل جس نعمت کو زیادہ بڑی نعمت سمجھا جاتا ہے وہ مال ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دل میں مال کی محبت نہ ہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ مال نہ ہو، ایک یہ کہ مال نہ ہو اور ایک یہ کہ مال کی محبت نہ ہو تو حدیث کا منشا یہ ہے کہ مال تو ہو لیکن مال کی محبت نہ ہو اس لیے کہ مال کا ہونا تو ضروری ہے انسان کو تن ڈھانپنے کے لیے کپڑوں کی ضرورت ہے، بھوک پیاس مٹانے کے لیے کھانے پینے کی اور سر چھپانے کے لیے مکان کی ضرورت ہے۔ اس طرح دیگر کئی ضروریات ہیں جو مال کے ذریعے پوری ہو سکتی ہیں تو مقصد یہ ہے کہ مال تو ہو جو ضرورتیں پوری کر سکے لیکن اس کی محبت دل میں نہ ہو۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ مال تو ہو اور اس کو حاصل بھی کیا جائے لیکن قناعت کے ساتھ ہو حرص کے ساتھ نہ ہو۔ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے کہ انسان میں جو اللہ تعالیٰ نے

حرص کا مادہ رکھا ہے وہ ایسا ہے کہ اگر ابن آدم کو سونے کی ایک وادی مل جائے تو وہ چاہتا ہے کہ ایک اور مل جائے۔ اگر دو مل جائیں تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا یعنی کسی مقام پر قناعت نہیں کرتا بلکہ جتنا مال بڑھتا جائے اس کی حرص بھی بڑھتی جائے گی تو آپ نے فرمایا کہ آدمی کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھرے گی کہ کھلی آنکھوں اس کی حرص بڑھتی رہتی ہے، اس لیے قناعت ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو ایک حد پر لے جا کر روکتی ہے اور قناعت نہ ہو تو انسان کسی حد پر رُکے گا نہیں بلکہ اس کی حرص اس کو بڑھاتی چلی جائے گی۔

عرب کے ایک مشہور شاعر نے دُنیا کی حقیقت کے بارے میں بڑی حکیمانہ بات کہی ہے کہ دُنیا سے کسی نے اپنی حاجت پوری نہیں کی اور آدمی کی کوئی حاجت پوری نہیں ہوتی کہ دوسری حاجت سامنے آجاتی ہے تو سلسلہ چلتا جاتا ہے اور انسان کی تمنائیں پوری نہیں ہوتیں اور ادھوری آرزوؤں کے ساتھ انسان دُنیا سے چلا جاتا ہے۔ اس لیے کہ انسانی خواہشات کی کوئی حد نہیں، اگر انسان ان خواہشات کے پیچھے لگا رہے تو کبھی پوری نہ ہوں گی تو ہمیشہ بے چین رہے گا کہ افسوس فلاں فلاں خواہش پوری نہیں ہوئی لیکن اگر انسان قناعت اور صبر کرلے گا اور زیادہ کی حرص نہ کرے اور بغیر حرص کے اگر زیادہ نعمتیں مل جائیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور اگر زیادہ نہ ملیں تو موجودہ نعمتوں پر قناعت وشکر کرے تو یہ راحت وسکون کے ساتھ رہے گا ورنہ صورت حال یہ ہے کہ خواہشات وتمنائیں بڑھتی رہتی ہیں تو اگر انسان اپنے سے اوپر والے کو دیکھے گا تو افسوس کرے گا کہ میں وہاں تک نہیں پہنچ سکا اور جب وہاں تک پہنچے گا تو دوسرا نظر آئے گا تو افسوس وحسرت اور حرص پیدا ہوگی کہ افسوس میں تو وہاں تک نہیں پہنچ سکا۔

حرص کے بعد دل میں حسد پیدا ہوگا کہ اس کے پاس یہ چیز کیوں ہے؟ نہیں ہونی چاہیے۔ جب میں نہیں پہنچ سکا تو یہ کیسے پہنچ گیا؟ اور جب حسد بڑھتا ہے تو دشمنی پیدا ہوتی ہے اور پھر انسانی حقوق کی پامالی ہوتی ہے تو گویا مذکورہ حدیث میں راحت کا فطری اور نفسیاتی نسخہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم اطمینان وراحت کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو اوپر کی جگہ نیچے والے کو دیکھو، پھر تم ناقدری نہ کرو گے بلکہ شکر کرو گے اور پھر دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہارے دل میں حرص وحسد پیدا نہ ہوگی جو بالآخر عداوت ودشمنی پر ختم ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب جوانی اور عیش وعشرت کا زمانہ تھا تو اس وقت میرا میل جول بڑے طبقہ کے ساتھ تھا اہم دعوتیں ہوتیں تو دوسروں کو یعنی اوپر والوں کو دیکھ کر مجھے حسرت ہوتی اور ان کی طرح کے مکان وغیرہ بنانے کی تڑپ پیدا ہوتی۔ پھر کسی اور کو زیادہ نعمتوں میں دیکھتا تو پھر حسرت ہوتی گویا جوانی کا سارا زمانہ اسی دُھن میں گزر گیا کہ میں کیوں دوسروں سے پیچھے

رہ گیا لیکن جب آج اللہ نے ہدایت کی توفیق دی تو فرماتے ہیں کہ اب میرا ملنا جلنا نچلے طبقے کے ساتھ ہے جب بھی جس کسی کے پاس جا کر دیکھتا ہوں کہ وہ نعمتوں میں مجھ سے کم ہے تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے مجھے کتنی نعمتوں سے نوازا ہے اس طرح اللہ کی نعمتوں پر شکر کا موقع مل رہا ہے اور نہ دل میں حسد ہے نہ حرص و عداوت تو فرماتے ہیں کہ میں اب بڑی راحت کی زندگی گزار رہا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ جب ہم اس دُنیا میں رہتے ہیں تو ہمارا میل جول کبھی اونچے درجے کے لوگوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے تو پھر اس کا علاج بھی حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو تم سے اونچے درجے کے ہیں تو فوراً پھر ان کو بھی دیکھو جو نچلے درجے کے ہیں، اس لیے اونچی سوسائٹی کے لوگوں سے ملنے پر جو دل میں حسد و حرص پیدا ہوا اس کا فوری علاج اس طرح ہو جائے گا کہ نچلے درجے کے لوگوں کو دیکھنے پر شکر کی توفیق حاصل ہوگی اور حرص و حسد کا ازالہ ہو جائے گا۔ پھر شکر نعمت کرنے لگو گے۔ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نعمت کی مثال وحشی جانور کی سی ہے کہ بھاگ جانے والی ہے اس کو شکر کی زنجیر سے باندھ لو۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ سیاح تھے، فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ جامع مسجد دمشق میں گیا تو اتفاقاً میرے جوتے چوری ہو گئے تو مجھے تکلیف ہوئی لیکن جب میں گیٹ پر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ہے جس کی دونوں ٹانگیں ہی نہیں ہیں تو میں نے فوراً شکر ادا کیا کہ الحمد للہ جوتے گئے ہیں ٹانگیں تو سلامت ہیں تو نچلے درجہ کے آدمی کو دیکھا تو فوراً شکر ادا کیا۔ اگر جوتے والوں کو دیکھتے تو ناشکری کے جذبات پیدا ہوتے۔ تو اس طرح نچلے طبقہ کو دیکھے گا تو شکر ادا کرے گا، اگر اوپر والوں کو دیکھتا ہے تو کبھی شکر نہ کر سکے گا اور ناقدری کرتا رہے گا اس لیے کہ انسانی حرص کی کوئی انتہا نہیں۔

زندگی کے سفر میں انسان کو چاہئے کہ انسان قناعت کی زندگی بسر کرے، اسی میں راحت و چین ہے اور اسی میں شکر نعمت ہے، اگر آدمی اوپر والوں کو دیکھتا رہے گا تو دوڑ لگاتا رہے گا اور اسی میں جان ختم ہو جائے گی لیکن دوڑ کبھی ختم نہ ہوگی۔ اپنی ضرورت کے لیے محنت تو کرے حلال کمائے لیکن دیگر فرائض کا بھی خیال کرے اور ایسا بھی نہ ہو کہ جائز و ناجائز کی حدود پھلانگ جائیں، حلال کمانا بھی فریضہ ہے لیکن دُنیا کی سوچ دن رات آدمی پر سوار ہو یہ ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔

خدائی رحمت قدم بہ قدم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرے بندے کی عمر چالیس سال کی ہو جاتی ہے تو میں اس کو تین قسم کے امراض

سے محفوظ کر دیتا ہوں۔ جنون، جذام یعنی کوڑھ اور برص سے عافیت دے دیتا ہوں (جنون یعنی دیوانگی، جذام یعنی کوڑھ جس میں ہاتھ پیر گل جاتے ہیں اور برص سے مراد جلد کے سفید سفید داغ جسے آپ پھلبہری وغیرہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چالیس سال کے بعد ان امراض کا وقوع بہت کم ہوتا ہے)

جب میرے بندے کی عمر پچاس برس کی ہو جاتی ہے تو اس سے حساب یسیر یعنی آسان حساب کرونگا۔ (مطلب یہ ہے کہ پچاس سال والے سے قیامت میں آسان اور سہل حساب ہوگا)

جب کوئی بندہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو میں توبہ اور رجوع الی اللہ کو اس کا محبوب بنا دیتا ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ ساٹھ سال کی عمر کے بعد توبہ سے محبت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی توفیق عطا ہوتی ہے) جب کسی کی عمر ستر سال کی ہو جائے تو فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں اور جب کوئی اسی برس کا ہو جائے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور گناہ نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں اور جب کوئی نوے سال کا ہو جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اللہ کا قیدی ہے۔ اللہ کی زمین میں اس کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (قیدی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح کو جسم کے قید خانہ میں مقید کر رکھا ہے۔ مدت تو پوری ہو چکی ہے رہائی کے حکم کا انتظار ہے) اور جب کوئی بندہ ارذل عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اس کی تندرستی اور صحت کے زمانہ کی مثل اعمال خیر لکھتا رہتا ہے اگر اس بندے سے کوئی برائی ہو جاتی ہے تو وہ برائی اس کے نامہ اعمال میں نہیں لکھی جاتی (ارذل عمر سے مراد وہ عمر ہے جس میں انسان کے ہوش و حواس بجا نہیں رہتے اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے)

انسانی وجود میں خدائی حکمتیں

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرد و عورت میں تقسیم کیا پھر ان میں باہم الفت و محبت کا رشتہ پیدا کیا۔ انسانی اعضاء کو شکل عطا فرمائی، کان، آنکھیں، ناک، منہ و دیگر زندگی کی ضروری چیزوں کو بنایا اور پھر ان کو قوتیں عطا فرمائیں۔ آنکھوں میں دیکھنے کی قوت عطا کرنا بھی ایک ایسی حیرت انگیز اور شاہکار فطرت ہے کہ اس کی شرح و تفصیل سے ہم عاجز ہیں۔ آنکھ کو سات طبقات سے مرکب کیا۔ ہر طبقہ میں خاص صفت و دیعت کی اور اس کی مخصوص شکل بنائی۔ ان طبقات میں سے اگر ایک طبقہ بھی بے کار یا ضائع ہو جائے تو آنکھ سے نظر نہیں آسکتا۔

آنکھ کے کناروں پر پلکیں دیکھئے جو آنکھ جیسی نازک چیز کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان پلکوں کو جلد از جلد حرکت کرنے کی قدرت دی کہ ادنیٰ سی چیز کو آنکھ کی طرف آتا دیکھ کر فوراً وہ حرکت میں آجاتے ہیں اور خطرات سے آنکھ کو آگاہ کر کے اس کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ ہوا میں اڑنے والے گرد و غبار سے حفاظت رہتی ہے گویا یہ پلکیں آنکھوں کیلئے دو دروازوں کی طرح ہیں جو بوقت ضرورت کھلتے ہیں اور ضرورت نہ ہو تو فوراً بند ہو کر آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔

آنکھ کی پلکوں میں حفاظت کے علاوہ چہرے کا حسن بھی قدرت کو منظور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنسوؤں کو نمکین بنایا کہ آنکھ کا میل کچیل صاف ہو جائے پلکوں کے دونوں اطراف کو اس سے مائل اور جھکا ہوا بنایا کہ آنسوؤں کے ذریعے آنکھوں کا میل گوشہائے چشم سے بہہ کر باہر جا سکے۔ آنکھوں پر دونوں بھویں حفاظت اور چہرے کی زینت کیلئے بنائی ہیں۔ انسانی وجود میں منہ اور زبان کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی حکمتیں اور قوتیں ودیعت کی ہیں۔ منہ کے بند کرنے کیلئے بطور دروازہ دو ہونٹ بنائے کہ ضرورت پر کھولے جا سکیں اور بے ضرورت بند ہو کر منہ میں مضر چیزیں گھس کر نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس کے علاوہ دانتوں اور مسوڑوں کی حفاظت اور زینت بھی ان ہونٹوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ہونٹوں کے ذریعے بات کرنے میں مدد ملتی ہے۔

دانتوں کی بناوٹ کو دیکھئے کہ قدرت نے ان کو بتیس ٹکڑوں میں بنایا ہے سب کو ایک سالم ہڈی کے ٹکڑے کی شکل میں نہیں بنایا ورنہ منہ میں اس سے بڑی اذیت ہوتی ہے۔ موجودہ شکل میں ایک دانت میں خرابی پیدا ہو تو باقی دانتوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ غور کیجئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان میں دندانے بنائے اور جڑوں کو کس مضبوطی سے مستحکم کیا ہے سخت سے سخت ہڈی کو ہم دانتوں کی مدد سے پیس ڈالتے ہیں اور اسی مصلحت سے اس کے جبڑے کو بہت سخت رکھا کہ نرم ہونے کی صورت میں اس سے کام لینا ممکن نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منہ کی اندرونی رطوبت کو اس طرح پوشیدہ رکھا کہ کھانا چبانے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زبان میں ذائقہ چکھنے کی قوت رکھی جس سے کھانے میں خاص مدد ملتی ہے۔ اشیاء کے سرد و گرم مناسب و نامناسب کو انسان زبان کے ذائقہ سے محسوس کرتا ہے۔

اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے

ہم نے اپنی مصروف زندگی میں انہماک کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ کی لاکھوں بلکہ یقیناً کروڑوں نعمتوں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے... اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار ایسے وفادار، ذہین اور مستعد نوکر عطا فرمائے ہیں جو ہماری خدمت میں ہر لمحہ خوشی اور رغبت کے ساتھ مصروف

ہیں... مثلاً آپ کے بدن میں کسی مقام پر خارش ہوتی ہے... آپ ہاتھ کو یہ حکم نہیں دیتے کہ میرے بدن میں فلاں مقام پر کھجادو... ہاتھ اتنی دیر میں کہ آپ یہ جملہ ادا کرتے ٹھیک اس مقام پر پہنچ کر اپنا کام کر کے فارغ ہو چکا ہوتا ہے...

لیکن اس حرکت میں ہاتھ کے کتنے پٹھوں نے اور ہڈیوں کے کتنے جوڑوں نے کام کیا... اس کی طرف کسی کا ذہن نہیں جاتا... پھر ان پٹھوں... اور ہڈیوں کو متحرک کرنے میں آپ کو کوئی عمل نہیں کرنا پڑتا... آپ تو اپنے جسم میں کام کرنے والی صنعتوں کے پورے نام بھی نہیں جانتے... صرف گنے چنے نام ہیں جو ہمیں معلوم ہیں. صرف ایک آنکھ کو دیکھنے کے قابل بنانے میں کیا عمل ہوتا ہے... اور کتنے نوکر کام کرتے ہیں... توجہ سے پڑھئے:... ''انسان کی آنکھ کے پردے میں تیرہ کروڑ خلیے ہوتے ہیں... دونوں آنکھوں کے خلیوں کی تعداد ستائیس کروڑ ہے...''

یہ ستائیس کروڑ خلیے آپ کی آنکھ کی ہر ایک حرکت پر آپ کی خدمت انجام دیتے ہیں... ایک اور حقیقت جس پر لوگوں کی نظر بہت کم جاتی ہے... وہ یہ ہے کہ ''آنکھیں دیکھتی ہیں'' یہ حقیقت صرف جزوی طور پر صحیح ہے... یہ ستائیس کروڑ خلیے ناکارہ ہو جاتے ہیں... اگر باہر روشنی نہ ہو... آنکھیں دو روشنیوں کی محتاج ہیں ایک بیرونی یعنی سورج... چاند اور بلب وغیرہ کی روشنی... دوسرے آنکھ کے اندر کی روشنی کہ آنکھ کے پردے میں بھی روشنی ہو... باہر کی روشنی کے لیے آپ کی خدمت کیلئے سورج کو مسخر کر دیا ہے... آپ کا یہ نوکر آپ سے دور ہے... مگر اس کے بغیر آپ کے جسمانی اور اندرونی اعضاء سب جم کر پتھر بن سکتے ہیں...

کتنے لوگ ہیں جو صبح اُٹھ کر آنکھ کھولتے ہیں اور اردگرد چیزوں پر نظر پڑتی ہے... تو وہ اپنی دونوں آنکھوں کی سلامتی پر... اپنے اعضاء کی حرکت پر... سورج کی روشنی اور حرارت پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں... اتنے عظیم احسانات کے بدلے اللہ تعالیٰ ہم سے صرف ایک مطالبہ کرتے ہیں... اور وہ یہ ہے کہ یہ مت بھولو کہ تم اس کائنات کے بادشاہ ہو... مگر ایک ذات کے غلام ہو...

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے مالک، اپنے خالق... اپنے رازق اور اپنے محسن کے کیسے نوکر ہیں؟ بے شمار نافرمانیوں کے باوجود اگر وہ ہمیں کھانے پینے... اوڑھنے پہننے کو دے رہا ہے... تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ایسے ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے... مال و دولت اور صحت و عافیت کے حساب کا دن جلد آنے والا ہے... اللہ تعالیٰ کا روز لاکھوں بار بھی شکر ادا کیا جائے تو اس کے انعامات کا حق ادا نہیں ہو سکتا...

اللہ تعالیٰ کے انعامات

سب سے پہلے یہ معلوم کیجئے کہ انسان کو عبادت کرنا کیوں ضروری ہے اور کتنی عبادت کرنا ضروری ہے اور کس طرح کرنا ضروری ہے تب آپ کو اسلامی عبادات اور دوسرے مذاہب کی عبادات کا فرق معلوم ہو سکے گا۔ دیکھئے ہر عقل مانتی ہے کہ احسان کرنے والے کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ ہم بالکل معدوم تھے خدا تعالیٰ نے ہم کو عدم سے وجود بخشا ہے یہ جو کچھ راحت و آرام' عیش و عشرت اور کمالات وغیرہ ہم میں نظر آئے ہیں سب کی اصل چیز وجود ہی ہے۔ ہمارا وجود ہی نہ ہوتا تو ان سب سے محرومی تھی۔ پھر روح' عقل' دماغ' دل' ذہن' حافظہ' دیکھنے سننے اور چھونے سونگھنے کی قوتیں اور ہاتھ پیر وغیرہ اعضاء ان کی ساخت ان کی ضروری چیزیں معدہ کی مشین اور تمام اندرونی چیزیں اور قوتیں محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطاء سے ہیں۔ پھر زمین آسمان' چاند' سورج اور ہر وقت سانس کے لئے ہوا اور تمام غذاؤں اور دواؤں اور ضرورت واستعمال کی چیزوں کا پیدا کرنا۔ سواریوں اور جانوروں کو تابع بنانا اور ان کا ہر وقت پر باقی رکھنا وغیرہ وغیرہ سب چیزیں اس قدر اللہ پاک کے احسانات ہیں کہ ہماری زندگی کا کوئی لمحہ بھی ہزاروں لاکھوں نعمتوں اور احسانوں سے خالی نہیں۔

انسان کی عالمگیر کمزوری

انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا اس کی قدر و قیمت کا ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا۔ تم راوی اور گنگا جمنا کے کنارے بستے ہو اس لئے تمہارے نزدیک سب سے زیادہ بے قدر چیز پانی ہے لیکن اگر یہی پانی چوبیس گھنٹے تک میسر نہ آئے تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس کی قدر و قیمت کا کیا حال ہے۔ تمہارے نزدیک سورج کوئی نعمت نہیں ہے مگر سرد ملکوں کے باشندوں سے پوچھو جہاں سال کا بڑا حصہ ابر آلود گزرتا ہے کہ کیا سورج کی کرنوں سے بڑھ کر بھی زندگی کی کوئی مسرت ہو سکتی ہے۔ ایک اندھا جو پیدائشی اندھا نہ تھا تمہیں بتا سکتا ہے کہ سورج کی روشنی اور باغ و چمن کی بہار دیکھئے بغیر زندگی بسر کرنا کیسی ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ ایک بیمار

سے پوچھو جو نقل وحرکت سے محروم بستر مرض پر پڑا ہے کہ تندرستی کیسی نعمت ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت سونے چاندی کا ڈھیر ہے اور جاہ وحشم کی نمائش ہے لیکن تم بھول جاتے ہو کہ زندگی کی حقیقی مسرتوں کا جو خود روسامان فطرت نے ہر مخلوق کے لئے پیدا کر رکھا ہے اس سے بڑھ کر دنیا کی دولت وحشمت کونسا سامان نشاط مہیا کر سکتی ہے۔ پھر دیکھئے انسانی دماغ کے نہاں خانہ میں عقل وتفکر کا جو چراغ روشن ہے اس کا اندازہ ایک چیونٹی کو دیکھ کر کر لیجئے کہ اس کے دماغ کا حجم سوئی کی نوک سے شاید ہی کچھ زیادہ ہوگا لیکن مادے کے اس حقیر ترین عصبی ذرہ اور شہد کی مکھی کی کارفرمائیاں ہر روز تمہاری نظروں سے گزرتی رہتی ہیں اسی سے اشرف المخلوقات حضرت انسان کی قوت احساس، قوت ادراک اور قوت عقل کا اندازہ کر لیجئے یہ سب اللہ ہی کے احسانات ہیں۔

زمین گودام ہے

پھر انسان کے لئے آسمان کو چھت بنا دیا گیا۔ سورج اور چاند کے مساوی چراغ اور بلب لٹکائے گئے تا کہ روشنی میسر آ سکے۔ شب میں جوں جوں تاریکی بڑھتی جاتی ہے تو ستاروں کی چمک میں بھی تیزی آتی جاتی ہے۔ ستاروں سے جہازوں کے چلنے چلانے میں مدد ملتی ہے۔ اور خشکی و تری میں لوگ ستاروں کے ذریعہ سے وقت اور سمت کے تعین کرتے ہیں۔ جب صبح ہوتی ہے اور سورج نکلتا ہے تو تمام مختلف روشنی کے سامان نابود ہو کر ہزاروں آلات روشنی کی بجائے تنہا ایک روشنی سورج کی کام دیتی ہے۔ پھر عجیب طریقے سے زمین کو گودام بنا دیا کہ اس میں سے غذائیں نکل رہی ہیں۔ زمین کو واٹر ورکس بنا دیا۔ کہ جس میں سے پانی بھی نکل رہا ہے۔ زمین کو ایک صندوق بنا دیا جس میں سے لباس بھی نکلتے چلے آ رہے ہیں تو زمین ذخیرہ ہے ساری ضروریات کا زندگی کا بھی اور موت کا بھی۔ انسان اسی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی میں کھپ جاتا ہے۔ زمین ہماری قرارگاہ بھی ہے اور ہماری موت گاہ بھی ہے ہماری دنیا بھی ہے اور ہمارا برزخ بھی ہے۔ حاصل یہ کہ ساری چیزیں زمین میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اس کی سطح پھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی ہے۔ تہ میں آب شیریں کی سوتیں بہہ رہی ہیں گہرائی سے چاندی سونا نکل رہا ہے۔

غرضیکہ خدائے رحمان نے ہماری پیدائش سے پیشتر ہمارے مادی حوائج کا پورا انتظام کر دیا۔ زمین پیدا کی جس پر ہم کو بسنا اور کاروبار کرنا تھا۔ اور اس کو ہر طرح کی غذاؤں اور اسباب زندگی کا ایک گودام بنا دیا۔ چشمے اور دریا جاری کر دیئے۔ کنوؤں میں پانی کا ذخیرہ محفوظ کر دیا۔ سمندر کی طرف

نظر اٹھاؤ کہ اس کی سطح پر جہاز تیر رہے ہیں۔ تہہ میں مچھلیاں اچھل رہی ہیں اور قعر زمین میں مرجان اور موتی نشوونما پا رہے ہیں۔ پھر حیوانات کو دیکھو کہ زمین کے چار پائے' فضا کے پرند' پانی کی مچھلیاں سب اسی لئے ہیں کہ اپنے اپنے وجود سے حضرت انسان کو فائدہ پہنچائیں۔ غذا کے لئے ان کا دودھ اور گوشت' سواری کے لئے ان کی پیٹھ' حفاظت کے لئے ان کی پاسبانی' پہننے کے لئے ان کی کھال اور اون برتنے کے لئے ان کے جسم کی ہڈیاں تک مفید ہیں۔ غرضیکہ پورا کارخانہ عالم صرف حضرت انسان کی کام جوئیوں اور آسائشوں کے لئے سرگرم ہے۔ جس مالک نے یہ سب جانیں بنائی ہیں اسی نے پوری حکمت اور پوری بصیرت کے ساتھ یہ قانون بھی بنایا ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لئے غذا بنایا جائے۔ یعنی ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کیا جائے۔ زمین کی مٹی درختوں کی غذا ہے۔ اور درخت جانوروں کی غذا اور جانور انسان کی غذا۔ انسان سے اعلیٰ کوئی مخلوق اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس لئے انسان کسی کی غذا نہیں بن سکتا۔ اس کی سب قربانیاں خدا کے لئے ہیں۔

زندہ رہنے اور سانس لینے کے لئے اس خدا نے تمام فضا میں ہوا پھیلا دی۔ آسمان کی مضبوط چھت میں کیسے درخشاں اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والی قندیلیں روشن کر دیں۔ غرضیکہ علویات اور سفلیات کا ایسا نظام قائم کیا کہ اس خاک کے پتلے کو اپنی ضروریات میں اس سے نفع اٹھانا آسان ہو۔

تخلیق کائنات برائے انسان

حقیقت یہ ہے کہ ساری کی ساری کائنات حضرت انسان کے لئے پیدا کی گئی اور ساری کائنات کو اس کے لئے مسخر کر کے اس کا حکمران بنایا گیا۔ ہر چیز پر اس کی حکمرانی ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ ایک شیر نے اپنے خوردسال بچہ کو نصیحت کی تھی کہ حضرت انسان سے بچتے رہنا۔ یہ بڑی چیز ہے۔ شیر کا بچہ انسان کے شوق دیدار میں تھا۔ کچھ شعور پا کر انسان کی تلاش میں نکلا کہ دیکھوں کہ آخر یہ ہے کیا بلا۔ جس سے سلاطین صحرا بھی اپنی دارالسلطنت میں بیٹھ کر کپکپاتے ہیں۔ چلا تو پہلے اتفاق سے گھوڑے پر نظر پڑی۔ جس کی جسامت' پھرتی و چالاکی کو دیکھ کر اسے شبہ ہوا کہ شاید یہی انسان ہے۔ پوچھا تو گھوڑے بے چارے نے کہا مجھ بے چارے کی کیا مجال ہے کہ میں انسان کے سامنے ٹھہر سکوں۔ چوبیس گھنٹے میرے گلے میں رسی' پیروں میں بیڑیاں اور اصطبل کا جیل ہے اور جب حضرت انسان کا جی چاہتا ہے تو میری پیٹھ پر سوار منہ میں لگام اور اوپر سے تڑاتڑ کوڑوں کی مار۔ جیسی مجھ پر گزرتی ہے میں ہی جانتا ہوں۔ شیر کا بچہ سہم گیا کہ یا اللہ انسان کیا بلا ہے۔ آگے بڑھا تو اونٹ نظر پڑا جو گھوڑے سے دو

گنا اور عجیب الخلقت تھا۔ اسے یقین آ گیا کہ ہو نہ ہو یہی انسان ہے کیونکہ یہ گھوڑے سے بھی چار ہاتھ اونچا ہے۔ اس سے دریافت کیا تو اس نے بھی انسان سے دوہائی دیتے ہوئے کہا کہ میرے اس قد و قامت پر نہ جاؤ انسان نے تو میرا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ میں کیا مجھ جیسے سینکڑوں میرے بھائی بند صرف ایک نکیل میں گرفتار اور انسان کا چھوٹا سا بچہ ہمیں جنگل در جنگل لئے پھرتا ہے۔ منوں بوجھ کمر پر ہے ہم بلبلاتے ہیں مگر شنوائی نہیں۔ انسانوں کے لئے ہماری گردنیں سیڑھیاں ہیں۔ ایک نہیں دو نہیں تین تین آدمی لد جاتے ہیں اور نہ صرف خود لدتے ہیں بلکہ بڑے بڑے پلنگ ہماری کمروں پر کس کر دور دراز لے جاتے ہیں۔ ہم چپ چاپ کان دبائے منزلیں طے کرتے رہتے ہیں۔ راتوں چلتے ہیں اور دنوں بلبلاتے ہیں مگر کوئی مخلص یعنی چھوڑنے والا نہیں نکلتا۔ ہم تو انسان کا نام بھی بے خوف ہو کر نہیں لے سکتے۔ شیر کا بچہ اور بھی زیادہ ہراساں ہوا کہ خدا جانے انسان کیسے ڈیل ڈول کی چیز ہو گی جس سے ایسے عظیم الخلقت جانور پناہ مانگ رہے ہیں۔

ہاتھی اور شیر کا بچہ

آگے بڑھا تو اتفاق سے ہاتھی پر نظر پڑ گئی جو ایک عظیم الشان بلڈنگ کی طرح سامنے سے آتا نظر پڑا۔ شیر کے بچے کو یقین محکم ہو گیا کہ یہ بالضرور انسان ہے اور یہی ایسی ہستی ہے جو اونٹوں اور گھوڑوں پر غالب آ سکتی ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھی سے کہا کہ غالباً جناب ہی کا نام نامی انسان ہے؟ ہاتھی نے نہایت حیرت سے بچہ شیر کو دیکھ کر کہا کہ بیٹا تم ناسمجھ ہو کس بڑی بلا کا نام لے رہے ہو۔ اس ظالم انسان نے جو میری گت بنائی ہے خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ گھوڑے کے منہ میں تو لگام دے دیتا ہے۔ اونٹ کی ناک میں نکیل تو پہنا دیتا ہے مگر مجھے بے لگام اور بغیر نکیل کے ہی ایسا گرفتار کیا ہے کہ اس ظالم کے آگے چوں تک نہیں کر سکتا۔ ہر وقت میری گردن پر سوار۔ لوہے کا آنکس ہاتھ میں۔ ذرا چوں کروں تو سر پر اتنے پڑتے ہیں کہ کھایا پیا سب بھول جاتا ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ اس انسان کے سامنے اف بھی کر سکوں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے باپ کی وصیت پر عمل کریں اور اپنے جنگل کی بادشاہت کی حرمت کو قائم رکھیں اور اس انسان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ ورنہ یہ ساری شہزادگی کرکری ہو جائے گی اور پھر کوئی فریاد کو بھی نہ پہنچے گا۔ شیر کا بچہ حیران تھا کہ انسان آخر کتنا بڑا ہو گا جس کے غلبہ اور تسلط کا چار دانگ عالم میں یہ شہرہ اور شور نشور برپا ہے۔ آخر کار شیر کے بچے نے بے نیل و مرام واپسی کا قصد کر لیا۔

واپس لوٹ رہا تھا کہ ایک بستی میں ایک بڑھئی کے بچے کو دیکھا کہ وہ ایک بڑے شہتیر کو آرے سے چیر رہا ہے۔ اور جتنا چیر چکا ہے اس میں ایک کھونٹی گاڑ رکھی ہے۔ شیر کے بچے کے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ انسان کا بچہ ہوگا۔ لیکن پتہ لینے کے لئے اس سے سوال کیا کہ جناب انسان سے واقف ہیں؟ اس نے کہا آپ کو کام ہے۔ کہا میں اس کا درشن کرنا چاہتا ہوں۔ بڑھئی کے بچے نے کہا کہ یہ بندہ ہی انسان کہلاتا ہے۔ شیر نے حقارت و تعجب سے دیکھ کر کہا ارے کیا تو وہ انسان ہے جس سے شیر، گھوڑا، اونٹ اور ہاتھی سب لرزتے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں واقعہ تو یہی ہے۔ شیر کے بچہ نے کہا کہ او دشمن تو ہے کیا مال؟ تیرا کام تو میں ابھی اپنے ایک طمانچے سے ختم کئے دیتا ہوں۔ میرے آباؤ اجداد بڑے ہی بیوقوف تھے جو تجھ سے کانپتے رہے اور بڑے احمق وہ تھے جنہوں نے راستہ میں مجھے خواہ مخواہ سہا دیا۔

چنانچہ اس لاف زنی کے ساتھ شیر آگے بڑھا تاکہ قوت آزمائی کرے۔ بڑھئی کے بچہ نے سمجھ لیا کہ وقت تو برابر ہوا۔ اب تدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کہا آپ واقعی بڑے بہادر ہیں۔ میں بے چارہ کیا چیز ہوں۔ آپ جو چاہیں فرمائیں۔ اس وقت میرا ایک کام در پیش ہے۔ جسے میں اپنے ضعف کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتا۔ خدا نے آپ جیسا قوی اور بہادر بھیج دیا۔ پہلے وہ کام کر دیجئے اور پھر میرے ساتھ جو چاہے سلوک فرمائیے۔ اور وہ کام یہ ہے کہ اس شہتیر میں سے یہ کھونٹی سرکانا چاہتا ہوں ذرا آپ اپنا ہاتھ اس شہتیر کے شگاف میں ڈال کر اسے تھام لیجئے تاکہ میں کھونٹی سرکا دوں۔

شیر صاحب اس مدح و ثنا سے مسحور ہو کر بے تکلف آگے بڑھے اور ایک نہیں دونوں ہاتھ شگاف میں ڈال دیئے۔ بڑھئی کے بچہ نے کھونٹی نکال لی۔ کھونٹی کا نکلنا تھا کہ شہتیر کے دونوں پٹ مل گئے۔ اور شیر صاحب کے دونوں ہاتھ اس میں پھنس کر رہ گئے۔ اب شیر صاحب نے تو چیں چیں کرنی شروع کی۔ اور بڑھئی کے بچہ نے ہنسنا شروع کیا کہ فرمائیے انسان کو دیکھ لیا۔ اس وقت شیر نادم ہوا کہ واقعی تجربہ کاروں اور بڑوں کی نصیحت سے روگردانی کرنے کا انجام برا ہوتا ہے۔ مگر سوچنے لگا کہ ظاہر میں تو یہ انسان نہایت ہی کمزور اور حقیر ہے اس کا جثہ تو قطعاً طاقتور معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں کوئی اندرونی طاقت ہے جس سے اس نے مجھے اس وقت بے بس کر دیا۔ اور ساری کائنات کو پچھاڑ رکھا ہے۔

چار عنصر

سو یہ حقیقت ہے کہ انسان میں عناصر اربعہ یعنی مٹی پانی آگ اور ہوا سے بھی کہیں زیادہ طاقت موجود ہے۔ انسان ساری کائنات پر بھاری اور غالب ہے کسی سے مغلوب نہیں۔ انسان نے ہی

زمین کا قلب و جگر چاق کیا۔ کنویں بنائے تہہ خانے تیار کیے۔ ارضی معدنیات سرمہ ہڑتال سونا چاندی اور پیتل وغیرہ کے خزانے زمین سے زبردستی چھین لئے۔ پہاڑوں کو تراش کر تہہ بر تہہ مکانات بنائے۔ غرضیکہ انسان زمین اور اس کے اجزاء سے برابر نوکروں اور غلاموں کی سب خدمت لے رہا ہے۔

اگر پانی کو لو تو اس انسان نے کنویں کھود کر' نل لگا کر سینکڑوں فٹ نیچے زمین کی تہہ میں سے اسے اوپر کھینچا۔ دریاؤں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ پانی کو نہروں اور نالیوں میں بہا کر اپنے کھیت سیراب کئے۔ گنگا اور جمنا جگہ جگہ ماری پڑتی ہے۔ اسے واٹر ورکس کے ذریعے گھر گھر رسوا کیا۔ پانی جیسے آزاد عنصر کو انسان نے ٹینکیوں میں قید' نلوں میں بند کیا' کبھی برف بنا کر اسے جمادیا اور کبھی بھاپ بنا کر اڑادیا۔ کبھی آگ دکھا کر گرمادیا۔ غرض وہی پانی جس سے آگ جیسا قوی عنصر بھی پناہ مانگتا ہے انسان کے سامنے ایسا بے بس اور بے یارو مددگار ہے کہ اسے سنبھلنے کا بھی موقعہ نہیں ملتا۔ اس انسان نے سمندروں کے جگر چیر ڈالے۔ اس میں جہاز چلائے۔ تار دوڑائے۔ آبدوز کشتیوں سے اس کی گہرائیوں پر قبضہ کیا۔ اس کے مدفون موتیوں کے خزانے اگلوا لئے۔ اس کی تہہ کی چھپی ہوئی چیزیں بازاروں میں رسوا ہو رہی ہیں۔ خود سمندر کے نمکین پانی کا نمک الگ کر دیا اور رطوبت الگ۔ گویا انسان پانی کا خون تک پی گیا۔ غرض یہ قوی تر پانی اگر زمین کی تہ میں چھپتا ہے تو اسے پناہ نہیں۔ اگر پہاڑوں کے دامن میں پناہ لیتا ہے تو اس کے لئے رستگاری نہیں۔ مجبور بھی ہے اور قید بھی۔

آگ جیسے خونخوار عنصر کو دیکھو تو وہ بھی انسان کے سامنے ایک خاکسار غلام کی طرح مجبور ہے۔ جب انسان اس آگ کو قید کرنے پر آیا تو ایک ذرا سی دیا سلائی کے سرے پر رتی برابر جگہ میں قید کر لیا کہ جب چاہا دیا سلائی کا سرا رگڑا اور اس قیدی کو نکال باہر کیا۔ گویا کہ وہ آگ جو سر نیچا ہی نہ کرنا جانتی تھی انسان کے سامنے اس کی رفعت و تعلّی سب خاک میں مل گئی۔ کہیں چولہوں میں انسان کی خدمت کر رہی ہے کہیں انگیٹھیوں میں محبوس ہے۔ غرض آگ کا عنصر بھی انسان کے ہاتھوں میں ایک کھلونا ہے۔ کہ جب چاہا اور جس طرح چاہا الٹ پلٹ کر دیا اس کو کسی حالت میں بھی چین نہیں۔

رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے

دیکھئے ہوا بہت زیادہ لطیف اور مخفی تھی جس پر انسان کی نگاہ قابو نہ پا سکتی تھی۔ مگر اس کی یہ پردہ نشینی بھی انسان کی زد سے اسے نہ بچا سکی۔ اور اس اڑتے ہوئے پرندہ کو بھی انسان کے ہاتھ میں کھلونا ہی بننا پڑا۔ ہوائی فضا میں انسان کے جہاز اڑ رہے ہیں اور ہوا اپنے کندھوں پر انہیں سوار

کئے پھر رہی ہے گویا کہ ہوا انسان کا ایک ہوائی گھوڑا ہے جس پر بے لگام اس نے سواری کس رکھی ہے یہ ہوا انسان کی خبر رسانی کی جدا خدمت کر رہی ہے۔ مشرق سے مغرب تک انسانوں کے افسانے دوڑ رہے ہیں اور ہوا اپنی مخفی طاقتوں سے انہیں لئے پھر رہی ہے۔

گویا کہ ہوا انسان کی ایک چٹھی رساں ہے جو بلا اجرت غلامی کر رہی ہے۔ ادھر برقی پنکھوں کو حرکت میں لانے کے لئے جدا ناچ رہی ہے تا کہ انسان کا پسینہ خشک کرنے کی خدمت انجام دے۔ غرض خدمت گزاری کے فرائض میں چاکروں کی مانند مصروف ہے اور چون و چرا نہیں کر سکتی۔ پھر انسان جب اسے قید کرنے پر اترا تو موٹروں کے پہیوں میں بند اور سائیکلوں کے ٹائروں میں وہ قید اور ربڑ کی گیندوں میں محبوس ہے۔ غرضیکہ ہوا کی وہ طاقت جس نے سمندروں کو تہ و بالا کر رکھا تھا پھنسی تو ایسی پھنسی کہ انسان کے ہاتھ میں ایک قیدی محض بن کر رہ گئی جس کا کوئی پرسان حال نہیں۔ حاصل یہ کہ حق جل شانہ نے حضرت انسان کے لئے ساری کائنات کو مسخر کر دیا ہے اور پوری کائنات اس کی خدمت کر رہی ہے۔

جب اس ذات باری کے اتنے احسانات ہیں اور اس کے سوا کوئی عالم کا مربی و محسن بھی نہیں ہے تو بلا شبہ عقل کے نزدیک ایسے خدا کی عبادت سے سر موانحراف جائز نہ ہوگا اور یہ لازم ہوگا کہ اسی ذات کی خدمت گزاری میں آدمی مصروف رہے اسی کا ہر دم دھیان رکھے اور اسی کی محبت میں اپنے کو دیوانہ بنائے۔ جئے تو اسی کے نام پر اور مرے تو اسی کا کلمہ پڑھتا مرے۔ غرض کسی حالت میں بھی اس سے جدا اور غافل نہ ہووے۔ اور ظاہر و باطن میں اسی کا تابع فرمان رہے۔ باطن کی فرمانبرداری تو یہی ہے کہ دل میں خدا تعالیٰ کے متعلق یہ یقین ہو کہ ہماری ہستی اس کی ہستی کے سامنے بالکل حقیر اور اس کا وجود ہر طرح پر عظمت اور کامل و مکمل ہے۔ ہمارے ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار اسی کو ہے اور وہ ہمارا حاکم اور ہم محکوم ہیں۔ اس میں اعلیٰ درجہ کی شان محبوبیت موجود ہے۔ ظاہری فرمانبرداری وہ افعال و حرکات ہیں جن سے ہمارے اندرونی جذبات اور باطنی اعتقادات کا سراغ ملتا ہے اور خدا کی محبوبیت کا خیال ان سے مترشح ہوتا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ کے سامنے اس کی خاص تجلی گاہ کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اور اس سے اپنے حال کے متعلق عرض معروض کرنا اور ادھر سے حکم آ جانے پر سر نیاز جھکا دینا اور اس کے آستانہ پر اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھ کر اپنی ناک اور پیشانی رگڑنا یہ سب آثار محکومیت اور آداب شاہی کے قائم مقام ہیں

۔الغرض یہ امر تو اب عقلاً پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ دل سے زبان سے ہاتھ پاؤں سے حتیٰ کہ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں اور پوروں سے اور جس طرح بھی بن پڑے آدمی اپنے خالق کی اطاعت کی طرف پوری طرح متوجہ رہے اور ہرگز اپنا روئے نیاز دوسری جانب نہ پھیرے۔

ہماری بے حد غفلت

چونکہ ہمارے خمیر کے خاصے ہم کو ایسے محسن سے غافل رکھتے ہیں اور مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو اس غفلت کو دور کرتا ہے جب خدا تعالیٰ کے ہر وقت میں لاکھوں کروڑوں احسان ہیں تو انسان کو ہر وقت اس کے شکر میں لگنا چاہئے شکر صرف زبان سے کر لینے کا نام نہیں ہے بلکہ شکر کرنا زبان' دل اور تمام اعضا کا کام ہے۔اس لئے ان کا شکر ادا کرنے کے لئے ہر وقت زبان' دل' ہاتھ پیر آنکھ' ناک' کان دماغ اور عقل وغیرہ ہر چیز کو اس کی عبادت میں لگنا چاہئے ایک سیکنڈ بھی ان میں سے کسی کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونا چاہئے۔ چونکہ ادھر انسان کو انسانی ضرورتیں اپنے کھانے پینے پہننے اوڑھنے' رہنے سہنے راحت و آرام اور حوائج ضروریہ وغیرہ بیوی بچے اولاد اور اعزہ واقربا کی ضروریات معاشی کا سلسلہ وغیرہ کا تقاضا ہے۔

یہ ضرورتیں بھی خالق کی لگائی ہوئی ہیں اور ان پر بھی بہت کچھ وقت لگانا چاہئے اس لئے دونوں باتوں کی رعایت ضروری ہے۔ وہ مذہب بھی مذہب کہلانے کا حقدار نہیں جو اپنی ذات اور اپنے تعلق والوں کے حقوق سے ہٹا کر جنگل یا پہاڑ کے کونہ میں بیٹھ کر عبادت میں لگنے پر مجبور کرے۔اسی طرح وہ مذہب بھی مذہب نہیں جو کسی وقت بھی زبانی' دل اور عملی شکر میں نہ لگائے۔اب دونوں کو پوری طرح جمع کرنا کہ اپنی جان اور متعلقین کے حقوق اور خالق کائنات کا پورا پورا شکر ادا ہو اور اس سے غفلت نہ ہو یہ خدائی مذہب کا کام ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ عبادتیں ہوں تو خاص خاص وقتوں میں مگر ایسی ہوں کہ ان کا اثر ہر وقت رہے کہ دنیا کے ضروری کام بھی ہوں مگر خدا سے غفلت میں نہ ہوں۔

انسان کی زیادہ غفلت کے اوقات یہ ہیں

رات بھر سونے میں غافل رہتا ہے اور بغیر سوئے زندگی مشکل ہے۔اس لئے نیند کا وقت ختم ہوتے ہی اس غفلت کو دور کرنا ضروری ہے جس کے لئے اسلام نماز فجر سکھلاتا ہے پھر صبح سے دوپہر تک معاش کے کاروبار اور کھانے پینے میں وقت صرف کیا جاتا ہے اور ان سے تھک جانے

کے بعد پھر غفلت کا اثر ہو جاتا ہے چنانچہ اس وقت کی غفلت کو دور کرنے کے واسطے پھر کوئی کام درکار ہے۔ اس کے لئے اسلام نماز ظہر سکھلاتا ہے۔ دن کے اخیر میں کام کا بہت ہجوم اور چاروں طرف سے معاملات کے آنے سے مشغولیوں کا گھمسان ہوتا ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ چار پانچ بجے ہر بازار اور ہر کام میں غیر معمولی لگاؤ اور شور وشغب ملتا ہے۔ ان میں لگ کر پھر غفلت ہونا ضروری ہے اسلام اس وقت نماز عصر سکھلاتا ہے۔ پھر سورج ڈوبنے تک وہی حال رہتا ہے۔ درمیان میں غفلت دور کرنے کی ایک صورت آچکنے کے بعد پھر دوسری مشغولیاں غالب ہوتی ہیں دن کا نچوڑ ہوتا ہے ہر کام کی چہل پہل ہوتی ہے۔ دم ختم ہو جاتا ہے کاموں اور مشغولیوں کا انجام ہوتا ہے۔ اس وقت اسلام نماز مغرب کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بعد تمام مشغولیوں اور کاموں کو سمیٹنا' کھانا پینا یا ایک کام سے دوسرے کام میں لگنا ہے۔ نیز تمام دن کے کاروبار سے فراغت کر کے راحت وآرام کی فکر ہے۔ طبیعت سکون اور لطف کی طالب ہوتی ہے۔ صبح سے اس وقت تک کے احسانات کا بڑا زبردست سلسلہ ختم ہونے کو پہنچ رہا ہے۔ اس لئے راحت وسکون کے فکر سے جو غفلت پیدا ہو اس کو دور کرنا چاہئے۔ اس کے لئے اسلام نماز عشاء بتلاتا ہے۔

ہر وقت نماز میں رہنا بھی مقصود نہیں

نیز چونکہ نماز کا فائدہ بدوں مداومت وملازمت وہمیشگی کے حاصل نہیں ہوسکتا اور یہ بھی حکمت الٰہی کے برخلاف ہے کہ ہر وقت نماز میں مشغول رہنا فرض کر دیا جائے جس سے ضروری کاروبار بند ہو جائیں اور احکام طبیعت سے بالکل انقطاع ہو جائے اس لئے حکمت الٰہی اس کی مقتضی ہوئی کہ کچھ کچھ فاصلہ کے بعد نماز کا امر کیا جائے تا کہ کاروبار دنیاوی بھی چلتے رہیں اور وقت پر نماز کی طرف متوجہ ہونا اور نماز سے پہلے اس کا انتظار اور اس کے لئے تیاری کرنا اور نماز پڑھنے کے بعد جو اس سے نورانیت کا رنگ حاصل ہوا ہے اس کو برقرار رکھنا یہ سب امور نماز کے حکم میں ہوں اور خالی وقتوں میں بھی دھیان اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف لگا رہے اور مداومت حقیقی یعنی ہمیشگی اگرچہ ممکن نہ تھی تاہم اس طرح اوقات کی پابندی سے نمازوں کا ادا کرنا مداومت کے حکم میں ہے۔

ہر عضو سے بندگی

پھر نماز کی حالت پر غور کیجئے کہ احسان کا شکر یہی نہیں ہے کہ صرف زبان سے ہی کچھ عرض کر لیا جائے بلکہ زبان سے دل سے ظاہر کر کے ہر ہر عضو سے پوری بندگی ہو۔ ہاتھ حکم میں

بندھے ہوں پاؤں چلنے سے رکے ہوئے حکم پر جمے ہوئے ہوں۔ انگلیاں تک ادھر متوجہ ہوں سارا جسم عاجزی وانکساری سے حاضر ہو۔ نظر جھکی ہو۔ کان' آنکھ' ناک سب کام میں ہوں یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور ہر طرف سے رکے ہوئے ہوں۔ دل ہر چیز سے ہٹ ہٹ کر پوری عاجزی و بندگی سے جھکا ہوا ہو اور سب خیالات کو ختم کر کے صرف ایک خدا کے تصور سے بھر رہا ہو۔ خدا کے دربار میں حاضر ہو کر خدا سے باتیں کرنے کے مزے لے رہا ہو۔ جسم اپنی محتاجی اور بے قراری میں کھڑا ہوا جھکتا اور سر ٹیک ٹیک دیتا ہو۔ زبان شروع سے آخر تک پوری کوشش سے شکر و حمد میں لگی ہو۔ مادہ اور عناصر سے جو ظلمت و کدورت پیدا ہوئی تھی وہ اس طرح خدا تعالیٰ کے سخت تصورات سے کاٹ کاٹ کر رکھ دی گئی۔ ان کے اثرات سے جو ہر وقت بے قابو ہو رہی تھی اس کو اس طرح روک تھام کر کے ہر غیر سے ہٹا کر قابو میں کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی طرف لگا دیا تاکہ ان کی قوتوں کی پیدائشی حکمتیں قاعدوں میں حاصل ہو سکیں۔ اور بے قاعدگی کو روک دیا جا سکے۔ دن رات میں پانچ دفعہ یہ روح دل قویٰ کی روک اور ایمان کی ورزش انسان کو بالکل کندن بنانے والی اور بالکل خدا کا کر دینے والی ہے۔

سب اپنے مالک کو جانتے ہیں تو انسان کو بھی چاہیے کہ

جب جانتے ہو کہ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی (ٹوکرا جس میں جانوروں کو دانہ وغیرہ کھلاتے ہیں) پہچانتا ہے اور عرب کا گھوڑا اپنے سوار کو جانتا ہے۔ ہند کا ہاتھی اپنے مہاوت کو پہچانتا ہے۔ یورپ کا کتا اپنے مالک سے محبت کرتا ہے مار کھاتا ہے اور پھر اسی کے دامن سے چمٹتا ہے اور اسی کے در پر پڑا رہتا ہے جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی ان گنت اور بے شمار نعمتوں سے شب و روز تمتع کرتے ہیں پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں حالانکہ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت اور احسان پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے۔

دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا اور غبار اڑاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا۔ بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ایسے

گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے۔ جس کی وفاداری اور فرمانبرداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہئے۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا اور نالائق ہے اور ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ گھوڑوں کی وفاشعاری اور شکر گزاری اس کی آنکھوں کے سامنے ہے پھر بھی یہ نادان انسان ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی حالت یہ ہے کہ دنیا کے طالب انسان جب اپنی نفسانی خواہشات کے پورا ہونے کا اختیار کسی انسان کے ہاتھ میں دیکھتے ہیں تو کتے کی طرح اس کے پاؤں پر لوٹتے ہیں۔ اور ہر طرح کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں۔ گدھے کی طرح اس کا مرکب اور سواری بن جاتے ہیں اور غلاموں اور چاکروں کی طرح اس کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہیں اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ تاکہ وہ انہیں کچھ عرصہ کے لئے روٹی دے دے یا تانبے اور چاندی کے چند سکے حوالے کردے۔ پر وہ ذات عالی جس نے انہیں پیدا کیا۔

اگر اس کا وجود ہے تو اسی کا بخشا ہوا ہے۔ اگر حیات اور بقا ہے تو اسی کی عطا کی ہوئی ہے اگر صفات فاضلہ ہیں تو اسی کی رحمت کاملہ سے حاصل ہیں۔ اگر عقل و دانش اور علم و فہم اور سننے دیکھنے اور بولنے کی طاقت ہے تو اسی کی طرف سے غرض یہ کہ بندہ میں جو بھی صفت اور کمال ہے وہ سب خداوند تعالیٰ کے جود و نوال سے ہی حاصل ہے۔ اس کے انعامات اور احسانات کی کوئی حد اور نہایت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ مالک کائنات نے ساری کائنات کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا اور ہر ایک چیز کو انسان کی خاص خاص خدمت پر لگا دیا ہے اور انسان کو مخدوم کائنات بنایا ہے اب بندہ کا کام ہے کہ مالک کی ہدایات کے مطابق اس کی مخلوقات کا استعمال کرے۔ اس کی خلاف ورزی نافرمانی اور بغاوت نہ کرے اسی کا نام عبدیت ہے۔

اسی کی ربوبیت ان کے جسم کے ایک ایک ذرے اور خون کے ایک ایک قطرے کو پالتی ہے اور ہلاکت سے بچاتی ہے جو ان کی فریادوں کو درد اور دکھ کے وقت سنتا ہے۔ جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں تو انہیں امید اور مراد بخشتا ہے۔ سو اس رب الارباب کے لئے ان مغروروں کے پاس عاجزی کا ایک سجدہ اور بندگی کی ایک پیشانی بھی نہیں۔ وہ انسان کے آگے جھکتے ہیں مگر فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے آگے جھکنے سے انہیں شرم آتی ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

صاحب ایمان کیلئے

زندگی کی نعمتوں اور مصائب کا فلسفہ

دنیاوی زندگی....دارالامتحان

یہ دُنیا جس سے ہم اور آپ گزر رہے ہیں، یہ پوری کی پوری امتحان گاہ ہے۔اس میں حق تعالیٰ نے ہماری جانچ اور آزمائش کے لیے ہمیں بھیجا ہے۔ یہاں کی آزمائش کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ کو علم نہیں تھا کہ یہ کیسے ہیں، اچھے ہیں یا برے ہیں؟ قوی ہیں یا ضعیف ہیں؟ اُن کو سب معلوم ہے، ان کا علم ازلی اور ابدی ہے۔

جانچ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ نے جو جوہر پیدا کیے ہیں، اُن کو کھول دے اور نمایاں کر دے، یعنی ہر چیز کی خاصیت کو ظاہر ہونے کا موقع دے...... اگر ایک شخص قوی القلب ہے تو اس کو مصائب میں ڈالتے ہیں تا کہ اس کی قوتِ قلب واضح ہو جائے اور اگر ضعیف القلب ہے تو اس کا ضعف واضح ہو جائے تو حق تعالیٰ کے آزمانے کا مطلب علم حاصل کرانا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کو تو پہلے سے علم ہے لیکن جو اُن کا علم جس کے متعلق ہے، اس کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں، کھولنا چاہتے ہیں تا کہ پوری دُنیا پر واضح ہو جائے کہ فلاں چیز میں یہ اثرات تھے اور فلاں میں یہ خاصیتیں تھیں......اس لیے دُنیا میں جو بھی آیا ہے وہ درحقیقت جانچ کے لیے آیا ہے کہ جو بھی جوہر اس میں رکھے گئے ان کو کھولا جائے۔

زندگی کے امتحان کا مقصد

اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے امتحان اور جانچ کیلئے دو سلسلے قائم کیے، ایک سلسلہ نعمتوں کا اور ایک سلسلہ مصیبتوں کا، دونوں سے مقصد انسان کی جانچ اور آزمائش ہے۔

نعمتیں دے کر اس لیے آزماتے ہیں کہ آیا نعمتوں میں گھر کر یہ آدمی نعمت دینے والے کو بھی یاد رکھتا ہے یا نعمتوں میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے......اگر ایک انسان اپنی نعمتوں میں، اپنی عیش میں اُلجھ کر

رہ جائے اور اُسے یہ یاد نہ رہے کہ یہ نعمت کس نے دی تھی تو کہا جائے گا کہ اس بندے کے قلب میں کفرانِ نعمت کا جذبہ چھپا ہوا تھا، وہ کھول دیا گیا اور ظاہر ہو گیا، کل کو اگر اس کے لیے کوئی جزا تجویز کی جائے گی تو اس کو یہ کہنے کا موقع نہیں ہوگا کہ مجھے پہلے جانچ تو لیا ہوتا۔ آزمائش کا موقع تو دیا ہوتا بلکہ خود اس پر نمایاں ہو جائے گا کہ اس جانچ میں پڑ کر میں نے اپنے بارے میں کیا ثبوت دیا...... اس طرح سے دنیا کی ہر نعمت خود ایک مستقل آزمائش کی چیز ہے، خواہ وہ دولت ہو، خواہ وہ عزت ہو۔

اس سب کا مقصد اپنا امتحان پیش کرنا ہے کہ تمہارا فرض کس درجہ پر ہے، تم نعمت دینے والی ذات کو دیکھتے ہو یا نعمت کو دیکھتے ہو؟ اگر دینے والے پر نظر ہے تو بے اختیار انسان کی زبان سے شکر نکلے گا اور کہے گا...... اے نعمتوں کے دینے والے تیرا فضل ہے کہ تو نے مجھے دیا، نہ میں اس کا مستحق تھا نہ میں اس کا اہل تھا، یہ محض تیرا فضل اور انعام ہے...... تو بندے نے امتحان میں کامیابی حاصل کر لی، نعمت دی گئی تھی، اس نے نعمت کا حق ادا کر دیا تو نعمت کا حق فقط یہ نہیں ہے کہ آدمی نعمت کو استعمال کرے، بلکہ نعمت کے استعمال کے ساتھ ساتھ نعمت دینے والے کی طرف توجہ اس کی دین اور اس کے انعام کا شکر ادا کرنا یہ بھی اس کا حق ہے۔ گویا نعمت دیئے جانے کے بعد آدمی دو طرح سے آزمایا جاتا ہے، ایک یہ کہ اس نعمت کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرے، دوسرے یہ کہ اس نعمت پر نعمت دینے والے کا شکر بھی ادا کرے۔ نگاہ اس کی طرف رہے کیونکہ جس کو دینا آتا ہے اس کو چھیننا بھی آتا ہے، جو دے سکتا ہے وہ واپس بھی لے سکتا ہے۔ نعمتوں میں یہی امتحان ہے کہ اگر دینے والے پر نگاہ ہے اور شکر کرو گے تو دینے والے کے خزانے لامحدود ہیں، وہ نعمتوں کو بہاتا رہے گا، اگر خدانخواستہ نعمتوں کی ناقدری کی، معلوم ہوا کہ نعمت کی قدر کرنی نہ آئی، وہ اپنی نعمت کو واپس لے لے گا تو واضح ہو گیا کہ نعمتوں کا دینا درحقیقت آزمائش اور جانچ کے لیے ہے اور جوہروں کے کھول دینے کے لیے ہے۔

اسی طرح زندگی کے سفر میں انسان کبھی کبھی مصیبتوں سے بھی آزمایا جاتا ہے، مصیبت سے آزمائش یہ ہوتی ہے کہ مصیبت میں گھر کر آیا آدمی مصیبت ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ واویلا، جزع فزع اور پریشانی ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے یا اس کی نگاہ مصیبت کے بھیجنے والے پر بھی ہوتی ہے کہ اس نے میری کسی مصلحت کے سبب اُسے بھیجا ہے...... اگر مصیبت پر نگاہ ہے، مصیبت بھیجنے والے پر نہیں تو اس کا ثمرہ یہ ہے کہ آدمی کا بے صبرا پن ظاہر ہوگا، اللہ کی شکایت ظاہر ہوگی کہ میں ہی آزمائش کے لیے رہ گیا تھا اور میں ہی آزمانے کے لیے رہ گیا تھا...... لیکن اگر مصیبت میں گھر کر ثابت قدم رہے اور یہ دیکھے

کہ مصیبت تو بے شک سخت ہے مگر بھیجنے والا ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے اس لیے یہ مصیبت میرے ستانے کے لیے نہیں بھیجی گئی، ایمان کی جانچ کے لیے بھیجی گئی ہے تو پھر بندہ صبر کرے گا اور صبر کے امتحان میں کامیابی حاصل کرے گا...... تو نعمت سے آدمی کی شکر گزاری کا امتحان ہوتا ہے اور مصیبت سے آدمی کے صبر وتحمل کا امتحان ہوتا ہے کہ کون بندہ ثابت قدم ہے اور کون ضعیف القلب...... جو نعمت اور مصیبت کے امتحان میں کامیاب ثابت ہوا وہی بندہ فی الحقیقت بندہ ہے اور جو کامیاب نہ ہو وہ بندہ نہیں وہ یا نعمت کا بندہ ہے یا مصیبت کا بندہ ہے جو انہیں دو کی طرف جھکتا ہے۔

مقدارِ امتحان

اور یہ بھی ہے کہ زندگی میں جتنی زیادہ نعمت دی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ جانچ کی جاتی ہے جس پر زیادہ مصیبت آتی ہے اس کے قلب کی اتنی ہی زیادہ جانچ کی جاتی ہے...... چھوٹی موٹی مصیبت کو آدمی جھیل جاتا ہے، صبر بھی کر جاتا ہے، جب بڑی مصیبت آئے، اس وقت ثابت قدم رہے تو کہا جائے گا کہ ایمان بھی مضبوط ہے اور قلب بھی مضبوط...... بڑی بھاری نعمت دے دی جائے، پھر ثابت قدم رہے اور نعمت دینے والے کو نہ بھولے تو کہا جائے گا کہ یہ قوی القلب ہے اور امتحان میں کامیاب ہے۔

پھر اسی کے ساتھ مصائب میں آدمی کی زیادہ جانچ ہوتی ہے، نعمتوں میں اتنی نہیں ہوتی، اللہ نے اس دنیا میں مصیبتیں بے شمار رکھی ہیں اور نعمتیں کم رکھی ہیں۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ آدم علیہ السلام کا پتلا جب اللہ نے بنایا اور مٹی کو پانی میں بھگویا تو چالیس دن اس پر مینہ برسایا گیا ہے...... تو روایات میں ہے کہ اس مٹی پر اُنتالیس دن غم کا مینہ برسا ہے اور ایک دن خوشی کا...... اس لیے دُنیا میں خوشی کم ہے اور مصیبت زیادہ...... زیادہ تر انسان پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ" ہم نے آدمی کو مصائب ہی کے اندر پیدا کیا ہے تو زندگی کے اس سفر میں زیادہ تر مصیبتیں انسان پر آتی ہیں، اس لیے جانچ بھی زیادہ مصیبتوں میں ہوتی ہے اور اوّل سے لیکر اخیر تک مصائب کا ایک سلسلہ ہے، جس آن انسان پیدا ہوتا ہے تو پیدائش کی گھڑی مصیبت ہی کی ہوتی ہے۔ آدمی روتا ہوا آتا ہے، چلاتا ہوا آتا ہے کوئی بچہ بھی دُنیا کے اندر ہنستا ہوا نہیں آتا...... جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسی غم میں مبتلا ہے، اس کو کوئی طلب ہے جو ملی نہیں ہے اس حیرانی اور پریشانی میں چلا رہا ہے، بچے کو پیدا ہونے کے بعد اگر منہ میں دودھ دے دیا جائے چپ ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کی طلب خالی تھی تو کسی نعمت

سے خالی ہونا یہی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ تو انسان دُنیا میں پریشانی کی حالت میں آیا...... پھر جوں جوں عمر بڑھتی چلی جاتی ہے مصائب کا سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

انسان تمنائیں بہت باندھتا ہے، سو تمناؤں میں سے ایک پوری ہوتی ہے، ننانوے میں ناکامیاب رہتا ہے۔ یہ ننانوے میں جو ناکامیابی ہے یہی اس کے حق میں مصیبت ہے تو اس کی تمنا اور طبیعت کے خلاف ہونا یہی سب سے بڑی مصیبت ہے اور یہ انسان کے لیے لازم ہے۔

عالم دنیا کا انداز تخلیق

حق تعالیٰ نے اس دُنیا کو نہ فقط عیش کی جگہ بنایا نہ فقط مصیبت کی جگہ بنایا، عیش بھی ہے، مصیبت بھی ہے، گو عیش کم ہے، مصیبت زیادہ ہے جہاں فقط عیش ہی عیش ہے، مصیبت کا نام نہیں، اسی عالم کو ہم جنت کہتے ہیں اور جس جہان میں مصیبت ہی مصیبت ہے عیش کا نشان نہیں، اسی کو ہم جہنم کہتے ہیں جہاں عیش کا کوئی تخیل بھی نہیں باندھ سکتا تو دونوں کی عیش اور مصیبت سے ملا کر دُنیا کو بنایا جس میں عیش بھی ہے مصیبت بھی ہے تو کچھ جنت کی نعمتوں کے نمونے ہیں اور کچھ جہنم کی مصیبتوں کے نمونے ہیں تاکہ انسان جب عالم آخرت میں پہنچے تو جب تک دُنیا میں گزارے اُسے اس عالم کا تصور ہو جہاں سے عیش آئی ہے۔ اگر اُسے عیش پسند ہے تو اس عالم کے لیے سامان کر لے اور اگر مصیبت ناپسند ہے تو ظاہر ہے کہ اس جہان کی مصیبتوں سے ڈرنے اور بچنے کا آدمی اہتمام کرے گا...... تو دُنیا میں عیش اور مصیبت اس لیے رکھی ہے تاکہ انجام پر نظر رہے۔ عیش کی جگہ کی طلب میں رہے اور مصیبت کی جگہ سے بچنے کا بندوبست کرتا رہے اس لیے اللہ نے یہ دونوں سلسلے جاری کیے۔

موت وحیات کی کشمکش

زندگی کے سفر میں مصیبتوں کی انتہا موت پر ہوتی ہے اور نعمتوں کی انتہا زندگی پر جا کر ہوتی ہے، زندگی نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور موت مصیبتوں کا سرچشمہ ہے، موت کے معنی درحقیقت سلب حیات ہے یعنی زندگی چھین لی جائے۔ بس یہ موت ہے تو عیش کو چھین لیا جائے یہ عیش کی مصیبت، یہ بھی موت ہے، صحت کو چھین لیا جائے، بیماری آ جائے تو یہ صحت کی موت ہے، مرض اور بیماری کی مصیبت مسلط ہوگئی تو جس طرح انسان کی ذات پر موت آتی ہے اسی طرح سے اس کے احوال پر بھی موت آتی ہے، ایک حال آتا ہے ایک جاتا ہے جو حال جاتا ہے اس کی موت واقع ہوگئی جو حال آیا اس کی زندگی ہوگئی، صحت گئی تو صحت کی موت آ گئی، عیش چلا گیا تو عیش کی موت آ گئی تو اس طرح

سے ہر قدم پر انسان موت اور حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے، نعمتیں آتی بھی ہیں جاتی بھی ہیں۔

پھر ایک وقت آتا ہے کہ یہ خود بھی چلا جاتا ہے۔ اس کے احوال پر روزانہ موت طاری ہوتی رہتی تھی مگر خود اس کی ذات پر طاری نہیں ہوتی تھی۔ یہ جو آخری سانس ہے یہ اس کی ذات کی موت ہے وہ بھی بالآخر چلا جاتا ہے تو انسان پوری زندگی موت و حیات کے درمیان میں کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کا مصائب سے امتحان لیا اور اس کے صبر و تحمل کا بھی امتحان لیا تو فرمایا: "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ"

یہاں عربیت کے قاعدہ کے مطابق سب سے پہلے "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ" میں واؤ لائے جو تاکید کے لیے ہوتا ہے، لام لائے جو تاکید کے لیے ہوتا ہے، پھر صیغہ جمع کے لیے لائے جو خود تاکید کے لیے ہوتا ہے، پھر نون ثقیلہ تاکید لائے جو خود تاکید کے لیے ہوتا ہے۔ پھر اس کو ضمیر خطاب یعنی "کُمْ" کی طرف منسوب کیا تو کئی تاکیدیں لائی گئیں۔ اس کے معنی یہ نکلے کہ ہم ضرور بالضرور بالضرور بالضرور تمہاری جانچ کر کے رہیں گے۔ یہ خیال مت کرنا کہ نعمتیں دیکر تمہیں جانچ اور آزمائش سے چھوڑ دیں گے، لازمی طور پر تمہیں آزمائیں گے۔ تاکید کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ اس لیے آدمی احتمالی بات نہ سمجھے۔ جانچ ضرور واقع ہوگی۔

پہلا ذریعہ "خوف" تو فرمایا: "بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ" کبھی تو ہم دشمنوں کا خوف مسلط کریں گے، چہار طرف سے خطرہ ہے کہ ادھر سے نہ جان چلی جائے، ادھر سے نہ کوئی حملہ کر دے، ادھر سے کوئی دشمن نہ آجائے، ہر وقت ایک فکر لگا رہتا ہے۔ خوف سے آزمانے کی غرض کیا ہوتی ہے؟ تاکہ انسان چوکنا رہے، وہ جو تدبیر کرنے کا مادہ ہے وہ معطل نہ ہونے پائے، اگر بے خوف ہو کر آدمی بیٹھ رہے گا تو وہ جو بچاؤ کی تدبیروں کے جوہر رکھے گئے ہیں وہ سب ملیا میٹ ہو جائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بغرض امتحان کبھی خوف مسلط کرتے ہیں تاکہ بیداری اور تیقظ سے آدمی کام لے اور وہ تدابیر اختیار کرے جن سے بچا جاتا ہے تاکہ دل کے جوہر کھلیں کہ یہ کتنا مدبر اور دانا تھا اور کتنا اس نے بچاؤ کا ثبوت دیا۔

دوسرا ذریعہ "فقر" "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ" اور کبھی ہم ...... بھوک دے کر آزماتے ہیں ...... کبھی اس طرح سے آزمائش ہوتی ہے کہ فقر و فاقہ مسلط کر دیا، ایمان کی جانچ کرنا منظور ہے اور قلب کی قوت کی جانچ کرنا منظور ہے، اس کے لیے کبھی خوف دیا کہ خوف اور گھبراہٹ میں آدمی ہمارا نام لیتا ہے یا محض پامال ہو کر رہ جاتا ہے، اگر ہمارا نام لیا تو فرماتے ہیں

کہ ہم مدد کے لیے تیار ہیں، ہم اس کی مدد کے لیے آئیں گے۔ "اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ" اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور اللہ کی مدد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے دین کی مدد کی جائے اور دین کی سب سے پہلی مدد یہ ہے کہ خود آدمی دین پر ثابت قدم رہے...... دین کوئی تصویر یا مجسمہ تو نہیں ہے کہ اس کی مدد کی جائے، دین کی مدد کے یہ معنی ہیں کہ دین کو اپنے اندر سمو لے، ہر حالت میں دین کو پیش نظر رکھے، یہ دین کی مدد ہے اور اللہ کی مدد ہے۔ "فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ" مجھے یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد رکھوں گا، یعنی تم مجھے بھلا دو گے تو میں بھی تمہیں بھلا دوں گا۔

غرض کبھی تو آدمی خوف سے آزمایا جاتا ہے...... اور کبھی فقر وفاقے سے آزمایا جاتا ہے کہ تنگدستی مسلط کردی...... لیکن تنگدستی کے باوجود بندہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے تو جس حالت میں رکھے میں تو بندہ ہوں بندگی کے معنی یہ ہیں کہ جو حال بھی آجائے آدمی شاکر اور صابر رہے، تسلیم ورضا کے ساتھ گردن جھکا دے...... اگر اپنی تجویز پیش کرنے لگا کہ آپ نے میرے اوپر غم بھیج دیا، آپ کو تو خوشی بھیجنی چاہیے تھی، آپ نے میرے اوپر بھلا خوف کیوں مسلط کیا، میرے اوپر تو اطمینان بھیجنا چاہیے تھا تو یہ تجویز ہے۔ بندہ کی تخلیق کا مقصد بندگی ہے۔ بندگی کے معنی تفویض یعنی سونپ دینے کے ہیں کہ اے اللہ آپ جس حالت میں رکھیں میں راضی ہوں، اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی تجویز چھوڑ دے، خود اپنے لیے کچھ تجویز نہ کرے جو اُدھر سے آجائے اس کے لیے راضی رہے تو اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں کہ اس بندہ میں تفویض یعنی سونپ دینے کا جوہر ہے یا اپنی تجویز اور خود رائی کا مضمون ہے، خود رائی اگر ہوئی تو یہ بندگی کے خلاف ہے، رائے کو ترک کر دیا تو یہ بندگی ہے کہ جو حق تعالیٰ چاہیں میں اسی پر راضی ہوں۔ گویا اس طرح سے آدمی بن جائے، جیسا کہ نہلانے والے کے ہاتھ میں میت ہوتی ہے کہ جدھر کو چاہے کروٹ دے دے، جدھر کو چاہے پلٹ دے، میت یہ نہیں کہتا کہ اِدھر مجھے کیوں کروٹ دی، اُدھر کو کیوں نہ دی؟ بس بالکل غسال کے ہاتھ میں ہے۔ یہی شان بندے کی اپنے پروردگار کے ہاتھ میں ہونی چاہیے کہ ادھر سے جو حالت آئے اسی پر لگ جائے اور کہے اے اللہ! تیرا شکر ہے، میں اسی کے اندر راضی ہوں، اگر خوف آئے تو راضی ہو جائے، ہر وقت اللہ تعالیٰ سے عافیت اور اطمینان کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ مگر جو کچھ پیش آئے اس پر بندہ رضامندی کا اظہار کردے، بندگی اسی کا نام ہے۔

کسی غلام سے کسی نے پوچھا تھا تو کیا کھائے گا؟ اس نے کہا تھا جو آقا کھلا دے۔ پوچھا کیا پہنے گا؟ کہا جو آقا پہنا دے۔ کام کیا کرے گا؟ جو آقا کام دے دے...... تو اس نے کہا کہ آخر

تیری بھی کوئی مرضی ہے؟ اُس نے کہا اگر میری اپنی مرضی ہوتی تو میں غلام ہی کیوں ہوتا۔ میرے غلام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ میرا ارادہ بھی غلام، میری خواہش بھی غلام، میری مرضی بھی غلام، جو کچھ مرضی ہے وہ آقا کی ہے، جو کچھ ارادہ ہے وہ آقا کا، وہ آقا ہے اور میں غلام ہوں...... تو ایک انسان جب ایک انسان کا خادم اور غلام بن جاتا ہے حالانکہ اُس آقا نے اس کو پیدا نہیں کیا، اس کی زندگی اور نعمت و مصیبت آقا کے ہاتھ میں نہیں مگر بہر حال نام تو غلام بن گیا تو آدمی اس درجہ اپنے کو جھکا دیتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ نہ میری مرضی نہ میری خواہش نہ میرا ارادہ...... تو اللہ رب العزت جس کے ہاتھ میں جان بھی ہے اور جس کے ہاتھ میں اس کا ایمان بھی ہے اور جس کے ہاتھ میں اس کی عزت و آبرو ہے۔ جب اس کے سامنے اس کا بندہ کوئی تجویز رکھے اور دعویٰ کرے کہ میں بندہ ہوں تو یہ دعویٰ غلط ہوگا، بندگی کے معنی یہ ہیں کہ جو آپ چاہیں، وہی ٹھیک ہے، اسی میں میری رضا ہے، تو تسلیم و رضا پیدا ہو جانا اور بندۂ رضا بن جانا یہی فی الحقیقت بندگی ہے۔

بندے کا یہی حال ہونا چاہیے کہ اگر ایک انسان سے یہی حال کیا تو خدا کا بندہ ہے؟ تیرے بندہ ہونے کے؟ کیا معنی ہیں وہ یوں کہے کہ اگر اللہ عیش میں رکھے تو میں اس کا بندہ... اگر وہ مصیبت میں رکھے تو میں اس کا بندہ...... اگر وہ اطمینان دے تب بھی میں اس کا بندہ... اگر وہ فکر میں مبتلا کر دے تب بھی میں اس کا بندہ... تب تو ہے بندگی...... اور اگر یوں کہے کہ نعمت آتی تب تو میں خدا کا بندہ اور اگر نعمت چھین لی تو پھر میں اس کا بندہ نہیں تو پھر میں شکایت کروں گا، تو وہ خدا کا بندہ نہیں ہے، وہ نعمت کا بندہ ہے، نعمت اس کا معبود ہے، اگر وہ آ گیا ہے تو یہ راضی ہے، نعمت چلی گئی وہ ناراض ہو گیا، اس دُنیا میں آدمی خدا کی بندگی کرنے آیا ہے، نعمت کی بندگی کرنے نہیں آیا۔

اس امتحان کے ذریعے اللہ تعالیٰ آدمی کے اس جوہر کو جانچتے ہیں کہ یہ کس حد تک ہمارا بندہ ہے، مصیبت ہو یا نعمت ہو کس حد تک ہماری طرف جھکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے زندگی کے اس سفر میں نعمت و مصیبت کا یہ سلسلہ قائم کر دیا۔

مصائب کے ذریعے قرب کی منازل

حدیث میں ہے کہ اگر ایک انسان کے گناہ زیادہ ہوں اور حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کو اعلیٰ مقام اور مقام کریم عطاء کریں۔ اس کے اعمال میں سکت نہیں، گناہوں کی کثرت ہے تو اس کو اس مقام کے لائق بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ اس پر بیماری مسلط کر دیتے ہیں، جوں جوں بیماری بڑھتی ہے

وہ صبر وتحمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ! تو جس حالت میں رکھے میں راضی ہوں، اس بیماری کی مصیبت سے اس کے گناہ کا کفارہ ہو رہا ہے اور مقام قرب کے قریب پہنچ رہا ہے...... اگر اس کے گناہ نپٹ گئے اور اس مقام تک پہنچ گیا تو بہتر اور اگر پھر بھی اس کے گناہ باقی رہ گئے تو بیماری کے ساتھ میں ناداری بھی مسلط کر دیتا ہوں، بیمار پہلے سے تھا، مفلس اب ہو گیا، ہاتھ میں پیسہ نہیں کہ غذا استعمال کرے، دوا استعمال کرے تو بیماری بھی ہے مگر علاج کے لیے پیسہ نہیں اور فاقہ بھی ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی ثابت قدم ہے، یہی کہتا ہے کہ اے اللہ! تو جس حالت میں رکھے میں راضی ہوں...... فرماتے ہیں کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو رہا ہے۔ اس کے قلب میں جو گناہوں کا میل کچیل بھرا ہوا تھا وہ اب مٹ رہا ہے...... اگر گناہ نمٹ گئے فبہا، نہ نمٹے تو فرماتے ہیں کہ اس پر موت مسلط کر دیتا ہوں کہ اس کا کوئی عزیز میں چھین لیتا ہوں...... بیماری پہلے سے تھی، ناداری بعد میں آئی، موت اب مسلط ہو گئی، قریبی عزیز چلے جا رہے ہیں...... یہ بھی اس لیے گناہوں کا کفارہ ہے۔ جتنا اس پر غم پڑے گا اتنا ہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا، اتنا ہی اس کو قربِ خداوندی نصیب ہوگا، اتنا ہی اَجر ملے گا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایک انسان کو ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے اور اس کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے تو اُس چبھن پر اللہ تعالیٰ ایک نیکی نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں اور ایک بدی مٹا دیتے ہیں، اگر دس دفعہ کانٹا چبھا تو دس نیکیاں مل گئیں اور دس برائیاں مٹ گئیں...... ادنیٰ مصیبت پر ہے۔

اندازہ کیجئے کہ اگر بڑی مصیبت پڑے تو نیکی بھی بڑی دی جائے گی اور بڑی سے بڑی مصیبت کا کفارہ بھی کیا جائے گا تو یہ مصائب کا سلسلہ کفارہ کے لیے ہے کہ مصیبتیں گھٹ جائیں اور نیکیاں بڑھ جائیں۔ اس کے درجات بلند ہو جائیں اور اس مقام کریم کے قابل ہو جائے، اگر یہ بدیاں مٹ گئیں اور رُوح میل کچیل سے صاف ہو گئی تو فبہا اور اگر پھر بھی صاف نہ ہوئی تو حدیث قدسی میں فرمایا گیا کہ میں نزع میں شدت کر دیتا ہوں، جان کنی شدید ہوتی ہے، یہ خود ایک مستقل مجاہدہ انسان کو ہوتا ہے...... لیکن وہ اس میں بھی بندۂ صبر ورضا بنا ہوا ہے۔ جانتا ہے کہ میں قاہر وجابر کے ہاتھ میں ہوں، مجھے راضی رہنا چاہیے، وہی میرا مالک ہے...... اس سے اگر برائیاں مٹ گئیں اور کفارہ ہو گیا تو فبہا...... اور اگر نہ ہوا تو پھر قبر کے اندر کچھ ہولناک حالات پیش آتے ہیں۔ قبر کا فتنہ ہے، قبر کا دبانا ہے، منکر نکیر کا آنا ہے، سوال وجواب ہے، آزمائش اور امتحان ہے، یہ بھی درحقیقت کفارے کے لیے ہے اگر یہاں بھی گناہ نہ نمٹے تو پھر میدانِ محشر کے ہولناک

حالات سے گزرنا پڑے گا، دھوپ کی تیزی ہوگی، سرگردانی ہوگی، اللہ رب العزت کے سامنے کھڑے ہونے کا ایک دہشت ناک مقام ہوگا۔ اگر وہاں گناہ نمٹ گئے تو فبہا، اگر وہاں بھی نہ نمٹے تو آگے پل صراط ہوگا، وہ ایک مصیبت ہے۔

حدیث میں ہے کہ پل صراط جو جہنم کے اوپر باندھا جائے گا۔ پندرہ ہزار سال کا اس کا راستہ ہوگا۔ پانچ ہزار برس چڑھائی کے، پانچ ہزار برس اُتار کے اور پانچ ہزار برس برابر چلنے کے۔ اس کے اوپر سے انسان کو گزارا جائے گا، یہ خود ایک مستقل مصیبت ہوگی...... یہ دراصل کفارہ کے لیے ہوگا کہ جو کچھ روح کا میل کچیل ہے وہ نکل جائے...... پھر بھی اگر نہ نکلا اور مصیبتیں باقی رہ گئیں تو اس پُل سے کٹ کر آدمی جہنم میں جا گرے گا، مؤمن کو جہنم میں گناہوں کے کفارہ کے لیے ڈالا جائے گا...... کافر کو تو ایندھن کے طور پر ڈالا جائے گا، مؤمن کو صاف کرنے کے لیے ڈالا جائے گا۔

مؤمن کو اس لیے ڈالتے ہیں کہ اس کے ایمان پر جو گناہوں کا خس وخاشاک رہ گیا تھا اور اس کی رُوح میں میل کچیل رہ گیا تھا وہ جل کر روح صاف ہو جائے اور کندن بن کر نکلے اور اس مقام کریم کے لائق ہو جائے جو اس کے لیے تجویز کیا گیا ہے...... غرض اس مقام تک پہنچانے کے لیے مصیبتوں کا ایک سلسلہ ہے۔ پیدائش سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اور بڑھاپے سے لے کر موت تک اور موت سے لے کر قبر تک اور قبر سے لے کر حشر تک اور حشر سے لے کر پل صراط تک ایک مصیبتوں کا سلسلہ ہے۔ سارا سلسلہ اس لیے ہے کہ انسان جل جلا کر کندن ثابت ہو۔ یہ اس کے اندر جو غل وغیظ کی کدورتیں بھری ہوئی ہیں، اعمالِ بد کی کدورتیں ہیں، وہ سب جل کر صاف ہو جائیں اور وہ کسی اعلیٰ مقام کے لائق ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے آپ نے ایک بہت عمدہ صاف ستھرا لباس پہن رکھا ہے لیکن رفتہ رفتہ اس پر میل کچیل آنا شروع ہوا، ہفتہ بھر میں اتنا میلا ہو گیا کہ وہ برا معلوم ہونے لگا تو آپ اُسے بیزاری کے ساتھ اُتار کر غسل خانے میں پھینک دیتے ہیں۔ اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ ہاتھ بھی لگائیں بلکہ نفرت سے دیکھتے ہیں۔ اگر مکان میں سامنے میلے کپڑے ڈال دیئے جائیں۔ اگرچہ وہ آپ ہی کے ہوں، آپ گھر والوں سے کہیں گے کیا حماقت ہے میلی کچیلی چیزیں سامنے ڈال دیں، اِن کو کہیں ایک طرف کونے میں ڈالو تو آپ کو خود نفرت ہو جاتی ہے اس لیے کہ اُن پر میل آ گیا، کپڑا تو وہی ہے، قیمت بھی اس کی وہی ہے، اتنا ہی تو فرق ہوا کہ میل اس پر آ گیا، بد بو اُٹھنے لگی، آپ کو نفرت ہو گئی۔

اب دھوبی اس کپڑے کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ سب سے پہلے اُسے ایک نہر یا تالاب کے کنارے ایک لکڑی کا پٹڑا بچھا کر زور دے کر مارنا شروع کرے گا۔ اتنی اس کپڑے کو سزا مل رہی ہے کہ اُسے بھگو بھگو کر مارا جا رہا ہے، اگر کپڑے کی زبان ہو اور وہ دھوبی سے یوں کہے کہ ظالم! میں نے تیرا کیا قصور کیا تھا؟ تو مجھے پٹخ پٹخ کر مار رہا ہے، تجھے ذرا ترس نہیں آتا تو دھوبی کہے گا کہ احمق تیرے ہی نفع کے لیے تجھے مار رہا ہوں، تیرا میل کچیل نہیں نکل سکتا، جب تک تجھے اس طرح دے دے کر نہ مارا جائے۔

پھر اسی پر بس نہیں کی، بھٹی چڑھا کر اس کے نیچے آگ جلا کر اس میں کپڑے کو ڈال دیا، پانی آگ کی وجہ سے ساں ساں کر رہا ہے، گویا زبانِ حال سے کپڑا چلا رہا ہے کہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہوا کہ اب تک تو مجھے پٹخ کر مارا گیا تھا، اب مجھے بھٹی میں آگ کے اوپر رکھ دیا، وہ جل رہا ہے، یہاں تک کہ اُسے بھٹی میں سے نکالا گیا پھر اُسے نچوڑا گیا تو اس میں سے بہت سا میل نکلا، پھر دھوبی اس پر قناعت نہیں کرتا، یہاں سے جانے کے بعد اس پر استری کرتا ہے۔ تاکہ اس کپڑے کے بل بھی نکل جائیں جو سلوٹیں پڑے ہوئے تھے وہ بھی باقی نہ رہیں، پھر اس میں چمک پیدا ہوئی، پھول سا بنا کر مالک کے پاس وہ کپڑے کو لایا تو اب یہ مالک کا سلوک نہیں ہوگا کہ وہ کہے اسے پرے پھینکو۔ اب عزت کے ساتھ اگر عمامہ ہے تو سر پر جگہ دی جائے گی، چوغہ ہے تو اُسے بغل میں ڈال دیا جائے گا، کرتہ ہے تو اس کو گلے میں پہنیں گے۔

اور پھر جس مجلس میں بیٹھیں گے اس کے مناقب بیان ہوں گے کہ بڑا نفیس کپڑا ہے، اس کی کتنی قیمت ہے، لوگ پوچھیں گے کہ کہاں سے منگوایا ہے؟ تو آپ منہ بھر کر کہیں گے کہ فلاں کارخانہ کا بنا ہوا ہے، اتنا بہتر ہے، اس کے اوصاف یہ ہیں، دُھلنے کے بعد ایسا ہوتا ہے، ایسا ہوتا ہے تو مجلس میں اس کے مناقب بیان کیے جا رہے ہیں، اس کی خوبیاں بیان کی جا رہی ہیں ......

مالک کے سر پر جگہ ملی اور وہ عمامہ بن کر سر پر پہنچا! سب اس بات کا نتیجہ ہے کہ اس میں سے میل کچیل نکل گیا، میل کچیل نکالنے کے لیے مصیبتوں کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا، دے دے کر الگ مارا گیا، بھٹی میں الگ جلایا گیا، جلتی ہوئی گرم استری الگ اس پر پھیری گئی، دھوپ میں الگ تپایا گیا، ان مصیبتوں سے گزرنے کے بعد اب وہ مقامِ عزت پر پہنچا اور اس کی تعریفیں کی جانے لگیں۔

اب اگر اس کپڑے کو عقل ہو تو وہ دھوبی کا شکریہ ادا کرے گا کہ آپ نے میری بڑی خیر خواہی کی کہ مجھے ان مصیبتوں سے گزارا، اگر میں ان مصائب سے نہ گزرتا تو یہ عزت کا مقام نہ پاتا، بعینہ

یہی صورت انسان کی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صاف ستھرا کر کے دُنیا میں بھیجا تھا۔

کہ ہر انسان صاف، صحیح فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، گناہ گار بن کر نہیں آتا لیکن جوں جوانی چڑھتی ہے اور اسباب عیش مہیا ہوتے ہیں، گناہوں اور نفسانی جذبات میں مبتلا ہوتا ہے، اُن کی تکمیل میں لگا رہتا ہے، اس کو بھول کر یہ خیال نہیں آتا کہ یہ نعمتیں مجھے کس نے دی تھیں؟ یہ انعامات کس نے کیے؟ اگر ایک غریب آدمی ایک سجدہ کرتا ہے تو مجھ کو اللہ نے اتنی نعمتیں دی ہیں کہ مجھ کو ایک ہزار سجدے کرنے چاہئیں جس کے پاس جتنی نعمت ہو اُتنا ہی اُس کو شکر ادا کرنا چاہیے مگر اُس کو یہ خیال نہیں آتا، معصیتوں اور گناہوں کا میل کچیل اس کی روح میں بھرتا رہتا ہے۔

مالک الملک کی طرف سے اُسے تکلیف دی جاتی ہے لیکن متنبہ نہیں ہوتا، حق تعالیٰ مصائب کے سلسلہ میں ڈالتے ہیں، جیسے دھوبی نے کپڑے کو مصیبتوں کے سلسلہ میں ڈالا تھا لیکن دھوبی کا منشاء کپڑے کو ستانا نہیں تھا، مقام بلند تک پہنچانا تھا...... اسی طرح سے حق تعالیٰ کا منشاء ان مصیبتوں سے بندے کو بلند مقام تک پہنچانا ہے، اس کو مصیبتوں کی بھٹیوں میں ڈالتے ہیں، کبھی ناداری مسلط کر کے، کبھی دشمنوں کا خوف مسلط کر کے، کبھی فقر و فاقہ مسلط کر کے، کبھی غم و الم مسلط کر کے، کبھی عزیزوں کو چھین کر کے اور کبھی موت کو مسلط کر کے۔ یہ سب چیزیں اس لیے ہیں کہ اس کے قلب میں جو میل کچیل ہے وہ نکلے اور قلب میں توجہ الی اللہ اور نورانیت پیدا ہو، جب یہ پیدا ہو جائے گی تو مقام کریم پر پہنچا دیا جائے گا۔ تو حاصل یہ نکلا کہ نعمتیں ہوں یا مصیبتیں، دونوں سلسلے جانچ کے لیے ہیں اور جانچ اس لیے نہیں کہ حق تعالیٰ کو علم نہیں تھا (معاذ اللہ) بلکہ علم تھا۔ اس علم کو ظاہر کرنے کے لیے کہ بندہ بھی محسوس کرے کہ میں نے کیا کیا تھا اور اللہ نے میرے ساتھ کیا کیا، مصیبتوں کو دیکھ کر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ شاید میرے ساتھ برائی کی جارہی ہے لیکن اگر اس کے دل میں فکر ہے اور دماغ میں عقل کی خوبی ہے تو وہ کہے گا کہ میرے ساتھ برائی نہیں کی جارہی ہے، میرے ساتھ بھلائی کا سامان کیا جارہا ہے، حق تعالیٰ کو مجھے مقام عزت تک پہنچانا مقصود ہے۔ اسی لیے مجھے مصیبتوں کی بھٹی میں ڈالا ہے۔

مصائب کے ذریعہ اصلاح

یہی وجہ ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو آدمی کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں، جب عیش و طرب کی کثرت ہوتی ہے تو آدمی میں غنا پیدا ہوتا ہے اور سرکشی بڑھ جاتی ہے، حق تعالیٰ اس کا علاج کرتے ہیں کہ کچھ نعمتیں چھین کر بتاتے ہیں۔ اگر دانش مند ہو تو فوراً متوجہ ہو کر توبہ کی طرف لگ جاتا

ہے تو نتیجہ نکل آتا ہے کہ اسے متوجہ کیا گیا تو یہ متوجہ ہو گیا تو نعمت دوبارہ واپس کردیتے ہیں لیکن اگر نہیں مانتا تو پھر دوسرا آپریشن کرتے ہیں۔ یہ ساری مصیبتیں درحقیقت بندے کے حق میں آپریشن ہیں۔ اس کے لیے خوبی کا ذریعہ ہیں، اس کے انجام کی بھلائی پیش نظر ہوتی ہے، اس لیے حق تعالیٰ شانہ ان مصائب کے نشتر کے ذریعہ سے جو مادۂ فاسدہ بھرا ہوا ہے اُس کو خارج کرتے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اگر مصیبتیں آئیں اور مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت موت کی ہے۔ اگر کسی کے گھر میں آئے تو آدمی یہ نہ سمجھے کہ یہ میرے ستانے کا سامان کیا گیا ہے یہ منجانب اللہ خیر و برکت کا سامان ہے اور عبرت دلانے کا سامان ہے۔ آپ غور کرکے دیکھئے ہر شخص کو اس کا تجربہ ہوگا کہ جس گھر میں میت ہوتی ہے، قلوب میں اس درجہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جاتی ہے کہ دُنیا کی بے ثباتی ہر شخص کے سامنے ہوتی ہے اور ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہی کچھ میرے لیے بھی درپیش ہے، مجھے بھی اس راستہ سے جانا ہے وہ جو ایک بے فکری، طغیانی اور سرکشی تھی وہ خود بخود گھٹ جاتی ہے۔ برسوں کے مجاہدے کے بعد وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو ایک جنازہ سامنے آنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے موت و حیات کا سلسلہ اس لیے رکھا ہے تاکہ انابت کا مضمون پیدا ہو اور قلوب کی بے فکری ہٹ جائے۔

مقصد موت

اور اگر یہ شخص رونے دھونے میں لگ جائے اور رات دن میت کو یاد کر کے روئے تو اس سے نہ میت کو فائدہ ہوگا نہ خود اس کو۔ موت اس لیے بھیجی گئی تھی کہ اس کو دیکھ کر آدمی اپنی موت کو یاد کرے، نہ یہ کہ دوسرے کی موت میں اُلجھ کر رہ جائے ...... تو اصل مقصد موت کا یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عبرت حاصل کی جائے اور اپنے اخیر وقت کو یاد کیا جائے اور ایسے سامان پیدا کیے جائیں کہ ہمارے لیے بھی نافع ہو اور میت کے لیے بھی نافع ہوں۔ اس کے لیے مثلاً تلاوت قرآن کریم بتلائی گئی کہ ایصالِ ثواب کریں، ایصالِ ثواب سے اس کو بھی راحت پہنچے گی اور آپ کے قلب کو بھی تسکین ہوگی اور اس کے لیے بہترین تدبیر یہ دُعاء ہے جو اس آیت کریمہ میں بتلائی گئی ہے۔

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ"

ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کبھی دشمنوں کا خوف مسلط کر کے کبھی بھوک اور فقر و فاقہ مسلط کر کے، کبھی مال گھٹا کر اور خسارہ دے کر اور کبھی جانوں کو کم کر کے، یعنی موت مسلط کر کے تو مختلف طریقوں سے آزمائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان مصیبتوں کے بعد جو صبر کر گیا اور تحمل سے

کام لیا، اپنے پروردگار پر نگاہ رکھی۔ تو فرماتے ہیں: "وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ"...... "بشارت دے دو صبر کرنے والوں کو" کہ جب ان پر مصیبت آتی ہے وہ تسکین کی یہ دُعاء پڑھتے ہیں وہ دُعاء یہ ہے: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" کہ ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

تسکینِ عقل

اس میں تسلی کس طرح سے دی گئی تو دو جملے فرمائے گئے ایک "اِنَّا لِلّٰهِ" اور ایک "اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"......"اِنَّا لِلّٰهِ" کے معنی یہ ہیں کہ ہم سب اللہ کی ملک ہیں...... جب ذہن میں یہ تصور آ گیا تو آدمی سمجھے گا کہ مالک کو اختیار ہے اپنی ملک میں جیسا چاہے تصرف کرے، مالک اگر یہ چاہے کہ میں اپنی چیز کو اوپر رکھ دوں تو حق ہے اگر یہ چاہے کہ میں اسے نیچے کے کمرے میں رکھ دوں یہ بھی اُس کا حق ہے، اور اگر وہ یہ چاہے کہ زمین سے نیچے رکھ دوں، یہ بھی اس کو حق ہے، جب ہم اللہ کی ملک ہیں زمین کے اوپر رکھنا چاہے یہ بھی اس کو اختیار ہے زمین کی تہہ میں قبر میں پہنچانا چاہے یہ بھی اس کو اختیار ہے، قبر سے آگے کسی اور عالَم میں بھیج دے یہ بھی اس کو اختیار ہے تو اس کا مطلب اللہ کی مالکیت کا تصور ہے کہ وہ مالک اور ہم مملوک ہیں، وہ ہمارا آقا اور ہم اس کے خادم اور مالک کو اپنی ملک میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے تو عقلی طور پر انسان میں صبر آ گیا، عقل نے سمجھا دیا کہ جب تو ملک ہے تو تجھے واویلا کرنے سے کیا مطلب؟ حق تعالیٰ مالک ہیں اور مالک کو اپنی ملک میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے تو عقلی طور پر صبر آ گیا۔

تسکینِ طبع

لیکن طبعی طور پر ابھی غم مسلط ہے، عقل بے شک سمجھا رہی ہے کہ مالک نے اپنی ملک میں تصرف کیا ہے، یہ بندہ اس کی ملکیت تھا، اس نے اس کو اُٹھا لیا۔ بہر حال طبعی طور پر رونے کا جذبہ موجود ہے تو دوسرے جملہ میں اس کا علاج کر دیا گیا۔

"وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" ہم سب لوٹ کر اس کی طرف جانے والے ہیں۔

اس میں یہ بتلا دیا گیا کہ جہاں یہ گیا وہاں تم بھی پہنچو گے، گھبرانے کی کیا بات ہے؟ یہ تو چند دن کی جدائی ہے، اس کے بعد جہاں یہ ہوگا وہاں تم ہوگے۔ اگر ہمارا کوئی عزیز سفر پر چلا جائے یا ملازمت پر ایک ہزار میل کے فاصلے پر چلا جائے۔ بعض دفعہ دس دس برس ملاقات نہیں ہوتی لیکن آدمی یوں نہیں گھبراتا کہ جب موقع ہوگا وہ چلا آئے گا، ملنے کا امکان ہے تو اس امکان کی وجہ سے جدائی کا غم ہلکا ہو جاتا ہے...... یہاں امکان نہیں بلکہ قوتِ یقین سے یہ چیز حاصل ہے کہ جہاں یہ

گیا وہاں ہم بھی پہنچنے والے ہیں۔ امکان پر اگر صبر آ جاتا تو یقین سے صبر کیوں نہیں آئے گا؟

تو "اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" سے انسان کو طبعی طور پر بھی صبر آ جاتا ہے تو "اِنَّا لِلّٰهِ" سے عقلی طور پر اور "وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" سے طبعی طور پر صدمہ گھٹ جاتا ہے، طبیعت اور عقل دونوں بتلا دیتی ہیں کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو واقعہ پیش آیا ہے وہ تمہارے لیے بھی پیش آنا ہے۔ اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا کہ اگر کوئی ادنیٰ بھی مصیبت آئے تو فوراً "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھو تو صرف میت ہی پر یہ دُعا نہیں پڑھی جاتی بلکہ اگر ایک پیسہ بھی گم ہو جائے تو بھی پڑھی جائے، کوئی کپڑا بھی گم ہو جائے جب بھی پڑھو۔ اس دُعاء کی برکت سے صبر بھی حاصل ہوتا ہے۔ مالک کی طرف توجہ بھی ہوتی ہے اور بدل بھی مل جاتا ہے...... نعم البدل ہاتھ آ جاتا ہے۔ یہ اس دُعا کی خاصیت ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ زندگی کے سفر میں مصائب کے سلسلہ میں جزع فزع کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، صبر ہی کرنے سے سب کچھ ملتا ہے۔ صبر و تحمل سے اپنے کو بھی ملتا ہے دوسرے کو بھی ملتا ہے۔

تسکین بخش واقعہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ اُن کا بیٹا آٹھ نو سال کا تھا، بہت خوبصورت اور ہونہار تھا ......اور ظاہر بات ہے کہ ماں باپ کی توقعات اولاد ہی سے وابستہ ہوتی ہیں، اولاد اُن کی زندگی کا سہارا ہوتی ہے، غرض ان کو بہت زیادہ محبت تھی اور توقعات بھی تھیں اور صورت شکل سے ہونہار معلوم ہوتا تھا، یہ بچہ بیمار ہوا، اس زمانے میں جو علاج ہوتا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن بیماری بڑھتی گئی اسی حالت میں اُنہیں ایک دو دن کا سفر پیش آیا اور سفر بھی کوئی ضروری تھا، اس لیے جانے پر مجبور ہوئے تو بیوی سے یہ فرمایا کہ بچے کی تیمارداری پوری کی جائے اور علاج معالجے میں کوئی کمی نہ کی جائے اور میں پرسوں تک آ جاؤں گا...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے...... اُن کی غیر موجودگی میں جبکہ ان کے آنے کا دن تھا کہ بچے کا انتقال ہو گیا تو بیوی بھی صحابیہ تھیں۔ صاحب نسبت اولیاء میں تھیں، انہوں نے بچے کی لاش کمرے میں رکھی اور چادر سے ڈھانک دی اور باہر آ کر بیٹھ گئیں۔

تھوڑی دیر بعد حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے تو عرب کے قاعدے کے مطابق بیوی نے آگے بڑھ کر خاوند کا استقبال کیا۔ مصافحہ کر کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چومے۔ اُنہوں نے آتے ہی پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بِعَافِیَةٍ وَخَیْرٍ" خدا کا شکر ہے بڑی عافیت اور خیریت میں ہے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں، وہ مطمئن ہو گئے، ان کو کھانا کھلایا۔

کھانا کھلاتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ مجھے آپ سے شریعت کا ایک مسئلہ پوچھنا ہے...... وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے پاس امانت رکھوائے اور اس کی ایک میعاد مقرر کرے کہ برس دن کے بعد میں اپنی یہ چیز یا پیسہ واپس لے لوں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک مقررہ وقت پر اُدا کر دینا چاہیے۔ تو کہا کہ ہم دیر لگائیں اور ٹال مٹول شروع کر دیں۔ فرمایا کہ ہمیں کوئی حق نہیں...... اگر ایسا ہوگا تو یہ خیانت ہے اور امانت داری کے خلاف ہے۔ کہا اگر ہم نے وقت پر ادا کر دیا...... مگر دل میں گھٹن پیدا ہوئی کہ ہم نے کیوں ادا کیا رکھ ہی لیتے...... فرمایا گھٹنے کا تمہیں کیا حق ہے، وہ چیز تمہاری کب ہے، اپنی چیز پر آدمی گھٹے، دوسرے کی چیز پر گھٹن لانے کا کیا حق ہے؟ بلکہ فرمایا کہ شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ ٹھیک وقت پر امانت سے سبکدوش ہو گئے، کوئی خیانت نہیں ہوئی، جس کی چیز تھی اُسے پہنچ گئی، کہا کہ شریعت کا مسئلہ یہی ہے...... فرمایا...... مسئلہ تو یہی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ:

”وہ جو آپ کا بیٹا تھا وہ اللہ کی امانت تھی، اس نے ٹھیک آٹھ برس دو مہینے کے لیے ہمارے پاس بھیجا تھا۔ جب میعاد پوری ہو گئی تو قاصد آیا اور کہا کہ میری امانت میرے حوالے کر دو، ہم نے حوالے کر دی، اب ہمیں بیٹھ کر گھٹنا چاہیے؟ ہمیں غم میں مبتلا ہونا چاہیے؟“

بیوی کے ہاتھ چومے اور فرمایا کہ خدا تجھے جزائے خیر دے تو نے میرے دل کو ایسا صبر دیا کہ بجائے غم کے مجھے خوشی ہے کہ امانت، امانت داری کے ساتھ ادا کر دی گئی، وقت مقررہ پر ہم سبکدوش ہو گئے اور امانت مالک کو پہنچا دی۔ حقیقت حال یہی ہے کہ اللہ جب کسی نفس کو واپس لیتا ہے تو طبعی طور پر صدمہ اور غم ضرور ہوتا ہے...... مگر عقل اور طبیعت دونوں بتلاتی ہیں کہ مالک کو اپنی ملک میں تصرف کا حق تھا، طبیعت کہتی ہے کہ جدائی کا غم ہے یہ تو چند روزہ جدائی ہے، پھر ہم وہیں جانے والے ہیں۔ اس سے آدمی کے اندر صبر اور سکون پیدا ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ میت عالم برزخ میں پہنچ کر ہر ہر رشتہ دار، عزیز اور پس ماندہ کی طرف متوجہ رہتا ہے کہ کون میرے لیے کیا کرتا ہے۔ اس کی مثال دی گئی کہ جیسے دریا میں کوئی ڈوبتا ہوا ایک ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے کہ شاید میں اس کی وجہ سے ڈوبنے سے بچ جاؤں، میت کی یہی کیفیت رہتی ہے تو عزیز واقارب کی طرف اس کی آس لگی رہتی ہے کہ کوئی مجھے یاد کرتا ہے یا نہیں؟ کوئی اجر پہنچاتا ہے یا نہیں؟

برزخ میں آثارِ نعمت

حدیث میں فرمایا گیا کہ مردوں کو اجتماع کا کچھ وقت دیا جاتا ہے تو جب وہ جمع ہوتے ہیں تو اگر کسی کے پاس زیادہ ثواب پہنچتا ہے تو وہ دوسرے مردوں کے اوپر فخر کرتا ہے کہ میرے عزیز تھے جو مجھے یاد کرتے تھے اور اگر کسی کا کوئی عزیز نہیں ہوتا تو وہ کہتا ہے کہ میرا بھی کوئی عزیز ہوتا تو مجھے یاد کرتا تو اس کو خجالت اور ندامت ہوتی ہے تو جو دُنیا میں کیفیت تھی کہ نعمت زیادہ ہوتی ہے تو آدمی کا سر اُونچا ہوتا تھا، مصیبت آپڑتی تھی تو سرنگوں ہو جاتے تھے، یہی کیفیت برزخ میں بھی رہتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت اور مصیبت کمائی نہیں جاتی، یہاں سے بھیجی جاتی ہے یا یہاں کا کیا ہوا اس کے ساتھ رہتا ہے تو اگر کوئی ثواب پہنچا دیتا ہے تو اس کا سر فخر سے اُونچا ہوتا ہے اور وہ دوسروں سے کہتا ہے کہ تمہارے عزیز واقارب تو کچھ نہیں بھیج رہے تو یہ ہے وہ چیز جس سے اپنے قلب کو بھی تسکین ہوتی ہے اور میت کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن محض رونا یا غم میں مبتلا رہنا ہمارے لیے بھی تکلیف دہ ہے اور میت کے لیے بھی تکلیف دہ ہے نہ اس کے لیے فائدہ نہ ہمارے لیے فائدہ۔

اور صبر اپنے وقت پر ہوتا ہے مدت کے گزر جانے پر تو ہر ایک کو صبر آ جاتا ہے۔ وہ باعث اجر نہیں ہوتا، صبر وہی باعث اجر ہے جو ارادہ و اختیار سے مصیبت کو دبانے کیلئے کیا جائے۔

حدیث میں ہے کہ ایک بڑھیا کا جوان بیٹا مر گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے، بڑھیا واویلا فریاد اور بیان کر کر کے رو رہی تھی، آپے سے باہر تھی، آپ نے فرمایا، بڑی بی! صبر کرو، حق تعالیٰ کو یہی منظور تھا، تحمل کرو۔

اس نے جذبے میں کہا کہ تمہارے اُوپر گزرتی، جب میں جانتی میرا تو جوان بیٹا مر گیا تم مجھے کہہ رہے ہو صبر کرو، اُسے یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ...... غرض جواب دے دیا اور کہا کہ مجھ سے نہیں صبر ہوتا ...... فرمایا اچھا تو جان، تیری مرضی ...... اور آپ آگے گزر گئے۔ اُسے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے ...... تو بے چاری پریشان اور نادم ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑی اور مسجد نبوی میں جا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ صبر کی تلقین فرما رہے تھے، اب میں صبر کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی'' ...... ''جب صدمہ پڑ رہا ہو جب صبر کیا جائے وہ صبر ہے۔''

وقت گزر جانے کے بعد مجبوری کا صبر ہوتا ہے۔ اس پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہوتا ...... جب آدمی

غم میں ڈوبا ہوا ہو، اُس وقت آدمی تحمل کرے اور اپنے پروردگار کی طرف توجہ کرے تو یہ صبر ہے تو اتنے بڑے صدموں میں یقیناً غم بھی زیادہ ہوگا، اس غم میں جتنا صبر کیا جائے گا اتنا ہی اجر بھی زیادہ ملے گا۔

مرنے والے پر رونے کی حقیقت

یہ رونا درحقیقت ان کی موت کا رونا نہیں ہوتا، اپنے نفع کے گم ہو جانے پر رونا ہوتا ہے...... ورنہ میت تو اپنے اعلیٰ مقام پر پہنچتا ہے تو اعلیٰ مقام پر پہنچنے کی وجہ سے کسی کو غم تھوڑا ہی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کا انتقال کسی مقدس زمانے میں مثلاً رمضان میں ہو تو یہ کہہ کر تسلی دیا کرتے ہیں کہ میاں! غم کرنے کی کیا بات ہے خوش ہونا چاہیے کہ موت کا کتنا اچھا زمانہ ملا...... اگر کسی کا انتقال کسی مقدس مقام پر مکہ معظمہ یا مدینہ طیبہ ''زَادَهُمَا اللّٰهُ شَرَفًا وَّكَرَامَةً'' میں ہو جائے لوگ وارثوں کو تسلی دیتے ہیں غم کرنے کی بات نہیں خوش ہو جاؤ کہ پاک مقام مل گیا۔ مدینہ طیبہ کی زمین نے اُسے قبول کر لیا...... معلوم ہوا کہ موت غم کی چیز نہیں نہ کوئی موت پر غم کرتا ہے نہ روتا ہے، رونا اپنی جدائی کا ہوتا ہے کہ ہم سے یہ شخص چھن گیا خود تو وہ بہت اچھے مقام پر پہنچ گیا موت تو ہمیں بھی آئے گی، جتنے ہم ہیں ہم سب کو آئے گی اس پر کیا رونا؟...... بلکہ اس بارے میں تو خوش ہونا چاہیے کہ ایک اعلیٰ ترین زندگی گزار کر ایک اچھے مقام پر ان شاء اللہ پہنچ گئے تو ہمارے لیے خوشی کی بات ہے، یہ جو غم اور رونا ہوتا ہے یہ مرنے والے کی جدائی پر ہے کہ ہم سے ایک ذات چھن گئی...... حقیقت میں آدمی اپنی غرض اور اپنے منافع کو روتا ہے نہ کہ مرنے والے کو اور جب مرنے والے کے اچھے انجام کو جب دیکھتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ بڑا اچھا خاتمہ ہوا۔

حدیث میں ہے کہ جب قبر کی زیارت کی جاتی ہے تو آدابِ زیارت میں سے فرمایا گیا کہ آدمی قبلہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کرے، اس لیے کہ میت اُسے دیکھتا ہے اور پہچانتا ہے جو پہچان دُنیا میں تھی وہی برزخ میں جا کر رہتی ہے۔ پچھلا علم سلب نہیں ہوتا چھن نہیں جاتا جو جذبات اور جان پہچان دُنیا میں تھی وہ وہاں بھی باقی رہتی ہے تو جس سے جتنا تعلق ہوتا ہے وہاں بھی قائم رہتا ہے جس سے جتنی جان پہچان تھی وہ قائم رہتی ہے تو اس تعلق کو نبھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مرنے والوں کو اپنی دُعاؤں میں یاد رکھا جائے اور ایصالِ ثواب کے جائز طریقے اختیار کر کے اُن کو نفع پہنچایا جائے...... اس میں مرنے والوں کا بھی نفع ہے اور پس ماندگان کے لیے بھی تسکین ہے۔

انسانی جسم میں بعض حیرت انگیز نعمتیں

آنکھ کی نعمت

ایک صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوا ان کی آنکھ کے اوپر کا پردہ کٹ گیا۔ کہنے لگے ایک دو گھنٹے گزریں تو آنکھ پر مٹی جم جاتی۔ ہماری آنکھ کے اوپر اللہ نے پردہ بنا دیا یہ بند ہوتا ہے اور کھلتا ہے بند ہوتا ہے اور کھلتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا پانی اندر سے خارج ہوتا ہے تو پانی کے ساتھ جیسے کسی چیز کو جھاڑو لگاتے ہیں یہ اللہ نے جھاڑو کا انتظام کیا ہوا ہے۔ یہ بند ہوتا ہے کھلتا ہے تو جھاڑو چل رہا ہوتا ہے۔

جب ان صاحب کی آنکھ کے اوپر والا گوشت کا پردہ کٹ گیا تو آنکھ ہر وقت بالکل ننگی رہنے لگی۔ مصیبت یہ بنی کہ ہوا میں معلق ذرات کی وجہ سے آنکھ پر مٹی کی تہہ آ جائے تو تھوڑی دیر کے بعد دھونا پڑے پھر مٹی جم جائے پھر دھونا پڑے، دن میں کوئی ۵۰ دفعہ دھونا پڑے۔ اب ایک دن میں پچاس دفعہ پانی ڈالا نہیں جاتا۔ لوگ عیادت کرنے آئے تو کہنے لگا کہ آنکھ کا چھوٹا سا پردہ تھا کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ انسان کے جسم کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے اس کو دیکھو اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو رات کو سوتے وقت اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں۔ مانگتے تو ہم سب ہیں مگر اس دینے والے کا شکر ادا کرنے والے تھوڑے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ انسان کے دل میں غفلت ہوتی ہے، جب غفلت ہو انسان کا رویہ اور ہوتا ہے جب دل میں استحضار ہو، معرفت ہو پھر رویہ کچھ اور ہوتا ہے۔

گھر کی نعمت

رب کریم نے ہمیں مکان عطا کیا، یہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ذرا ان لوگوں سے پوچھئے جو سڑکوں کے فٹ پاتھ پر اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے بھی تو دل کی تمنائیں ہوا کرتی ہیں ان کے دل کے اندر بھی کچھ حسرتیں ہوتی ہیں۔ ان کا بھی جی چاہتا ہوگا کہ

کاش! کوئی ہمارے لئے بھی سر چھپانے کی کوئی جگہ ہوتی، وہ تو خیمے لگا کر زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ذراسی ہوا چلتی ہے تو ان کے خیمے گرنے لگتے ہیں اور جب بارش ہوتی ہے تو ان کے نیچے جل تھل ہو جاتا ہے۔ دسمبر اور جنوری کی سخت سردیاں وہ انہی خیموں میں گزارتے ہیں جبکہ رب کریم ہمیں عزتوں کے ساتھ گھر میں رہنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ہمارے اوپر نیلی چھت کے ساتھ ایک گھر کی چھت بھی عطا فرمادی۔

لیٹ کر سونے کی نعمت

جب انسان کھانا کھاتا ہے جو فوڈ کا پائپ ہے اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک والو بنایا ہوا ہے وہ ون وے والو ہے یعنی جب غذا جاتی ہے تو اس کو جانے دیتا ہے اور اگر غذا باہر جاتی ہے تو اس کو روک لیتا ہے۔ چنانچہ ابھی ایک بندے نے خوراک کھائی اب اگر وہ الٹا ہوتا ہے تو اس کے منہ سے وہ غذا واپس نہیں آتی وہ والو اس کو روک لیتا ہے ہمیں احساس ہی نہیں کہ یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ایک صاحب کسی کے ہاں ایک دفعہ مہمان آئے میزبان نے ان کے لئے بستر بچھایا وہ کہنے لگے میں تو لیٹ کر سونے کی نعمت سے محروم ہوں۔ جو خوراک کی نالی میں ایک والو ہوتا ہے وہ لیک ہو گیا ہے چنانچہ اگر میں لیٹ جاؤں تو میرے پیٹ کا جتنا بھی کھانا ہوتا ہے وہ منہ کے ذریعے باہر آجاتا ہے چنانچہ میں لیٹ نہیں سکتا۔ بلکہ پوری رات بیٹھ کے سوتا ہوں چنانچہ ساری رات وہ بیٹھ کر سوئے اور ہم کو اس دن احساس ہوا کہ اے اللہ لیٹ کر سوجانا بھی آپ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

نظام انہضام کی نعمت

ایک خاتون نے اپنا حال سنایا کہ پچھلے سات سال گزر گئے ہیں سوائے پانی یا سیون اپ وغیرہ کے میں نے کچھ بھی پیٹ میں نہیں ڈالا۔ گھر میں مختلف قسم کے کھانے میں خود پکاتی ہوں مگر میں اس کو دیکھ تو سکتی ہوں کھا نہیں سکتی۔ اتنا عجیب احساس ہوا۔ رب کریم! یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ وہ عورت روزانہ کھانے پکا رہی ہوتی ہے مگر اس کے نصیب میں نہ روٹی ہے نہ سالن ہے فقط سیون اپ کی بوتل پی لی یا کبھی جوس لے لیا مزید وہ کوئی ٹھوس چیز کھانے کے قابل نہ تھی۔ اگر کوئی چیز کھا لیتی تھی تو ابکائی آتی تھی اور فوراً ساری چیزیں باہر نکل آتی تھیں اے انسان! تو ذرا اپنے پر غور کر، تو ہر وقت کے کھانے میں کتنی چپاتیاں کھا جاتا ہے اور تجھے اپنے پروردگار کی اس نعمت کا احساس بھی

نہیں ہوتا۔ تو جو کچھ ہم کھا لیتے ہیں اس کا ہضم ہونا اور اس کا آرام سے جسم سے خارج ہو جانا بھی اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم اس نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے اگر وہ چیز جسم کے اندر ہی رک جاتی اور باہر نہ نکلتی تو ہمیں ڈاکٹروں کے پاس جانا پڑتا۔ کیسے مشکل وقت گزرتا۔

زندگی کے مصائب کی اہم اور بنیادی وجہ

ایک خاتون کسی بزرگ کی خدمت میں آئی اور اپنی پریشانی بتاتے ہوئے کہنے لگی کہ میرا خاوند بڑا مل مالک ہے، امیر آدمی ہے، کھلا پیسہ ہے، شادی کو سات آٹھ سال ہوئے مگر اولاد کوئی نہیں ہے لیکن یہ پریشانی کی بات نہیں کیونکہ خاوند میرے ساتھ خوشی کی زندگی گزار رہا ہے۔ ہم دونوں کو اولاد کی وجہ سے کوئی پریشانی نہیں ہے، قسمت میں ہوئی تو ہو جائے گی، نہیں تو جو اللہ کو منظور۔ خاوند بھی مجھے بہت چاہتا ہے، ہم محبتوں والی زندگی گزار رہے ہیں، گھر کا سارا خرچ خاوند نے اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ نوکروں کا خرچہ، باورچی کا خرچہ، گارڈ کا خرچہ، مالی کا خرچہ، یہ تمام اخراجات میرا خاوند خود ادا کرتا ہے۔ جتنے گھر کے بل آتے ہیں، ٹیلی فون، بجلی، گیس وغیرہ کے وہ سب میرا خاوند ادا کرتا ہے۔ گاڑیاں ہیں، ڈرائیور ہیں، کاریں ہیں۔ اللہ نے یوں تو زندگی میں ہر سہولت دی ہے۔ میری پریشانی یہ ہے کہ میرا خاوند مجھے میرے ذاتی خرچ کیلئے ہر مہینے صرف پچاس ہزار روپیہ دیتا ہے جس سے میرے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ یہ کہہ کر وہ عورت زار و قطار رونے لگ گئی کہ شاید میرے جیسا پریشان دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔

خاتون کی یہ پریشانی سن کر بزرگ نے اس سے فرمایا کہ آپ کی پریشانی ختم ہونے والی نظر نہیں آتی۔ آپ کا خاوند آپ کو پچاس ہزار کی بجائے ایک لاکھ روپے ماہانہ بھی دینا شروع کر دے پھر بھی آپ کی پریشانی ختم نہیں ہوگی۔ وہ بڑی حیران ہو کر کہنے لگی کہ حضرت! آپ مجھے یہ بات سمجھا دیں۔ بزرگ نے فرمایا کہ، بی بی! جس راستے سے آپ پریشانیوں کا حل ڈھونڈنا چاہتی ہیں اس راستے سے پریشانیوں کا حل ہوتا ہی نہیں۔ اگر آپ چاہتی ہیں تو اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالیں، گناہوں سے خالی زندگی اختیار کریں، آپ نے گناہوں بھری زندگی سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لیا ہے۔ آئندہ آپ سنت والی زندگی کو اختیار کر کے اپنے خالق کو راضی کر لیں، آپ کے مال میں برکت آئے گی، تب آپ کی پریشانیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

تین چار مہینوں کے بعد اس خاتون نے فون کیا، کہنے لگی کہ اب تو میں نماز کی پابند ہو گئی ہوں، برقعہ میں نے کرلیا ہے، ٹی وی چھوڑ دیا ہے۔ لیکن ایک بات بڑی عجیب ہے کہ اب میرے مہینے کے خرچے پندرہ ہزار میں پورے ہو جاتے ہیں اور باقی رقم یتیموں اور بیواؤں پر خرچ ہوتی ہے۔

جانور بھی تجربہ سے فائدہ اٹھاتا ہے

ایک دفعہ شیر بھیڑیا اور لومڑی تینوں شکار کے واسطے نکلے اور ایک گدھے ایک ہرن اور ایک خرگوش کا شکار کیا..... شیر نے بھیڑیئے سے کہا کہ ان شکار شدہ تینوں جانوروں کو ہمارے درمیان تقسیم کردو..... بھیڑیئے نے کہا کہ تقسیم تو بالکل ظاہر ہے..... گدھا آپ کے لئے اور خرگوش لومڑی کے واسطے اور ہرن میرے لئے ہے.....

(یہ سن کر) شیر نے پنجہ سے اس کے سر پر طمانچہ مارا جس سے بھیڑیا زخمی ہوگیا پھر شیر نے لومڑی سے کہا کہ اب تم تقسیم کرو۔ اس نے کہا کہ کام تو صاف اور ظاہر ہے گدھا بادشاہ کے ناشتہ کے واسطے اور خرگوش شام کے واسطے اور ہرن ان دونوں کے درمیان کے لئے ہے.....

شیر نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے تجھ کو یہ تقسیم کس نے بتلائی ؟ لومڑی نے کہا کہ مجھے اس تقسیم کی پہچان اس طمانچہ سے ہوئی جو میں نے ابھی دیکھا ہے اور پھر وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئی.....

درس عبرت

اس واقعہ میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا اس بات پر بھی شکر بجالائیں کہ اس نے ہمیں اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری امت میں پیدا فرمایا اور ہمیں سابقہ امتوں کے عبرتناک واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا موقع دیا۔ سعادت مندی اسی میں ہے کہ آدمی دوسروں سے نصیحت حاصل کرلے نہ خود دوسروں کیلئے عبرت کا نمونہ بن جائے۔ زندگی کے اس سفر میں ہمیں قدم قدم پر جن مادی اور روحانی نعمتوں سے نوازا گیا ہے ان کا حقیقی شکر یہی ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر کریں۔ مال کی بجائے اعمال پر توجہ دیں اور اس چند روزہ زندگی میں ہر قدم پر اپنے احساس کو بیدار رکھیں۔

عقل کی نعمت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی دولت سے نوازا ہے کہ انسان اس عقل سے قدرتِ الٰہی کی نشانیوں میں غور و فکر کرے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرے اس عقل کی وجہِ تخلیق بھی یہی ہے۔ یہی عقل ہی ہے جس کی بنیاد پر انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس عقل سے جب کام لیا جاتا ہے تو یہی عقل انسان کو عزت کی بلندیوں پر پہنچاتی ہے اور جب اس عقل سے کام نہ لیا جائے تو انسان بدترین ناکامیوں اور ذلت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا۔ اور پھر عقل سے فرمایا کہ مجھے میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم میں نے تجھ سے بڑھ کر عزت والی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، تیری وجہ سے ہی میں پکڑتا ہوں، تیری وجہ سے ہی میں عطا کرتا ہوں، تیری وجہ سے ہی میں محاسبہ کرتا ہوں اور تیری وجہ سے ہی میں عذاب دیتا ہوں۔

اہل معرفت فرماتے ہیں عقل ایک روشن جوہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے دماغ میں پیدا فرمایا ہے اور اسکی روشنی دل میں رکھی ہے۔ پھر عقل دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام عقلمندوں کو مشترک طور پر عطاء کی ہے اور وہ جتنی جس کو ملی ہے اتنی ہی رہتی ہے کم زیادہ نہیں ہوتی اس کو عقل عزیزی کہتے ہیں اور دوسری عقلِ تجربی ہوتی ہے جو انسان کو تجربات و حادثات سے حاصل ہوتی ہے یہ تجربات کی بنیاد پر بڑھتی رہتی ہے۔ عقل ایک مخفی چیز ہے جو نظر نہیں آتی البتہ بعض چیزوں سے انسان کی عقل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے چنانچہ بعض حکماء سے پوچھا گیا کہ انسان کی عقل کا کس چیز سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جس کی گفتگو اکثر طور پر غلطی سے محفوظ ہو وہ عقلمند ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے سو درجات ہیں ان میں سے ننانوے درجے اہل عقل کیلئے اور باقی ایک درجہ سب لوگوں کیلئے ہے۔ اگر چہ مشہور یہی ہے کہ عقل کی جگہ دماغ ہے لیکن امام شافعیؒ وغیرہ نے قرآن کی تین آیات سے استدلال کر کے ثابت کیا کہ عقل کا محل دل ہے۔

قرآن کریم کی بعض آیات میں عقل پر قلب کا لفظ بولا گیا ہے۔ حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عویمر عقل میں اضافہ کرو تا کہ اللہ کا قرب زیادہ حاصل ہو، میں نے عرض کیا میرے ماں باپ جناب پر فدا ہوں میں عقل کیسے بڑھا سکتا ہوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا حرام کاموں سے بچو، فرائض ادا کرو، عقلمند کہلاؤ گے پھر مزید اعمال صالحہ کا اہتمام کرو تو عقل میں اضافہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی بڑھے گا۔

الغرض عقل انسان کیلئے سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے جسکا شکر بہر حال ضروری ہے اور وہ یہ کہ عقل کو دین کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کیلئے استعمال کیا جائے۔

عقل اور دنیا کا کھیل

ایک دانش مند بیان کرتے ہیں کہ میں نے عقلوں کے ساتھ دنیا کے کھیل سے زیادہ دلچسپ تماشا کوئی نہیں دیکھا۔ چنانچہ ہم نے سنا بھی اور دیکھا بھی کہ بہت سے سمجھدار کامل العقل افراد کے ساتھ دنیا نے وہ کھیل کیا کہ بالکل مجنوں اور پاگل سے معلوم ہونے لگے کیونکہ جب انہیں حکومت ملی تو قتل، مار پیٹ قید، گالی اور دین کی بربادی یعنی ظلم کے ارتکاب میں مشغول ہو گئے اور یہ سب صرف اس دنیا کے لیے کیا گیا جو بہت جلد ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور جتنی مدت رہتی بھی ہے تو بہت سی تکلیفوں اور گھٹن کے ساتھ رہتی ہے۔

لہٰذا اے عقل سے حصہ پانے والے! عقل کا حق نہ چھین، اس کا نور نہ بجھا، جو کچھ ہم مشورہ دے رہے ہیں اس کو غور سے سن اور طبیعت کے کم سن بچے کی فریاد کی طرف التفات مت کر جبکہ وہ اپنی خواہش کے فوت ہونے پر روئے کیونکہ اگر تو نے اس کے رونے پر ترس کھایا (اور خواہشات پوری کرتا رہا) تو چھڑانا مشکل ہو جائے گی اور تربیت ممکن نہیں رہ جائے گی پھر وہ جاہل اور محتاج ہو کر بالغ ہوگا۔

خوب سمجھ لو آزمائش کا زمانہ ایسا مہمان ہے جس کی ضیافت صبر سے ہونی چاہیے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آزمائش کیا ہے؟ یہی اچھا کھانا چھوڑ کر معمولی کھانا اختیار کرنا اور اچھا لباس چھوڑ کر معمولی لباس پہن لینا اور یہ سب صرف چند دن کی بات ہے۔ لہٰذا ٹھاٹھ والوں کی لذت مت دیکھو بلکہ ان کے انجام کو سوچو اور معاش کی تنگی پر دل چھوٹا نہ کرو بلکہ چلنے والی اونٹنی کو "حدی" کے ذریعہ بہلا کر لے چلو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہدیہ آیا آپ نے واپس فرما دیا پھر ایک سال کے بعد اپنے

گھر والوں سے فرمایا کہ "اگر اس کو قبول کر لیتے تو بھی وہ اب تک ختم ہو چکا ہوتا۔

(مطلب یہ تھا کہ جیسے یہ پورا سال بغیر ہدیہ قبول کیے بھی عافیت کے ساتھ گزر گیا اگر قبول کر لیتے تو بھی گزرتا مگر ہدیہ دینے والے کے احسان کے بوجھ کے ساتھ)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ایک کنویں کے پاس سے گزر رہے تھے ساتھی نے کہا مجھے پیاس لگی ہے' آپ نے فرمایا اگلے کنویں پر پی لینا' جب اگلے پر پہنچے تو فرمایا اگلے والے پر...... پھر فرمایا کہ "دنیا کی رہ گزر بھی اسی طرح طے کی جاتی ہے۔"

اسی طرح کچھ لوگ آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ گھر میں چٹائی بھی نہیں ہے کسی نے پوچھا کہ کیا اس طرح بغیر چٹائی کے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی؟ تو فرمایا کہ تکلیف کی مدت جلد ہی ختم ہو جائے گی۔

حضرت داؤد طائیؒ کے پاس رہنے کے لیے ایک بڑا مکان تھا۔ ایک کمرے کی چھت شکستہ ہو کر گر پڑی تو آپ دوسرے کمرے میں منتقل ہو گئے پھر اسی طرح منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات مکان کی باہری دہلیز پر ہوئی۔

تو دیکھئے یہ لوگ ہیں جنہوں نے انجام پر نگاہ رکھی تھی مگر اس کے باوجود میں تم سے اس کا مطالبہ نہیں کرتا کہ تم یہ مرتبہ حاصل کرو بلکہ صرف تم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر تم کو کوئی ایسا مباح مال جس میں نہ کسی کا احسان ہو نہ کوئی نقصان اور جسے نہ تو تم نے مانگ کر حاصل کیا ہو اور نہ کسی ظالم کے حرام اور مشتبہ مال میں سے پایا ہو تو بقدر ضرورت مباح حد تک استعمال کر لو مگر خرچ کا اندازہ لگا کر کہ فضول خرچی سے پرہیز بھی کرو کیونکہ حلال مال فضول خرچی کا متحمل نہیں ہوتا اور اگر تم نے فضول خرچی کی تو پھر مخلوق سے مانگنے اور مشتبہ مال کھانے پر مجبور ہونا پڑے گا اور اگر مالی تنگی پیش آ جائے تو صبر سے کام لو پھر جب صبر نہ ہو سکے تو اس ذات سے سوال کرو جو تمام بند دروازے کھولنے والی ہے کیونکہ وہ کریم ہے اور اسی کے پاس خزانہ غیب کی تمام کنجیاں ہیں۔

خبردار! مخلوق کے لیے بناوٹ اور تصنع کر کے یا دولت مندوں سے مال کے حصول کے لیے قرب اختیار کر کے اپنا دین مت گنوا بیٹھنا بلکہ حضرات سلف کی روش کو سامنے رکھو۔

حضرت ابن سمعون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک جوڑا ایسا تھا جس کو پہن کر لوگوں کے درمیان بیٹھتے تھے پھر اس کو لپیٹ کر اگلی مجلس کے لیے رکھ دیتے تھے اور وہ بھی باپ سے

میراث میں ملا تھا۔ چالیس سال تک اسی کو استعمال کیا۔

وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر وحی فرمائی کہ شیطان پر کوئی چیز ایک عاقل مؤمن سے زیادہ شاق نہیں، حالانکہ وہ سو جاہلوں کو برداشت کر لیتا ہے۔ چنانچہ ان کو کھینچ لیتا ہے اوران کی گردنوں پر سوار ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح لے جانا چاہتا ہے وہ اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور عقلمند مؤمن سے مقابلہ کرتا ہے تو وہ اس پر سخت دشوار ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے مطلب کی کوئی شئے اس سے حاصل نہیں کر سکتا۔

لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے! اللہ کے معاملے میں ہوشیار رہنا، کیونکہ اللہ کے معاملوں میں سب سے زیادہ عقل سے کام لینے والے کے اعمال بھی سب سے اچھے ہوتے ہیں۔ اور شیطان صاحب عقل سے بھاگتا ہے اوراس میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے جیت سکے۔

اے بیٹے! جس عبادت میں عقل کو کام میں لایا گیا ہو اس سے زیادہ کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی۔ مطرفؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کو ایمان کے بعد عقل سے زیادہ کوئی افضل چیز نہیں دی گئی۔ حضرت معاویہ بن قرۃؒ فرماتے ہیں کہ لوگ حج بھی کرتے ہیں اور عمرہ بھی اور جہاد بھی کرتے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں (مگر اجر میں سب برابر نہیں ہیں)۔ قیامت کے دن ان کی عقلوں کی مقدار کے مناسب ہی ان کو اجر دیا جائے گا۔ عقل (انسان کی ایک طبعی صفت ہے جو اس کی ماہیت کے ساتھ) گڑی ہوئی شئے ہے۔

عاقل کی علامات

اپنے سے بڑے کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ چھوٹے کو حقیر نہ سمجھے۔ اپنی گفتگو میں بڑائی کے اظہار سے بچے۔ لوگوں کے ساتھ معاشرت میں ان کے آداب معیشت کو ملحوظ رکھے۔ اور اپنے اور خدا کے درمیان تعلق کو ہر نقصان سے بچاتا ہو۔

وہب بن منبہؒ سے منقول ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے بیٹے! انسان کی عقل کامل نہیں ہوتی، جب تک اس میں دس صفات نہ پیدا ہو جائیں۔ کبر یعنی نخوت و غرور سے محفوظ ہو اور نیک کاموں کی طرف پورا میلان ہو۔ دنیاوی سامان میں سے صرف بقدر بقاء حیات پر اکتفاء کرے اور زائد کو خرچ کر دے۔ تواضع کو بڑائی سے اچھا سمجھے اور اپنا پہلو گرا لینے کو عزت اور سربلندی پر ترجیح دے۔ سمجھ کی باتیں حاصل کرنے سے زندگی بھر نہ تھکے اور اپنی طرف سے کسی سے اپنی

حاجت کے لئے بدمزاجی نہ اختیار کرے۔ دوسرے کے تھوڑے احسان کو زیادہ سمجھے اور اپنے بڑے احسان کو کم سمجھے۔ اور دسویں خصلت جو بڑی بلند ہمتی کی چیز ہے اور نیک نام کرنے والی ہے وہ یہ ہے کہ تمام اہل دنیا کو اپنے سے اچھا سمجھے اور اپنے آپ کو سب سے برا سمجھے اور اگر کسی کو اپنے سے اچھا دیکھے تو خوش ہو اور اس بات کا خواہشمند ہو کر اس کی عمدہ صفات خود بھی اختیار کرے اور اگر کسی کو بری حالت میں پائے تو خیال کرے کہ انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم کو کیا خبر! یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نجات پا جائے اور میں ہلاک ہو جاؤں۔ جب یہ صفات پیدا ہو جائیں تو سمجھو کہ عقل مکمل ہو گئی۔

انسانی زندگی....احساسات کا سفر

زندگی کیا ہے؟....ایک ایسا سفر ہے جسے ہم احساسات کا سفر کہہ سکتے ہیں....زندگی میں قدم قدم پر آنے والی تبدیلیاں انسان کی قوت احساس کو جگانے کا کام کرتی ہیں....

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دُنیا میں ایک نئے احساس کے ساتھ بھیجا...انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلق درست رہے اس احساس کو جگائے رکھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور کتب وصحیفے نازل فرمائے گئے...دُنیا کی زندگی میں خود زندگی کا احساس اُجاگر فرمایا گیا...پھر دُنیاوی نعمتوں کی ایک اَن گنت فہرست ہے جن سے لطف اندوز ہونے پر منعم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے شکر اور فرمانبرداری کا احساس ودیعت فرمایا... پریشانی آنے پر راحت کا احساس دلایا اور راحت میں پریشانی بھی پیش نظر رکھ دی...دُنیا کی زندگی میں آخرت کا احساس رکھ دیا تا کہ دُنیا کا یہ سفر امیری...غریبی...خوشحالی یا بدحالی میں جیسے بھی ہو شکر کے احساس کے ساتھ گزر جائے اور آدمی آخرت کے احساس کے ساتھ اپنی توجہ آخرت کی طرف ہی رکھے...

ہر مسلمان کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ زبان سے نکلنے والے قول اور ہر قدم سے پہلے اس چیز کا احساس کر لے کہ اس قول وقدم کا انجام کیا ہوگا...عبادات کی لائن میں اخلاص اُجاگر کرنے کا احساس رکھا گیا کہ مخلوق کی خوشنودی کے لیے کیا جانے والا عمل مخلوق ہی کی حد تک تو کارآمد ہو سکتا ہے...لیکن ریاکاری کی وجہ سے وہ خالق کے ہاں نہ صرف ناقابل قبول ہے...بلکہ جرم بھی ہے...

عبادات میں یہ احساس کا سفر ہمیں دُنیاوی اُمور میں بھی بڑا معاون ہے...

انسانی جسم میں اللہ تعالیٰ نے کتنی نعمتوں سے نوازا ہے...ان میں مرض یا نقص پیدا ہونے پر

احساس ہوتا ہے کہ ان اعضاء کا صحیح سالم ہونا کس قدر عظیم نعمت ہے.... نعمتوں کا یہی احساس انسان کو خالق حقیقی کی منشاء و حکم کے مطابق ان کو استعمال کرنے پر اُبھارتا ہے کہ انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر یہ نعمتیں اپنے پیدا کرنے والے کے حکم کے مطابق استعمال نہیں ہو رہی ہیں تو پھر ان کا کیا فائدہ؟

دُنیا کی اس زندگی میں جس خوش نصیب نے احساس کی دولت اور اس کا صحیح سمت استعمال جان لیا وہی زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت کا حق دار ہے... اسی کے لیے یہ دُنیا کی زندگی بھی جنت کا نمونہ ہے اور یہی شخص قبر آخرت اور جنت میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کا مستحق ہے۔

گناہوں کا احساس انسان کو توبہ تک لے جاتا ہے... اگر خدانخواستہ احساس ہی نہ ہو تو پھر کیسی توبہ اور کیسی مغفرت... یہی احساس ہی ہے جس کی بدولت گنہگار کی آنکھ سے نکلنے والا آنسو گناہوں کے دفتر دھو دیتا ہے... یہی احساس اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی اُمید بھی دلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈراتا بھی ہے۔ آج کل میڈیا اور لطائف کے ذریعے آخرت اور جہنم کا احساس ختم کیا جا رہا ہے... ایک بزرگ فرماتے ہیں جب سے دُنیا بنی ہے گناہوں کا سلسلہ جاری ہے... لیکن اس دور کا المیہ یہ ہے کہ دلوں سے گناہوں کا احساس ختم ہوتا جا رہا ہے...

احساس سے محرومی کیوں؟

ایک مسلمان جو دینی مزاج پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ صرف احکام ظاہری کا ہی پابند نہیں بلکہ ایسے شخص سے مطالبہ ہے کہ وہ اسلام کی تہذیب و معاشرت کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے والے غیر مسلموں کی تہذیب اور شکل و صورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی اور اسلام آیا تو مطالبہ صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ دعوت ایمانی اختیار کرو، اس پر ایمان لے آؤ، شرک سے توبہ کرو اور کفر سے بچو بلکہ ایک پوری تہذیب بھی دی گئی ایک پورا طرز زندگی بھی ملا اور مسلمانوں سے یہ کہا گیا کہ یہ طرز اختیار کرو اور اللہ کی ناراضگی مول لینے والی قوموں کے شعار اور تہذیب سے بچو۔

آج کی دنیا میں جنگیں اسی تہذیب و معاشرت کے بل بوتے پر لڑی جا رہی ہیں جس قوم کو نظریات کے میدان میں مغلوب کر دیا گیا ہو وہ اپنی جغرافیائی سرحدیں بھی کھو بیٹھتی ہیں۔ آج ہمیں نظریاتی میدان میں ہر طرف سے غیروں کے حملوں کا سامنا ہے۔ کبھی ریڈیو کی نشریات سے مسلمانوں کے عقائد و نظریات میں شک کا بیج بویا جا رہا ہے۔ کبھی ٹی وی کے پروگراموں میں غیر

اسلامی تہذیب کے ذریعے مسلمانوں کو اسلامی معاشرت سے دور کیا جارہا ہے۔ کیبل، موبائل فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے غیر اسلامی تہذیب اور مغربی معاشرت نے چند دنوں میں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ قوم کے مزاج اور معاشرت کو تبدیل کرنے کیلئے پہلے صدیوں کا عرصہ درکار ہوتا تھا۔ لیکن اب الیکٹرانک میڈیا، ٹی وی کیبل جیسے مہلک ہتھیاروں نے صدیوں کے کام کو چند دنوں تک محدود کر دیا ہے۔ مغربی معاشرت کی دلدل میں پھنستے پھنستے ہم اس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ ہمیں اچھائی برائی کی تمیز نہیں رہی۔ حیا و غیرت کا مفہوم تک بدل چکا ہے۔ ہماری پسند و ناپسند کا معیار الیکٹرانک میڈیا کے مرہون منت ہو کر رہ چکا ہے۔ ہم نظریاتی طور پر غیروں کے ہاتھوں کس طرح کھلونا بن چکے ہیں۔ اسکو سمجھنے کیلئے ایک سادہ سی مثال کافی ہے۔ مسواک جو سنت ہے اور دانتوں کی حفاظت میں اکسیر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا آخری عمل مسواک کرنا ہی تھا۔ مسواک آج بھی ہر جگہ باسانی مل جاتا ہے۔ لیکن غیروں نے ہمیں اس آسان سنت سے دور کر کے ٹوتھ برش کا عادی بنا دیا ہے۔

غور فرمایئے ہمارے لئے سستا اور فطری عمل یعنی مسواک کرنا مشکل اور بیسیوں روپے کے ٹیوب برش خرید کر استعمال کرنے آسان ہیں۔ یہ ہماری بے حسی کی ایک عام مثال ہے۔

آپ اغیار کی جہد مسلسل ملاحظہ کیجئے اور ہماری بے حسی کا موازنہ فرمائیں آج برائی اپنی تمام تر رعنائیوں کیساتھ سستے داموں ہر شکل میں ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے مقابلہ میں نیکی اور امور خیر میں حصہ لینے اور مال خرچ کرنے پر جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ ہر انسان اس قدر مصروف ہو کر رہ گیا ہے کہ اس کیلئے اپنے کسی بھائی کے کام کیلئے آدھا گھنٹہ دینا ہزار روپے خرچ کرنے سے زیادہ دشوار ہے لیکن اگر ٹی وی پر میچ یا کیبل پر کوئی فلم دیکھنی ہو تو تمام مصروفیات کالعدم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

اس بے حسی پر مستزاد یہ ہے کہ ہم اپنی اس خطرناک روش کے بہاؤ میں بہتے چلے جارہے ہیں۔

خدارا! ہم خود کو اور نئی نسل کو سنبھالیں آج اگر میڈیا کے نقصانات کا اندازہ کر کے اس کا تدارک نہ کیا گیا اور ہم یوں غیروں کی معاشرت کے سامنے ہتھیار ڈالتے رہے تو کل معاشرہ میں یہ رہی شرم وحیا بھی شاید ڈھونڈنے سے نہ ملے۔ خاندانوں کے بڑے افراد اور بڑی بوڑھی خواتین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں، بچیوں کی معاشرت پر نظر رکھیں اور انکی پسند و ناپسند کا معیار شریعت کے مطابق بنانے کی فکر کر لیں تو ہم کافی حد تک غیر اسلامی معاشرت سے بچ سکتے ہیں۔

محسوس کیجئے اور بچئے

حق تعالیٰ شانہ کسی قوم پر اچانک عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ بار بار تنبیہ کی جاتی ہے اور مختلف طریقوں سے اسے آگاہ کیا جاتا ہے۔اس کے باوجود بھی جب وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتی تو عذاب الٰہی اپنی خوفناک شکل میں آتا ہے اور اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ دنیا میں جتنے مصائب پیش آرہے ہیں وہ سب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے تنبیہات ہیں اور ہماری بداعمالیوں کی پاداش ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب مختلف شکلوں میں نازل ہوتا ہے کبھی رزق کی تنگی کی شکل میں.... کبھی لڑائی جھگڑا اور سر پھٹول کی صورت میں.... کبھی پریشانی و بے اطمینانی کی شکل میں.... کبھی آفتوں اور حادثوں کی شکل میں.... کبھی دکھوں اور بیماریوں کی شکل میں.... کبھی مقدموں اور عدالتوں کے چکروں کی شکل میں.... کبھی فتنہ وفساد کی شکل میں.... کبھی ظالم حاکموں کے تسلط کی شکل میں.... کبھی قحط وبا.... طاعون.... ہیضہ جیسی ہوشربا چیزوں کی شکل میں۔ الغرض جس طرح انسان کی بدعملیاں بے شمار ہیں اسی طرح انکی پاداش میں عذاب الٰہی کے نازل ہونے کی صورتیں بے شمار ہیں۔

عذاب الٰہی کی ایک شکل بہت خطرناک ہے جس کے سمجھنے میں لوگوں کو اکثر غلطی ہوجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عذاب الٰہی نعمت کی شکل میں نازل ہو اور آدمی یہ محسوس ہی نہ کرپائے کہ وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہے قرآن کریم میں ہے۔ترجمہ:۔"پس جب انہوں نے بھلا دیا اس بات کو جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر اترانے لگے تو ہم نے ان کو ایسے طریقہ سے پکڑا کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا"۔(الانعام)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا نافرمان ہو اس کے باوجود اس کے جان و مال عزت وآبرو اور اہل وعیال میں ترقی ہورہی ہو تو وہ شخص عذاب الٰہی میں گرفتار ہے جو اس پر نعمت کی شکل میں نازل ہورہا ہے اور چونکہ اس کو یہ احساس بھی نہیں ہوپاتا کہ اس پر حق تعالیٰ شانہ کا قہر نازل ہورہا ہے۔اس لئے اسے توبہ وانابت کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی اور وہ اپنی بدمستیوں اور خوش فعلیوں میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔حق تعالیٰ شانہ کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ انفرادی اعمال کی جزا وسزا تو انفرادی طور پر ملتی ہے لیکن پورے کا پورا معاشرہ یا اس کی مؤثر وغالب اکثریت کسی بگاڑ میں مبتلا ہوجاتی ہے تو اس پر پورا معاشرہ قہر خداوندی کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور اس وقت اگر کچھ اچھے لوگ بھی ہوں مگر

معاشرتی بگاڑ اور اجتماعی گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو ان کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔

ان امور کو سامنے رکھ کر آج ذرا اپنے معاشرے کا جائزہ لیجئے ہم نے ایک عرصہ کی جدوجہد کے بعد یہ خطہ پاک اس مقصد کیلئے حاصل کیا تھا کہ ہم یہاں ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دیں گے۔ جس میں احکام الٰہیہ کا نفاذ ہوگا اور مسلمانوں کی زندگی خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مقدسہ کے سانچے میں ڈھلے گی ہم اپنے قول وفعل' عقیدہ وعمل' ظاہر وباطن اور قلب وقالب ہر لحاظ سے پکے سچے مسلمان بنیں گے لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ نصف صدی سے زائد عرصہ میں ہم نے کیا اسے ہر شخص سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ بلاشبہ ہم نے فیکٹریاں بنائیں' انڈسٹریاں چلائیں' سڑکیں بنائیں' سر بفلک عمارتیں کھڑی کیں۔ درآمد برآمد میں ترقی کی۔ بیرونی ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کئے۔ ترقیاتی منصوبے بنائے۔ سودی قرضے لے کر مصنوعی ترقی کی نمائش کی۔ بینک کھولے' انشورنس کا جال پھیلایا' تھیٹر بنائے' سینما چلائے' اچھے اچھے ہوٹل تعمیر کئے، ریڈیو سٹیشن قائم کئے۔ ٹی وی سٹیشن لگائے۔

الغرض وہ سب کچھ کیا جو آج خدا فراموش قوموں کا طرہ امتیاز ہے۔ ہم نے کبھی مدنی تمدن' مدنی معاشرت' مدنی اخلاق وآداب اور مدنی سیاست ومعیشت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا' ہمارا کارنامہ بس گمراہ' بے دین اور مغضوب علیہ قوموں کی بھونڈی نقالی کرنا ہے۔ جوئے' شراب' گانے' بجانے اور کھیل تماشے میں دوسری قوموں کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کی' عورتوں کو برہنہ کیا' سیرتوں کو بگاڑا' صورتوں کو مسخ کیا' گانے بجانے والے طائفوں کو درآمد و برآمد کیا۔ لاکھوں کروڑوں روپے بے حیائی وعریانی کو فروغ دینے پر برباد کئے۔ گھر گھر سے راگ رنگ اور رقص وسرور کی آوازیں بلند ہونے لگیں' عورتوں کے سر سے دوپٹہ چھین کر بازاروں' محفلوں' دفتروں' کلبوں میں حسن عریاں کے جلوے دیکھے' ہر کفر والحاد کی حوصلہ افزائی کی' سچائی کو دبایا' جھوٹ کو اچھالا' رشوت کا بازار گرم کیا۔ حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ظالموں کے آگے جھکنے اور غریبوں' مزدوروں اور مظلوموں کو دبانے اور لوٹنے کو اپنا شعار بنایا' مسجدیں ویران اور سینما ہال آباد کئے۔ خدارا! بتایئے کہ قہر خدا کو دعوت دینے والی وہ کون سی بُرائی ہے جو ہم نے نہیں اپنائی؟ کیا ہم توقع رکھتے ہیں کہ ہماری اس قہر آلود زندگی پر خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی؟ خدا کا قانون قدرت اٹل ہے' جو زہر ہلاہل کھائے گا وہ مرے گا۔ جو شعلہ فشاں آگ میں

کودے گا وہ جلے گا' جو متلاطم سمندر کی موجوں میں چھلانگ لگائے وہ ڈوبے گا' اور جو قوم خدا سے سرکشی و بغاوت کا راستہ اختیار کرے گی اس پر قہر الٰہی کا کوڑا ضرور برسے گا۔

آج ہماری ان بدعملیوں کی سزا ہمیں مل رہی ہے نہ زمیندار کو راحت ہے نہ کسان کو' نہ کارخانہ دار کو سکھ ہے نہ مزدور کو' نہ دکاندار مطمئن ہے نہ ملازم' گرانی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ سامان خورد و نوش سے برکت اٹھ گئی۔ اخراجات اتنے پھیل رہے ہیں کہ آمدنی ان کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ حوادث کی رفتار روز افزوں ہے۔ ہسپتالوں اور عدالتوں میں جا کر دیکھو تو ایسا لگتا ہے گویا پورا شہر یہیں امڈ آیا ہے۔ ڈاکہ' چوری' غصب' بربریت اور قانون شکنی کی وجہ سے نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال' نہ عزت و آبرو۔

لیکن صد حیف! کہ مسلمانوں کو کسی واقعے سے عبرت نہیں ہوتی' کوئی حادثہ انہیں خواب غفلت سے بیدار نہیں کرتا کوئی تازیانہ عبرت بھی ان کے نشہ معصیت کو اتارنے کیلئے کافی نہیں ہوتا۔ یہ حالت بہت ہی دردناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم پر اس ملک پر رحم فرمائے۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

ایک ٹرین میں دو تین دوست بیٹھے تھے اور سب کی ایسے ہی غافلانہ زندگی تھی، بالکل صاف ستھرے (کلین شیو) تھے، چہرے پر سنت کا نشان ہی نہیں تھا۔ ان کے پاس ایک مولانا صاحب تشریف لے آئے، چہرے پر سنت ہے اور ان کے ہاتھ میں انگریزی اخبار ہے اور انہوں نے انگریزی اخبار کو پڑھنا شروع کیا مگر اس کو الٹا پکڑا ہوا تھا۔ اب جب تینوں نے دیکھا کہ مولانا صاحب انگریزی کا اخبار پڑھنا چاہتے ہیں مگر الٹا پکڑا ہوا ہے، تو ہنسنے لگے، قہقہے لگانے لگے۔ تو مولانا تھوڑی دیر تو سنتے رہے، پھر انہوں نے پوچھا کہ بھئی! خیریت تو ہے آپ لوگ کیوں اتنا ہنس رہے ہیں اور ہنسی اڑا رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا مولانا! لگتا ہے کہ آپ کو انگریزی تو آتی نہیں اور آپ لوگوں کو دکھانے کیلئے انگریزی اخبار لے کر بیٹھ گئے ہیں اور آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ آپ نے اخبار الٹا پکڑا ہوا ہے! تو مولانا نے کہا: اچھا! میں نے اخبار کو الٹا پکڑا ہوا ہے، تو وہ کہنے لگے کہ ہاں، آپ نے تو اخبار الٹا پکڑا ہوا ہے۔

مولانا صاحب نے کہا: دیکھو! میں نے آپ لوگوں کو سمجھانے کیلئے ایسا کیا ہو ویسے میں نے ایل ایل

بی کیا ہوا ہے اور میں ایک وکیل ہوں، انگریزی بولتا ہوں اور انگریزی پڑھتا ہوں، مجھے پتہ ہے کہ انگریزی کا اخبار کیسے پڑھا جاتا ہے، مگر میں نے آپ لوگوں کی نصیحت کیلئے اخبار الٹا پکڑ لیا۔ مجھے الٹا اخبار پکڑا دیکھ کر آپ مجھ پر ہنسنے لگے جب کہ عزیزو! آپ نے زندگی کی ترتیب کا سرا الٹا پکڑا ہوا ہے، زندگی کی ترتیب تو یہ ہونی چاہئے کہ انسان کی آخرت بن جائے اور آپ اسی دنیا میں مرضی پوری کرنے میں لگے ہوئے ہیں، تو آپ نے بھی تو زندگی کی ترتیب کا سرا الٹا پکڑا ہوا ہے، تو پھر آپ پر بھی تو ہنسنا چاہئے۔ میں نے تو چھوٹا سا نقصان کیا، اخبار الٹا پکڑا، تم نے پوری زندگی کا الٹا سرا پکڑا ہوا ہے۔ پھر نوجوانوں کو احساس ہوا کہ یہ تو بڑے پڑھے لکھے بندے تھے، انہوں نے ہمیں بات سمجھانے کیلئے ایسا کیا۔

عقلمند لوگ کون ہیں؟

"اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ۝" (سورۃ آل عمران: آیت ۱۹۰)

ترجمہ:......"آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔" آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان جیسی بلند اور وسعت والی مخلوق اور زمین جیسی پست اور سخت لمبی چوڑی مخلوق پھر آسمانوں میں بڑی بڑی نشانیاں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جا ٹھہرے رہنے والے اور زمین کی بڑی بڑی پیداوار مثلاً پہاڑ اور جنگل اور درخت اور گھانس اور کھیتیاں اور پھل اور مختلف قسم کے جاندار اور کانیں اور الگ الگ ذائقے والے اور طرح طرح کی خوشبوؤں والے میوے وغیرہ' کیا یہ سب آیات قدرت ایک سوچ سمجھ والے انسان کی رہبری خدا تعالیٰ کی طرف نہیں کر سکتیں؟ جو اور نشانیاں دیکھنے کی ضرورت باقی رہے۔ پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا پھر برابر ہو جانا یہ سب اس عزیز و علیم خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی پوری پوری نشانیاں ہیں۔ اسی لیے آخر میں فرمایا کہ ان میں عقل مندوں کے لیے کافی نشانیاں ہیں جو پاک نفس والے ہر چیز کی حقیقت پر نظر ڈالنے کے عادی ہیں اور بیوقوفوں کی طرح آنکھ کے اندھے اور کان کے بہرے نہیں جن کی حالت اور جگہ بیان ہوئی کہ وہ آسمان اور زمین کی بہت سی نشانیاں پیروں تلے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے ان میں اکثر باوجود خدا کو ماننے کے پھر بھی شرک سے نہیں چھوٹ سکتے۔ اب ان عقل مندوں کی صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ: (۱) وہ اُٹھتے بیٹھتے لیٹتے خدا کا نام جپا کرتے ہیں۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' کھڑے ہوکر نماز پڑھا کرو' اگر طاقت نہ ہوتو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہوسکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی۔ یعنی کسی حالت میں ذکر خدا تعالیٰ سے غافل مت رہو۔ دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے ذکر خدا کرتے رہا کرو۔ یہ لوگ آسمان اور زمین کی پیدائش میں نظر دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جو اس خالق یکتا کی عظمت وقدرت علم وحکمت اختیار ورحمت پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) حضرت شیخ سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "گھر سے نکل کر جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس میں خدا تعالیٰ کی ایک نعمت مجھ پر موجود ہے اور میرے لیے وہ باعث عبرت ہے۔" (۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ "ایک ساعت غور وفکر کرنا رات بھر کے قیام کرنے سے افضل ہے۔" (۴) حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ "غور وفکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کردے گا۔" (۵) حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "غور وفکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا" اور بسا اوقات یہ شعر پڑھتے۔

اِذَا الْمَرْءُ کَانَتْ لَه فِكْرَةٌ فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَه عِبْرَةٌ

ترجمہ:...... "یعنی جس انسان کو باریک بینی کی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑگئی اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے۔" (۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں "خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور وفکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو۔"

(۷) لقمان حکیم کا یہ حکمت آمیز مقولہ بھی یاد رہے کہ "تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو تو اسی قدر غور وفکر اور انجام بینی زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر وہ راستے انسان پر کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچادیں گے۔" (۸) حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "جس قدر مراقبہ زیادہ ہوگا اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہوگی اور جتنی سمجھ زیادہ ہوگی اتنا علم نصیب ہوگا اور جس قدر علم نصیب ہوگا نیک اعمال بھی بڑھیں گے۔"

(۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد ہے کہ "اللہ عزوجل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور خدا کی نعمتوں میں غور وفکر کرنا افضل عبادت ہے۔"

(۱۰) حضرت مغیث اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ "لوگو! قبرستان

ہر روز جایا کرو تا کہ تمہیں انجام کا خیال پیدا ہو پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ تم خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو پھر ایک جماعت کو جہنم میں جانے کا حکم ہوتا ہے اور ایک جماعت جنت میں جاتی ہے اپنے دلوں کو اس حال میں جذب کر دو اور اپنے بدن کو بھی وہیں حاضر جان لو جہنم کو اپنے سامنے دیکھو اس کے ہتھوڑوں کو اس کی آگ کے قید خانوں کو اپنے سامنے لاؤ۔" اتنا فرماتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ (۱۱) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "ایک شخص نے ایک راہب سے ایک قبرستان اور ایک کوڑا ڈالنے کی جگہ پر ملاقات کی اور اس سے کہا' اے راہب! تیرے پاس اس وقت دو خزانے ہیں ایک خزانہ لوگوں کا یعنی قبرستان' ایک خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ' پاخانہ' پیشاب ڈالنے کی جگہ۔"

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ آواز نکالتے اور فرماتے "اے اُجڑے ہوئے گھرو! تمہارے رہنے والے کہاں ہیں؟" پھر خود فرماتے "سب زیر زمین چلے گئے' سب فنا کا جام پی چکے' صرف ذات خدا کو ہمیشگی والی بقاء ہے۔"

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ "دو رکعتیں جو دل بستگی کے ساتھ ادا کی جائیں اس تمام نماز سے افضل ہیں جس میں ساری رات گزار دی لیکن دلچسپی نہ تھی۔"

(۱۴) خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "اے ابن آدم! اپنے پیٹ کے تیسرے حصہ میں کھا' تیسرے حصے میں پانی پی اور تیسرا حصہ ان سانسوں کے لیے چھوڑ جس میں تو آخرت کی باتوں پر' اپنے انجام پر اور اپنے اعمال پر غور وفکر کر سکے۔" بعض حکیموں کا قول ہے "جو شخص دنیا کی چیزوں پر بغیر عبرت حاصل کیے نظر ڈالتا ہے اس غفلت کے انداز سے اس کی دل کی آنکھیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔"

(۱۵) حضرت بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ہے کہ "اگر لوگ خدا تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے تو ہرگز ان سے نافرمانیاں نہ ہوتیں۔"

(۱۶) حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی' غور وفکر اور مراقبہ ہے۔"

(۱۷) مسیح ابن مریم سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ "ابن آدم! اے

ضعیف انسان! جہاں کہیں تو ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ اپنا گھر مسجدوں کو بنالے اپنی آنکھوں کو رونا سکھا اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا اپنے دل کو غور وفکر کرنے والا بنا کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔''

(۱۸) امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رو دیئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا ''میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور وفکر کیا اور عبرت حاصل کی۔ جب نتیجہ پر پہنچا تو میری اُمنگیں ختم ہو گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے اس میں عبرت ونصیحت ہے اور وعظ وپند ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر: جلد ۱ صفحہ ۴۹۲، ۴۹۳)

حضرت ادہم رحمہ اللہ کا انقلابی واقعہ

ایک دن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کا بخارا کے باغات کی طرف گزر ہوا آپ ایک نہر کے کنارے (جو باغات کے اندر سے ہوتی ہوئی نکلتی تھی) بیٹھ کر وضو کرنے لگے آپ نے دیکھا کہ نہر مذکور میں ایک سیب بہتا ہوا آرہا ہے خیال کیا کہ اس کے کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ اٹھا کر کھا لیا جب کھا چکے تو یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ میں نے سیب کے مالک سے اجازت نہیں لی اور ناجائز طریقہ پر کھا لیا ہے اس خیال سے باغ کے مالک کے پاس گئے کہ اسے اس امر کی اطلاع دے دیں تاکہ اس کی اجازت سے حلال و مباح ہو جائے چنانچہ باغ کے دروازے کو جہاں سے یہ سیب بہہ کر آیا تھا کھٹکھٹایا آواز سن کر ایک لڑکی باہر آئی آپ نے اس سے کہا کہ میں باغ کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں اسے بھیج دو اس نے عرض کیا کہ وہ عورت ہے آپ نے فرمایا کہ اچھا اس سے پوچھ لو میں خود حاضر ہو جاؤں۔

چنانچہ اجازت مل گئی اور آپ اس خاتون کے پاس تشریف لے گئے اور سارا واقعہ اس کو سنایا خاتون مذکور نے جواب دیا کہ نصف باغ تو میرا ہے اور نصف سلطان کا ہے اور وہ یہاں نہیں ہیں بلخ تشریف لے گئے ہیں جو بخارا سے دس دن کی مسافت پر ہے اس نے اپنے سیب کا نصف حصہ تو آپ کو معاف کر دیا۔

اب باقی رہا دوسرا نصف اسے معاف کرانے بلخ تشریف لے گئے جب وہاں پہنچے تو بادشاہ کی سواری جلوس کے ساتھ جا رہی تھی اس حالت میں آپ نے سارے واقعہ کی بادشاہ کو خبر

دی اور نصف سیب کی معافی کے طالب ہوئے بادشاہ نے فرمایا: اس وقت تو میں کچھ نہیں کہتا کل میرے پاس تشریف لے آیئے اس کی ایک حسینہ و جمیلہ لڑکی تھی اور بہت سے شاہزادوں کی نسبت کے پیغام اس کے لئے آ چکے تھے لیکن اس شہزادی کا باپ یعنی بادشاہ انکار کر دیا کرتا تھا کیونکہ لڑکی عبادت اور نیک کاروں کو بہت دوست رکھتی تھی اس لئے اس کی یہ خواہش تھی کہ دنیا کے کسی متورع (پرہیزگار) زاہد سے اس کا نکاح ہو۔

جب بادشاہ محل میں واپس آیا تو اپنی لڑکی سے ادہم کا سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میں نے ایسا متورع (پرہیزگار) شخص کہیں نہیں دیکھا کہ صرف نصف سیب حلال کرنے کے لئے بخارا سے آیا ہے جب اس لڑکی نے یہ کیفیت سنی تو نکاح منظور کرلیا۔

جب دوسرے دن ادہم بادشاہ کے پاس آئے تو اس نے ان سے کہا کہ جب تک آپ میری لڑکی کے ساتھ نکاح نہ کریں گے آپ سے نصف سیب معاف نہیں کروں گا ادہم نے کمال انکار کے بعد چارو ناچار نکاح کرنا منظور کرلیا۔

چنانچہ بادشاہ نے لڑکی کا ادہم کے ساتھ نکاح کر دیا جب ادہم خلوت میں اپنی بیوی کے پاس گئے تو دیکھا کہ لڑکی نہایت آراستہ و پیراستہ ہے اور وہ مکان بھی جہاں لڑکی تھی نہایت تکلفات کے ساتھ مزین ہے ادہم ایک گوشہ میں جا کر نماز میں مصروف ہو گئے حتیٰ کہ اس حالت میں صبح ہو گئی اور متواتر سات راتیں اسی طرح گزر گئیں اور اب تک سلطان نے سیب کا نصف انہیں معاف نہ کیا تھا اس لئے آپ نے بادشاہ کو یاد دہانی کے لئے کہلا بھیجا کہ اب وہ معاف فرما دیجئے بادشاہ نے جواب دیا کہ جب تک آپ کا میری لڑکی کے ساتھ اجتماع کا اتفاق نہ ہو گا میں معاف نہ کروں گا آخر کار شب ہوئی اور ادہم اپنی بیوی کے ساتھ اجتماع پر مجبور ہوئے۔ آپ نے غسل کیا نماز پڑھی اور چیخ مار کر مصلے پر سجدہ میں گر پڑے لوگوں نے دیکھا تو ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ مردہ تھے۔

بعد ازاں لڑکی سے ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے چونکہ ابراہیم کے نانا کا کوئی لڑکا نہ تھا اس لئے سلطنت ابراہیم کو ملی آپکے سلطنت چھوڑنے کا واقعہ مشہور ہے اسکی اصل بھی یہی ہے۔

(سفرنامہ ابن بطوطہ)

نعمتوں کی ناقدری پر عبرتناک واقعات

زندگی کے سفر میں حالات کس طرح بدلتے ہیں

ایک تاجر کو اللہ نے بہت زیادہ مال سے نوازا تھا اس نے اپنے من پسند کی ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کی.... بڑا اچھا محل بنوایا.... بیٹھا اپنی بیوی کے ہمراہ کھانا کھا رہا تھا.... دروازے کے اوپر دستک ہوئی تو کسی سائل نے آواز دی.... اجرکم علی اللہ بیوی کی عادت تھی وہ اپنے دروازے سے کسی سائل کو خالی نہیں جانے دیتی تھی.... اس نے خاوند سے اجازت مانگی.... اگر آپ اجازت دیں تو میں ان میں سے ایک روٹی سائل کو دے دیتی ہوں.... اس نے کہا دے دو.... اس نے جا کر اس کو ایک روٹی دی تو جانے آنے میں جو منٹ آدھا منٹ لگا تو خاوند کا موڈ آف ہو گیا....

واپس آ کر کھانا کھانے لگی تو وہ بولنے لگا یہ بدمعاش لوگ ہوتے ہیں، بہانے بنا لیتے ہیں مانگنے کے، کماتے کیوں نہیں.... غرض خوب اس نے باتیں کیں.... بیوی نے کہا کہ بھئی وہ اللہ کے نام پر مانگنے آیا ہے.... اس کا معاملہ اللہ جانے.... مگر اس نے بڑے متکبرانہ انداز میں گفتگو کی.... اور اللہ کو اس کا تکبر ناپسند آیا.... یاد رکھنا جو پروردگار دینا چاہتا ہے وہ پروردگار لینا بھی جانتا ہے.... حالات بدل گئے....

چنانچہ کاروبار کے اندر نقصان ہونے لگ گیا.... One way down نقصان ہوتے گئے.... حتیٰ کہ اس کو اپنا کاروبار ختم کرنا پڑ گیا.... ایک وقت آیا کہ اپنا مکان بیچنا پڑا.... اور ایسا بھی وقت آیا اس نے بیوی کو بھی طلاق دے کر فارغ کر دیا.... وہ اللہ کی نیک بندی اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی.... کہ اللہ میرے ساتھ خیر کا معاملہ فرمائے.... کچھ عرصے کے بعد ایک اور تاجر تھا اس نے اس کی طرف نکاح کا پیغام بھجوایا.... چونکہ اس کو اللہ نے حسن و جمال بھی دیا تھا اور فضل و کمال میں نیکوکاری بھی عطا فرمائی تھی.... ماں باپ نے نکاح کا پیغام قبول کر لیا اس کی شادی ہو گئی.... اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ کچھ عرصے کے بعد یہ اپنے خاوند کے ساتھ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی.... دروازے پر دستک ہوئی.... کسی نے اللہ کے نام پر مانگا.... اس نے خاوند سے اجازت چاہی عادت

کے مطابق کہ اگر اجازت ہو تو میں سائل کو دے دوں اس نے کہا دے دو.... یہ ایک روٹی لے کر گئی
جب جا کر دروازہ کھولا تو اس نے کیا دیکھا کہ اس کا جو پہلے والا شوہر تھا اتنا بڑا تاجر....

آج اس کے دروازے پر سائل بن کر کھڑا.... اللہ کے نام پر مانگ رہا تھا.... اس نے چیخ ماری.... خاوند بھاگا میری بیوی کو کیا ہوا دیکھا تو رنگ پیلا بڑی پریشان.... پوچھا کہ کیا بنا.... اس نے کہا میرے دروازے پر میرا پہلا خاوند سائل بن کر کھڑا ہے.... اس نے بھی اسے دیکھا.... پہچانا اور کہنے لگا کیا تم نے مجھے پہچانا.... میں وہی سائل ہوں جو ایک مرتبہ تمہارے دروازے پر سائل بن کر گیا.... اللہ نے سائل کو گھر اور بیوی کا مالک بنا دیا.... اور گھر کے مالک کو دروازے پر سائل بنا کر کھڑا کر دیا....

دوسرا واقعہ

ایک لینڈ لارڈ تھا جس کی ایگریکلچر لینڈ تھی.... اس کی زمین میں کئی ریلوے اسٹیشن لگا کرتے تھے پہلا ریلوے اسٹیشن اس کی زمین میں.... پھر گاڑی چلتی تھی اور جہاں رکتی تھی پھر دوسرا ریلوے اسٹیشن بھی اس کی زمین میں اور پھر چلتی تھی تو تیسرا ریلوے اسٹیشن بھی اس کی زمین میں.... کتنا بڑا لینڈ لارڈ ہوگا عربوں پتی تھا.... ایک دفعہ شہر کے چوک میں کھڑا آئس کریم کھا رہا ہے.... دوست سے بات چیت ہوئی.... کل کہاں تھے؟ اس نے کہا بس میں کچھ پریشان تھا کچھ کاروبار چل نہیں رہا .... جب اس نے کہا کہ کاروبار چل نہیں رہا تو تکبر سے کہنے لگا یار کیا مسئلہ ہے تمہارا.... ہر وقت پریشان رہتے ہو آئے گا کہاں سے اور مجھے دیکھو میں ہر وقت پریشان رہتا ہوں لگاؤں گا کہاں پر.... میری تو چالیس نسلوں کو پرواہ نہیں.... اللہ رب العزت کو اس بندے کا بڑا بول پسند نہ آیا....
ایک بیماری میں مبتلا ہوا چھ آٹھ مہینے کے بعد دنیا سے چلتا بنا....

اس کا ایک ہی بیٹا تھا.... عمر اٹھارہ سال وہ اس کے تمام مال کا وارث بن گیا.... اب جب اس کو اتنی دولت مل گئی.... اٹھارہ سال عمر تھی اس کو کسی نے نوجوانی کا راستہ دکھا دیا.... ہاں انجوائے کرو بھئی.... اس کام میں پڑ گیا.... عیاشی میں ہر دوسرے دن نیا مہمان اس کے پاس آرہا ہے.... پیسہ لٹانا شروع کر دیا اور جوانی بھی لٹانی شروع کر دی.... حتیٰ کہ کرتے کراتے بالآخر اس کو پینے پلانے کا چسکا بھی کسی نے ڈال دیا.... چونکہ عیاشی بالآخر نشے تک انسان کو لے جاتی ہے.... اب شراب اور شباب دونوں کام ہو رہے تھے باپ کا پیسہ خوب لٹا رہا تھا.... چند سال گزرے کسی نے اس کو بیرون ملک کا دروازہ دکھایا آؤ تمہیں کلب لے کر چلتے ہیں.... وہاں تو دنیا ہی اور تھی اب اس

کی عادت بن گئی یہ ہر دو چار مہینے کے بعد ایک مہینہ کیلئے جاتا اور لاکھوں روپیہ وہاں لٹا کے واپس آتا.... ماں نے سمجھایا لوگوں نے سمجھایا اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی.... یہ نشہ ہی ایسا ہے کہ جب لگ جائے تو پھر بندے کو کسی کی بات سمجھ میں نہیں آتی.... حتیٰ کہ اس کے پاس جتنا کچھ بینک میں مال تھا.... اس نے سارا انہی کاموں میں لٹا دیا.... اب زمین بکنا شروع ہوگئی.... زمین کا ٹکڑا بیچتا جو پیسہ ملتا باہر جاکے عیاشی کر آتا.... پھر زمین بیچتا اور دو چار سال نکلے ساری زمین ہی بک گئی.... اس نے دس بارہ سال تک اتنی عیاشی کی کہ جوانی بھی لٹا بیٹھا اور بیماریوں کا مجموعہ بھی بن گیا....

چنانچہ بیمار بھی ہوگیا.... کمزور بھی ہوگیا اور ایک وہ وقت آیا کہ جب اس کو اپنا گھر بھی بیچنا پڑا.... اور پھر اس پر وہ وقت آیا کہ جب اس کے پاس کچھ کھانے کو نہیں تھا نشہ جو کرتا تھا کمائی تو تھی نہیں چنانچہ یہ شہر کے اسی چوک میں کھڑے ہو کر جس میں اس کے باپ نے تکبر کا بول بولا تھا.... یہ بیٹا اسی چوک میں کھڑے ہو کر اللہ کے نام پے بھیک مانگتا تھا....

اللہ نے دکھا دیا میں پروردگار اگر دینا جانتا ہوں تو میں پروردگار لینا بھی جانتا ہوں تو نقطے کی بات یہ سمجھئے کہ اللہ رب العزت جب یہ نعمت کسی کو دیں تو وہ گردن جھکائے.... گردن اٹھائے نہیں.... اکڑ نہ اپنے اندر پیدا ہونے دے.... یہ نعمت کی ناقدری ہوتی ہے.... کسی کو کم نہ سمجھے.... حقارت کی نظر سے نہ دیکھے.... عام طور پر بندہ پھر دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے.... ذرا بات ہو تو تیرے جیسے کو تو میں خرید کر یہ کر دوں.... اس کا کیا مطلب ہے اس کو حقیر سمجھتا ہے....

تیسرا واقعہ

حضرت شیخ ابو عبداللہ رحمہ اللہ مشہور شیخ المشائخ اندلس کے اکابر اولیاء اللہ میں ہیں ہزاروں خانقاہیں ان کے دم سے آباد .... ہزاروں مدارس ان کے فیوض سے جاری .... ہزاروں شاگرد ہزاروں مریدین.... آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے.... ایک دفعہ بارادۂ سفر تشریف لے گئے ہزاروں مشائخ وعلماء ہمرکاب ہیں جن میں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ حضرت شبلی رحمہ اللہ بھی ہیں.... حضرت شبلی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات وبرکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک بستی پر گزر ہوا.... نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا بستی میں پانی نہ ملا.... بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی.... حضرت کی نگاہ اس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا.... حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو

کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے .... تین دن کامل گزر گئے کہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں .... حضرت شبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال تھے .... تیسرے دن میں نے جرأت کر کے عرض کیا یا شیخ! آپ کے ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں .... شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا ''میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں .... پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آ چکی ہے کہ تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے .... اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں ....''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اے میرے سردار! آپ اہل عراق کے پیرومرشد علم وفضل .... زہد وعبادت میں شہرۂ آفاق ہیں .... آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے .... بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے ....''

شیخ نے فرمایا ''میرے عزیز! میرا تمہارا نصیب .... تقدیر خداوندی ہو چکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں ....'' یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا ''اے میری قوم! قضا وقدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ....''

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا .... شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے .... یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے امنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی .... اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے .... جب ہم نے واپس آ کر یہ واقعات سنائے تو شیخ کے مریدین میں کہرام مچ گیا .... چند آدمی تو اسی وقت غم وحسرت میں عالم آخرت کو سدھار گئے اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ اے مقلب القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے .... اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت وافسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے .... ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہ کس حال میں ہیں تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا .... اس گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سؤر چرا رہا ہے .... ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟

گاؤں والوں نے بتایا کہ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی .... اس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سؤر چرانے کی خدمت پر مامور ہے .... ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے

اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے.... آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان امنڈنے لگا.... بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سور چرا رہے تھے.... دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کمر میں زنار بندھا ہوا ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے.... جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا .... شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا.... ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا.... شیخ نے کسی قدر دبی آواز سے وعلیکم السلام کہا.... حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ ''اے شیخ! اس علم وفضل اور حدیث وتفسیر کے آج تمہارا کیا حال ہے''؟

شیخ نے فرمایا ''میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں.... میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے.... اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر وغضب سے ڈرو.... اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو....'' اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا کہ ''اے میرے مولیٰ! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا....'' یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا ''اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر....''

شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا ''اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں....''

خنزیران کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی ان کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے بھی رونا اور چلانا شروع کر دیا.... ادھر شیخ بھی زار زار رو رہے تھے.... حضرت شبلی نے عرض کیا کہ ''.... شیخ! آپ حافظ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأتوں سے پڑھا کرتے تھے اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے''؟

شیخ نے کہا ''اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیات کے سوا کچھ یاد نہیں رہا.... ایک تو یہ ہے

"وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ"

(جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں....

بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

اور دوسری یہ ہے: "وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ"

(جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا.... تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا)

حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے برزبان یاد تھیں.... اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے....؟

شیخ نے کہا ''صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی من بدل دینہ فاقتلوہ (جوشخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو....)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا....ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بآواز بلند شہادتین اَشھد ان لا الٰہ الااللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ پڑھتے جاتے ہیں....

اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت کا اندازہ ہو.... بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کہ کیا آپ کے اس ابتلا کا کوئی سبب تھا تو شیخ نے فرمایا ''ہاں جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا.... آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کمبخت کیسے جاہل واحمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان وتوحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے.... کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو؟

اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں....اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا....''

بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب شیخ بحال ہو کر اپنی خانقاہ میں چلے گئے اور پھر اصلاح امت کی خدمت میں لگ گئے تو وہ عیسائی کی لڑکی کہتی تھی کہ ہمارے شیخ کہاں گئے وہ ان کی جدائی میں بے چین تھی اور تلاش کرتی تھی....اس کو ایک شخص ملا اور کہا کہ تم اس قدر بے چین کیوں ہو اس نے اپنا واقعہ سنایا انہوں نے کہا کہ آنکھ بند کرو اس نے آنکھ بند کر لی پھر کہا کہ اب آنکھ کھولو تو اس لڑکی نے دیکھا کہ شیخ کی خانقاہ سامنے ہے اور وہ اس میں تشریف فرما ہیں لڑکی ان کی خدمت میں

حاضر ہوئی حضرت شیخ عبداللہ اندلسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اب مجھے شادی کی ضرورت نہیں ہے لڑکی نے کہا کہ میں مسلمان ہو رہی ہوں اور آپ کے پاس رہ کر اسلام کی تعلیم کے مطابق زندگی گزاروں گی.... حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا.... وہ لڑکی دن رات عبادت اور ذکر میں مصروف رہتی تھی اور ولیہ بن گئی.... اور چند سال کے بعد اس کا انتقال ہو گیا.... حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا کر دفن کرادیا....

اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے مخلصین بندوں کی مدد فرماتے ہیں اور تنبیہ کے طور پر کسی کوتاہی اور بھول پر سزا بھی دیتے ہیں اسی لئے اولیاء اللہ چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو اور غلطیوں کو بھی گناہ کبیرہ کہتے ہیں کیونکہ بعض مرتبہ چھوٹی غلطی بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جاتی ہے.... اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عام لوگوں سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں مگر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوتی....

اور مقربین کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی پکڑ ہو جاتی ہے مگر وہ حضرات چھوٹی سی غلطی پر اس قدر نادم ہو کر روتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ان کے رحم و کرم سے بدل جاتا ہے.... باری توبہ کرنے والے اور معافی مانگنے والے اپنے اولیاء کی توبہ کو قبول فرما کر ان کے مقام کو پہلے سے بہت زیادہ بلند فرما دیتے ہیں جیسا کہ حضرت شیخ ابو عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ کو آپ لوگوں نے سنا.... اگر بندہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے تو وہ رحیم و کریم ہیں بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما کر ان کی جگہ پر حسنات شامل فرما دیتے ہیں اسلئے تمام بندگان خداوندی کو اپنی زندگی کے ہر لمحہ کی قدر کرنی چاہئے اور باری تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا چاہئے....

چوتھا واقعہ

ایک آفیسر نے کوٹھی خریدی تو قریب مسجد تھی، فجر کی اذان ہوئی تو آفیسر کی آنکھ کھل گئی۔ اگلے دن اس نے مؤذن کو بلا کر کہہ دیا کہ فجر کی اذان سپیکر میں نہ دیا کرو! میری نیند میں خلل آتا ہے۔ اس نے کہا جی بوڑھے لوگ جن کو گھڑی پر وقت نہیں دیکھنا آتا، گھڑیاں نہیں ہوتیں وہ تو اذان کی آواز سن کر ہی مسجد میں آتے ہیں۔ آپ بھی جلدی اٹھ جائیں تو صبح سیر کیا کریں۔ کہنے لگا: میرے آگے باتیں بناتے ہو، خبردار جو تو نے اذان دی۔ اس نے اگلے دن پھر اذان دے دی۔

اب جب اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے موذن کو تھپڑ مار دیا کہ میں نے کہا نہیں تھا کہ اذان نہیں دینی۔ اب جب اس نے تھپڑ مارا، اللہ رب العزت کی طرف سے پکڑ آ گئی۔ سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ اس کے دونوں ہاتھوں پر فالج گرا، ہاتھ سے لکھ نہیں سکتے تھے۔ دفتر والوں نے چھٹی کرادی۔ وہ جو آمدنی آتی تھی رشوت کی اور پتہ نہیں کیا کیا، وہ ختم ہو گیا۔ اب جب گھر بیٹھ گیا تو شاہانہ مزاج تھا، ہر وقت بیوی کو جلی کٹی سناتا۔

بیوی بیچاری خدمت کرتی، کھانا کھلاتی، کپڑے بدلواتی، کیا کیا کرتی لیکن ادھر سے گالیاں سنتی۔ کچھ عرصے کے بعد تنگ آ گئی۔ اس نے کہا: اچھا میں تو اپنے میکے جا رہی ہوں۔ بھائی کو خط لکھا کہ میں اس وقت بے سہارہ ہوں آپ مجھے اپنے پاس لے جائیں۔ بھائی لینے آ گیا، اس نے بچوں کو لیا اور چلی گئی۔ اس دوران اس پر دوسرا فالج کا اٹیک ہوا۔ دونوں ٹانگیں بھی سینے کے ساتھ لگ گئیں۔ اب زندہ لاش نہ ہاتھ ہلتے ہیں، نہ ٹانگیں ہلتی ہیں، بھائی کے گھر پہنچ گیا۔ اب کون کیسے خدمت کرے؟ نہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے، نہ اپنی ضروریات کے لئے ہاتھ ہلا سکتا ہے۔ کون اس کو دھلوائے؟

کون بچوں کی طرح اس کی نجاست دھوئے؟ کون کپڑے بدلوائے؟ بھائی کے بیوی بچے بھی چند دن میں تنگ آ گئے؟ کہ جی ہم سے تو یہ کام نہیں ہوتا۔ پھر ایک دن کسی بات پر یہ بھائی کی بیوی سے بھی ناراض ہو گیا۔ کوئی سخت بات کہہ دی کہ اس کی زبان قابو میں نہیں تھی۔ جب اس کو کوئی گالی دے دی تو بھائی نے کہا کہ بجائے اس کے کہ میرا رشتہ بیوی سے خراب ہو، اب بھائی نے اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر گرمیوں کا موسم تھا۔ غصے میں آ کر چارپائی اٹھائی اور باہر سڑک کے کنارے ڈال دیا۔ اب نو دس بجے سورج کی ذرا دھوپ ہوئی تو پسینہ آ رہا ہے، اب پیاس لگی، بھوک لگی، کھایا پیا کچھ نہیں تھا۔ اب رو رہا ہے کہ کوئی مجھے کھانے کو کچھ دیدے۔ اگلے دن سے فاقہ تھا، ایک آدمی نے گزرتے ہوئے دو روپے دیئے، اس نے کہا: میں دو روپے نہیں لیتا مجھے تو روٹی دے، بھوک لگی ہے۔ اس نے جا کر روٹی لا دی۔ اس نے کہا: لے کھالے۔

اس نے کہا کہ میرے ہاتھ ہی کام نہیں کرتے۔ اس نے کہا: میرے پاس اتنا وقت نہیں میں تو جا رہا ہوں۔ پھر رو رہا ہے، منت سماجت کر رہا ہے کہ مجھے روٹی کھلا دے، اس نے کہا: میرے پاس وقت نہیں ہے میں جا رہا ہوں۔ کہنے لگا: پھر روٹی مجھے پکڑا دو۔ پاؤں اس

کے سینے سے لگے ہوئے تھے، اپنے پاؤں کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان اس نے روٹی پکڑی اور اپنے منہ سے اسے نوچ نوچ کر کھا رہا تھا، جیسے کتا روٹی کھاتا ہے! پاؤں سے پکڑ کر منہ سے نوچتا ہے۔ یہ فسٹ کلاس گیلری کا بیٹا اپنے پاؤں کے انگوٹھوں میں روٹیاں پکڑ کے اپنے منہ کے ساتھ نوچ کے کھا رہا ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ. وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ.

جب انسان اللہ رب العزت کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے تو پروردگار اس کا یہ حشر کرتے ہیں، اپنی اوقات کو بندہ بھول جاتا ہے۔ زبان چلانی آسان اللہ تعالیٰ روزِ محشر پوچھیں گے تم دنیا میں میری نعمتوں کا کیا شکر ادا کرتے رہے؟ آج وقت ہے صحیح معنوں میں انسان بننے کا، اپنی اوقات کو یاد کرنے کا، جتنی غیبتیں کیں ان کی فہرست بنا کر ان سب سے معافی مانگ لیں۔ اپنے بوجھ کو آج دور کر لیجئے، ایسا نہ ہو کہ یہ چراغ زندگی گل ہو جائے اور ہم حق والوں کے جھرمٹ میں قیامت کے دن پھنس جائیں۔

ہم میں سے کتنے لوگ ہیں کہ جن کی زبان سے بے اختیار الحمد للہ نکلے اور وہ کہیں اے اللہ! اتنا کچھ آپ نے مجھے دیا کہ میں تو اس قابل نہیں تھا، کاش! ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنیں۔

پانچواں واقعہ

ایک بزرگ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم پرائمری سکول میں پڑھتے تھے تو محلے میں ایک عورت تھی جو بکھرے بال ہوتے تھے، سر پہ دوپٹہ نہیں ہوتا تھا، پھٹے کپڑے اور گلیوں میں وہ تنکے چنتی پھرتی تھی اور بچے سکول سے آتے جاتے اس کو پاگل کہتے تھے، کوئی پتھر بھی مار دیتا تھا مگر مجھے والدہ ہمیشہ کہتی تھیں کہ بیٹا!

جب ان کو دیکھو تو تم نے نہ تو کچھ کہنا ہے اور نہ کبھی تم نے ان کی طرف کوئی پتھر پھینکنا ہے۔ تو میں ہمیشہ ان کے ساتھ عزت کا معاملہ کرتا تھا۔ میں اگرچہ بچہ تھا، اس وقت میں تیسری چوتھی کلاس کا سٹوڈنٹ تھا، اور میں دیکھتا رہتا تھا کہ لڑکے تو یہ کر رہے ہیں اور وہ بیچاری دیوانی اپنے آپ میں باتیں کرتی چلی جاتی تھی۔ جب بڑے ہوئے تو ایک دن تذکرہ ہوا تو میں نے اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ امی اس عورت کا معاملہ کیا تھا؟ تو اس وقت والدہ صاحبہ نے کہا کہ یہ عورت اس محلے میں رہتی تھی، ایک تندور تھا اس پر روٹیاں لگاتی تھی، اللہ نے اسے ایک بڑا خوبصورت بیٹا عطا کیا، ایک

دن اس عورت نے کوئی کام سمیٹنا تھا اور بچہ اس کے ساتھ چمٹا رہتا تھا، کچھ بچے ہوتے ہیں جن کو گودوں کا چسکا پڑ جاتا ہے تو وہ ماں سے الگ ہی نہیں ہوتے۔ اب ماں اس کو کہتی کہ بیٹھو! مجھے کام کرنے دو، تو وہ ماں کے ساتھ اور چمٹ جاتا، تو کافی دیر کے بعد اس کو غصہ آیا، اس نے کافی ڈانٹ ڈپٹ کی لیکن بچہ پھر اس کے ساتھ چمٹا رہا۔

آخر اس نے اس کو چارپائی پہ لٹایا اور فیڈر میں دودھ بنا کے دیا اور کہا کہ میں کام کر رہی ہوں، اب تم اگر اٹھ کر میرے پیچھے آئے تو میں تمہاری پٹائی کروں گی۔ بچے کی بات دیکھئے کہ اس نے دودھ ختم کیا اور پھر ماں کے پاس۔ اب جب اس نے بچے کو دیکھا تو غصے میں آ گئی اور جب غصہ آ جائے تو پھر بندے کو سمجھ نہیں لگتی کہ کیا کہہ رہا ہے۔ تو وہ غصے اور ٹینشن میں تو تھی ہی اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ میں تو تجھے سلا کے آئی تھی تو پھر پیچھے آ گیا تو تو سویا سو ہی جاتا تو اچھا تھا۔ اللہ رب العزت نے اس ماں کی بددعا کو قبول کر لیا مگر اس بچے کو اس وقت موت نہیں دی، اللہ تعالیٰ نے اس پھل کو پکنے دیا۔

وہ بچہ سکول گیا تو بہت اچھے نمبروں میں کامیاب ہونے والا، اس نے تعلیم پائی تو بہت امتیازی حیثیت حاصل کی، پھر کاروبار شروع کیا تو اللہ نے اس بچے کے کاروبار میں ایسی برکت دی کہ تھوڑے عرصے میں وہ بچہ لاکھوں پتی بن گیا۔ اس زمانے میں لاکھ بڑی چیز ہوتی تھی، کوئی کوئی لاکھ پتی ہوتا تھا۔ اب وہ خوبصورت نوجوان لڑکا، بہترین بزنس مین، پورے محلے کے گھروں میں مائیں اپنے بچوں کو اس کی مثال دیتی تھیں کہ بیٹا! تم نے ایسا بننا ہے اور تمنا (Wish) کرتی تھیں کہ کاش کہ ہمارا بیٹا بھی اس طرح بنے۔

جب اس کی زندگی پورے جوبن پر تھی تو اس کی ماں نے اس بچے کے رشتہ کے لئے اپنی برادری میں بہترین پڑھی لڑکی کا انتخاب کیا۔ اللہ کی شان دیکھئے جب شادی میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے تو گھر کا فرش دھویا ہوا تھا، وہی بچہ جواب خوبرو نوجوان تھا گھر کے گیلے فرش سے تیزی سے گزرنے لگا تو پاؤں جو سلپ ہوا تو یہ سر کے بل گرا اور اس کی وہیں پر موت واقع ہو گئی۔ اللہ نے پھل اس وقت کاٹا جب پورے کا پورا پکا ہوا تھا۔ اب جب ماں نے اپنے بیٹے کی لاش اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھی تو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی، باقی ساری زندگی وہ گلی میں تنکے چنتی تھی اور اشعار پڑھا کرتی تھی۔

آوے ماہی تینوں اللہ وی لیاوے تیریاں نت وطناں تے لوڑاں
کملی کر کے چھوڑ گیوں تے میں لکھ گلیاں دے رولاں
آج اس نعمت اولاد کی قدر آرہی ہے لیکن
اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

نعمتوں کی ناشکری یہ اللہ رب العزت کی نظر میں بہت بڑا گناہ ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت نے اگر بن مانگے نعمتیں دی ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں کہ ان نعمتوں کی قدردانی کریں، وقت بدلتے دیر نہیں لگا کرتی۔

چھٹا واقعہ

مکہ مکرمہ میں ایک عالم کا انتقال ہوا اور ان کو دفن کر دیا گیا کچھ عرصہ کے بعد کسی دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کے وارثوں نے ان عالم صاحب کی قبر میں ان کو دفن کرنا چاہا، مکہ مکرمہ میں یہ دستور ہے کہ ایک قبر میں کئی کئی مُردوں کو دفن کر دیتے ہیں، چنانچہ ان عالم صاحب کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ ان کی لاش کے بجائے ایک نہایت حسین لڑکی کی لاش رکھی ہوئی ہے اور صورت دیکھنے سے وہ لڑکی یورپین معلوم ہوتی تھی، سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے....

اتفاق سے اس مجمع میں یورپ سے آنے والا ایک شخص بھی موجود تھا اس نے جو لڑکی کی صورت دیکھی تو کہا میں اس کو پہچانتا ہوں یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی اور ایک عیسائی کی بیٹی ہے یہ مجھ سے اردو پڑھتی تھی اور در پردہ مسلمان ہو گئی تھی میں نے اس کو دینیات کے چند رسالے بھی پڑھائے تھے.... اتفاق سے بیمار ہو کر انتقال کر گئی اور میں دل برداشتہ ہو کر نوکری چھوڑ کر یہاں چلا آیا.... لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہو گئی کہ مسلمان اور نیک تھی، لیکن اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ ان عالم صاحب کی لاش کہاں گئی....

بعض لوگوں نے کہا کہ شاید عالم کی لاش اس لڑکی کی قبر میں منتقل کر دی گئی ہو اس پر لوگوں نے اس سیاح سے کہا کہ تم حج سے واپس ہو کر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی قبر کھود کر ذرا دیکھنا کہ اس میں مسلمان عالم کی لاش ہے یا نہیں، اور کوئی صورت شناس بھی ساتھ کر دیا، چنانچہ وہ شخص یورپ واپس گیا اور لڑکی کے والدین سے اس کا یہ حال بیان کیا.... اس پر ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکی کو دفن تو کیا جائے فرانس میں اور تم اس کی لاش مکہ مکرمہ میں دیکھ لو.... خیر رائے

یہ قرار پائی کہ اس لڑکی کی قبر کو کھودو چنانچہ اس کے والدین اور چند لوگ اس حیرت انگیز معاملہ کی تفتیش کے لئے قبرستان چلے اور لڑکی کی قبر کھودی گئی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی لاش نہ تھی بلکہ اس کے بجائے وہ مسلمان عالم مقطع صورت وہاں دھرے ہوئے تھے جن کو مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا تھا.... شیخ دہان نے فرمایا کہ اس سیاح نے کسی ذریعہ سے ہم کو اطلاع دی کہ اس عالم کی لاش یہاں فرانس میں موجود ہے....

اب مکہ مکرمہ والوں کو فکر ہوئی کہ لڑکی کا مکہ مکرمہ پہنچ جانا تو اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور اس کے مقبول ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی مگر اس عالم کا مکہ مکرمہ سے کفرستان میں پہنچ جانا کس بناء پر ہوا اس کے مردود ہونے کی کیا وجہ ہے.... سب نے کہا کہ انسان کی اصلی حالت گھر والوں کو معلوم ہوا کرتی ہے.... اس کی بی بی سے پوچھنا چاہئے، چنانچہ لوگ اس کے گھر گئے اور دریافت کیا کہ تیرے شوہر میں اسلام کے خلاف کوئی بات تھی؟

اسے کہا کہ کچھ بھی نہیں وہ تو بڑا نمازی اور قرآن کا پڑھنے والا تہجد گزار تھا.... لوگوں نے کہا سوچ کر بتلاؤ کیونکہ اس کی لاش دفن کے بعد مکہ مکرمہ سے کفرستان میں پہنچ گئی ہے کوئی بات اسلام کے خلاف اس میں ضرور تھی.... اس پر بی بی نے کہا ہاں میں اس کی ایک بات پر ہمیشہ کھٹکتی تھی وہ یہ کہ جب وہ مجھ سے مشغول ہوتا اور فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتا تو یوں کہا کرتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ ان کے یہاں غسل جنابت فرض نہیں لوگوں نے کہا بس یہی بات ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس کی لاش کو مکہ مکرمہ سے اسی قوم کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقہ کو وہ پسند کرتا تھا....'' حضرات آپ نے دیکھا کہ یہ شخص ظاہر میں عالم متقی اور پورا مسلمان تھا، مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی موجود تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقے کو اسلامی حکم پر ترجیح دیتا تھا اور استحسان کفر کفر ہے.... اس لیے وہ شخص پہلے ہی سے مسلمان نہ تھا.... یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے، مگر خدا تعالیٰ کہیں ایسا بھی کر کے دکھلا دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ بدحالی کا نتیجہ یہ ہے....''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا

۱۴۰۱ھ

وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا قرآن کریم

(اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ
خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا (سورہ کہف ۴۶)
مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور جو نیکیاں پائیدار رہنے والی ہیں وہ تمہارے
رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور امید وابستہ کرنے کیلئے بھی بہتر)

قل متاع الدنیا قلیل

وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی صدق اللہ العظیم

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَلَا
تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا (سورہ نساء ۷۷)

کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کیلئے آخرت
کہیں زیادہ بہتر ہے اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا

باب 5

دُنیاوی زندگی کی اصلاح پرآخرت کی کامیابی منحصر ہے

زندگی کے سفر میں ایمان کی ضرورت

''انبیاء علیہم السلام کی خبروں پر اعتماد کر کے کسی چیز کو ماننا'' یہ ایمان ہے، آنکھ سے دیکھ کر ماننا یہ ایمان نہیں ہے یا عقل سے سمجھ کر مان لینا، اسے ایمان نہیں کہتے...... کوئی یوں نہیں کہہ سکتا کہ میں ایمان لایا کہ دو کا دُگنا چار ہوتا ہے۔ یہ ایک عقلی چیز ہے، ایمان لانے کی چیز نہیں، محسوسات میں سے ہے۔ یا جب صبح کو آفتاب نکلے تو کوئی یوں نہیں کہے گا کہ میں ایمان لایا کہ سورج نکل آیا ہے۔ وہ ایمان لانے کی چیز نہیں وہ تو آنکھوں سے دیکھنے کی چیز ہے...... غرض ایمان غیبی چیزوں پر لایا جاتا ہے اور وہ بھی پیغمبر کی بات پر اعتماد اور اطمینان کر کے جیسے وہ فرمائیں ویسے مان لینا اسے ایمان کہتے ہیں۔

آخرت کی پہلی منزل ''عالم برزخ'' ہے جسے قبر کہتے ہیں، اس کے حالات کو نہ عقل معلوم کر سکتی ہے نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے...... بجز اس کے کہ مخبر صادق کی خبر پر اطمینان کیا جائے اور کوئی صورت نہیں ...... عالَم آخرت کا برپا ہونا، میدانِ محشر کے حالات، جنت و دوزخ کا وجود، پل صراط اور میزان کا وجود آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا نہ عقل سے دریافت کیا...... اس کو ماننا یہ ایمان ہے

آخرت کو عقل سے سمجھنے کا نقصان

جن قوموں نے آخرت کو عقل سے سمجھنا چاہا ہے انہوں نے بہت ٹھوکریں کھائیں اور وہ حقیقت حال نہیں سمجھ سکیں کیونکہ عقل غیبی اُمور کا ادراک نہیں کر سکتی...... عقل تو ان محسوسات میں آنکھ سے دیکھی چیز، کان سے سنی چیز یا ناک سے سونگھی چیز ان میں سے کچھ نتائج نکالتی ہے...... لیکن غیبی اُمور کو پالینا یا پرکھ لینا یہ عقل کا کام نہیں ہے یہ وحی کا کام ہے اور وحی ہی یہ خبر دے سکتی ہے کہ غیب کیا چیز ہے؟ عالم غیب میں کیا واقعات پیش آئیں گے؟ اس میں عقل درکار نہیں ہے نہ عقل کارآمد ہے نہ عقل اس میں چل سکتی ہے۔ غرض جن قوموں نے آخرت کو محض عقل کا نشانہ بنایا انہوں نے ٹھوکریں کھائیں۔

آخرت کا انکار کرنے والوں کا ایک نظریہ

بعض قوموں نے تو یہ سمجھا کہ آخرت کا کوئی وجود ہی نہیں ہے صرف دُنیا ہی کا عالَم ہے، آگے کچھ ہونے والا نہیں ہے، وہ کہتے ہیں جب آدمی مرگیا تو فنا ہوگیا، اب وہ نہ آئے گا، نہ پہلے تھا، نہ آئندہ ہوگا، بس قصہ ختم ہوا، وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں کہ جزا و سزا ہوگی، حساب و کتاب ہوگا اور اللہ کے آگے بندوں کی پیشی ہوگی...... وہ نہیں مانتے...... اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی خبروں پر اطمینان نہیں رکھتے بلکہ وہ عقل پر پرکھتے ہیں...... ظاہر بات ہے کہ عقل مرنے کے بعد کی چیزوں کی کوئی خبر نہیں دے سکتی، اسی واسطے انہوں نے انکار کردیا...... اور موت کے معنی ''فناءِ محض'' کے سمجھے کہ بس گیا سو گیا، جیسے پہلے نہیں تھا، ویسے ہی آئندہ بھی نہیں ہوگا...... غرض بعض اقوام نے ایک نظریہ یہ قائم کیا کہ جو کچھ ہے معاذ اللہ وہ دُنیا ہے اور آخرت کوئی چیز نہیں۔

منکرین آخرت کا دوسرا نظریہ

بعض قوموں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اصل آخرت ہے، دُنیا اس کا راستہ ہے، اس سے گزر کر ہی عالَم آخرت آئے گا جو دُنیا میں نہیں آیا، پیدا نہیں ہوا، اس کے لیے آخرت بھی نہیں، جو دُنیا میں آگیا، پیدا ہوگیا، پھر اس نے انتقال کیا، اُس کے لیے عالَم آخرت ہے، غرض دُنیا ایک راستہ اور راہگزر ہے، آنے والی چیز آخرت ہے، وہی اصل منزل و مقصد ہے، وہیں جانا ہے تو ایک یہ نظریہ کہ آخرت کو مانا مگر اس کے ساتھ میں دُنیا کو محض ایک راہگزر مانا۔

پہلے نظریے کے دُنیوی آثار

آخرت کا انکار کرنے والے پہلے نظریہ کے لوگوں نے کہا کہ فقط دُنیا ہی کا عالَم ہے، آخرت آنے والی نہیں، وہاں سے تمدن کا غلو برپا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ جب دُنیا ہی دُنیا ہے تو عیش اُڑانے میں کوئی کمی نہ کی جائے:

بابر بہ عیش کوش کہ عالَم دوام نیست

کھانا، پینا، پہننا اور رہنا سہنا نیز کوٹھی اور بنگلے ہی ان کی دُنیا ہے اور یہی ان کی آخرت ہے۔ اس سے آگے کوئی چیز نہیں، نہ ان کو حلال اور حرام کی تمیز کی ضرورت...... جب دُنیا ہی دُنیا ہے آگے کہیں جانا نہیں...... کوئی حساب دینا نہیں...... اس لیے جائز و ناجائز کی بحث ہی نہیں آتی، بس جس

طرح سے ہو عیش اُڑاؤ......اس طرح سے تمدن کا غلو اور تمدن میں مبالغے برپا ہوئے کہ فقط یہی نہیں کہ آدمی اچھا کھالے، پی لے اور اچھا پہن کر گزر کر لے...... بلکہ کھانے اور پینے میں اتنا مبالغہ اور اتنے تکلفات بھی جہاں عقل بھی نہ پہنچے، وہ تکلفات بھی پیدا کیے جارہے ہیں، غرض دُنیا کو سجا دینے کا نام زندگی ہے، وہ نہ سجے تو انسان کی زندگی نہیں ہے......تو تمدن کے مبالغے، عیش و آرام کی چیزیں، کھانے اور پینے کے سامان رہنے اور سہنے کے سامانوں میں مبالغے اتنے ہوئے کہ پچھلوں کی عقل میں بھی نہیں آسکتے تھے کہ دُنیا ترقی کر کے اس درجے پر پہنچ جائے گی، عیش و آرام کے اتنے سامان برپا ہوجائیں گے......غرض اس نظریے کے تحت تمدن کا غلو پیدا ہوا کیونکہ دیانت اور دین کوئی چیز نہ رہا۔ اللہ کے آگے حاضری اور حساب دینے کا کوئی سوال نہ رہا، دُنیا ہی دُنیا رہ گئی تو جس طرح سے اور جتنا چاہو اس کو برپا کرلو، جتنا چاہو اس میں عیش اُڑالو۔ بقول شاعر کے کہ:

بابر بہ عیش کوش کہ عالَم دوام نیست

جتنی عیش اُڑانی ہے اُڑالو آگے کچھ نہیں ہے......تو تمدن و مدنیت اور تمدنی سامانوں کی افراط پیدا ہوئی۔ اسی لیے جو لوگ اس تمدن کے موجد ہیں انہیں شاید بھول کے بھی موت کا خیال نہیں آتا۔ بھول کر بھی قبر یا آخرت کا کوئی تصور نہیں......ایک ہی تصور ہے کہ دُنیا آنکھوں کے سامنے ہے بس جس طرح چاہو اسے چلالو......غرض ایک نظریہ تو یہ تھا اور اس کا یہ اثر پڑا کہ دین ختم ہوگیا، دُنیا رہ گئی......آخرت نگاہوں سے اوجھل ہوگئی، فقط دنیوی سامان سامنے رہ گئے۔

دوسرے نظریے کے دنیوی آثار

دوسرا نظریہ یہ تھا کہ آخرت ہے اور وہی مقصود ہے، دُنیا ایک راستہ ہے، جس سے گزر کر جانا ہے ......اس کا اثر یہ پڑا کہ نہ صرف یہ کہ تمدن اختیار نہ کرو...... بلکہ جتنا جسم کو عذاب دو، جتنا اسباب عیش کو ترک کرو، جتنی رہبانیت اختیار کرو وہی آخرت بنانے والی ہے......تو بعض اقوام نے یہی کیا......

چنانچہ برما میں دیکھ لیجیے ان لوگوں کے جو مذہبی پیشوا ہیں جنہیں ''بھکشو'' کہتے ہیں، وہ نہ گھر بناتے ہیں، نہ نکاح نہ شادی نہ بیاہ...... بلکہ کھانا پینا بھی خود نہیں پکاتے، بھیک بھی نہیں مانگتے......ان کا کام یہ ہے کہ صبح کو وہ نکل گئے، قوم جانتی ہے کہ کھانے کے لیے آئے ہیں، تو ہر گھر میں کھانے سے پہلے ایک آدھ روٹی ان کے نام کی رکھ لی جاتی ہے اور کچھ سالن رکھ دیا...... جہاں وہ آئے انہیں دے دیا۔ یہ ان کا کھانا ہے...... پہاڑوں کی کھوہ میں رہتے ہیں......ایک دھوتی انہوں نے باندھ لی اور

وہی اوڑھ لی...... اور کہتے ہیں دُنیا راہگور ہے جتنا اس میں تکلف کیا جائے گا اتنا ہی آخرت فراموش ہو جائے گی...... اور ہے اصل میں آخرت...... بہرحال یہاں تمدن سرے سے ختم ہوگیا...... پہلے نظریہ کے تحت تو تمدن ہی تمدن رہ گیا تھا اور دوسرے نظریہ کے تحت سرے سے تمدن ختم ہو کر دُنیا "لاشیء"، ہیچ اور فانی بن گئی کہ اس کے اندر ذرا سا بھی آرام کرنا یہ گویا آخرت کو کھو دینا ہے۔

عیسائیت اور دُنیا

عیسائیوں میں دیکھا گیا، ان کی تاریخ شاہد ہے کہ جتنا بدن کو تکلیف پہنچائی جائے اتنا ہی آخرت بنتی ہے۔ چنانچہ ان میں بعض رُہبان دیکھے گئے، تاریخوں میں یہ موجود ہے کہ ایک گڑھا ہے اور اس میں گارا ہے اس میں پڑے کے برس گزارتے ہیں اور بڑی مکھیاں انہیں کاٹ رہی ہیں، بدن کے اوپر ورم چڑھا ہوا ہے مگر وہ گارے کے اندر پڑے ہوئے ہیں اور سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم آخرت میں جا رہے ہیں، دُنیا سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے، شادی بیاہ سے غرض نہیں، مکان بنانے سے غرض نہیں...... اگر گرجا میں کوئی عورت "نن" (Nun)...... (انگریزی راہبہ، تارکۂ دُنیا عورت) بن کے گئی تو وہ یہ عہد کر کے جاتی ہے کہ نہ شادی کرے گی نہ بیاہ کرے گی، لذات دُنیا سے اسے کوئی تعلق نہ ہوگا...... مرد جاتا ہے تو وہ عہد کر کے جاتا ہے کہ نہ نکاح کرے گا نہ عورت اس کے گھر میں آئے گی، نہ گھر در ہوگا...... غرض ایک نظریے کے تحت تمدن اتنا برپا ہوا کہ آخرت فراموش ہوگئی...... اور ایک نظریے کے تحت تمدن اتنا مٹا کہ دُنیا بے رونق ہوگئی...... بس آخرت ہی آخرت پیش نظر ہے...... وہ بنتی ہے یا نہ بنے، یہ الگ بات ہے...... یہ دو متضاد نظریے ہیں...... ایک یہ کہ دُنیا کوئی چیز نہیں ہے، آخرت ہی ایک چیز ہے...... ایک یہ کہ جو کچھ ہے دُنیا ہے، آخرت کوئی چیز نہیں ہے۔

آخرت کے متعلق اسلامی نظریہ

اسلام نے یہ تعلیم دی کہ دُنیا بھی ایک برابر کا عالم ہے، آخرت بھی ایک برابر کا عالم ہے، محض راہگور نہیں ہے کہ دُنیا تو راستہ ہے، یہاں سے چل پڑو اور آخرت میں پہنچ جاؤ۔ بلکہ فرمایا:

"اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ"...... (دُنیا آخرت کی کھیتی ہے)۔

جیسا بیج یہاں ڈال دو گے، ویسا ہی پھل آخرت میں پاؤ گے تو دُنیا گویا کھیتی کی جگہ ہے، انسان کا کام بیج ڈالنا ہے...... اچھا بیج ڈالے گا، اچھا پھل نکل آئے گا...... برا بیج ڈالے گا برا پھل۔

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافات عمل غافل مشو

"گیہوں کا بیج ڈالو گے، گیہوں اُگے گا، کیکر کا بیج ڈالو گے تو کانٹے دار درخت اُگے گا۔ سینڈھ کا بیج ڈالو گے تو بدبودار درخت اُگے گا"

غرض جیسا یہاں کرو گے ویسا ثمرہ سامنے آجائے گا تو آخرت دُنیا سے بنتی ہے، یہ نہیں ہے کہ دُنیا کا تعلق آخرت سے نہیں اور آخرت کا تعلق دُنیا سے نہیں۔

دنیاوی سفر کا انداز کیسا ہو؟

اب یہ کہ دُنیا میں کس طرح سے رہو......؟ تو اسلام نے یہ نہیں بتلایا کہ تم پھٹے حال سے رہو، تم بھیک منگے بن کے رہو، گھر گھر بھیک مانگ کر معاذ اللہ اپنا پیٹ پال لیا کرو......فرمایا:

"اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الید السُّفلٰی"......(اُونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے!)

"مانگنے والا ہاتھ وہ کم رُتبہ ہے اور عطاء کرنے والا ہاتھ بہتر ہے۔"

اور فرمایا: "کَسْبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ"......"حلال مال کا کمانا ایسا ہی فرض ہے جیسا نماز روزہ فرض ہے۔" آدمی کا فرض ہے کہ وہ کمائے، وہ مانگ کر نہ کھائے بلکہ دس کو کھلا کر کھانے کے بھی قابل ہو، اس درجے پر آئے۔ غرض مسلمان کوئی بھیک منگا نہیں بنایا گیا، کوئی سائل بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ بھکاری بنے بلکہ عطاء کرنے والا بنا کر بھیجا گیا کہ دُنیا کی اقوام کو کچھ دے، ان سے مانگنے کا روادار نہ ہو بلکہ معطی بنے، عطاء کرے اور وہ چیزیں دے جس کی دُنیا محتاج ہے......ان کو دین کی طرف دعوت دے، اس دین کی طرف جس میں دُنیا بھی برابر کی ہے اور آخرت بھی برابر ہے۔

حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یَّرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ"

اللہ اپنے جس بندے کو نعمت دے تو اُسے یہ بھی پسند ہے کہ اس نعمت کا اثر بھی اس کے اوپر کچھ آنا چاہیے، کچھ ڈھنگ کا لباس ہو، کچھ ڈھنگ کا کھانا پینا ہو، ڈھنگ کا رہنا سہنا ہو......ڈھنگ سے ہو اور جمال کے ساتھ ہو......مبالغے کو تو روکا ہے کہ حدود سے مت گزرو، جیسے دین کے بارے میں فرمایا:

"لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ"............دین میں زیادہ مبالغے مت کرو کہ تحمل سے باہر ہو جائے۔ اتنا ہی عمل اختیار کرو جسے عمر بھر نبھا دو۔

اسی طرح دُنیا کے بارے میں فرمایا کہ اتنا مبالغہ مت کرو کہ وہ آخرت کے بھلانے کا ذریعہ بن جائے، اتنی دُنیا اختیار کرو کہ عیش و آرام سے گزر بسر کرو، دوسرے کو کھلا کر خود کھا سکو، یہ ضرور کرو

......مگر اپنی آخرت کو مت بھلاؤ کہ دُنیا میں اتنا منہمک ہو جاؤ کہ دل سے موت کا تصور ہی نکل جائے......اس سے روکا ہے......یہ غلو اور مبالغہ ہے۔

دولت و عبادت کا باہمی اِرتباط

اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ تم اس طرح زندگی بسر کرو اور زُہد و قناعت کے یہ معنی سمجھو کہ جب دُنیا سے جاؤ تو کوئی چیز پیچھے چھوڑ کے نہ جاؤ، اولاد بھیک منگی ہو......دین اسلام نے ہمیں حکم دیا کہ...... "یہ طرز زندگی بہتر نہیں ہے"......بلکہ بہتر یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اولاد کے لیے کچھ سامان کرتے جاؤ

یہ جبھی تو ہوگا جب آدمی کچھ کمائے گا، کچھ دولت فراہم کرے گا، کچھ بچوں کے لیے چھوڑے گا، کچھ ان کی خدمت کرے گا، کچھ عزیز اقرباء کی خدمت کرے گا...... ہزاروں عبادتیں ہیں جو دولت پر موقوف ہیں، اگر آپ کے ہاتھ میں دولت نہیں آپ زکوٰۃ کیسے دیں گے؟ تو ایک فرض سے محروم ہوگئے، آپ کے ہاتھ میں مال نہیں حج کیسے کریں گے؟ تو حج کی دولت سے محروم ہوگئے، آپ کے ہاتھ میں دولت نہیں تو غرباء کی خدمت کیسے کریں گے؟ تو عطایا سے آپ محروم ہوگئے، غرض ہزاروں عبادتیں ہیں جو دولت پر موقوف ہیں۔

جن مساجد میں آپ نماز پڑھ رہے ہیں یہ بھی تو دولت پر موقوف ہے، دولت ہاتھ میں نہ ہوتی تو اتنی خوشنما مساجد کہاں سے بنتیں......؟ اللہ کا گھر اتنا آراستہ کیسے ہوتا؟ یہ دولت ہی کا تو کرشمہ ہے ......تو دولت پر نماز بھی موقوف، حج بھی موقوف، زکوٰۃ بھی موقوف اور صدقات بھی موقوف، ہزاروں عبادتیں ہیں جو دولت پر موقوف ہیں، اِسلام جامع دین تھا وہ دولت کو حرام کیسے قرار دیتا؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آدمی کو ساری عبادتوں سے محروم بناتا......اس واسطے اس نے حکم دیا:

"كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ"

"حلال کی کمائی کرنا اِنسان کے اوپر ایسا ہی فرض جیسا نماز روزہ فرض ہے۔"

مقصد تو یہ ہو کہ میں کسی کا محتاج بن کے نہ رہوں، اتنا کمائے مگر اب اللہ برکت دے اور لکھ پتی بنا دے تو اس کی اجازت بھی نہیں دی کہ اس مال کو ضائع کر دو یا سمندر میں بہا دو، اس کو اس کے مصرف میں جائز اور حلال طریق پر خرچ کرو، غرض حلال ہی طریق پر کماؤ اور حلال طریق پر اُسے صرف کرو، تو یہ صرف کرنا اور کمانا یہ سب عبادت میں داخل ہوگا، اس لیے کہ یہ عبادت کا وسیلہ ہے۔ اور وسیلہ کا حکم وہی ہوتا ہے جو مقصد کا ہوتا ہے۔ جب مقصد عبادت ہے تو اس کا وسیلہ بھی

عبادت ہے۔آپ جو نماز پڑھ رہے ہیں اس کا وسیلہ وضو ہے، اس لیے وضو بھی عبادت میں داخل ہے، یہ نہیں ہے کہ وضو پر کوئی ثواب نہ ملے...... البتہ نیت شرط ہے۔ بلانیت وضو کریں گے تو پاکی تو حاصل ہو جائے گی، نماز بھی جائز ہوگی مگر وضو پر ثواب نہیں ملے گا، جب تک آپ یہ نیت نہ کریں کہ اس لیے وضو کر رہا ہوں کہ یہ نماز کا وسیلہ ہے تو وضو بھی عبادت ہے اس لیے کہ نماز کا وسیلہ ہے۔

مسجد کی تعمیر بھی عبادت ہے اس لیے کہ نماز اور ذکر اللہ کا وسیلہ ہے، مسجد کے لیے زمین خریدنا وہ بھی عبادت ہے کیونکہ عبادت اور نماز کا وسیلہ ہے۔غرض وسائل جتنے ہوتے ہیں ان کا حکم وہی ہوتا ہے جو مقاصد کا حکم ہوتا ہے۔

صاحب ایمان کیلئے دُنیاوی زندگی کی حیثیت

ساری دُنیا مسلمان کے لیے دین کا وسیلہ بنائی گئی ہے:

"اِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ"

"دُنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔"

تو دُنیا آخرت کے لیے کماؤ، خدمت واطاعت کے لیے...... اور یہ ساری چیزیں عبادت میں داخل ہیں، غرض کمانا اور خرچ کرنا یہ سب طاعت میں داخل ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو اور رضائے خداوندی مقصود ہو۔اسی لیے قرآن کریم میں بعض آیتوں میں تو مذمت کی گئی ہے اور بعض میں مدح کی گئی ہے۔ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ"

(یہ تمہاری اولادیں اور یہ تمہارے مال تمہارے لیے فتنہ ہیں اور آزمائش کی چیزیں ہیں)۔

تو اس سے ایک گونہ مذمت نکلی۔ دوسری جگہ حدیث میں ارشاد فرمایا: "نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ" "اچھے انسان کا اچھا مال وہ بہترین متاع اور بہترین پونجی ہے۔"

تو یہاں مال کی تعریف کی ہے۔...... غرض ایک جگہ مذمت اور ایک جگہ مدح ہے، مذمت اس لیے ہے کہ رضائے خداوندی اور جائز طریق پیش نظر نہ ہو۔ مدح اس لیے کہ رضائے خداوندی مقصود ہے اس کے لیے آدمی بڑھ رہا ہے اور اس کے دائرے میں رہ کر کما رہا ہے، وہ مال بھی مبارک اور کمانے والا بھی مبارک۔

اگر مال مطلقاً مذمت کی چیز ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی دولت مند نہ ہوتا

حالانکہ ان میں لکھ پتی بھی ہیں۔ ان میں کروڑ پتی بھی ہیں، ہزار پتی بھی ہیں۔ اسی طرح ائمہ ہدایت کے اندر کروڑ پتی، لکھ پتی لوگ موجود ہیں۔

مصارف سے آمدنی کا اندازہ

جب جائز طریق پر مال آتا تھا تو جائز ہی طریق پر خرچ بھی ہوتا تھا۔ جیسے حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ: ''میں مال کے مصارف کو دیکھ کر اس کی آمدنی کا پتہ چلا لیتا ہوں۔ جس جگہ مال صرف ہوتا ہے سمجھ لیتا ہوں کہ اگر یہ اچھی جگہ ہے تو آیا بھی اچھے طریق سے ہے، اگر حرام جگہ صرف ہو رہا ہے تو سمجھ لیتا ہوں کہ حرام ہی کی کمائی ہے۔ غرض مصرف کو دیکھ کر اس کے ذریعہ آمدن کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ کس طرح سے آیا ہوگا......؟''

اِظہارِ نعمت کا موقع

اسلام نے دُنیا کو لاشی ءاور ہیچ نہیں قرار دیا کہ آخرت کو پیش نظر رکھو اور دُنیا میں بھیک منگے بن کے رہو، دُنیا میں بالکل ژولیدہ حال ہو کر رہو اور پھٹے حال سے رہو، یہ نہیں فرمایا بلکہ: ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُرىٰ اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ''...... ''جس بندے کو اللہ نعمت دے تو اللہ کو یہ بھی پسند ہے کہ اس نعمت کا کچھ اثر آئے۔'' کچھ لباس ڈھنگ کا ہو...... کچھ کھانا بھی ڈھنگ کا ہو...... کچھ رہنا سہنا بھی ڈھنگ سے ہو...... اور کچھ معاشرت بھی اچھی ہو...... یہ نہیں کہ پھٹے حال سے رہے۔

دولت دُنیا کی مدح وذم کا معیار

دولت دُنیا کی مذمت بھی آئی ہے اور مدح بھی آئی ہے، اس دُنیا کی مذمت آئی ہے جو آخرت سے غافل کر دے اور اس دُنیا کی مدح آئی ہے جو آخرت تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے۔

اِسی لیے عارف رومی رحمہ اللہ نے مثال دی ہے کہ جیسے ایک سمندر ہے تو کشتی جب اس میں پڑی ہوئی ہو تو پانی اگر کشتی سے باہر باہر ہے تو کشتی کے لیے مددگار ہوگا، کنارے پر جا لگائے گا اور منزل آجائے گی ...... لیکن اگر پانی کشتی کے اندر آ گیا تو کشتی بھی ڈوبی اور کشتی والے بھی ڈوبے، دونوں کی تباہی ہے۔

اسی طرح فرمایا کہ انسانی قلوب کشتیوں کی مثل ہیں اور دُنیا کی دولت اور سامان مثل دریا اور سمندر کے ہیں تو قلب سے جب تک دولت باہر رہے گی وہ قلب کو کنارے تک پہنچانے کا ذریعہ

بنے گی اور اگر اندر آ گئی تو قلب بھی ڈوبا اور قلب والا بھی ڈوبا۔

مطلب یہ ہے کہ ایک دُنیا کا استعمال ہے، اس کی شریعت نے ممانعت نہیں کی، ایک دُنیا کی محبت ہے کہ اس میں پڑ کر محبت خداوندی رہ جائے، محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہ جائے، اس کی مذمت کی گئی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ قرآن کریم نے توسع دیا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ مال کی محبت بالکل نکال دو، یہ تو طبعی بات ہے کہ جب آدمی کمائے گا تو کچھ نہ کچھ اپنے مال سے محبت ہوتی ہے، اپنے گھر سے محبت ہوتی ہے، اپنے سامان سے اور بیوی بچوں سے محبت ہوتی ہے بالکل محبت نکالنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

یہ تو طبیعت کا تقاضا ہے کہ جو چیز انسان کے پاس ہے اس سے تھوڑی بہت محبت ہو جاتی ہے۔ اجنبی بھی اگر پڑوسی بن جائے اور چند دن رہنا سہنا ہو تو آپس میں محبت ہو جاتی ہے تو اپنے گھر اور مکان سے تو طبعاً محبت ہوگی تو قرآن کریم نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ ایک مطلقاً محبت ہونا ہے۔ یہ ممنوع نہیں ہے، ایک ہے ایسی محبت ہونا جو فرائض اور واجبات میں حارج ہو جائے، اس سے بچو۔

مشعلِ راہ واقعات

حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مال دار لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے مال دار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔

مگر قلب کی کیفیت کیا ہے؟ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک دن گھر میں تشریف لائے، کچھ اُداس، غمگین اور چہرہ اُترا ہوا...... تو بیوی نے پوچھا آج آپ غمگین کیوں ہیں؟ فرمایا: "خزانے میں دولت اتنی جمع ہو گئی ہے کہ میرے دل کے اُوپر بار پڑ رہا ہے اور میرا قلب پریشان ہو رہا ہے۔"

وہ بھی صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں...... انہوں نے کہا پھر آپ نے کیا کیا......؟ فرمایا: "کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ...... فرمایا: "گھبرانے کی کیا ضرورت ہے، صدقہ کرنا شروع کر دو، غریبوں کو دینا شروع کر دو۔" فرمایا: "واقعی تدبیر تو اچھی بتائی۔" چنانچہ جا کر خزانچی کو حکم دیا کہ تقسیم شروع کر دو۔

صبح کو جو حساب لگایا تو رات بھر میں غرباء کے اوپر چھ لاکھ روپیہ تقسیم ہوا۔ صبح کو آ کر بیوی کے ہاتھ چومے کہ اللہ تجھے جزائے خیر دے، کیسی اچھی تدبیر بتائی، میرا دل ہلکا ہو گیا...... تو اتنے دولت مند بھی تھے مگر قلب متوجہ الی اللہ تھا۔ زیادہ دولت بڑھتی تھی تو ان کے دل پر بار پڑتا تھا۔ ہمارے ہاں کم ہو جائے تو دل پر بار پڑتا ہے، زیادہ ہو تو خوشی ہوتی ہے، وہاں قصہ اُلٹا تھا اور واقعہ بالکل برعکس تھا۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے زمین خریدی، قیمت ادا کر دی، زمین

قبضے میں آ گئی، عمارت بنانے کے لیے جو بنیاد کھودی تو ایک بہت بڑا دیگچہ نکلا جس میں سونا اور چاندی بھرا ہوا تھا، گویا لاکھوں روپے کا مال نکلا...... اُسے لے کر ان کے ہاں پہنچے جن سے زمین خریدی تھی...... اور فرمایا: "یہ آپ کا دیگچہ ہے۔" انہوں نے کہا: "کیسا دیگچہ......؟"

فرمایا: "وہ جو زمین میں نے خریدی تھی اس میں سے نکلا ہے اور میں نے زمین خریدی تھی، دیگچہ تھوڑا ہی خریدا تھا...... یہ آپ کا حق ہے۔" انہوں نے کہا: "جب میں نے زمین بیچی تھی، زمین میں تحت الثریٰ تک جو کچھ تھا وہ سب بیچنے میں آ گیا، لہٰذا یہ آپ کا حق ہے میرا حق نہیں ہے۔"

اب لڑائی اس پر ہو رہی ہے...... وہ کہتے ہیں کہ آپ کا حق ہے...... انہوں نے کہا نہیں میرا حق نہیں یہ آپ کا حق ہے...... آخر وہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا...... چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم دونوں کے کوئی اولاد ہے......؟" تو ایک کے ہاں بیٹا اور ایک کے ہاں بیٹی تھی...... فرمایا: "دونوں کی شادی کر دو اور یہ دولت انہی کو دیدو۔"

ہمارے ہاں تو اس پر لڑائی ہوتی ہے کہ میرا حق ہے تمہارا نہیں ہے۔ دوسرا کہتا ہے میرا حق ہے ...... وہاں لڑائی اس پر تھی کہ آپ کا حق ہے میرا نہیں...... دوسرے کہہ رہے ہیں آپ کا حق ہے میرا نہیں...... ان میں اور ہم میں یہ فرق ہے...... دولت مند وہ بھی تھے ہم بھی ہیں، فرق اتنا ہے کہ ان کے دل دولت کے ساتھ اللہ رب العزت میں اور محبت دین میں فانی تھے، ہمارے قلوب میں وہ بات نہیں ہے...... لیکن اس حد تک کہ اگر تھوڑی بہت محبت ہو اور دین کی محبت زائل نہ ہو، شریعت نے اجازت دی ہے کہ جمع بھی کر لو اور خرچ کر لو، کچھ اچھا کھا پہن لو، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دُنیا آخرت کی کھیتی ہے

ایک نظریہ تو یہ ہے کہ دُنیا راستہ ہے اور ختم ہو جانے والا ہے اور ہمیں تو گزر جانا ہے چاہے چوراہے میں پڑ کے گزر سے چاہے میلے میں پڑ کے گزرے، چاہے بھیک مانگ کے گزرے۔ بس آخرت میں پہنچ جائیں گے۔ اس کا نام تو رہبانیت ہے اور سرے سے دُنیا کی حیثیت ختم ہے۔ اگر اس مذہب پر دُنیا چلتی تو ویران ہوتی اور جگہ جگہ ویرانی کے اثرات ہوتے، دُنیا آباد نہ ہوتی۔

اسی طرح یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے کہ آخرت کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے بس دُنیا ہے، لہٰذا حلال و حرام کی تمیز نہ کرو، بس کھاؤ، اُڑاؤ، عیش کرو اور مزے کرو...... اس کا بھی شریعت اسلام نے رد کیا ہے ...... اور یہ بتایا ہے کہ: "اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ"...... "یہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔" جیسا بیج ڈال دو گے،

ویسا ہی آخرت میں پھل کما لو گے، اگر دولت کا بیج پاک مصرف میں ڈالا ہے تو وہاں پاک ثمرات اور پاک پھل نمایاں ہوں گے..... ناپاک جگہ میں ڈالا ہے، بیج بھی ناپاک اور وہاں کانٹے دار درخت ملیں گے اور "زقوم" وغیرہ ملے گا جس کا تحمل کرنا مشکل ہوگا کیوں کہ وہ عذاب کی صورت اختیار کرے گا۔

ظاہر بات ہے کہ جب کاشتکار بوئے گا تو کچھ نہ کچھ محنت تو کرنا پڑے گی، خون پسینہ ایک بھی کرنا پڑے گا، بیج بھی ڈالنا پڑے گا، پانی بھی دینا پڑے گا، اچھی خاصی محنت اُٹھانا پڑے گی..........تب جا کے وہ چھٹے مہینے غلہ کمائے گا اور اس سے پھر پیسہ کمائے گا..........غرض دُنیا کو فرمایا یہ کھیتی ہے اور تم کاشتکار ہو، کاشتکار کا یہ کام نہیں ہے کہ گھر پر پڑا رہ جائے ورنہ پھر لوگ غلے لے کر آئیں گے تو وہ بیٹھ کر روئے گا اور کہے گا کہ میں بیج ڈالتا تو میں بھی غلہ کماتا۔ اس وقت حسرت میں مبتلا ہوگا.....لہٰذا حکم دیا کہ دُنیا میں رہو اور کچھ کام کرو۔

آخرت اسی دُنیا سے نکلے گی

اور اس دُنیا ہی سے اپنی آخرت پیدا کرو۔ اس لیے یہ تصور نہیں ہونا چاہیے کہ دُنیا یہ عالَم ہے اور آخرت ساتویں آسمان پر رکھی ہوئی ہے بلکہ آپ کی آخرت اسی دُنیا میں سے نکلے گی، انہی افعال میں سے نکلے گی جو ادا کر رہے ہو، نیت اچھی ہونی چاہیے، اسی دُنیا میں سے آخرت پیدا ہوگی۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ آدمی دسترخوان پر بیٹھے "بِسْمِ اللّٰهِ" سے شروع کرے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا" پر ختم کرے۔ تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تو کھائی تو روٹی اور گناہ بخش دیئے گئے تو اس روٹی میں سے ہی آخرت نکلی۔ اگر روٹی نہ کھاتا اور سنت طریق پر حمد و ثناء سے ابتداء و انتہا نہ کرتا تو یہ مغفرت گناہ کا وعدہ کہاں سے ہوتا.....؟ تو روٹی میں سے آپ کی آخرت نکلی۔

اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص شفقت و محبت اور پیار سے یتیم کے سر پر ہاتھ رکھ دے تو جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی..... دیکھا جائے تو یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا تو ایک دنیوی فعل ہے.....مگر نیت کی سچائی سے نیکیوں کے اضافے کا ذریعہ بن گیا۔ اگر یتیم کے سر پر ہاتھ نہ رکھتا یا اسے دین نہ جانتا تو بالوں کے برابر نیکیاں کہاں سے آتیں؟.....تو یتیم کے سر میں سے آپ کی آخرت نکلی اور آپ کے ہاتھ میں سے آخرت نکلی، آپ یہ ہاتھ یتیم کے سر پر نہ رکھتے تو نیکیوں میں یہ اضافہ نہ ہوتا۔

حدیث میں فرمایا گیا اگر کسی شخص نے صدقہ کیا اور ''زوج'' بنا کے صدقہ کیا، یعنی پیسہ دیا تو ایک نہیں بلکہ دو دیئے، روپیہ دیا تو ایک نہیں بلکہ دو دیئے، کپڑا دیا تو ایک نہیں بلکہ دو دیئے:

تو فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لیے کھلے ہوئے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو جائے تو دُنیا میں دو چیز کا یعنی جوڑے کا صدقہ کیا، اس سے ہی تو آخرت بنی تو آخرت آپ کے فعل میں سے نکلی، آخرت کہیں الگ تو نہیں رکھی ہوئی تھی......؟

بہر حال دُنیا آخرت کے کمانے کا ذریعہ ہے اور اس دُنیا ہی میں سے آپ کی آخرت نکلے گی۔ آپ تجارت کر رہے ہیں، نیت صاف رکھیں، یہ تجارت آخرت کا ذریعہ بنے گی۔ چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا: ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ''

''ایک سچا تاجر جو امانت دار ہو اُس کا حشر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوگا، جنتوں میں ان کے ساتھ جائے گا۔''

کتنی بڑی فضیلت ہے، اگر دیانت کے ساتھ تجارت نہ کرتے تو یہ فضیلت ان کو کیسے ملتی؟

اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا:

''غَفَرَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ كَانَ سَهْلاً اِذَا اشْتَرىٰ سَهْلاً وَ اِذَا بَاعَ سَهْلاً''

''اللہ اس شخص پر مغفرت اور رحم کرے جو شفقت کے ساتھ خریدتا ہے اور شفقت کے ساتھ ہی بیچتا ہے۔'' بیچنے میں اس کا جذبہ یہ ہے کہ میرے گاہک کو نقصان نہ ہو، گاہک خریدتا ہے تو اُس کا جذبہ یہ ہے کہ میرے تاجر کو نقصان نہ پہنچے، دونوں کے دل میں نیک جذبہ ہے تو دونوں کے لیے دُعا دی ہے کہ: ''غَفَرَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ'' اللہ اُس کی بھی مغفرت کرے جو رحم دلی سے بیچ رہا ہے اور اللہ اس کی بھی مغفرت کرے جو رحم دلی سے خرید رہا ہے۔

اگر یہ تجارت نہ ہوتی تو یہ آخرت کا وعدہ آپ کے لیے کہاں سے پورا ہوتا ......؟ اسی میں سے تو آخرت نکلی ہے، یہ نہیں ہے کہ آخرت کہیں عرش کے نیچے چھپی ہوئی ہے اور دُنیا یہاں ہے...... اِسی دُنیا میں آخرت چھپی ہوئی ہے، نکال لینا آپ کا کام ہے......

جیسے اسی زمین کے اندر یہ پھل پھول چھپے ہوئے ہیں، نکال لینا کاشتکار کا کام ہے کہ بیج ڈالتا رہے، پانی ڈالتا رہے، پھل نکالتا رہے...... اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو زمین ہے اور یہ جو پھلوں کی دُنیا ہے یہ آسمان پہ رکھی ہوئی ہے، وہاں سے پھل برسیں گے تو کبھی بھی اُسے پھل نہیں

ملیں گے، اسی زمین پر محنت کرنی پڑے گی ...... تو انسان دُنیا میں اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ دُنیا کو رَدّ کر کے پس پشت ڈال دے بلکہ اس سے اپنی آخرت کا کام لے ...... ہر چیز سے کام لے ...... حیات سے بھی کام لے، موت سے بھی کام لے۔

چنانچہ جب انسان کا کوئی عزیز گزر جاتا ہے تو طبعی طور پر آدمی کو صدمہ پیش آتا ہے لیکن دانش مند وہ ہے جو اس صدمے میں سے اپنے لیے کوئی اجر نکال لے۔ وہ یہ ہے کہ نہ تو جزع فزع کرے، نہ بیان کر کے روئے، نہ یہ کہ بالکل پتھر ہو جائے کہ اس کی آنکھ سے آنسو تک نہ نکلے، قلب کی سلامتی کے ساتھ جتنا طبعی غم ہے وہ ہو اور عبرت پکڑے کہ جہاں آج یہ گیا ہے مجھے بھی کل کو جانا ہے، اس کی موت کو اپنی موت کی یادگاری کا ذریعہ بنائے تو اس کی موت دین کی ترقی کا ذریعہ بن گئی ...... اگر یہ میت نہ ہوتی تو اُسے یہ اجر کیسے ملتا ......؟ حدیث میں ہے کہ ایک بڑھیا کا جوان بیٹا مر گیا، وہ واویلا کر رہی تھی ...... سر کے بال نوچ رہی تھی کہ ہائے ہائے ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، فرمایا: ''بڑی بی! صبر کرو۔''

بڑی بی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس نے کہا: ''ہاں! تم نے تو یہ کہہ دیا کہ صبر کرو، تمہارے گھر میں یہ آفت آتی جب میں جانتی تم صبر کرتے، مجھے صبر کرانے کے لیے آئے ہو؟، میں نہیں صبر کر سکتی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اچھا تو جان!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے ...... اگلے دن اس کو پتہ چلا کہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے ...... تب حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ ہیں، آپ نے صبر کی تلقین فرمائی تھی، میں اب صبر کرتی ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **''اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى''** ...... ''جب صدمہ پیش آیا تھا، جب صبر کرتی تو اجر ملتا۔''

یوں تو چار برس کے بعد خود بخود ہی صبر آ جاتا ہے، کوئی ساری عمر آدمی تھوڑا ہی روتا رہتا ہے تو وہ مجبوری کا صبر ہے اور صدمہ کے وقت اختیاری صبر ہوتا ہے جو نفس کا ضبط کرنا ہے وہی اجر کا باعث ہے ...... مجبوری کی چیز اور بے اختیاری چیز پر کوئی اجر نہیں ہوتا جس چیز میں ارادہ و اختیار صرف کیا جائے اور طبیعت کے خلاف جدوجہد کی جائے اس پر اجر مرتب ہوتا ہے۔ غرض موت تک کو آخرت کی یادگاری کا ذریعہ بنایا ہے جیسے زندگی کو بھی آخرت کی یادگاری کا ذریعہ بنایا ہے۔

دنیوی زندگی کی پانی سے تشبیہ

اللہ رب العزت فرماتے ہیں ’’وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ‘‘ (سورۂ کہف آیت ۴۵)

ترجمہ...... ’’اوران کو بتادیں کہ دُنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے اُتارا پانی آسمان سے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی مثال پانی سے دی ہے۔ دنیا اور پانی میں آپ کوئی چیزیں مشترکہ نظر آئیں گی۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(۱) پانی کی صفت ہے کہ وہ ایک جگہ پر کبھی نہیں ٹھہرتا۔ جہاں اسے بہنے کا موقع ملے بہتا ہے جس طرح پانی ایک جگہ پر کبھی نہیں ٹھہرتا۔ اسی طرح دنیا بھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتی جہاں موقع ملتا ہے دنیا ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ جو بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس دنیا ہے اس کے پاس سے دنیا روزانہ کھسک رہی ہوتی ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ آہستہ آہستہ کھسکتی ہے۔ کسی کے پاس سے پچاس سال میں کھسکتی ہے، کسی کے پاس سے ستر سال میں کھسکتی ہے اور کسی کے پاس سے سو سال میں کھسکتی ہے مگر بندے کو پتا نہیں چلتا۔ یہ ہر بندے کے پاس جاتی ہے مگر یہ کسی کے پاس ٹھہرتی نہیں ہے۔ اس نے کئی لوگوں سے نکاح کیے اور ان سب کو رنڈوا کیا۔

ایک بزرگ نے ایک مرتبہ خواب میں دُنیا کو ایک کنواری لڑکی کے مانند دیکھا۔ انہوں نے پوچھا تو نے لاکھوں نکاح کیے اس کے باوجود کنواری ہی رہی؟ کہنے لگی جنہوں نے مجھ سے نکاح کیے وہ مرد نہیں تھے اور جو مرد تھے وہ مجھ سے نکاح کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اس لیے اللہ والے دنیا کی طرف محبت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ان کی نظر میں مطلوب حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے۔ وہ آخرت کی لذتوں کے خواہش مند ہوتے ہیں بلکہ جب ان کو دنیا کی لذتیں ملتی ہیں تو وہ اس بات سے گھبراتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ نیک اعمال کا اجر آخرت کے بجائے کہیں ہمیں دُنیا ہی میں نہ دے دیا جائے۔

(۲) دوسری صفت یہ ہے کہ جو آدمی بھی پانی میں داخل ہوتا ہے وہ تر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اسی طرح دُنیا بھی ایسی ہی ہے کہ جو آدمی بھی اس میں گھسے گا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

(۳) تیسری صفت یہ ہے کہ پانی جب ضرورت کے مطابق ہو فائدہ مند ہوتا ہے اور جب ضرورت سے بڑھ جائے تو نقصان دہ ہوتا ہے۔ اسی طرح دُنیا بھی اگر ضرورت کے مطابق ہو تو بندے کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے اور جب ضرورت سے بڑھ جائے تو پھر یہ نقصان پہنچانا شروع کردیتی ہے۔ پانی کا سیلاب جب آتا ہے تو بند بھی توڑ دیتا ہے کیوں کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے پاس بھی ضرورت سے زیادہ مال ہوتا ہے وہ عیاشیاں کرتے ہیں اور شریعت کی حدود کو توڑ دیتے ہیں۔ جو لوگ جوئے کی بازیاں لگاتے ہیں اور ایک ایک رات میں لاکھوں گنواتے ہیں وہ ان کی ضرورت کا پیسہ تھوڑا ہی ہوتا ہے انہیں تو بالکل پرواہ نہیں ہوتی۔

عالمِ دُنیا کے کامیاب سفر کی ضمانت

حدیث شریف میں ہے ہوشیار اور دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کیلئے (یعنی آخرت کی نجات اور کامیابی کیلئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے جو اپنے آپ کو اپنی خواہشات نفس کے تابع کردے (یعنی اللہ کے احکام کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کے تقاضوں پر چلے) اور (اس کے باوجود) اللہ سے آرزوئیں قائم کرے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ صحیح معنی میں عقلمند، ہوشیار اور چست و چالاک کون شخص ہوتا ہے؟ عام طور سے دنیا میں ہوشیار اس شخص کو سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے اور دولت بٹورنے میں چست و چالاک ہو، دونوں ہاتھوں سے روپیہ سمیٹتا ہو، اور جسے معاشرے میں قوت یا شہرت حاصل ہو، اور بے وقوف اس شخص کو سمجھا جاتا ہے جو ان اوصاف سے خالی ہو، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ عقلمندی اور بے وقوفی کا یہ تصور اس تنگ نظر ذہنیت پر مبنی ہے جو اس دنیا اور دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتی ہے، اور جس کا خیال یہ ہے کہ زندگی بس وہی ہے جو اس دنیا میں میسر آجائے، لہٰذا اس زندگی میں جس قدر دولت، شہرت اور وجاہت کے مزے لوٹ سکتے ہو، لوٹ لو، بعد میں یہ لذت نصیب نہ ہوگی۔

انسان کی اصلی زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے جس کی انتہا قبر کے کنارے ہونے والی ہے، بلکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے جس کو کبھی زوال نہیں، لہٰذا درحقیقت عقلمند اور کامیاب

اللہ کے وہ بندے ہیں جو اپنی اصلی اور دائمی زندگی یعنی آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اسے اللہ کا مطیع وفرماں بردار بنا رکھا ہے۔

نفس کو قابو میں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی ہر خواہش پر بے مہار ہو کر عمل نہ کرے، بلکہ پہلے یہ دیکھے کہ نفس کی کونسی خواہش جائز اور معقول ہے اور کونسی ناجائز اور نامعقول، اس کے بعد اس کی صرف جائز اور معقول خواہشات پر عمل پیرا ہو، ناجائز اور نامعقول باتوں کو چھوڑ دے، اس لئے کہ انسان کی نفسانی خواہشات بے حد ونہایت ہوتی ہیں، اگر انسان اپنی خواہشات کو کھلی چھٹی دے دے تو دنیا کا تجربہ گواہ ہے کہ ان خواہشات میں کمی نہیں ہوتی، یہ اور بڑھتی چلی جاتی ہیں، انسان جتنا جتنا انکو ڈھیل دیتا ہے، یہ ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اور انسان سے وہ وہ کام کرا کر چھوڑتی ہیں جو اسے جانوروں اور درندوں کی صف میں لا کھڑا کرتی ہیں۔

لہٰذا عقلمندی یہی ہے کہ ان نفسانی خواہشات کو بے لگام نہ ہونے دیا جائے بلکہ ان پر قابو رکھا جائے، اور ان پر قابو پانے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ صرف ان خواہشات پر عمل کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق ہوں، اور جو خواہشات دینی طور پر ناجائز ہیں انہیں ترک کرنے میں خواہ کتنی ناگواری محسوس ہو، انہیں چھوڑ دیا جائے، کیونکہ یہ ناگواری بالکل عارضی ہوتی ہے، اور جب انسان ہمت کر کے اس پر صبر کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ایسا سکون اور ضمیر کا ایسا اطمینان نصیب ہوتا ہے جو کبھی خواہش پرستوں کے تصور میں بھی نہیں آیا، اس طرح ایسے شخص کی دنیا بھی سنورتی ہے اور آخرت کی ابدی زندگی بھی خوشگوار ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس جو شخص اپنی نفسانی خواہشات کو بے مہار چھوڑ کر نفس کے ہر جائز اور ناجائز تقاضے پر عمل کرتا ہے اسے حدیث شریف میں نادان اور عاجز قرار دیا گیا ہے، عاجز اس لئے کہ وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھتا، اور نادان اس لئے کہ وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کر کے لذت وراحت حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ اسے لذت وراحت بھی پوری حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ ایسے شخص کو لطف و لذت کی کسی منزل پر قرار نہیں آتا، وہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کی ہوس میں بے چین رہتا ہے، اور اس طرح انجام کار نہ اسے دنیا میں سکون ملتا ہے، اور نہ آخرت میں راحت کی زندگی میسر آتی ہے۔

اس حدیث شریف کے آخر میں یہ تنبیہ بھی فرمادی گئی ہے کہ بعض لوگ اللہ کے احکام کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کے بندے بن جاتے ہیں، اس کے باوجود جب کوئی اللہ کا بندہ انہیں ٹوکتا ہے تو

یہ کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، ایسے لوگ سخت دھوکے میں ہیں، کیونکہ محض آرزوؤں سے آخرت کی زندگی درست نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے عمل کی ضرورت ہے، اللہ کی رحمت سے امیدیں باندھنا بلاشبہ اچھا ہے، لیکن اسی وقت جبکہ اس کے ساتھ کچھ عمل بھی ہو اور جو امید بدعملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ درحقیقت امید نہیں نفس و شیطان کا فریب ہے۔

زندگی کے سفر میں انسانی نفس سے احتیاط

امام غزالی رحمہ اللہ نفس انسانی کو مخاطب کر کے نصیحت فرماتے ہیں...

اے نفس! اگر تو یہ واضح امور نہیں سمجھ سکتا اور ٹال مٹول کرنا اپنا شیوہ بناتا ہے تو خود کو دانش مند کیوں سمجھتا ہے... بھلا اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی کہ روز روشن کی طرح واضح باتیں بھی نہ سمجھ پائے، شاید تو یہ بھی کہے کہ میں عمل صالح پر ہیشگی اس لیے نہیں کر سکتا کہ مجھے لذات شہوت کی حرص ہے اور تکلیفوں اور مشقتوں پر صبر کرنا میرے لیے نہایت دُشوار ہے، تیرا یہ قول بھی نہایت احمقانہ ہے، اگر تجھے لذات وشہوات کی حرص ہے تو وہ لذتیں اور شہوتیں کیوں تلاش نہیں کرتا جو ہمیشہ رہنے والی ہیں اور ہر طرح کی کدورتوں سے صاف ہیں مگر یہ شہوتیں جنت میں ملتی ہیں، دُنیا میں نہیں ملتیں اور ان کے ملنے کی صورت یہ ہے کہ تو دُنیا کی شہوات سے صرف نظر کرے ورنہ بسا اوقات ایک لقمے کی وجہ سے بہت سے لقموں سے محروم رہنا پڑتا ہے۔

ہم تجھ سے پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی حکیم کسی مریض سے یہ کہے کہ تین دن ٹھنڈا پانی مت پینا، اگر تم نے میری ہدایت کی خلاف ورزی کی تو تمام عمر ٹھنڈے پانی سے محروم رہو گے اور اگر میری بات مان لی تو زندگی بھر ٹھنڈے پانی سے لطف اٹھاؤ گے کیونکہ تین دن کے دوران ٹھنڈے پانی کے استعمال سے تمہیں ایک سنگین مرض لاحق ہو جائے گا... بھلا اس صورت میں عقل رکھنے والا مریض حکیم کی ہدایت پر عمل کرے گا یا اسے ٹھکرا دے گا...

ظاہر ہے عقل کا تقاضا یہی ہے کہ وہ زندگی بھر کی لذت حاصل کرنے کے لیے تین دن کی لذت سے دستبردار ہو جائے، محض اس خوف سے حکیم کی ہدایت پر عمل نہ کرنا کہ تین دن تک صبر کرنا مشکل ہو جائے گا اور یہ کہ شہوت کے خلاف کرنے کی طاقت نہیں ہے ایک زبردست حماقت ہے، حالانکہ تین دن کے صبر سے تین سو یا تین ہزار دن کی لذت حاصل کر سکتا ہے... اگر دیکھا جائے تو اخروی زندگی کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے انسان کی تمام زندگی کے

مقابلے میں تین دن بلکہ آخرت کی عیش جاودانی کے مقابلے میں دُنیا کی حیات ناپائیدار ان تین دن سے بھی زیادہ حقیر اور بے حقیقت ہے، خواہ آدمی کی عمر کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو۔

کیونکہ دُنیا و آخرت کے تقابل میں محدود کی نسبت لامحدود کی طرف کی گئی ہے۔ ظاہر ہے دُنیا محدود ہے اور آخرت لامحدود جبکہ آدمی کی عمر اور تین دن کے تقابل میں محدود کی نسبت محدود ہی کی طرف کی گئی ہے...

اے نفس! تو شہوات اور لذات سے صبر نہیں کرسکتا کیوں کہ اس میں تکلیف ہے ہم پوچھتے ہیں کیا شہوات سے رُکنے کی تکلیف دوزخ کی دائمی اذیت سے زیادہ ہے؟ جو شخص مجاہدہ کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا وہ جہنم کی تکلیف کیسے برداشت کرسکتا ہے، ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تیرا مجاہدے سے اعراض کرنا اور اپنے او پر سختی نہ کرنا دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس کی وجہ وہ کفر ہے جو تو نے اپنے اندر مخفی رکھا ہے، یا وہ حماقت ہے جو بالکل واضح ہے، کفر خفی تو یہ ہے کہ یوم حساب پر تیرا ایمان کمزور ہے اور تو ثواب و عتاب کی مقدار کی صحیح معرفت نہیں رکھتا اور واضح حماقت یہ ہے کہ تو اللہ کے کرم اور اس کے فضل و مغفرت پر اعتماد رکھتا ہے لیکن اس پر یقین نہیں رکھتا کہ وہ اپنے بعض بندوں کو نافرمانی کے باعث فوری سزا نہیں دیتا بلکہ انہیں ڈھیل دیتا ہے اور نہ تجھے اس کا یقین ہے کہ وہ تیری عبادت سے بے نیاز ہے، پھر تجھے اللہ کے عفو و کرم پر تو بھروسہ ہے لیکن روٹی کے ایک نوالے میں یا سیم و زر کے حقیر ٹکڑے میں یا مخلوق سے کوئی کلمہ سننے میں اس پر اعتماد نہیں ہے بلکہ ان کے حصول کے لیے ہزار حیلے بہانے کرتا ہے اور اپنی تمام تر تدبیریں بروئے کار لاتا ہے، اسی جہالت کی بناء پر تجھے دربار نبوت سے احمق کا خطاب ملا... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عقل مند وہ ہے جس کا نفس مطیع ہو اور جو موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے کہ اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کا تابع کردے اور اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں رکھیں...

اے نفس! تجھے دُنیا کی زندگی سے دھوکا نہ کھانا چاہیے اور نہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز میں غلط فہمی کا شکار ہونا چاہیے بلکہ تو اپنی فکر خود کر، تجھے کسی دوسرے سے کوئی مطلب نہ ہونا چاہیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے تیری ذات اہم ہوسکتی ہے، اپنے اوقات ضائع مت کر، سانسیں بہت محدود ہیں، تیرے ایک سانس کے ساتھ تجھ میں کمی واقع ہوجاتی ہے، بیماری سے پہلے صحت کو، مصروفیت سے پہلے فراغت کو، تنگدستی سے پہلے مال داری کو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی

کو غنیمت سمجھ اور آخرت کی اسی قدر تیاری کر جس قدر تجھے وہاں رہنا ہے، کیا تو دُنیا میں دُنیا کے لیے تیاری نہیں کرتا... چنانچہ تو سردی کے لیے اسی قدر تیاری کرتا ہے جس قدر وہ ہوتی ہے یا جتنی مدت کے لیے ہوتی ہے، اس موسم کے لیے غذا، لباس اور لکڑیاں اور دوسرے اسباب جمع کرتا ہے اور اس باب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ نہیں کرتا کہ وہ تیری سردی جبوں اور اونی کپڑوں اور لکڑیوں کے بغیر دور کردے حالانکہ وہ اس پر قادر ہے...

کیا تو سمجھتا ہے کہ جہنم کے طبقہ زمہریر میں سردی کم ہوگی یا اس کی مدت دُنیا کے موسم سرما سے کم ہوگی یا تیرا خیال یہ ہے کہ وہاں کی سردی سے تحفظ کے لیے کسی تدبیر کی ضرورت نہیں ہے جس طرح دُنیا کی سردی جبوں اور آگ کی حرارت کے بغیر زائل نہیں ہوتی... اسی طرح دوزخ کی حرارت و برودت سے بھی توحید کے لقموں اور طاعات کی خندقوں کے بغیر بچنا بے حد مشکل ہے، یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے حفاظت کا طریقہ سکھلا دیا ہے اور وہ تمام اسباب تیرے لیے سہل کردیئے ہیں جن کے ذریعے تو عذاب سے نجات حاصل کرسکتا ہے جس طرح اس نے دُنیاوی سردی سے بچنے کا طریقہ بتلا دیا ہے کہ آگ پیدا کی اور لوہے یا پتھر وغیرہ سے آگ نکالنے کی تدبیر سکھلائی تا کہ تو اس سے اپنی سردی دور کرسکے جس طرح جبوں کی فراہمی اور لکڑیاں وغیرہ جمع کرنا اللہ کا کام نہیں بلکہ یہ چیزیں تیری راحت و آسائش کے لیے اس نے پیدا کردی ہیں اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ بتلا دیا ہے... اسی طرح آخرت میں راحت پانے کے لیے مجاہدات اور طاعات سے بھی بے نیاز ہے، اس نے ان مجاہدات کا طریق بھی بتلا دیا ہے اب تو ان پر کاربند ہوتا ہے یا نہیں اللہ اس سے بے پرواہ ہے جو اچھا کرے گا اپنے نفس کے لیے کرے گا اور جو برا کرے گا وہ خود اس کی سزا بھگتے گا، اللہ تمام مخلوق سے مستغنی ہے...

اے نفس! اپنی جہالت سے باز آ اور اپنی آخرت پر قیاس کر، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

مَاخَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (پ:۲۱، ر:۱۲، آیت:۲۸)

''تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا...''

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ (پ:۱۷، ر:۷، آیت:۱۰۴)

''ہم نے جس طرح اوّل بار پیدا کرنے کے وقت (ہر چیز کی) ابتدا کی تھی اسی طرح اس کو دوبارہ پیدا کردیں گے...''

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ (پ:۸،ر:۱۰، آیت:۲۹)

''جس طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہو گے...''

اللہ تعالیٰ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی...

اے نفس! میں تجھے دُنیا کی محبت میں گرفتار اور اس سے مانوس پاتا ہوں، تیرا حال یہ ہے کہ تو اس سے جدائی اختیار نہیں کر سکتا بلکہ دن بدن اس کے قریب ہوتا جا رہا ہے اور اپنے نفس میں اس کی محبت راسخ کر رہا ہے، میرے خیال سے تو اللہ کے عذاب وثواب اور قیامت کے اہوال واحوال سے غافل ہے اور نہ تجھے موت کا یقین ہے جو تیرے اور تیری محبوب اور پسندیدہ چیزوں کے درمیان تفریق کرنے والی ہے... تیرے نزدیک وہ شخص عقل مند کہلانے کا مستحق ہے یا احمق جسے قصر شاہی میں ایک دروازے سے جانا ہو اور دوسرے سے نکلنا اور وہ محل کی کسی خوبصورت چیز پر فریفتہ ہو جائے حالانکہ وہ اسے ملنے والی نہیں ہے بلکہ بہت جلد جدا ہو جانے والی ہے، دُنیا بھی ملک الملوک کا گھر ہے، تیری حیثیت اس گھر میں محض گزرنے والے کی سی ہے تو مسافر ہے، تجھے اپنی منزل پر پہنچنے کا خیال رکھنا چاہیے نہ کہ ان چیزوں سے دل لگانا چاہیے جو اس رہ گزر میں ہیں اور تیرے ساتھ منزل تک نہیں جائیں گے تو منزل پر پہنچ جائے گا اور یہ چیزیں راستے میں تیرا ساتھ چھوڑ دیں گی... سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''روح القدس (جبرئیل) نے میرے دل میں یہ بات القاء کی ہے کہ آپ جس چیز سے چاہیں محبت کر لیں اس سے جدا ضرور ہوں گے اور جو چاہیں عمل کریں اس کی جزا ضرور ملے گی اور جتنا چاہیں جئیں مرنا ضرور ہے...''

اے نفس! کیا تو یہ نہیں جانتا کہ جو شخص دُنیا سے مانوس اور اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اور یہ جاننے کے باوجود کہ موت اس کے تعاقب میں ہے دُنیاوی لذات میں مستغرق رہتا ہے وہ جب دُنیا سے جدا ہوتا ہے تو حسرتیں سمیٹ کر لے جاتا ہے اور زہر ہلاہل کو زادِ راہ بنا کر لے جاتا ہے اور اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیا لے جا رہا ہے، کیا تجھے جانے والے یاد نہیں رہے، انہوں نے کتنے اونچے عالیشان محل بنائے اور رُخصت ہو گئے اور گوشۂ گمنامی میں جا سوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کے گھر بار اور مال ومتاع دشمنوں کو دے دیا، کیا تو نہیں دیکھتا کہ لوگ وہ مال کس طرح جمع کرتے ہیں جسے استعمال نہیں کر پاتے اور وہ مکانات کس طرح تعمیر کرتے ہیں جن میں رہ نہیں پاتے اور ان چیزوں کی کس طرح آرزو کرتے ہیں جنہیں حاصل نہیں کر پاتے، آدمی

آسمان سے باتیں کرتا ہوا محل بناتا ہے اور زمین کے ایک تنگ وتاریک گڑھے میں جا کر سو جاتا ہے، کیا دُنیا میں اس سے بڑی بھی کوئی حماقت ہوسکتی ہے کہ ایک شخص اس دُنیا کو آباد کرتا ہے جس سے یقینی طور پر جدا ہونا ہے اور اس آخرت کو تباہ وبرباد کرتا ہے جو مستقل ٹھکانہ بننے والی ہے...

اے نفس! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ان بے وقوفوں کی مدد کرتا ہے، یہ بات تسلیم ہے کہ تو صاحب بصیرت نہیں ہے اور نہ تیرے اندر اس کی اہلیت ہے کہ تو خود کسی راستے کا تعین کر سکے اور اس پر چل سکے...اس لیے تو اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر اسی شخص کی طرف مائل ہوتا ہے اور افعال میں اس کی اقتداء کرتا ہے، اگر تجھے اقتداء کرنی ہے تو ان بے وقوفوں کی کیوں کرتا ہے، انبیاء، علماء اور حکماء کو اپنا مقتدیٰ کیوں نہیں کرتا جو عقل و دانش اور علم وحکمت میں بہت آگے ہیں، اگر تجھے عقل اور ذہانت پسند ہے تو تجھے ان لوگوں کی اقتداء کرنی چاہیے مگر تیرا حال عجیب ہے اور تیری جہالت سخت ہے اور تو انتہائی سرکش ہے...اس لیے تو ان واضح امور سے اعراض کرتا ہے...ہوسکتا ہے جاہ کی محبت نے تیری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہو یا خواہشات کی محبت نے تیری عقل سلب کر لی ہو، جاہ کے معنی اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ لوگوں کے قلوب تیری طرف مائل ہوں لیکن تجھے سوچنا چاہیے کہ اگر روئے زمین کے تمام افراد تجھے سجدہ کریں اور تیری اطاعت کرنے لگیں تو نہ یہ سجود ابدی ہوسکتے ہیں اور نہ اطاعت پچاس سو برس کے بعد نہ تو اس زمین پر باقی رہے گا اور نہ وہ لوگ جنہوں نے تجھے سجدہ کیا ہے یا تیری اطاعت کی ہے اور ایک زمانہ وہ آئے گا کہ دُنیا میں کوئی شخص تجھے یاد کرنے والا یا نام لینے والا باقی نہیں رہے گا، تجھ سے پہلے بہت سے زبردست بادشاہ اور مطلق العنان حکمراں اس دور سے گزر چکے ہیں، قرآن نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ سوال کیا ہے: "هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا" (پ:۱۶،ر:۹،آیت:۹۸) "آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا آہستہ آہستہ آواز سنتے ہیں..."

جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے تو اسے اس چیز کے عوض کیوں فروخت کرتا ہے جو سو پچاس برس سے زیادہ باقی نہیں رہ سکتی اور پھر جاہ کی محبت بھی ایسے شخص کو "زیب" دیتی ہے جو مشرق ومغرب کا بادشاہ ہو اور بے شمار گردنیں اس کے سامنے خم ہوتی ہوں اور تمام دُنیاوی لوازم اس کے پاس ہوں لیکن تجھ جیسا شخص جس کی بدبختی اور شقاوت کا عالم یہ ہے کہ ایک محلے بلکہ ایک گھر کے رہنے والے بھی اسے اپنا امیر تسلیم نہ کریں، کیا ایسے شخص کے لیے جاہ کی محبت مناسب ہے...پھر تو اگر آخرت کی رغبت کے لیے اپنے جہل کے باعث دُنیا نہیں چھوڑ سکتا تو یہی سمجھ کر چھوڑ دے کہ دُنیا کے

شریک خسیس ہوتے ہیں اور اس میں مصائب و آلام کی کثرت ہے اور اس کی ہر چیز بہت جلد فنا ہونے والی ہے، تجھے بہت کم دُنیا حاصل ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جب تجھے بہت سی دُنیا نے چھوڑ رکھا ہے تو تو اس تھوڑی سی دُنیا کو بھی کیوں نہیں چھوڑ دیتا جو تجھے حاصل ہے، پھر اگر تجھے دُنیا حاصل بھی ہے تو اس میں خوشی کی کیا بات ہے، تیرے ہی شہر میں بہت سے یہودی اور مجوسی ایسے ہوں گے جو مال و زر میں تجھ سے آگے ہوں گے اور جنھیں دُنیا کی نعمتیں اور لذتیں تجھ سے زیادہ میسر ہوں گی، لعنت ہو ایسی دُنیا پر جس میں یہ خسیس اور کمین تجھ سے آگے ہوں تو بڑا کم حوصلہ ہے، اسی لیے انبیاء، صدیقین اور مقربین ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رب العالمین کے جوار میں رہیں گے اور یہ بدباطن لوگ جہنم کے نچلے طبقے میں ٹھکانہ پائیں گے... افسوس صد افسوس نہ تجھے دین حاصل ہے اور نہ دُنیا...

اے نفس! موت قریب ہے، ذرا سبقت کر، ڈرانے والا آچکا ہے، جو کرنا ہے کرلے، اب بھی عمل کے چند لمحے باقی ہیں، پھر وقت نہیں ملے گا، موت کے بعد عمل کی فرصت نہ ہوگی، نہ تیرے بعد کوئی تیری طرف سے نماز پڑھنے والا ہوگا اور نہ روزہ رکھنے والا، نہ کوئی ایسا شخص جو تجھ سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرسکے، تیری زندگی کے چند روز باقی رہ گئے ہیں، یہی تیرا سرمایہ ہیں، بشرطیکہ تو انہیں سرمایہ سمجھے اور ان میں تجارت کرے، زندگی کا اکثر سرمایہ تو نے پہلے ہی برباد کردیا ہے، اگر تو اس ضائع شدہ سرمائے پر تمام عمر بھی رویا تب بھی اپنے نقصان کی تلافی نہ کرسکے گا، بھلا اس صورت میں کیسے تلافی کرسکتا ہے جبکہ باقی عمر بھی ضائع ہوجائے گی...

اے نفس! موت تیرے وعدے کی جگہ ہے، قبر تیرا گھر ہے، مٹی تیرا بستر ہے اور زبردست خوف تیرے سامنے ہے، کیا تو نہیں جانتا مردوں کی فوج شہر کے باہر تیری منتظر ہے، ان سب نے ایمان مغلظہ کی قسمیں کھائی ہیں کہ وہ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے جب تک تجھے اپنے ساتھ نہیں لے لیں گے، تجھے معلوم نہیں کہ ان منتظرین میں سے ہر شخص کی تمنا یہ ہے کہ وہ ایک روز ہی کے لیے سہی دُنیا میں واپس جائے اور جو نقصان ماضی میں ہوچکا ہے اس کی تلافی کرلے، تجھے تمنا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ موقع تجھے دے رکھا ہے اور تو آسانی سے گزشتہ کی تلافی کرسکتا ہے، تیرے پاس ایک قیمتی دن ہے اگر تو اسے ان مُردہ لوگوں کے ساتھ فروخت کرنا چاہے تو وہ اپنا کل سرمایہ تجھے سونپنے کے لیے تیار ہوجائیں...

بشرطیکہ وہ اس پر قادر ہوں تو اپنے شب و روز غفلت اور بے کاری میں ضائع کر رہا ہے، کم بخت نفس! تجھے شرم نہیں آتی کہ تو مخلوق کے لیے اپنے نفس کو آراستہ کر رہا ہے اور باطن میں گناہوں کا ارتکاب کر کے خالق کائنات سے برسرِ پیکار ہے، کیا تو مخلوق سے شرماتا ہے، خالق سے نہیں شرماتا، کیا وہ تجھے اتنا بھی نہیں دیکھتا جتنا مخلوق دیکھتی ہے تو لوگوں کو خیر اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور خود رذائل میں ملوث ہے، لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور خود اس سے دور بھاگتا ہے، لوگوں کو اللہ کے ذکر کی تلقین کرتا ہے اور خود اسے بھولے ہوئے ہے، تجھے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ گناہ گار پاخانے سے بھی زیادہ بدبودار ہے، کیا پاخانے سے کوئی چیز پاک ہو سکتی ہے؟

ظاہر ہے نہیں! پھر تو کیوں دوسروں کو پاک کرنا چاہتا ہے حالانکہ خود ناپاک ہے، اگر تجھے اپنی صحیح معرفت حاصل ہو جائے تو یہ بات اچھی طرح جان لے کہ لوگوں پر نازل ہونے والی تمام مصائب تیری وجہ سے ہیں تو نے اپنے آپ کو ابلیس کا گدھا بنالیا ہے، وہ تجھے جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور جس طرف چاہتا ہے تجھے ہنکا دیتا ہے، ان تمام باتوں کے باوجود تجھے اپنے اعمال پر ناز ہے حالانکہ وہ آفتوں سے لبریز ہیں اگر تو ان سے بچا رہے تو یہ ممکن ہے کہ تیرے اعمال سلامت رہ جائیں اور نجات کا ذریعہ بنیں مگر تجھے اپنی خطاؤں اور گناہوں کے باوجود اپنے عمل کا غرہ ہے، کیا تو یہ نہیں جانتا کہ شیطان نے دو لاکھ برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مگر صرف ایک خطا نے اسے ملعون خدا بنا دیا... حضرت آدم علیہ السلام کو صرف ایک غلطی کے باعث جنت سے نکلنے کا حکم ملا، حالانکہ وہ اللہ کے حبیب اور نبی تھے...

اے نفس! تو کتنا فریبی ہے، تو کس قدر بے شرم ہے تو کتنا بڑا جاہل ہے، اپنے انجام سے بے خبر ہے اور معاصی پر کس قدر جری ہے تو کب تک معاملہ کر کے بگاڑے گا اور کب تک عہد شکنی کا مرتکب رہے گا...

اے نفس! کیا تو ان خطاؤں کے ساتھ دُنیا آباد کرنا چاہتا ہے... گویا تجھے یہاں سے رُخصت ہی نہیں ہونا، کیا تو قبر والوں کی طرف نہیں دیکھتا، انہوں نے کتنا مال جمع کیا تھا اور اس کے ذریعے کتنے اونچے اونچے محل بنوائے تھے اور دُنیا سے کیا کچھ اُمیدیں رکھی تھیں، کیا تو ان سے عبرت حاصل نہیں کر سکتا، کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ لوگ آخرت میں طلب کر لیے گئے اور تو ابد تک یہیں

رہنے والا ہے، تیرا خیال کتنا ناقص اور تیرا فہم کس قدر افسوسناک ہے تو جب سے اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آیا ہے اپنی عمر کی دیوار ڈھاتا جا رہا ہے اور زمین پر اپنے مکان کی دیواریں بلند کر رہا ہے حالانکہ بہت جلد زمین تجھے اپنے پیٹ میں رکھنے والی ہے، کیا تجھے اس وقت سے خوف نہیں آتا، جب سانس گلے میں آ جائے گا اور پروردگار کے قاصد اپنے سیاہ اور خوفناک چہروں کے ساتھ، عذاب الیم کی بشارت لے کر تیرے پاس پہنچیں گے، کیا اس وقت تجھے ندامت سے کوئی فائدہ ہوگا یا تیرا غم قبول کیا جائے گا یا تیرے رونے پر رحم کیا جائے گا...

تعجب کی بات یہ ہے کہ تو ان تمام باتوں کے باوجود بصیرت اور ذہانت کا مدعی ہے، تیری ذہانت کا عالم یہ ہے کہ تو ہر آنے والے دن میں مال کی زیادتی پر خوش ہوتا ہے اور عمر کے نقصان پر غم نہیں کرتا، بھلا اس سے کیا فائدہ کہ مال بڑھے اور عمر کم ہو...

اے نفس! تو آخرت سے منہ موڑتا ہے حالانکہ وہ بہت جلد آنے والی ہے اور دُنیا کی طرف متوجہ ہے جبکہ وہ بہت جلد تجھ سے پیٹھ موڑنے والی ہے، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو نئے دن کا استقبال کرتے ہیں لیکن اسے مکمل نہیں کر پاتے اور کتنے ہی ایسے ہیں جو کل کی اُمید رکھتے ہیں لیکن کل تک نہیں پہنچ پاتے، تو رات دن اپنے بھائیوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں اس کا مشاہدہ کرتا ہے تو موت کے وقت ان کی حسرت دیکھتا ہے مگر اس سے عبرت نہیں پکڑتا اور نہ اپنی جہالت سے باز آتا ہے...

اے نفس! اس دن سے ڈر جس دن کے بارے میں اللہ نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں اپنے ان بندوں کا جنہیں امر و نہی کی گئی ہے حساب لوں گا اور ان کے اعمال کا مواخذہ کروں گا، خواہ وہ جلی ہوں یا خفی، پوشیدہ ہوں یا ظاہر...

اے نفس! ذرا سوچ تو کس جسم کے ساتھ اللہ رب العزت کے دربار میں کھڑا ہوگا اور کس زبان سے اس کے سوالوں کا جواب دے گا، ذرا سوالات کے جواب کی تیاری کر لے اور درست جواب ڈھونڈ لے اور اپنی باقی زندگی کے مختصر دنوں میں طویل دنوں کے لیے دار فانی میں دار مقامہ کے لیے اور دار حزن و غم میں دار نعیم کے لیے عمل کر، عمل کر کہ پھر عمل کا موقع نہ ہوگا، دُنیا سے شرفاء کی طرح اپنے اختیار سے نکلنے کے لیے تیار رہ، اس سے پہلے کہ تجھے زبردستی نکالا جائے، دُنیا کی نعمتوں اور مسرتوں پر نازاں نہ ہو، اس لیے کہ اکثر خوش ہونے والے نقصان اُٹھاتے ہیں

اور اکثر نقصان اُٹھانے والوں کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ نقصان اُٹھانے والے ہیں... خرابی ہو اس شخص کے لیے جس کے لیے خرابی ہے اور اسے خبر نہیں، وہ اپنے حال میں مست ہنستا ہے، خوش ہوتا ہے، کھیل کود کرتا ہے، اتراتا ہے، اٹھلاتا ہے، کھاتا ہے اور پیتا ہے حالانکہ کتاب اللہ میں اس کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہے...

اے نفس! دُنیا کو عبرت کی نظر سے دیکھ کر بحالت مجبوری حاصل کر، اختیار سے ٹھکرا اور آخرت کی طرف سبقت کر، ان لوگوں میں سے مت ہو جو عطائے خداوندی کا شکر ادا کرنے کے بجائے زیادہ کی ہوس رکھتے ہیں، لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور خود نہیں رُکتے، یہ بات جان لے کہ دین کا کوئی عوض نہیں ہے اور نہ ایمان کا کوئی بدل ہے اور نہ کوئی چیز جسم کے قائم مقام بن سکتی ہے، جو شخص رات دن کے گھوڑے پر سوار ہے وہ منزل کی طرف رواں دواں ہے... اگرچہ وہ سفر نہ کرنا چاہے مگر اسے منزل پر پہنچنا ہے، خواہ وہ اس پر راضی ہو یا نہ ہو...

اے نفس! تو میری یہ نصیحت قبول کر اور اس پر عمل کر، جو شخص نصیحت سے اعراض کرتا ہے وہ گویا آگ پر راضی ہوتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ تو آگ پر راضی ہونے والوں میں سے ہے یا نصیحت قبول کرنے والوں میں سے، اگر دل کی سختی تجھے وعظ و نصیحت سننے سے روکتی ہے تو نماز تہجد سے مدد لے، اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو روزوں کا التزام کر، اس سے بھی نفع نہ ہو تو کم آمیزی اور کم گوئی کو اپنا شیوہ بنا، یہ صورت بھی نفع نہ دے تو صلہ رحمی کر، یتیموں کے ساتھ نرمی اور محبت کا معاملہ کر، اس سے بھی کام نہ بنے تو یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کے ظاہر و باطن پر گناہوں کی سیاہی چھا چکی ہے۔

اب نور کی کرن اندر نہیں پہنچ سکتی، تب تو دوزخ کے راستے پر چل، اللہ نے جنت پیدا کی ہے اور اس کے اہل بھی پیدا کیے ہیں، دوزخ پیدا کی ہے اور اس کے اہل بھی پیدا کیے ہیں، ہر شخص کے لیے وہی راہ سہل کر دی گئی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، تجھ میں وعظ و نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی، اب تجھے مایوس ہو جانا چاہیے اور مایوسی کبیرہ گناہ ہے، پھر کیا کرے، نہ مایوس ہو سکتا ہے اور نہ خیر کی راہیں مسدود ہونے کی بناء پر اُمید ہی کر سکتا ہے، اگر تو امید کرے گا بھی تو دھوکا ہوگا، فریب اور مغالطہ ہوگا... (احیاء العلوم)

زندگی کے سفر میں شیطان کے ہتھکنڈے

شیطان مختلف طریقوں سے فتنہ میں ڈالتا ہے.....

1.....علماء نے لکھا ہے کہ یہ سب سے پہلے انسان کو طاعات سے روکتا ہے.....یعنی انسان کے دل سے طاعات کی اہمیت نکال دیتا ہے.....جس کی وجہ سے بندہ کہتا ہے کہ اچھا، میں نماز پڑھ لوں گا، حالانکہ دل میں پڑھنے کی نیت نہیں ہوتی.....

2.....اگر انسان شیطان کے کہنے سے بھی نیکی سے نہ رکے اور وہ نیت کرلے کہ میں نے یہ نیکی کرنی ہے تو پھر وہ دوسرا ہتھیار استعمال کرتا ہے کہ وہ اس نیک کام کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے..... مثلاً کسی کے دل میں یہ بات آئی کہ میں توبہ کرلیتا ہوں تو یہ اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ اچھا، پھر کل سے توبہ کرلینا، کسی کے دل میں یہ بات آئی کہ میں نماز پڑھوں گا تو وہ کہتا ہے کہ کل سے نماز شروع کردینا..... یوں شیطان اسے نیکی کے کام سے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے..... یاد رکھیں کہ جو کام ٹال دیا جاتا ہے وہ کام ٹل جایا کرتا ہے.....

3.....اگر کوئی بندہ شیطان کے اکسانے پر بھی نیک کام کرنے سے نہ ٹلے اور وہ کہے کہ میں نے یہ کام کرنا ہے تو پھر وہ دل میں ڈالتا ہے کہ جلدی کرلو..... مثلاً کسی جگہ پر کھانا بھی کھانا ہو اور نماز بھی پڑھنی ہو تو دل میں ڈالتا ہے کہ جلدی سے نماز پڑھ لے پھر تسلی سے کھانا کھالینا..... نہیں بھئی نہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بھئی! جلدی جلدی کھانا کھالو، پھر تسلی سے نماز پڑھیں گے.....

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزوں میں جلد بازی جائز ہے اور ان پانچ چیزوں کے علاوہ باقی چیزوں میں جلدی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے.....

☆ جب لڑکی جوان ہوجائے تو جتنا جلدی اس کا رشتہ مل سکے اتنا اچھا ہے، جب مل جائے تو پھر اس کی شادی میں جلدی کرنی چاہئے.....

☆ جب کوئی بندہ فوت ہوجائے تو اس مردہ کو دفن کرنے میں جلدی کرنی چاہئے.....

☆جب کوئی مہمان آجائے تو اس کی مہمان نوازی میں جلدی کرنی چاہیے....اس لئے ہم نے وسط ایشیا کی ریاستوں میں دیکھا کہ جیسے ہی مہمان گھر میں آتا ہے تو وہ فوراً کم از کم پانی تو ضرور ہی مہمان کے سامنے رکھ دیتے ہیں....اس کے بعد مشروبات اور کھانے پیش کئے جاتے ہیں.... یاد رکھیں کہ پانی پلانا بھی مہمان نوازی میں شامل ہے لہٰذا جس نے مہمان کے سامنے پانی کا کٹورا بھر کر رکھ دیا اس نے گویا مہمان نوازی کر لی....

☆جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے توبہ کرنے میں جلدی کروان پانچ چیزوں کے علاوہ باقی سب چیزوں میں جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہوتی ہے....

4....اگر کوئی آدمی جلدی میں کوئی نیک کام کر لیتا ہے تو پھر وہ اس میں ریاء کرواتا ہے....اور یوں وہ ریاء کے ذریعے اس کے کئے ہوئے عمل کو برباد کروا دیتا ہے....وہ دل میں سوچنے لگتا ہے کہ ذرا دوسرے بھی دیکھ لیں کہ میں کیسا نیک عمل کر رہا ہوں....

5....اگر اس میں کام کرتے وقت ریاء پیدا نہ ہو تو وہ اس کے دل میں عجب ڈال دیتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں....مثلاً یہ کہتا ہے کہ میں تو پھر بھی نمازیں پڑھ لیتا ہوں لیکن فلاں تو نمازیں ہی نہیں پڑھتا....وہ سمجھتا ہے کہ میں تو آخر پڑھا لکھا ہوں، حافظ ہوں، قاری ہوں، عالم ہوں اور میں نے اتنے حج کئے ہیں....جب اس طرح اس میں ہوا بھر جاتی ہے تو یہی عجب اس کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے....

6....اگر اس کے دل میں عجب بھی پیدا نہ ہو تو وہ آخری حربہ یہ استعمال کرتا ہے کہ وہ اس کے دل میں شہرت کی تمنا پیدا کر دیتا ہے....وہ زبان سے شہرت پسندی کی باتیں نہیں کرے گا بلکہ اس کے دل میں یہ بات ہو گی کہ لوگ میری تعریفیں کریں اور جب لوگ اس کی تعریفیں کریں گے تو وہ خوش ہو گا....

شیطان ان چھ ہتھکنڈوں سے انسان کے نیک اعمال کو برباد کر دیتا ہے....

شیطان سے بچاؤ کے طریقے

شیطان کے ان ہتھکنڈوں سے بچنے کے تین طریقے ہیں....

ا....ہمارے مشائخ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایک آدمی اپنے دوست کو ملنے کیلئے جائے اور اس کے صحن میں ایک پالتو کتا ہو اور وہ بھونکے اور بندے کو کاٹنے کیلئے آئے تو اس سے

بچنے کیلئے تین طریقے ہیں....ایک تو یہ کہ وہ واپس اپنے گھر کو آجائے....اس طرح اسے اپنے دوست کا وصل بھی حاصل نہ ہوگا....

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کتے کے ساتھ لڑنا جھگڑنا شروع کردے....اس سے بھی وہ نقصان اٹھائے گا....

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس وقت اپنے دوست کو پکارے کہ ذرا کتے کو آواز دے دیں.... جب اس کا دوست کتے کو اشارہ کردے گا تو وہ دبک کر کونے میں بیٹھ جائے گا....

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ شیطان اسی کتے کی مانند ہے....اگر ہم شیطان سے الجھ پڑیں گے تو ہم اپنا وقت برباد کریں گے....اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کے مالک کو پکاریں کہ اے پروردگار! اس مردود سے ہمیں محفوظ فرما....اللہ رب العزت کا اشارہ ہوگا تو یہ مردود دبک کر کونے میں بیٹھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے شر سے محفوظ فرمادیں گے....اس لئے اس کے فتنوں سے بچنے کیلئے روزانہ دعا کیا کریں ہمارے مشائخ کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے ایمان کی حفاظت کیلئے روزانہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم عاجز اور مسکین ہیں، تو ہمارے ایمان کی حفاظت فرمادینا....

۲....اس کے ہتھکنڈوں سے بچنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے سنت کی اتباع کرے....اس لئے کہ جب انسان ہر کام سنت کے مطابق کرتا ہے تو شیطان کو دخل اندازی کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا....گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر وہ کام کیا جس سے شیطان کے راستوں کو بند کیا جا سکتا ہے....اس کے برعکس آپ جہاں بھی سنت چھوڑیں گے آپ وہاں پر شیطان کو دخل اندازی کا موقع دیں گے....اس لئے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنالینا شیطان کے راستے کو بند کردیتا ہے....

۳....اس کے فتنوں سے بچنے کا تیسرا طریقہ ذکر اللہ کی کثرت کرنا ہے....یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ ذکر اللہ کی کثرت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ شیطان سے حفاظت فرمادیتے ہیں....

صاحب ایمان کیلئے دور حاضر کی بے بسی کا علاج

آیئے! ہم اپنے ماحول کا جائزہ لیں کہ کس قسم کے ماحول سے ہمیں سابقہ ہے۔ اور ماحول کی وجہ سے دین پر عمل کرنے میں دشواری کس طرح سے ہو رہی ہے۔ گناہ پر مجبور کرنے والے تین طرح کے ماحول ہیں یعنی ماحول میں تین طرح کے اثرات ہیں۔ ایک ماحول جس سے ہمیں سابقہ ہے وہ گناہ پر اکسانے والا شہوانی ماحول ہے۔ آج دنیا کا ماحول جس قدر شہوانی ہو گیا ہے اور جنسی لذات پر مبنی ہو گیا ہے اتنا پہلے کبھی بھی نہیں تھا۔ حیاء کی باتیں اٹھ چکی ہیں۔ بے حیائی اور بے پردگی پھیلتی جا رہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کانوں میں موسیقی کی آواز آجاتی تھی کیونکہ کفار بھی موجود تھے وہ راگ بجاتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے کہ آواز نہ کان میں جانے نہ پائے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پہ کیا اثر ہوتا۔ معصوم تھے اور نبی تھے لیکن اتنی احتیاط اس موسیقی سے کرتے تھے لیکن آج یہ ناپاک راگ راگنی مسجدوں میں داخل ہو گئی ہے۔ نماز کے دوران سجدہ کے دوران موسیقی کی آواز موبائلوں سے آجاتی ہے۔

آپ کو خوب معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں موسیقی کو مٹانے کو بھیجا گیا ہوں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے، تابعین نے اور ہر دور کے اہل اللہ نے موسیقی کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا اور کرایا ہے اور ضرورت کے تحت بھی ذرا سی دھن والی گھنٹی بھی برداشت نہیں کی ہے۔

راگ راگنی کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اگر اچھے جذبات ہوں گے تو وہ بھڑک اٹھیں گے اور برے جذبات ہوں گے تو وہ بھڑک اٹھیں گے ہمارے اندر تو برے ہی جذبات ہیں نفس کے اندر تو رذائل ہی رذائل بھرے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے وہی بھڑکیں گے۔

یہ ماحول کس چیز کا ہے؟ شہوت کا ہے۔ اسی شہوت میں طرح طرح کے کھانے، چیزیں، فرنیچر، مکان اور گاڑیوں وغیرہ کی حرص بھی شامل ہے۔ ان کی لالچ بھی شہوت ہی کہلاتی ہے۔

جب ہم نے اپنے اردگرد شہوانی ماحول پیدا کیا ہوا ہے تو سوال یہ ہے اس قدر شہوانی ماحول میں آپ کیسے اپنے لڑکوں کو کہیں لڑکیوں کو کہیں کہ تقویٰ اختیار کرو۔ شہوانی ماحول کھولا ہوا ہے تو اب تقویٰ کے کیا معنیٰ؟ اس ماحول کے سامنے بے بس ہیں ہم سب۔ کیا یہ جوان لڑکے اور لڑکیاں متاثر نہیں ہوں گے؟ جب بوڑھے متاثر ہوتے ہیں تو کیا یہ نہیں متاثر ہوں گے؟ سوال یہ ہے کہ ہم کریں کیا؟ پہلے ایک اور ماحول کا جائزہ لیں۔

شہوانی ماحول کے ساتھ ایک اور ماحول ہے جسے ظلمانی ماحول کہہ سکتے ہیں یعنی ظلمت کا ماحول۔ ظلمت یعنی تاریکی، گناہوں کی تاریکی کا ماحول۔ جس طرح سے اعمال صالحہ میں نور ہوتا ہے اسی طرح سے گناہوں میں تاریکی ہوتی ہے۔ ہمارے اردگرد گناہوں کی تاریکی کا ماحول ہے۔

پورا معاشرہ ظلمانی ہورہا ہے۔ یہ ظلمت کا ماحول ہے۔ جیسے وہ شہوانی ماحول تھا یہ ایک اور ماحول ہمارے سامنے ہے جو ظلمانی ماحول ہے۔ گناہ کی اور اللہ تعالیٰ سے غفلت کی شدت ہے چاروں طرف۔ شدت اتنی ہے کہ ہم مغلوب ہوتے جارہے ہیں۔ کیسے بچیں؟ یہاں بھی ہم بے بس ہیں۔

اور ایک تیسرا ظلم کا ماحول ہے۔ بے انصافی، فریب، دھوکے بازی، ایذاء رسانی، جاہ پرستی، رشوت کا بازار، ڈاکے پڑرہے ہیں، حقوق پامال ہورہے ہیں، چاہے دفتر ہو چاہے گھر۔ نہ شوہر بیوی کو حق دیتا ہے نہ بہو کا حق ساس دیتی ہے۔ حکومت کے اہلکاروں کا ظلم ہے، کمزوروں کی دادرسی نہیں انصاف کا حصول مشکل ہے۔

ایسے ماحول میں نیک کام کرنے والا۔ تقویٰ کی کوشش کرنیوالا۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا بے بس ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ مجبور و مغلوب اور بے بس بندہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے حق تعالیٰ اس کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

یہ جو تین ماحول بیان کئے گئے ہیں ان میں مسلمان کے لئے مغلوبیت اور بے بسی سے نکلنے کی تدبیر معلوم کرنے کے لئے کلام پاک کے تین قصے ہی کافی ہیں۔ ان قصوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کے لئے ہر ماحول کا تریاق موجود ہے۔

نفسانی اور شہوانی ماحول کے لئے کلام پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہے۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کا ماحول کیسا تھا؟ سات دروازوں

کے اندر مقفل کر کے تمام نفسانی اور شہوانی جذبات ابھارنے والے اسباب مہیا کئے گئے۔ دروازے سب بند ہیں اور انتہائی شہوت انگیز ماحول ہے۔ اب بتایئے کیا اس سے زیادہ شہوانی ماحول ہوسکتا ہے؟ یوسف علیہ السلام نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا۔ انابت الی اللہ کی اور راستہ کھل گیا۔ انابت کے ساتھ اپنی مقدور بھر کوشش کی کہ گھر کے سارے دروازے بند تھے اور زلیخا کی طرف سے دعوت تھی۔ بلکہ وہ تو پکڑ رہی ہے اور یوسف علیہ السلام بھاگ رہے ہیں حالانکہ بھاگنے کی ضرورت کیا تھی۔ سامنے سارے دروازے مقفل۔ بھاگ کہاں رہے ہیں؟ ان سے اتنا ہی ہوسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اور رجوع کر کے بس اتنا ہی کیا جتنا کر سکتے تھے۔ چنانچہ جس دروازے کے پاس پہنچتے اس کا قفل ٹوٹتا چلا جاتا اور وہ نکلتے چلے گئے۔ حق تعالیٰ نے بچایا۔ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِى الْمُؤْمِنِينَ کا وعدہ صادق آیا اور قیامت تک مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ صادق آتا رہیگا۔

جب شہوانی ماحول کے تم شکار ہو تو تمہیں کرنا کیا ہے تمہیں اپنے نفس کو قصوروار اور برائیوں کی طرف میلان کا اعتراف واقرار کر کے ندامت اور عاجزی سے رجوع الی اللہ کرنا ہے اور اپنی جیسی تدبیر کرنی ہے۔ باقی ہم تمہارے رب ہیں، ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں، تم ہماری نظر سے اوجھل نہیں ہو۔ ہم تمہیں بچائیں گے ہمارا وعدہ ہے قیامت تک ہم یونہی کرینگے کہ رجوع الی اللہ کرنے والے مسلمان کو نجات دلائیں گے۔

اب دوسرا ماحول لیجئے ظلمانی ماحول۔ ظلمانی ماحول کیا ہے؟ گناہ کی تاریکی کا ماحول۔ گناہ چاروں طرف اور درمیان میں یہ بے بس مسلمان۔

یہ جو ظلمانی ماحول ہے اس کی شکل مثالی آگ ہے۔ کیونکہ عالم برزخ میں اس کا انجام آگ ہے۔ ہر گناہ آگ ہے۔ تو یوں سمجھو کہ چاروں طرف آگ پھیلی ہوئی ہے۔ اب اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

یہ جو ماحول ہے اس کے لئے کلام پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے یعنی جس طرح سے عالم برزخ کا جو منظر ہے ہمارے اعمال کا جو اگر ظاہر ہو جائے تو چاروں طرف آگ ہی آگ ہوگی۔ اسی طرح سے ابراہیم علیہ السلام کا حال تھا کہ دور دور تک آگ پھیلادی گئی تھی۔

اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کی تدبیر بھی وہی رجوع الی اللہ ہے۔ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کا قصہ کلام پاک میں اسی لئے ہمیں سنایا ہے کہ ہم ظلمانی ماحول میں کیا کریں یہ ہمیں معلوم ہو جائے۔ نمرود نے میلوں دور چاروں طرف آگ لگادی۔ اور اس میں خلیل اللہ، ابرہیم خلیل اللہ کو پھینکا گیا۔ اس

موقع پر جب انکو پھینکا جارہا تھا جبرائیل علیہ السلام تشریف لئے۔ ابراہیم علیہ السلام اس وقت رجوع الی اللہ میں مشغول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری مشیت یہی ہے کہ بھڑکتی ہوئی آگ میں اپنے خلیل کو پھنکواؤں لیکن میرا وعدہ سچا ہے رجوع الی اللہ کرنے والے کو میں نجات دلاؤنگا۔

چاروں طرف آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور حضرت ابراہیم گلزار ابراہیم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھول ہیں ٹھنڈک ہے قدرت کاملہ کی مشیت کا ظہور ہوچکا۔ حق تعالیٰ کا وعدہ رجوع الی اللہ کرنے والے کے لئے پورا ہوا اور قیامت تک یہی ہوگا یونہی ہوگا۔

اب سنئے ظلم کے ماحول کا حل۔ یہاں تو آپ بالکل بے بس ہیں ظلم کے سامنے ایک کمزور کیا کرسکتا ہے؟ آپ ساری دنیا کا جائزہ لے لیں آپ کو ظلم کا بازار ہی گرم نظر آئے گا، کیسے کیسے قوانین بنائے جاتے ہیں جس میں شریعت کا احترام نہیں۔ ایسا معاشرہ ہوگیا ہے کہ کہیں فرار نہیں۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے اس سے سبق لو۔

یونس علیہ السلام کو قعر دریا میں تختہ بند کردیا گیا اور بطن ماہی یعنی مچھلی کے پیٹ میں پہنچادیا گیا۔ یہ سب کیوں ہوا؟ اور یہ قصہ کیوں کلام پاک میں بتایا گیا؟ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کو ان مشکلات کا حل معلوم ہوجائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کو قیامت تک آنے والے حالات میں ظلم کے ماحول سے نپٹنا ہوگا۔ گویا کہ قعر دریا میں تختہ بند ہونا ہوگا اور اب جب اس سے فرار نہیں ملے گی تو حضرت یونس علیہ السلام کی مثال سے نجات مل جائے گی۔

وہی اللہ جو اس وقت قادر مطلق تھے وہ اب بھی قادر مطلق ہیں۔ ہمیں مثال دے کر بتارہے ہیں کہ دیکھو ایک نبی کو مجبور، مغلوب، مظلوم، مجروح اور مرعوب کرکے ہر طرف سے جکڑ دیا گیا۔ پھر دیکھو وہ کیسے بچے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام کا ماحول جکڑا ہوا تھا۔ تختہ بند تھے۔ لیکن مچھلی کے پیٹ میں انہوں نے کہا۔ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنتَ سُبحانَکَ اِنِّی کُنتُ مِنَ الظّٰلِمِین" اور نجات ہوگئی۔ ہوگئی کہ نہیں؟

کلام پاک میں یہ قصہ بیان کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کو سکھا دیا گیا کہ دیکھو تم جب ظلم کے ماحول میں پھنس جاؤ تو یوں کہنا کہ میں ہی ظالم ہوں۔ تو اس پر حق تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا؟ فرمایا کہ فَاستَجَبنا لَہٗ وَنَجَّیناہُ مِنَ الغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنجِی المُؤمِنِین۔ تو جناب اپنے کو ظالم کہنے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کی اس فریاد کو قبول فرمایا۔ اور ان کو اس غم سے نجات دلادی۔ بلکہ حق تعالیٰ نے صریح اور واضح الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ وَکَذٰلِکَ نُنجِی المُؤمِنِین۔

ہم اسی طرح سے مومنین کو نجات دیتے رہیں گے۔ یہ اعلان یہ وعدہ قیامت تک کے لئے ہے۔ بس رجوع الی اللہ کا طریقہ یاد رکھو کہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کس طرح رجوع الی اللہ کیا۔ اپنے کو ظالم کہا، اعتراف قصور، اقرار جرم حالانکہ معصوم نبی تھے۔ لیکن حق تعالیٰ کو یہی پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پس ان کے عذر کو اور ندامت کو ہم نے قبول کیا۔ فاستجبنا له۔ ہم نے ان کے عذر کو اور ان کی ندامت کو قبول کیا۔ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۔ اور نجات دی ہم نے ان کو اس حالت سے۔ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ۔ اور قیامت تک تمام مومنین اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم اسی طرح ہر تکلیف دہ صورت سے نجات دیتے رہیں گے۔ یاد رکھو حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو نجات دلانا اپنے ذمہ لیا ہے۔ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ۔ مسلمانوں کو نجات ہمارے ذمہ ہے۔

اے میرے دوستو اس مغلوبیت میں نہ لڑنے کی ضرورت نہ اس کا تمہیں حکم ہے۔ تم استغفار اور توبہ کے ساتھ ندامت کے ساتھ رجوع الی اللہ تو کرو۔ تم توبہ تو کرو اپنے گناہوں سے۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ جب حق تعالیٰ وعدہ فرمارہے ہیں کہ ہم نجات دیں گے۔ تو تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے جو تم کرتے پھر رہے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر مشکل کا حل بتادیا ہے اور نجات کا وعدہ کیا ہے تو اب پریشانی کی کیا بات ہے۔ چاہے ماحول کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو مسلمان کے لئے نجات کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ اگر ہر طرف آگ لگی ہوئی ہو تو جو کوئی شخص فائر پروف عمارت کے اندر بیٹھا ہوا ہوگا وہ محفوظ رہے گا۔ اسی طرح جو ایمان والا اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت کے ساتھ رجوع کرتا ہوتا ہے چاروں طرف چاہے کیسی ہی آگ ہو گناہوں اور شہوانیت وظلم کا کیسا ہی ماحول ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ۔

توبہ کی قوت

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام اور شیطان کی دشمنی ٹھن گئی تو شیطان آدم علیہ السلام کا حاسد اور فریبی دشمن تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تاج خلافت پہنا دیا گیا۔ جنتوں کے وعدے دیئے گئے تو شیطان کو فکر ہوئی، اُس نے کہا: یا اللہ! آدم بہرحال میرا دشمن ہوگیا، میں اس کا دشمن۔ اس کے پاس عقل بھی ہے اور اسباب ہدایت بھی ہیں، یہ تو میرا ناطقہ بند کردے گا، کچھ قوت مجھے بھی دے دیجئے گا کہ میں اس پر غالب رہوں۔

حق تعالیٰ نے فرمایا: "ہم نے تجھے اکثریت کی قوت دی۔"

آدم علیہ السلام کا اگر ایک بیٹا ہوگا تو تیرے دس (۱۰) بیٹے ہوں گے۔اس کے سو(۱۰۰) ہوں گے، تیرے ایک ہزار ہوں گے تو ہمیشہ اکثریت میں رہے گا، یہ ایک ارب ہوں گے تو دس ارب ہوگا۔

مگر وہ بھی بڑا ہوشیار ہے۔ اُس نے دیکھا کہ بعض دفعہ تو اقلیت بھی اکثریت پر غالب آ جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اکثریت ہی کا غلبہ ہو۔اُس نے عرض کیا: یااللہ! بے شک میں اکثریت میں ہو گیا، لیکن اگر طاقت ور اقلیت ہو، وہ تو اکثریت پر غالب آ جاتی ہے، اس لیے مجھے اور طاقت دیجئے۔

فرمایا: تجھے یہ طاقت دیتے ہیں کہ تو آدم کے بدن میں اس طرح سرایت کر سکے گا جیسے خون رگوں میں دوڑتا ہے۔ کہنے لگا: "اب میں اُسے پچھاڑ سکوں گا" اِس لیے اُس کے اندر گھس کے قلب میں وسوسے ڈالوں گا، دماغ کو خراب کروں گا اور جو چاہے اندر جا کے کروں گا۔ اب مجھے طاقت مل گئی اور وہ مطمئن ہو گیا۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کو فکر پڑی کہ اس کمبخت کی یہ طاقت کہ میرے اندر گھس جائے، میرے اندر تو یہ طاقت نہیں کہ اس کے اندر گھس سکوں تو یہ غالب رہے گا اور سب کو جہنمی بنا دے گا، مجھے بھی تو کوئی قوت دیجئے۔ (میں بھی اِس کا مقابلہ کر سکوں؟)

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: "آدم کو بھی ہم ایک طاقت دیتے ہیں کہ شیطان کی ہزار برس کی کارروائیاں ایک دم میں سب ملیامیٹ ہو جائیں گی اور وہ ایسے چت ہوگا کہ چاروں شانے لگ جائیں گے۔"

کفر تک کرلو، توبہ نصیب ہو، ایک منٹ میں سارا کفر ختم ہو جائے گا، اس نے سو(۱۰۰) برس کفر کرایا، تم نے ایک سچی توبہ کی، وہ سارا سو برس کا کفر ختم ہو جائے گا، اس کی ساری کارستانیاں ختم ہو جائیں گی...... تو توبہ میں اتنی بڑی طاقت ہے کہ شیطان بھی اس سے عاجز ہے۔ اس لیے آدمی توبہ نہ چھوڑے۔ ذرا سی بات ہوئی فوراً توبہ کرے بلکہ استغفار کو مستقل تسبیح کے طور پر پڑھے، کم از کم سو دفعہ روزانہ استغفار کرے۔

"استغفر اللہ تعالیٰ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ" سو دفعہ پڑھ لے۔ سو(۱۰۰) گناہ نہیں کرے گا مگر سو استغفار ہو جائیں گے تو اس کے گناہ ختم ہوتے رہیں گے اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے صرف دس منٹ کی بات ہے۔ صبح کی نماز کے بعد اگر سو دفعہ استغفار پڑھ لے تو کوئی محنت نہیں مشقت نہیں، دن بھر میں آدمی سو گناہ نہیں کرتا مگر توبائیں (توبہ کی جمع) سو ہو گئیں، ان شاء اللہ سب گناہ ختم ہو جائیں گے۔ بہر حال قلب کا رُخ صحیح رکھے۔ اعتدال کے ساتھ چلتا رہے، جب گناہ ہو معافی مانگ لے، ایک نہ ایک روز منزل پر پہنچ جائے گا۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ

اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے
وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے
(سورہ اعراف آیت 156)

باب 6

انسانی روح کی عالَم دُنیا سے
عالَم قبر کی طرف روانگی

عالَم دُنیا سے عالَم قبر کی طرف روانگی

حُسنِ خاتمہ کے اسباب

کون سا شخص ہوگا جس کو اس بات کی فکر نہ ہو کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔ اس لئے کہ ایمان کے بغیر عذاب و مصائب کا ایسا سلسلہ شروع ہوگا.... جس کی کوئی انتہا و اختتام نہیں۔ مشائخ نے بعض ایسے اعمال بتلائے ہیں.... جن کے اہتمام سے آخری وقت میں کلمہ نصیب ہوتا ہے اور آدمی کا خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے۔

1۔ نگاہ کی حفاظت

نظر کی بد پرہیزی سے انسان آخری وقت میں کلمہ بھول جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جس نے اس کو میرے خوف کی وجہ سے چھوڑ دیا اس نظر کو روکنے کے بدلے میں اس کو ایسا ایمان دوں گا کہ وہ اپنے دل میں اس ایمان کی حلاوت کو محسوس کرے گا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں ”جب دل کے اندر حلاوت ایمان داخل ہوتی ہے تو دل سے کبھی باہر نہیں نکلتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس بندے کا ایمان موت تک محفوظ رہے گا۔

2۔ مسواک کی پابندی

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو مسواک کا اہتمام کرتا ہے جب آخری وقت آتا ہے تو ملک الموت اس کے پاس آتے ہیں اور شیطان کو اس بندے سے دور بھگا دیتے ہیں اور اس بندے کو کلمہ یاد دلا دیتے ہیں۔

3۔ شکر کرنا

انسان اپنے ایمان پر اللہ کے حضور شکر ادا کرتا رہے چونکہ اللہ رب العزت کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں اپنی نعمتیں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا۔

4۔صدقہ کرنا

حدیث شریف میں ہے صدقہ اللہ رب العزت کی ناراضگی کو ختم کر دیتا ہے اور بُری موت سے بندے کو بچالیتا ہے۔صدقہ مصیبت سے بچاتا ہے تو سب سے بڑی مصیبت تو بُری موت ہے۔

5۔صحبت اہل اللہ

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو تو اس صحبت سے بندے کو آخری وقت میں کلمہ نصیب ہو جاتا ہے۔حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ والوں کے پاس اگر تم بیٹھو گے۔

اَلْجُلَسَاءُ هُمْ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔

یہ وہ بندے ہیں کہ انکے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔

6۔اذان کا جواب

ولی کامل حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اکثر اپنے بیانات میں یہ بات فرماتے تھے کہ جب کوئی بندہ کسی کام میں مصروف ہو اور اذان آجائے اور وہ اس کام کو روک لے۔اذان سنے اور اذان کا جواب دے اور اس کے بعد جو اذان کی دعا ہے وہ دعا پڑھے۔فرماتے تھے کہ میرا تجربہ ہے کہ اللہ رب العزت اس عمل کی وجہ سے اس بندے کو آخری وقت کلمے کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔

7۔کلمہ کی کثرت

کلمہ کی کثرت سے خاتمہ بالخیر میں آسانی ہوتی ہے اس لئے کہ جو عمل کثرت کیساتھ کریگا موت کے وقت وہ عمل اس کو آسانی کیساتھ کرنا نصیب ہو جائیگا۔تو ہم اس کلمے کو اکثر پڑھیں۔چلتے،پھرتے، بیٹھے ہوئے گاڑی میں سفر کرتے ہوئے پڑھتے رہیں۔لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

زندگی ہی میں موت کی تیاری

انسانی زندگی کا جو سفر عہد الست سے شروع ہوا پھر عالم مادر سے ہوتا ہوا عالم دنیا تک پہنچا۔ اس سفر کا ایک اہم موڑ یہ بھی ہے کہ انسان نے عالم دنیا سے کوچ کر کے عالم آخرت کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی پہلی سیڑھی عالم قبر ہے۔انسانی سفر جو کہ قدم قدم پر احساس اور فکر و تدبر کا سفر ہے۔ اس میں اپنی موت اور آخرت کی فکر صاحب ایمان کیلئے قیمتی زیور ہے۔موت ضرور آنے والی ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور موت کے مسئلہ میں آج تک کسی کا اختلاف نہیں ہوا اور نہ کسی نے اس

کے آنے کا انکار کیا۔ انکار کرنے والوں نے نعوذ باللہ خدا کا انکار کر دیا کہ ہم اللہ کو نہیں مانتے، رسولوں کا انکار کر دیا مگر موت کا انکار نہیں کر سکے۔ ہر شخص یہ بات مانتا ہے کہ جو شخص اس دُنیا میں آیا ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور موت کے منہ میں جائے گا اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، ہو سکتا ہے کہ ابھی موت آ جائے کچھ پتہ نہیں۔ آج سائنس کی تحقیقات کہاں سے کہاں بام عروج تک پہنچ گئیں لیکن سائنس یہ نہیں بتا سکتی کہ کون سا انسان کب مرے گا۔

لہٰذا یہ یقینی بات ہے کہ موت ضرور آئے گی اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ موت کا وقت متعین نہیں۔ اب اگر انسان غفلت کی حالت میں دُنیا سے چلا جائے تو وہاں پہنچ کر خدا جانے کیا حالات پیش آئیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں پہنچ کر اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے، اس لیے دین نے ہمیں اس بارے میں اہم ہدایات سے نوازا ہے ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اس حقیقی موت کے آنے سے پہلے مرو۔ موت سے پہلے مرنے کا کیا مطلب؟ علماء کرام نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ حقیقی موت کے آنے سے پہلے تم اپنی وہ نفسانی خواہشات جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابل ہیں اور تمہارے دل میں گناہ کرنے کے اور ناجائز کام کرنے کے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کے جو تقاضے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان کو کچل دو اور فنا کر دو اور مار دو۔ دوسرا مطلب علماء نے یہ بتایا کہ مرنے سے پہلے اپنے مرنے کا دھیان کرلو، کبھی کبھی یہ سوچا کرو کہ ایک دن مجھے اس دُنیا سے جانا ہے اور اس دُنیا سے خالی ہاتھ جاؤں گا، نہ پیسے ساتھ جائیں گے، نہ اولاد ساتھ جائے گی، نہ کوٹھی بنگلے ساتھ جائیں گے، نہ دوست احباب ساتھ جائیں گے بلکہ اکیلا خالی ہاتھ جاؤں گا، اس کو ذرا سوچا کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دُنیا میں ہم سے جو ظلم، نافرمانیاں اور جرائم اور گناہ ہوتے ہیں، ان کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ انسان نے اپنی موت کو بھلا دیا ہے، جب تک جسم میں صحت اور قوت ہے اور یہ ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں، اس وقت تک انسان یہ سوچتا ہے کہ "ہم چوں ما دیگرے نیست" یعنی ہم سے بڑا کوئی نہیں اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے۔ اس وقت تکبر بھی کرتا ہے، شیخی بھگارتا ہے، دوسروں پر ظلم بھی کرتا ہے، دوسروں کے حقوق پر ڈاکے بھی ڈالتا ہے، صحت اور جوانی کی حالت میں یہ سب کام کرتا رہتا ہے اور یہ دھیان اور خیال بھی نہیں آتا کہ ایک دن مجھے بھی اس دُنیا سے جانا ہے، اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو مٹی دے کر آتا ہے، اپنے پیاروں کا جنازہ اُٹھاتا ہے لیکن اس کے

باوجود یہ سوچتا ہے کہ موت کا واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، میرے ساتھ تو پیش نہیں آیا۔ اس طرح غفلت کے عالَم میں زندگی کا سفر گزارتا ہے اور موت کی تیاری نہیں کرتا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جس کی طرف سے بہت سے انسان دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ایک صحت کی نعمت اور ایک فراغت کی نعمت۔ یعنی جب تک ''صحت'' کی نعمت حاصل ہے اس وقت تک اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ یہ صحت کی نعمت ہمیشہ باقی رہے گی اور صحت کی حالت میں اچھے اور نیک کاموں کو ٹالتے رہتے ہیں کہ چلو یہ کام کل کرلیں گے، کل نہیں تو پرسوں کرلیں گے لیکن ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ صحت کا وقت گزر جاتا ہے۔

دوسری نعمت ہے ''فراغت'' یعنی اس وقت اچھے کام کرنے کی فرصت ہے، وقت ملتا ہے لیکن انسان اچھے کام کو یہ سوچ کر ٹال دیتا ہے کہ ابھی تو وقت ہے، بعد میں کرلیں گے، ابھی تو جوانی ہے اور وہ اس جوانی کے عالَم میں بڑے بڑے پہاڑ ڈھو سکتا ہے، بڑے سے بڑے مشقت کے کام انجام دے سکتا ہے، اگر چاہے تو جوانی کے عالَم میں خوب عبادت کرسکتا ہے، ریاضتیں اور مجاہدات کرسکتا ہے، خدمت خلق کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا ڈھیر لگا سکتا ہے لیکن دماغ میں یہ بات بیٹھی ہے کہ ابھی تو میں جوان ہوں، ذرا زندگی کا مزہ لے لوں، عبادت کرنے اور نیک کام کرنے کے لیے بہت عمر پڑی ہے، بعد میں کرلوں گا۔ اس طرح وہ نیک کاموں کو ٹلاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جوانی ڈھل جاتی ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ صحت خراب ہوجاتی ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب جوانی کے جانے کے بعد عبادت اور نیک کام کرنا بھی چاہتا ہے تو جسم میں طاقت اور قوت نہیں ہے، یا فرصت نہیں ہے، اس لیے کہ اب مصروفیت اتنی ہوگئی ہے کہ وقت نہیں ملتا۔

یہ سب باتیں اس لیے پیدا ہوئیں کہ انسان موت سے غافل ہے۔ موت کا دھیان نہیں، اگر روزانہ صبح و شام موت کو یاد کرتا کہ ایک دن مجھے مرنا ہے اور مرنے سے پہلے مجھے یہ کام کرنا ہے تو پھر موت کی یاد اور اس کا دھیان انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے اور نیکی کے راستے پر چلاتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ مرنے سے پہلے مرو۔

کیا حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ عقل مند کون ہوتا ہے؟ آج کی دُنیا میں عقل مند اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مال کمانا خوب جانتا ہو۔ دولت کمانا اور پیسے سے پیسے بنانا

خوب جانتا ہو، دُنیا کو بے وقوف بنانا خوب جانتا ہو لیکن اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل مند انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو کرے اور نفس کی ہر خواہش کے پیچھے نہ چلے بلکہ اس نفس کو اللہ کی مرضی کے تابع بنائے اور مرنے کے بعد کے لیے تیاری کرے، ایسا شخص عقل مند ہے، اگر یہ کام نہیں کرتا تو وہ بے وقوف ہے کہ ساری عمر فضولیات میں گنوادی جس جگہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کی کچھ تیاری نہ کی۔

ہم میں سے ہر شخص کو دُنیا میں رہنے کے لیے ہر وقت یہ فکر سوار رہتی ہے کہ مکان کہاں بناؤں؟ کس طرح کا بناؤں؟ اس میں کیا کیا راحت و آرام کی اشیاء جمع کروں؟ اگر دُنیا میں کہیں سفر پر جاتے ہیں تو کئی دن پہلے سے بکنگ کراتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں سیٹ نہ ملے۔ کئی دن پہلے سے اس سفر کی تیاری شروع ہو جاتی ہے جس جگہ پہنچنا ہے وہاں پر پہلے سے اطلاع دی جاتی ہے، ہوٹل کی بکنگ کرائی جاتی ہے، پہلے سے یہ سب کام کیے جاتے ہیں اور سفر صرف تین دن کا ہے لیکن جس جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے جہاں کی زندگی کی کوئی انتہا نہیں ہے، اس کے لیے یہ فکر نہیں کہ وہاں کا مکان کیسے بناؤں؟ وہاں کے لیے کس طرح بکنگ کراؤں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ عقل مند شخص وہ ہے جو اپنی زندگی ہی میں مرنے کے بعد کے مراحل کیلئے تیاری کرے ورنہ وہ بے وقوف ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا مال دار اور سرمایہ دار کیوں نہ بن جائے اور آخرت کی تیاری کا راستہ یہ ہے کہ موت سے پہلے موت کا دھیان رکھو کہ ایک دن مجھے اس دُنیا سے جانا ہے۔

زندگی کے سفر میں موت کا دھیان کس طرح رکھا جاسکتا ہے اس سلسلہ میں اہل علم و فضل سے رہنمائی لی جائے۔ بعض مشائخ نے اس کا طریقہ بتایا ہے کہ دن میں کوئی وقت تنہائی کا نکالو، پھر اس وقت میں ذرا سا اس بات کا تصور کیا کرو کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے، فرشتہ روح قبض کرنے کے لیے پہنچ گیا، اس نے میری روح قبض کر لی، میرے عزیز و اقارب نے میرے غسل اور کفن دفن کا انتظام شروع کر دیا۔ بالآخر مجھے غسل دے کر کفن پہنا کر اٹھا کر قبرستان لے گئے۔ نماز جنازہ پڑھ کر مجھے ایک قبر میں رکھا، پھر اس قبر کو بند کر دیا اور اوپر سے منوں مٹی ڈال کر وہاں سے رُخصت ہو گئے۔ اب میں اندھیری قبر میں تنہا ہوں، اتنے میں سوال و جواب کے لیے فرشتے آ گئے، وہ مجھ سے سوال و جواب کر رہے ہیں۔

اس کے بعد آخرت کا تصور کرو کہ مجھے دوبارہ قبر سے اُٹھایا گیا، اب میدانِ حشر قائم ہے، تمام انسان میدانِ حشر کے اندر جمع ہیں، وہاں شدید گرمی لگ رہی ہے، پسینہ بہہ رہا ہے، سورج

بالکل قریب ہے، ہر شخص پریشانی کے عالم میں ہے اور لوگ جا کر انبیاء علیہم السلام سے سفارش کرا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ حساب و کتاب شروع ہو۔ پھر اسی طرح حساب و کتاب، پل صراط اور جنت اور جہنم کا تصور کرو۔ روزانہ فجر کی نماز کے بعد تلاوت، مناجات مقبول اور اپنے ذکر واذکار سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑا سا تصور کر لیا کرو کہ یہ وقت آنے والا ہے اور کچھ پتہ نہیں کب آجائے، کیا پتہ آج ہی آجائے۔ یہ تصور کرنے کے بعد دُعا کرو کہ یا اللہ! میں دُنیا کے کاروبار اور کام کاج کے لیے نکل رہا ہوں، آپ ہی میری حفاظت فرمائیے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ایسا کام کر گزروں جو میری آخرت کے اعتبار سے میرے لیے ہلاکت کا باعث ہو، روزانہ یہ تصور کر لیا کرو، جب ایک مرتبہ موت کا دھیان اور تصور دل میں بیٹھ جائے گا تو ان شاء اللہ اپنی اصلاح کرنے کی طرف توجہ اور فکر ہو جائے گی۔

مذکورہ حدیث کے دوسرے جملے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

اپنا حساب لیا کرو، قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں تمہارے ایک ایک عمل کا حساب لیا جائے گا۔

قیامت کے روز جو حساب لیا جائے گا تم اس سے پہلے ہی اپنا حساب لینا شروع کر دو، یعنی روزانہ رات کو حساب لو کہ آج جو میرا سارا دن گزرا، اس میں کونسا عمل ایسا ہے کہ اگر اس عمل کے بارے میں قیامت کے روز مجھ سے پوچھا گیا کہ یہ عمل کیوں کیا تھا؟ تو میں اس کا کیا جواب دوں گا۔ روزانہ اس طرح سوچ لیا کرو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ روزانہ چند کام کر لیا کرو۔ (1) ایک یہ کہ جب تم صبح کو بیدار ہو تو اپنے نفس سے ایک معاہدہ کر لیا کرو کہ آج کے دن میں صبح سے لے کر رات کو سونے تک کوئی گناہ نہیں کروں گا اور میرے ذمے جتنے فرائض و واجبات اور سنتیں ہیں، ان کو بجالاؤں گا اور جو میرے ذمے حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں، ان کو پورے طریقے سے ادا کروں گا۔ اگر غلطی سے اس معاہدہ کے خلاف کوئی عمل ہوا تو اے نفس! اس عمل پہ تجھے سزا دوں گا۔

یہ معاہدہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! آپ کی توفیق کے بغیر میں اس معاہدے پر قائم نہیں رہ سکتا، اس لیے جب میں نے یہ معاہدہ کر لیا ہے تو آپ میرے اس معاہدے کی لاج رکھ لیجیے اور مجھے اس معاہدے پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائیے اور مجھے عہد شکنی سے

بچا لیجئے اور مجھے اس معاہدے پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

2۔ دُعا کرنے کے بعد زندگی کے کاروبار کے لیے نکل جاؤ، اگر ملازمت کرتے ہو تو ملازمت پر چلے جاؤ، اگر تجارت کرتے ہو تو تجارت کے لیے نکل جاؤ۔ اگر دُکان پر بیٹھتے ہو تو وہاں چلے جاؤ، وہاں جا کر یہ کرو کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے ذرا سوچ لیا کرو کہ یہ کام میرے اس معاہدے کے خلاف تو نہیں ہے، یہ لفظ جو زبان سے نکال رہا ہوں، یہ اس معاہدے کے خلاف تو نہیں ہے؟ اگر خلاف نظر آئے تو اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

3۔ تیسرا کام رات کو سونے سے پہلے کیا کرو۔ وہ یہ کہ اپنے نفس سے کہو کہ تم نے صبح یہ معاہدہ کیا تھا کہ کوئی گناہ کا کام نہیں کروں گا اور ہر کام شریعت کے مطابق کروں گا، تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کروں گا۔ اب بتاؤ کہ تم نے کون سا کام اس معاہدے کے مطابق کیا اور کون سا کام اس معاہدے کے خلاف کیا؟ اس طرح اپنے پورے دن کے تمام اعمال کا جائزہ لو، صبح جب میں گھر سے باہر نکلا تھا، تو فلاں آدمی سے کیا بات کہی تھی؟ جب میں ملازمت پر گیا تو وہاں اپنے فرائض میں نے کس طرح ادا کیے؟ تجارت میں نے کس طرح کی؟ حلال طریقے سے کی یا حرام طریقے سے کی؟ اور جتنے لوگوں سے ملاقات کی ان کے حقوق کس طرح ادا کیے؟ بیوی بچوں کے حقوق کس طرح ادا کیے؟ ان سب معاملات کا جائزہ لو۔

اس جائزہ کے نتیجے میں اگر یہ بات سامنے آئے کہ تم نے صبح جو معاہدہ کیا تھا، اس میں کامیاب ہو گئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے اس معاہدے پر قائم رہنے کی توفیق دی، اس شکر کا نتیجہ وہ ہوگا جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ: "لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ"...... اگر تم نعمت پر شکر ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ وہ نعمت اور زیادہ دیں گے، لہٰذا جب تم نے اس معاہدے پر قائم رہنے کی نعمت پر شکر ادا کیا تو آئندہ اس نعمت میں اور اضافہ ہوگا اور اس پر ثواب ملے گا۔

اور اگر اس جائزہ کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئے کہ فلاں موقع پر اس معاہدے کی خلاف ورزی ہو گئی، فلاں موقع پر میں بھٹک گیا اور پھسل گیا اور اپنے اس عہد پر قائم نہ رہ سکا تو اس وقت فوراً توبہ کرو اور یہ کہو کہ یا اللہ! میں نے یہ معاہدہ تو کیا تھا لیکن نفس و شیطان کے جال میں آ کر میں اس معاہدے پر قائم نہیں رہ سکا، یا اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں آپ مجھے معاف فرما دیجئے۔

توبہ کرنے کے ساتھ اپنے نفس کو کچھ سزا بھی دو اور اپنے نفس سے کہو کہ تم نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ لہٰذا تمہیں اب آٹھ رکعت نفل پڑھنی ہوں گی۔ یہ سزا صبح کو معاہدہ کرتے وقت ہی تجویز کرلو۔ لہٰذا رات کو اپنے نفس سے کہو کہ تم نے اپنی راحت اور آرام کی خاطر اور تھوڑی سی لذت حاصل کرنے کی خاطر مجھے عہد شکنی کے اندر مبتلا کیا، اس لیے اب تمہیں تھوڑی سزا ملنی چاہیے۔ لہٰذا تمہاری سزا یہ ہے کہ اب سونے سے پہلے آٹھ رکعت نفل ادا کرو۔ اس کے بعد سونے کے لیے بستر پر جاؤ۔

نفس کی اصلاح کیلئے ایسی سزا مقرر کرو جس میں نفس پر تھوڑی مشقت بھی ہو، نہ بہت زیادہ ہو کہ نفس بدک جائے اور نہ اتنی کم ہو کہ نفس کو اس سے مشقت ہی نہ ہو۔ مثلاً آٹھ رکعت نفل پڑھنے کی سزا مقرر کرنا ایک مناسب سزا ہے۔

اگر نفس کی اصلاح کرنی ہے تو تھوڑے بہت ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے، کچھ نہ کچھ مشقت برداشت کرنی پڑے گی، کچھ نہ کچھ ہمت تو کرنی ہوگی اور اس کے لیے عزم اور ارادہ کرنا ہوگا، ویسے ہی بیٹھے بیٹھے تو نفس کی اصلاح نہیں ہو جائے گی۔

ایک بات اور یاد رکھنی چاہیے کہ دو چار روز یہ عمل کرنے کے بعد یہ مت سمجھ لینا کہ بس اب نفس کی اصلاح ہو گئی بلکہ یہ عمل تو مسلسل کرنا ہوگا اور اس میں یہ ہوگا کہ کسی دن تم غالب آ جاؤ گے اور کسی دن شیطان غالب آ جائے گا لیکن ایسا نہ ہو کہ اس کے غالب آنے سے تم گھبرا جاؤ اور یہ عمل چھوڑ بیٹھو، اس لیے کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے۔ ان شاء اللہ اس طرح گرتے پڑتے ایک دن منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ کبھی اس عمل کے ذریعہ کامیابی ہوگی اور کبھی ناکامی ہوگی جس دن کامیابی ہو جائے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرو اور جس دن ناکامی ہو جائے اس دن توبہ و استغفار کرو اور اپنے نفس پر سزا جاری کرو اور اپنے بُرے فعل پر ندامت اور شکستگی کا اظہار کرو، یہ ندامت اور شکستگی انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔

اور بار بار یاد آتا ہے، وہ یہ کہ: ایک بزرگ کا شعر ہمارے لئے کس قدر ہمت افزا ہے۔

دو لتیں مل گئیں ہیں آہوں کی　　　　ایسی تیسی مرے گناہوں کی

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں گناہوں پر ندامت اور عجز و نیاز اور آہ و بکا عطا فرما دی اور ہم دُعا بھی کر رہے ہیں کہ یا اللہ! میرے گناہ کو معاف فرما دیجئے، مجھ سے غلطی ہو گئی تو اب گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ گناہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حکمت سے خالی

پیدا نہیں کی۔ لہٰذا گناہ کے پیدا کرنے میں بھی حکمت اور مصلحت ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد جب توبہ کرو گے اور ندامت کے ساتھ آہ و بکا کرو گے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرو گے تو اس توبہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیں گے۔

یہ زندگی ایک جہاد اور لڑائی ہے جس میں مرتے دم تک نفس اور شیطان سے لڑائی اور مقابلہ کرنا ہے اور مقابلے کے اندر یہ تو ہوتا ہی ہے کہ کبھی تم نے گرا دیا، کبھی دوسرے نے گرا دیا۔ لہٰذا اگر شیطان تمہیں گرا دے تو اس وقت ہمت ہار کر پڑے مت رہو بلکہ دوبارہ نئے عزم اور ولولے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور پھر شیطان کے مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ اور یہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم ہمت نہیں ہارو گے بلکہ دوبارہ مقابلے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مدد مانگتے رہو گے تو ان شاء اللہ بالآخر فتح تمہاری ہو گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جن لوگوں نے ہمارے راستہ میں جہاد کیا۔ (یعنی نفس و شیطان کے ساتھ تم نے اس طرح لڑائی کی کہ وہ شیطان تمہیں غلط راستے پر لے جا رہا ہے اور تم اس سے مقابلہ کر رہے ہو اور کوشش کر کے غلط راستے سے بچ رہے ہو تو پھر ہمارا وعدہ ہے کہ) ہم ضرور بالضرور مقابلہ کرنے اور کوشش کرنے والوں کو اپنے راستے کی ہدایت دیں گے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اس آیت کا ترجمہ یہ کرتا ہوں کہ جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے چلتے ہیں۔

جیسے بچہ چلنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس وقت ماں باپ کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ بچہ چلے۔ چنانچہ اس کو چلنا سکھاتے ہیں اور اس کو تھوڑی دور کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر اس بچے کو اپنے پاس بلاتے ہیں کہ بیٹا ہمارے پاس آؤ۔ اگر بچہ وہیں کھڑا رہے اور قدم آگے نہ بڑھائے تو ماں باپ بھی دور کھڑے رہیں گے اور اس کو گود میں نہیں اُٹھائیں گے۔ لیکن اگر بچے نے ایک قدم بڑھایا اور دوسرے قدم پر وہ گرنے لگا تو اب ماں باپ اس کو گرنے نہیں دیتے بلکہ آگے بڑھ کر اس کو تھام لیتے ہیں اور گود میں اُٹھا لیتے ہیں۔ اس لیے کہ بچے نے قدم بڑھا کر اپنی سی کوشش کر لی۔ اسی طرح جب انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے، اور اس کو نہیں تھامیں گے؟ ایسا نہیں کریں گے بلکہ اس آیت میں وعدہ ہے کہ جب تم چلنے کی کوشش کرو گے تو ہم آگے بڑھ کر تمہیں گود میں اُٹھا کر لے جائیں گے۔ اس لیے آگے قدم بڑھاؤ، ہمت کرو، کوشش کرو، مایوس ہو کر مت بیٹھ جاؤ۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے حصے کا کام کرلو، اللہ تعالیٰ اپنے حصے کا کام ضرور کریں گے۔ یاد رکھو! تمہارے حصے میں جو کام ہیں اس میں نقص اور کمی ہوسکتی ہے، اللہ تعالیٰ کے حصے کے کام میں نقص اور کمی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا جب تم قدم بڑھاؤ گے تو تمہارے لیے ان شاء اللہ راستے کھلیں گے۔

زندگی کے سفر میں موجودہ حالات کے پیش نظر اپنی اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ یہ تصور کرو کہ آج تم میدانِ حشر کے اندر کھڑے ہو اور تمہارا حساب و کتاب ہو رہا ہے۔ نامۂ اعمال پیش ہو رہے ہیں، تمہارے نامۂ اعمال کے اندر جو تمہارے برے اعمال درج ہیں، وہ سب سامنے آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ تم سے سوال کررہے ہیں کہ تم نے یہ برے اعمال اور گناہ کیوں کیے تھے؟ کیا اس وقت تم اللہ تعالیٰ کو وہی جواب دو گے جو آج تم مولویوں کو دیتے ہو؟ آج جب تم سے کوئی مولوی یا مصلح یہ کہتا ہے کہ فلاں کام مت کرو، نگاہ کی حفاظت کرو، سود سے بچو، غیبت اور جھوٹ سے بچو، ٹی وی کے اندر جو فحاشی اور عریانی کے پروگرام آرہے ہیں، ان کو مت دیکھو، شادی بیاہ کی تقریبات میں بے پردگی سے بچو تو ان باتوں کے جواب میں تم مولوی صاحب کو یہ جواب دیتے ہو کہ ہم کیا کریں۔ زمانہ ہی ایسا خراب ہے، ساری دُنیا ترقی کررہی ہے، چاند پر پہنچ گئی ہے، کیا ہم ان سے پیچھے رہ جائیں اور دُنیا سے کٹ کر بیٹھ جائیں اور آج کے اس معاشرے میں یہ سب کام کیے بغیر آدمی کا گزارہ نہیں ہے۔

یہ وہ جواب ہے جو آج تم مولویوں کے سامنے دیتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی یہی جواب دو گے؟ کیا یہ جواب وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے کافی ہوگا؟ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچ کر بتاؤ۔ اگر یہ جواب وہاں نہیں چلے گا تو پھر آج دُنیا میں بھی یہ جواب کافی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ جواب دو گے کہ یا اللہ! ماحول اور معاشرے کی وجہ سے میں گناہ کرنے پر مجبور تھا تو اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں گے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم مجبور تھے یا میں مجبور تھا؟ تم یہ جواب دو گے کہ یا اللہ! میں ہی مجبور تھا۔ آپ مجبور نہیں تھے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب میں مجبور نہیں تھا تو تم نے مجھ سے اپنی اس مجبوری کو دور کرنے کی دُعا کیوں نہیں کی؟ اور کیا میں تمہاری اس مجبوری کو دور کرنے پر قادر نہیں تھا؟ اگر میں قادر تھا تو مجھ سے مانگتے اور یہ کہتے کہ یا اللہ! یہ مجبوری پیش آگئی یا تو آپ اس مجبوری کو دور فرمادیجیے یا پھر مؤاخذہ مت فرمائیے گا اور مجھے اس پر سزا مت دیجیے گا۔ بتائیے! کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا جواب ہے؟ اگر جواب نہیں ہے تو پھر آج زندگی کے اندر یہ کام کرلو، وہ یہ کہ جن کاموں کے کرنے پر تم اپنے آپ کو مجبور پا رہے ہو، خواہ

واقعتہً مجبور ہو یا معاشرے کی وجہ سے مجبور ہو، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ دُعا کرلو کہ یااللہ! یہ مجبوری پیش آ گئی ہے، اس کی وجہ سے میرے اندر اس سے بچنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے، آپ قادر مطلق ہیں، اِس مجبوری کو بھی دور کر سکتے ہیں اور میری اس بے ہمتی کو بھی دور کر سکتے ہیں لہٰذا میری اس مجبوری کو دور کر دیجئے اور اس گناہ سے بچنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرما دیجئے۔

اللہ تعالیٰ سے مانگو، یہ تجربہ ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرما دیتے ہیں۔ اگر کوئی مانگے ہی نہیں تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

کوئی حسن شناس اُدا نہ ہو تو کیا علاج　　ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

لہٰذا مانگنے والا ہی نہ ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ ان کا دامن رحمت کھلا ہے۔

موت کے سفر میں اہل ایمان کا اعزاز

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں قبرستان گئے۔ جب قبر تک پہنچے تو دیکھا ابھی لحد نہیں بنائی گئی ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس باادب اس طرح بیٹھ گئے کہ جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے وہ زمین کرید رہے تھے جیسے کوئی غمگین کرتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ قبر کے عذاب سے پناہ مانگو۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر فرمایا کہ بلاشبہ جب مؤمن بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے فرشتے آتے ہیں۔ جن کے سفید چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ جنتی کفن ہوتا ہے اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے۔ یہ فرشتے اس قدر ہوتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچے وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر (حضرت) ملک الموت تشریف لاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے پاکیزہ روح اللہ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف نکل کر چل۔

چنانچہ اس کی روح اس سہولت سے نکل آتی ہے جیسے مشکیزہ میں سے (پانی کا قطرہ) بہتا ہوا باہر آ جاتا ہے۔ پس اسے حضرت ملک الموت علیہ السلام لے لیتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے (جو دور تک بیٹھے ہوتے ہیں) پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اسے لے کر اسی

کفن اور خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف چل دیتے ہیں۔ اس خوشبو کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو کبھی عمدہ سے عمدہ خوشبو مشک کی پائی گئی ہے اس جیسی وہ خوشبو ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس روح کو لے کر فرشتے (آسمان کی طرف) چڑھنے لگتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گذر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لیکر جواب دیتے ہیں جس سے دنیا میں بلایا جاتا تھا۔ کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں۔

(جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے انسان کو زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ان کو لوٹا دوں گا۔ اور اسی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا۔ چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے۔

اس کے بعد دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں۔ کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کون ہیں؟ جو تمہارے اندر بھیجے گئے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تیرا عمل کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ سو اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد ایک منادی آسمان سے آواز دیتا ہے۔ (جو اللہ کا منادی ہوتا ہے) کہ میرے بندہ نے سچ کہا سو اس کے لیے جنت کے بچھونے بچھا دو۔ اور اس کو جنت کے کپڑے پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔

چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جس کے ذریعے جنت کا آرام اور خوشبو آتی رہتی ہے اور اس کی قبر اتنی کشادہ کر دی جاتی ہے کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔

اس کے بعد نہایت خوبصورت چہرے والا، بہترین لباس والا اور پاکیزہ خوشبو والا ایک شخص اس کے پاس آ کر کہتا ہے کہ خوشی کی چیزوں کی بشارت سن لے یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ حقیقت میں چہرہ کہنے کے لائق ہے اور اس لائق ہے کہ

اچھی خبر لائے۔ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل صالح ہوں۔ اس کے بعد وہ خوشی میں کہتا ہے کہ اے رب! قیامت قائم فرما۔ اے رب! قیامت قائم فرما تا کہ میں اپنے اہل وعیال اور مال میں پہنچ جاؤں۔

ایک روایت میں ہے جب مؤمن کی روح نکلتی ہے تو آسمان وزمین کے درمیان کا ہر فرشتہ اور وہ سب فرشتے جو آسمان میں ہیں۔ سب کے سب اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر دروازے والے فرشتے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کی روح کو ہماری طرف سے لیکر چڑھایا جائے اور کافر کے بارے میں فرمایا کہ اس کی جان رگوں سمیت نکالی جاتی ہے۔ اور آسمان وزمین کے درمیان کا ہر فرشتہ اور وہ سب فرشتے جو آسمان میں ہیں سب کے سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے لیے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ اور ہر دروازے والے اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ کہ اس کی روح کو ہماری طرف سے لیکر نہ چڑھایا جائے۔

ایک ایمان افروز تاریخی واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے مزارات کے ساتھ اسی صدی میں ایک عجیب وغریب اور ایمان افروز واقعہ رونما ہوا جو آج کل بہت کم لوگوں کو معلوم ہے... یہ واقعہ میں نے پہلی بار جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مدظلہم سے سنا تھا... پھر بغداد میں وزارت اوقاف کے ڈائریکٹر تعلقات عامہ جناب خیر اللہ حدیثی صاحب نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا... یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے... اس وقت عراق میں بادشاہت تھی... حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کی قبریں اس وقت یہاں (جامع مسجد سلمان رضی اللہ عنہ کے احاطے میں) نہیں تھیں بلکہ یہاں سے کافی فاصلے پر دریائے دجلہ اور مسجد سلمان کے درمیان کسی جگہ واقع تھیں...

۱۹۲۹ء میں بادشاہ وقت نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ اس سے فرمارہے ہیں کہ ہماری قبروں میں پانی آرہا ہے اس کا مناسب انتظام کرو... بادشاہ نے حکم دیا کہ دریائے دجلہ اور قبروں کے درمیان کسی جگہ گہری کھدائی کرکے دیکھا جائے کہ دجلہ کا پانی اندرونی طور پر قبروں کی طرف رس رہا ہے یا نہیں... کھدائی کی گئی لیکن پانی رسنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے... چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو خواب سمجھ کر نظر انداز کردیا...

لیکن اس کے بعد پھر غالباً ایک سے زیادہ مرتبہ وہی خواب دکھائی دیا... جس سے بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی اور اس نے علماء کو جمع کرکے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا... ایسا یاد پڑتا ہے کہ اس وقت

عراق کے کسی عالم نے بھی بیان کیا کہ انہوں نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے..اس وقت مشورے اور بحث و تمحیص کے بعد رائے یہ قرار پائی گئی کہ دونوں بزرگوں کی قبر کھود کر دیکھا جائے اور اگر پانی وغیرہ آرہا ہو تو ان کے جسموں کو منتقل کیا جائے..اس وقت کے علما نے بھی اس رائے سے اتفاق کرلیا...

چونکہ قرون اولیٰ کے دو عظیم بزرگوں اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبروں کو کھودنے کا یہ واقعہ تاریخ میں پہلا واقعہ تھا..اس لئے حکومت عراق نے اس کا بڑا زبردست اہتمام کیا..اس کیلئے ایک تاریخ مقرر کی تاکہ لوگ اس عمل میں شریک ہوسکیں..اتفاق سے وہ تاریخ ایام حج کے قریب تھی... جب ارادے کی اطلاع حجاز پہنچی تو وہاں حج پر آئے ہوئے لوگوں نے حکومت عراق سے درخواست کی کہ اس تاریخ کو قدرے موخر کردیا جائے تاکہ حج سے فارغ ہوکر جو لوگ عراق آنا چاہیں...وہ آسکیں' چنانچہ حکومت عراق نے حج کے بعد کی ایک تاریخ مقرر کردی...

کہا جاتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر نہ صرف اندرون عراق' بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی خلقت کا اس قدر ازدہام ہوا کہ حکومت نے سب کو یہ عمل دکھانے کیلئے بڑی بڑی سکرینیں دور دور تک فٹ کرائیں تاکہ جو لوگ براہ راست قبروں کے پاس یہ عمل نہ دیکھ سکیں وہ ان سکرینوں پر اسکا عکس دیکھ لیں...

اس طرح یہ مبارک قبریں کھولی گئیں اور ہزار ہا افراد کے سمندر نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تقریباً تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود دونوں بزرگوں کی نعش مبارک صحیح سالم اور تروتازہ تھیں...ایک غیر مسلم ماہر امراض چشم وہاں موجود تھا..اس نے نعش مبارک کو دیکھ کر بتایا کہ ان کی آنکھوں میں ابھی تک وہ چمک موجود ہے جو کسی مردے کی آنکھوں میں انتقال کے کچھ دیر بعد بھی موجود نہیں رہ سکتی... چنانچہ وہ شخص یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہوگیا...

نعش مبارک کو منتقل کرنے کیلئے پہلے سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قریب جگہ تیار کرلی گئی تھی...وہاں تک لے جانے کیلئے نعش مبارک کو جنازے پر رکھا گیا..اس میں لمبے لمبے بانس باندھے گئے اور ہزار ہا افراد کو کندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس طرح اب ان دونوں بزرگوں کی قبریں موجودہ جگہ پر بنی ہوئی ہیں...

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مدظلہم کا بیان ہے کہ ۱۹۲۹ء کا یہ واقعہ مجھے یاد ہے... اس زمانے میں اخبارات کے اندر اس کا بڑا چرچا ہوا تھا...ان دونوں میاں بیوی نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا اور غالباً بیوی نے اپنے اس سفر کی روداد ایک سفرنامے میں تحریر کی جو کتابی شکل میں شائع

ہوااوراس کی ایک کاپی حضرت مولانا مدظلہم کے پاس محفوظ ہے...

اس سفرنامے میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس وقت کسی غیر ملکی فرم کے ذریعے اس پورے عمل کی عکس بندی بھی کی گئی تھی...اور بہت سے غیر مسلم بھی یہ واقعہ خاص طور پر دیکھنے کیلئے آئے تھے وہ اس اثر انگیز منظر سے نہ صرف بہت متاثر ہوئے بلکہ بہت سے لوگوں نے اس منظر کو دیکھ کر اسلام قبول کرلیا..اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اوراپنے دین کی حقانیت کے ایسے معجزے کبھی کبھی دکھلاتے ہیں...

سَنُرِيهِمْ ايٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

ہم ان کو آفاق میں بھی اور خود ان کے وجود میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے' تاکہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہی دین حق ہے...(جہان دیدہ)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی کے صاحبزادے ہیں تو یہ عجیب وغریب اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کے دادا کے ساتھ بھی بعینہ اس طرح کا واقعہ پیش آچکا ہے...

واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد کے سب سے پہلے شہید تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن فرمایا تھا..اس وقت مسلمانوں کی تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ شہدا کیلئے کفن تک میسر نہ تھے...اس لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا...جس میں چہرہ تو چھپ گیا...لیکن پاؤں کھلے رہے جن پر گھاس ڈالی گئی...اتفاق سے یہ قبر نشیب میں واقع تھی...چالیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہاں سیلاب آگیا اور وہاں سے ایک نہر بھی نکالنی تھی..اس موقع پر قبر کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کھولا گیا تو دونوں بزرگوں کے اجسام بالکل صحیح وسالم اور تروتازہ تھے بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے چہرے پر جو زخم تھا...ان کا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا تھا...لوگوں نے ہاتھ وہاں سے ہٹایا تو تازہ خون بہنے لگا...پھر ہاتھ دوبارہ وہاں رکھا تو خون بند ہو گیا...(طبقات ابن سعد)

موت کے سفر میں اہل کفر کی ذلت

جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں اوراس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں۔حتی کہ اسکے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔

پھر کہتے ہیں اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل، ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگتی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے۔ یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے۔

پھر اس کی روح کو ملک الموت اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ فوراً ان سے لیکر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں جو ان کے پاس ہوتے ہیں۔ اور ان ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے۔ جیسی کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹتی ہو۔ وہ فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے۔ وہ اس کا برے سے برا وہ نام لیکر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے لیکر پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔

پھر اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ دو۔ جو سب سے نیچے زمین میں ہے۔ چنانچہ اس کی روح وہیں سے پھینک دی جاتی ہے۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں۔ کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے نہیں پتہ۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے جو تمہارے اندر بھیجے گئے ہیں؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے نہیں پتہ۔

جب یہ سوال و جواب ہو چکتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا اس کے نیچے آگ بچھا دو اور اس کے لیے دوزخ کا دروازہ کھول دو۔ چنانچہ دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور دوزخ کی تپش اور سخت گرم لو آتی رہتی ہے اور قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی پسلیاں بھنچ کر آپس میں ادھر ادھر چلی جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس ایک شخص آتا ہے جو بدصورت اور برے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے اس کے جسم سے بری بدبو آتی ہے۔ وہ شخص اس سے کہتا ہے کہ مصیبت کی خبر سن لے۔ یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا برا عمل ہوں۔ یہ سن کر وہ اس ڈر سے کہ میں قیامت میں یہاں سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوں گا یوں کہتا ہے کہ اے رب قیامت قائم نہ کر۔

مؤمن کا قبر میں نماز کا دھیان

حدیث شریف میں ہے جب مؤمن کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سورج چھپ رہا ہو سو جب اس کی روح لوٹائی جاتی ہے تو آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھتا ہوں۔

گویا وہ اس وقت اپنے آپ کو دنیا ہی میں تصور کرتا ہے کہ سوال و جواب کو رہنے دو مجھے فرض ادا کرنے دو۔ وقت ختم ہوا جا رہا ہے میری نماز جاتی رہے گی۔ یہ بات وہی کہے گا جو دنیا میں نماز کا پابند تھا اور اس کو ہر وقت نماز کا خیال لگا رہتا تھا۔

اس سے بے نمازیوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے اور اپنے حال کا اس سے اندازہ لگائیں اور اس بات کو خوب سوچیں کہ جب اچانک سوال ہوگا تو کیسی پریشانی ہوگی؟

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں کہ تو کیا کہتا ہے ان صاحب کے بارے میں جو تمہاری طرف بھیجے گئے اگر وہ مؤمن ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یہ سن کر وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دے گا پھر اس کی قبر ستر ہاتھ مربع کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر منور کر دی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اب تو سو جا۔ وہ کہتا ہے کہ میں تو اپنے گھر والوں کو اپنا حال بتانے کے لیے جاتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں یہاں آ کر جانے کا قانون نہیں! تو سو جا جیسا کہ دلہن سوتی ہے۔ جسے اسکے شوہر کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا وہ آرام سے قبر میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسے قیامت کے روز اس جگہ سے اٹھائے گا۔

اور اگر مرنے والا منافق ہوتا ہے تو وہ منکر نکیر کو جواب دیتا ہے کہ میں نے جو لوگوں کو کہتے سنا وہی کہا۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم تو خوب جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دے گا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس کو بھینچ دے چنانچہ زمین اس کو بھینچ دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر چلی جاتی ہیں۔ پھر وہ قبر کے اندر عذاب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کو خدا اسے وہاں سے اٹھائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵ از ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایمان والے عالم برزخ میں مطمئن ہوں گے اوران کے ہوش وحواس سالم رہیں گے حتیٰ کہ ان کو نماز کا دھیان ہوگا۔فرشتوں کے سوال کا جواب دینے میں بے خوف ہوں گے۔اور جب اپنا اچھا حال دیکھ لیں گے۔تو پھر گھر والوں کو خوشخبری دینے کے لیے فرشتوں سے کہیں گے کہ میں ابھی نہیں سوتا گھر والوں کو خبر کرنے جاتا ہوں۔اور انتہائی خوشی میں اپنا انجام بخیر دیکھ کر فوراً ہی قیامت قائم ہونے کا سوال کریں گے تا کہ جلد سے جلد جنت میں پہنچیں۔جس پر خداوند عالم کا کرم ہو اس کے ہوش وحواس باقی رہتے ہیں اور اس سے اللہ جل شانہ صحیح جواب دلاتے ہیں جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں فرمایا۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ. "ایمان والوں کو اللہ اس پکی بات یعنی کلمہ طیبہ سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبر کے جانچنے والوں (یعنی منکر نکیر) کا تذکرہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس وقت ہماری عقلیں واپس کر دی جائیں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ایسے ہی ہو گے جیسے آج ہو۔یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اس کے منہ میں پتھر۔یعنی جب عقل ٹھیک ہوگی اور ایمان کی دولت کو ساتھ لیکر جاؤں گا تو سوال وجواب سے ڈرنا کیا؟ میں ان کو ایسا جواب دوں گا کہ جیسے سوال کرنے والے کے منہ میں پتھر دے دیا جاتا ہے۔

انسانی سفر میں عالم برزخ کا قیام

حدیث شریف میں ہے کہ جب فرشتے مؤمن کی روح کو لیکر ان مؤمنین کی ارواح کے پاس لے جاتے ہیں جو پہلے سے جا چکے ہیں تو وہ ارواح اس کے پہنچنے پر ایسی خوش ہوتی ہیں کہ اس دنیا میں تم بھی اپنے کسی غائب کے آنے پر اتنا خوش نہیں ہوتے۔پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے۔پھر وہ خود ہی آپس میں کہتے ہیں۔کہ اچھا ابھی ٹھہرو پھر پوچھ لینا، چھوڑ دو ذرا آرام کرنے دو۔چونکہ دنیا کے غم میں مبتلا تھا۔پھر وہ بتانے لگتا ہے کہ فلاں اس طرح ہے اور فلاں اس طرح ہے۔اور وہ کسی شخص کے بارے میں کہتا ہے کہ جو اس سے پہلے مر چکا تھا کہ وہ تو مر گیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا۔یہ سن کر وہ کہتے ہیں جب وہ دنیا سے آ گیا اور ہمارے پاس نہیں آیا تو ضرور اس کو دوزخ میں پہنچا دیا گیا۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲)

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ بلاشبہ تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں اور خاندان والوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں جو آخرت میں پہنچ چکے ہیں۔ اگر تمہارا عمل نیک ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں اور خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ آپ کا فضل اور رحمت ہے۔ سو آپ اپنی نعمت اس پر پوری فرما دیجئے اور اسی پر اس کو موت دیجئے اور اگر برا عمل ان کے سامنے پیش ہوتا ہے تو کہتے ہیں اے اللہ اس کے دل میں نیکی ڈال دے۔ جو تیری رضا اور تیرے قرب کا سبب ہو جائے۔ (مجمع الزوائد ص ۳۲۷ ج ۲)

قبر کا اہل ایمان کے ساتھ معاملہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! جب سے آپ نے منکر نکیر کی ہیبت ناک آواز اور قبر کے بھینچنے کا ذکر فرمایا ہے اس وقت سے مجھے کسی چیز سے تسلی نہیں ہوتی ہے اور دل کی پریشانی دور نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! منکر نکیر کی آواز مؤمن کے کانوں میں ایسی ہوگی جیسے ایک سریلی آواز کانوں میں بھلی معلوم ہوتی ہے جیسے آنکھوں میں سرمہ لگانے سے آنکھوں کو لذت محسوس ہوتی ہے اور مؤمن کو قبر کا دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کے سر میں درد ہو اور اس کی شفقت والی ماں آہستہ آہستہ اپنے بیٹے کا سر دباتی ہے اور وہ اس سے آرام و راحت پاتا ہے۔ اور یاد رکھ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ کے بارے میں شک کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے وہ قبر میں اس طرح بھینچے جائیں گے جیسے انڈے پر پتھر رکھ کر دبا دیا جائے۔ (شرح الصدور ص ۴۶)

مؤمن کی موت پر عالمی اثرات

حدیث شریف میں ہے کہ ہر انسان کے لیے آسمان کے دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا عمل چڑھتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق اترتا ہے جب مؤمن مرجاتا ہے تو دونوں دروازے اس کے مرنے پر روتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۱ از ترمذی)

ایک روایت میں ہے کہ بے شک جب مؤمن مرجاتا ہے تو اس کے مرنے پر قبرستان اپنے آپ کو سجا لیتے ہیں لہٰذا ان کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہوتا جو یہ تمنا نہ کرتا ہو کہ یہ مجھ میں دفن ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مؤمن کے مرنے پر چالیس دن تک زمین روتی ہے۔ (شرح الصدور ص ۴۱)

حضرت عطاء الخراسانیؒ فرماتے ہیں کہ جو بندہ زمین کے کسی حصے میں سجدہ کرتا ہے وہ حصہ قیامت کے روز اس کے حق میں گواہی دے گا اور اس کے مرنے کے دن روئے گا۔ (ایضاً از ابونعیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کسی سے دریافت فرمایا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بازار کا قصد ہے۔ فرمایا ہو سکے تو میرے لیے موت خرید تے لانا۔ مطلب یہ تھا کہ ہمیں اس دنیا میں رہنا پسند نہیں ہے اگر قیمت سے بھی موت ملے تو خرید لیں۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو شخص سب سے پہلے فلاں چیز چھولے تو وہ اسی وقت مرجائے گا تو مجھ سے پہلے کوئی شخص اس چیز کو نہیں چھو سکتا ہاں اگر مجھ سے زیادہ دوڑ سکتا ہو اور مجھ سے پہلے پہنچ جائے تو اور بات ہے۔ (شرح الصدور ص ۵ از ابن سعد)

صاحب ایمان جب قبر میں جاتا ہے تو نماز اس کے سرہانے آجاتی ہے۔ اور روزے اس کے داہنی طرف آجاتے ہیں اور زکوٰۃ اس کے بائیں طرف آجاتی ہے اور نفل کام جو کیے تھے مثلاً صدقہ اور نفل نماز اور لوگوں کے ساتھ جو خیر اور نیکی بھلائی کی تھی وہ اس کے پیروں کی طرف آجاتی ہے۔

اگر اس کے سرہانے کی جانب سے عذاب آتا ہے تو نماز کہتی ہے میری طرف سے جگہ نہ ملے گی۔ پھر اس کی داہنی طرف سے عذاب آتا ہے تو روزے کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے جگہ نہ ملے گی پھر بائیں طرف سے عذاب آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہ ملے گی۔ پھر پیروں کی طرف سے عذاب آتا ہے تو امور خیر صدقہ اور احسان کے کام جو لوگوں کے ساتھ کیے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہماری جانب سے جگہ نہ ملے گی۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۷۱ ج ۴)

دوسروں کی موت سے عبرت

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ایک دفعہ روم گئے تھے اس وقت نوجوان تھے وہاں وزیر کو ملے وزیر اس وقت جانے کیلئے تیار تھا.... کہا کہ میں نے ایک جگہ جانا ہے بادشاہ کی دعوت ہے اگر آپ چلیں تو میں آپ کیلئے بھی سواری تیار کروادوں..... انہوں نے کہا کہ کرا دیجئے تو وہ ساتھ چلے گئے ..... وہاں اس وزیر نے ان کو ایک جگہ ٹھہرا دیا پھر آپ یہاں ٹھہرے..... وہاں جنگل میں ایک بڑا قیمتی خیمہ لگا ہوا تھا..... دیکھتے ہیں کہ پہلے کچھ مسلح فوج آئی اور خیمے کے اردگرد چکر لگایا اور کچھ بول کر چلی گئی اس کے بعد بڑے بڑے دانشور آئے وہ بھی اسی طرح چکر لگا کر کچھ کہہ کر چلے گئے پھر بڑے بڑے معالج آئے وہ کچھ کہہ کر چکر لگا کر چلے گئے..... پھر لونڈیاں آئیں ان کے سر پر سونے چاندی ہیرے جواہرات وغیرہ مال ودولت وغیرہ سے بھرا ہوا تھال تھا..... سر پر اٹھائے ہوئے چکر لگا کر وہ بھی چلی گئیں..... پھر بادشاہ آخر میں آئے وہ بھی چکر لگا کر چلے گئے.....

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وزیر سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے... تو وزیر نے بتایا کہ یہ جو خیمہ ہے اس کے اندر بادشاہ کا ایک جواں سال لڑکا تھا بہت قابل بڑا ذہین اور بڑا سمجھدار.... اصل بادشاہ بننے کے لائق تھا.... بادشاہ کو اس پر اعتماد تھا مگر وقت اس کا پورا ہو گیا وہ فوت ہو گیا... وہ یہاں دفن ہے ہر سال بادشاہ اس طرح آتے ہیں پہلے فوج آتی ہے اور چکر لگاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ اے شہزادے اگر لڑائی سے یا ہتھیاروں سے ہم موت کو روک سکتے تو روک لیتے.... تیرے پاس نہ آنے دیتے لیکن ہم بے بس ہیں.... موت کے سامنے کسی کا چارہ نہیں چلتا.... پھر دانشور آئے اور کہا کہ اگر حکمت کی باتوں سے ہم موت کو سمجھا کر روک لیتے تو ہم بالکل حاضر تھے.... بادشاہ کے نمک حلال ہیں ....لیکن یہاں موت کے آگے کچھ چارہ نہیں چل سکتا... پھر معالج آئے کہتے کہ ہم کسی طرز بھی کوئی کسر نہ رکھتے.... ہمارا تجربہ بھی یہی ہے.... جب موت کا وقت آتا ہے تو طبیب کے ذہن میں بھی کچھ نہیں آتا ....ہم نے اپنی بہت کوشش کی لیکن ہم بچا نہیں سکے.... بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہے موت کا نہیں.... پھر لونڈیاں آئیں.... انہوں نے کہا کہ اگر مال و دولت سے.... خوبصورتی سے.... یا ہیرے جواہرات سے موت کو ٹال سکتیں تو ہم ہر طریقے سے حاضر تھیں لیکن موت کو کوئی ٹالنے والا نہیں....

پھر بادشاہ اخیر میں آتا ہے اور کہتا ہے اے شہزادے تم نے دیکھ لیا کوئی بھی موت کو نہیں ہٹا سکتا .... میں بھی کیا کر سکتا ہوں یہ اٹل چیز ہے آنے والی ہے اور آ گئی ہے اب اللہ تیری اگلے جہاں کی منزلیں آسان کرے.... اب تم کو سلام کر کے اگلے سال حاضر ہوں گے تو حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے مجھے اتنا اثر ہوا کہ اس کے بعد میں ساری چیزیں (لہو ولعب کے سامان) چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا اور موت کی تیاری میں لگ گیا.... (یادگار ملاقاتیں)

موت سے غافل لوگ فکر کریں

ایک شخص نے 60 سال محنت کی اور... مال کمایا پھر اس نے اور کمایا اور پھر کمایا پھر اور کمایا پھر بڑی بڑی فیکٹریاں بنائیں... بڑے بڑے گھر بنائے' بڑے بڑے باغات لگائے پھر آخر میں کندھوں پر اٹھا کے خاموشی کے دیس میں اندھیر نگری میں کیڑوں کے پہلو میں جا کے سو گئے یہ ہے زندگی؟ ہزاروں نمونے رد کر کے خوبصورت نقشہ قائم کیا گھر کا...

ایک سال نقشہ بننے میں لگا اور رہنا کتنا ہے؟ پتہ نہیں کب منادی پکارے اور جانا پڑے اور جہاں قیامت تک رہنا ہے وہ گھر تو دو گھنٹے میں تیار ہو جاتا ہے... تیار ہے جی قبر تیار ہے لے آؤ...

ہزاروں قسم کے نمونے کپڑوں کے اپنے لئے پسند کرنے والا جب آخری لباس پہنتا ہے تو دو چادریں پہنا کر اسے روانہ کر دیا جاتا ہے... کہاں گئیں اس کی خوبصورت پوشاکیں؟ ہزاروں قسم کے بیڈ بنوائے نمونے میں سے خوبصورت کئی کئی لاکھ کی مسہریاں خریدنے والا اور مسجد کے کونے میں پڑی ہوئی چارپائی پہ اٹھ کر کے اور کندھوں پر چل کر اور جا کر اس گھر میں سوجاتا ہے جو دو گھنٹوں میں تیار ہوا جو اپنے جسم پہ مٹی نہیں پڑنے دیتا تھا... آج مٹی کے بستر پہ سو گیا اور جس کے بستر پہ شکن نہیں ہوتی تھی آج وہ مٹی کی چادر اوڑھ کر سو گیا جس کے کمرے میں مکھی اور مچھر اور کیڑا داخل نہیں ہو سکتا تھا... آج اس کے پورے وجود کو کیڑوں نے گھیرا ہوا ہے... مٹی اور گندگی نے گھیرا ہوا ہے...

اور سارے وجود پر کیڑوں کا زبردست حملہ ہے... قبر کی آفات کا... قبر کے اندھیروں کا... قبر کی تنہائی کا... قبر کے کیڑوں کا... اور ظلمت اور وحشت کا اور کوئی نہیں ہے جو اس کی سننے والا ہو...

تصویر کا دوسرا رُخ

شیخ فریدالدین عطار یونانی دواؤں اور عطر کے بہت بڑے تاجر تھے.... اور اسی وجہ سے ان کو ''عطار'' کہا جاتا ہے دواؤں اور عطر کی بہت بڑی دکان تھی.... کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا.... اور اس وقت وہ ایک عام قسم کے دنیادار تاجر تھے.... ایک دن دکان پر بیٹھے ہوئے تھے.... اور دکان دواؤں اور عطر کی شیشیوں سے بھری ہوئی تھی.... اتنے میں ایک مجذوب قسم کا درویش اور ملنگ آدمی دکان پر آ گیا.... اور دکان میں داخل ہو گیا اور کھڑا ہو کر پوری دکان میں کبھی اوپر سے نیچے کی طرف دیکھتا .... اور کبھی دائیں سے بائیں طرف دیکھتا.... اور دواؤں کا معائنہ کرتا رہا... کبھی ایک شیشی کو دیکھتا .... کبھی دوسری شیشی کو دیکھتا.... جب کافی دیر اس طرح دیکھتے ہوئے گزر گئی تو شیخ فریدالدین نے اس سے پوچھا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا چیز تلاش کر رہے ہو؟

اس درویش نے جواب دیا کہ بس ویسے ہی یہ شیشیاں دیکھ رہا ہوں.... شیخ فریدالدین نے پوچھا کہ تمہیں کچھ خریدنا بھی ہے؟

اس نے جواب دیا کہ نہیں.... مجھے کچھ خریدنا تو نہیں ہے.... بس ویسے ہی دیکھ رہا ہوں.... اور پھر ادھر ادھر الماری میں رکھی شیشیوں کی طرف نظر دوڑاتا رہا.... بار بار دیکھتا رہا.... پھر شیخ فریدالدین نے پوچھا کہ بھائی آخر تم کیا دیکھ رہے ہو؟ اس درویش نے کہا کہ میں اصل میں یہ دیکھ رہا ہوں جب آپ مریں گے تو آپ کی جان کیسے نکلے گی؟

اس لئے کہ آپ نے یہاں اتنی ساری شیشیاں رکھی ہوئی ہیں.... جب آپ مرنے لگیں گے اور آپ کی روح نکلنے لگے گی تو اس وقت آپ کی روح کبھی ایک شیشی میں داخل ہو جائے گی کبھی دوسری شیشی میں داخل ہو جائے گی.... اور اس کو باہر نکلنے کا راستہ کیسے ملے گا؟

اب ظاہر ہے کہ شیخ فریدالدین عطار اس وقت چونکہ ایک دنیا دار تاجر تھے.... اور باتیں سن کر غصہ آ گیا.... اور اس سے کہا کہ تو میری جان کی فکر کر رہا ہے تیری جان کیسے نکلے گی؟

جیسے تیری جان نکلے گی.... ویسے میری بھی نکل جائے گی.... اس درویش نے جواب دیا کہ میری جان نکلنے میں کیا پریشانی ہے.... اس لئے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے نہ میرے پاس تجارت ہے نہ دکان ہے اور نہ شیشیاں ہیں.... نہ ساز و سامان ہے میری جان تو اس طرح نکلے گی.......... بس اتنا کہہ کر وہ درویش دکان کے باہر نیچے زمین پر لیٹ گیا اور کلمہ شہادت.... ''اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله'' کہا اور روح پرواز کر گئی....

بس! یہ واقعہ دیکھنا تھا کہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ایک چوٹ لگی کہ واقعتاً میں تو دن رات اسی دنیا کے کاروبار میں منہمک ہوں.... اور اسی میں لگا ہوا ہوں.... اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف دھیان نہیں ہے اور یہ ایک اللہ کا بندہ سبک سیر طریقے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلا گیا.... بہر حال.... یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ غیبی تھا.... جو ان کی ہدایت کا سبب بن گیا.... بس! اسی دن اپنا سب کاروبار چھوڑ کر دوسروں کے حوالے کیا.... اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی .... اور اسی راستے پر لگ کر اتنے بڑے شیخ بن گئے کہ دنیا کی ہدایت کا سامان بن گئے۔

کوئی تدبیر... موت کو ٹال نہیں سکتی

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی جب اسے درد ہونے لگا اور بچی پیدا ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ... وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے پوچھتا ہے کہ کیا ہوا لڑکی یا لڑکا؟ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے... کہا سنو یہ لڑکی اچھی ثابت نہیں ہوگی پھر اس کے وہاں اب جو شخص ملازم ہے اسی سے اس کا نکاح ہوگا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی... وہ ملازم یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا... اس کی ماں نے یہ حال دیکھا تو اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانکے لگا دیئے اور

علاج کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا... اب ایک زمانہ گزر گیا۔ اُدھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل وصورت کی بدچلنی میں پڑ گئی...

ادھر وہ ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا کام کاج شروع کیا اور بہت رقم پیدا کی تمام مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں' گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو اس سے میرا نکاح کرادو... یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی یہیں پیغام دیا جو منظور ہو گیا' نکاح بھی ہو گیا اور رخصت ہو کر یہ اس کے یہاں آ بھی گئی...

دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی... ایک دن اس عورت نے اس سے پوچھا آخر آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ یہاں کیسے آ گئے؟ وغیرہ.. اس نے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے پاس ملازم تھا' وہاں سے اس کی لڑکی کو زخمی کر کے بھاگ گیا تھا' اب اتنے برسوں بعد یہاں آیا ہوں تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے میں وہی ہوں... یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا' تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تو بدچلن ہے... اس نے کہا ٹھیک ہے یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں۔

اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے میں تیرے لیے ایک بلند وبالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں... اسی میں تو رہ' تاکہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں.. چنانچہ ایسا ہی محل تعمیر ہوا اور یہ وہاں رہنے لگی... ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے کہ اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی دی... اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا دیکھو! آج یہاں مکڑی دکھائی دی' عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ غلام کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ... وہ پکڑ کر لایا' اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مل ڈالا اور اس کی جان نکل گئی اس سے جو پیپ نکلا اس کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اُڑ کر پڑا... اس کا زہر چڑھا... پیر سیاہ پڑ گیا اور وہ اسی میں مر گئی... (تفسیر ابن کثیر)

مُسافرِ دُنیا کیلئے چند اشعار

عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ اِنْ كُنْتَ غَافِلاً ۔ يَاتِيْكَ بِالْاَرْزَاقِ مِنْ حَيْثُ لَا تَدْرِیْ

ترجمہ:...... ''ضروری ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اگر تم غفلت میں ہو وہ تمہیں ایسی جگہ سے روزی دے گا جس کی تمہیں خبر بھی نہیں......

فَكَيْفَ تَخَافُ الْفَقْرَ وَاللهُ رَازِقًا ۔ فَقَدْ رَزَقَ الطَّيْرَ وَالْحُوْتَ فِي الْبَحْرِ

ترجمہ:...... ''جب اللہ رازق ہے تو تمہیں فقر کا خوف کیوں ہے؟ وہ تو پرندے کو اور مچھلی کو دریا میں کھلاتا ہے......

وَمَنْ ظَنَّ اَنَّ الرِّزْقَ يَاْتِيْ بِقُوَّةٍ ۔ مَا اَكَلَ الْعُصْفُوْرُ شَيْئًا مَعَ النَّسْرِ

ترجمہ:...... ''اور جو یہ سمجھے کہ روزی طاقت سے ملتی ہے (اگر یہ بات ہوتی تو) گدھے کے ہوتے ہوئے گوریا کو کچھ بھی نہ ملتا......

تَزَوَّدْ مِنَ الدُّنْيَا فَاِنَّكَ لَا تَدْرِیْ ۔ اِذَا جَنَّ عَلَيْكَ اللَّيْلُ هَلْ تَعِيْشُ اِلَى الْفَجْرِ

ترجمہ:...... ''دُنیا کو بقدر توشہ حاصل کرو اس لیے کہ تمہیں خبر نہیں کہ جب رات کی تاریکی تم پر چھا گئی تو تم صبح تک زندہ رہ سکو گے......

فَكَمْ مِنْ صَحِيْحٍ مَاتَ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ ۔ وَكَمْ مِنْ سَقِيْمٍ عَاشَ حِيْنًا مِنَ الدَّهْرِ

ترجمہ: ''کتنے صحت مند بلا کسی مرض کے موت کے منہ میں چلے گئے اور بہت سے بیمار مدتوں زندہ رہے......

وَكَمْ مِنْ فَتًى اَمْسٰى وَاَصْبَحَ ضَاحِكًا ۔ وَاَكْفَانُهٗ فِي الْغَيْبِ تُنْسَجُ وَهُوَ لَا يَدْرِیْ

ترجمہ:...... ''اور کتنے ہی نوجوان صبح و شام ہنستے رہتے ہیں لیکن انہیں خبر نہیں کہ ان کے کفن کی تیاری اوپر ہو رہی ہے......

فَمَنْ عَاشَ اَلْفًا وَّاَلْفَيْنِ ۔ فَلَا بُدَّ مِنْ يَوْمٍ يَسِيْرُ اِلَى الْقَبْرِ

ترجمہ:...... ''جو ہزار دو ہزار سال تک زندہ رہا اس کو بھی ضرور ایک نہ ایک دن قبر میں جانا ہے

عمر اور جوانی کے متعلق باز پرس

یہ دنیا کی زندگی دارالامتحان ہے، ہم لوگ اپنی زندگی میں امتحان سے گزر رہے ہیں اور اس امتحان کی انتہا آخرت میں اور میدانِ حشر میں ہوگی اور اس وقت کچھ سوالات کیے جائیں گے، یہ ایسا امتحان ہے جس کے سوالات اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بتا دیئے ہیں۔ دُنیاوی امتحانات میں سوالات پہلے سے نہیں بتائے جاتے، اگر طلبہ کو پہلے سے پتہ چل جائے کہ فلاں فلاں سوالات آنے والے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ پرچہ آؤٹ ہوگیا ہے۔ لہٰذا اس کو کینسل کیا جاتا ہے اور اب دوبارہ امتحان ہوگا لیکن میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ جو امتحان لینے والے ہیں، اس کا پرچہ آؤٹ کر دیا ہے اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ قیامت کے روز تم سے کیا کیا سوالات کیے جائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن آدم کے بیٹوں کا میدانِ حشر میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے گا جب تک ان سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہیں کر لیا جائے گا۔ وہ پانچ چیزیں کیا ہیں؟ اس کے بارے میں فرمایا:

ایک تو یہ سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کو کس چیز میں خرچ کیا؟ اور دوسرا سوال اس کی جوانی کے بارے میں ہوگا کہ اس جوانی کو اس نے کس چیز میں پرانا کیا؟ اور تیسرا سوال مال کے بارے میں ہوگا کہ اس نے وہ مال کہاں سے کمایا؟ چوتھا سوال یہ ہوگا وہ مال کہاں خرچ کیا؟ اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ اس کو جو علم حاصل ہوا تھا، اس نے اس علم پر کتنا عمل کیا؟

آپ قارئین جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں یہ عمر اور یہ زندگی جو ملی ہوئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، یہ اس کا کرم ہے، ہم نے نہیں کہا تھا کہ ہمیں یہ عمر دیدو، ہم نے نہیں کہا تھا کہ ہمیں یہ زندگی دیدو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ زندگی اور یہ صحت عطا فرمائی ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، سر سے لے کر پاؤں تک ہمارا پورا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خزانہ ہے، آنکھ ایک نعمت ہے، کان ایک نعمت ہے، زبان ایک نعمت ہے، ناک ایک نعمت ہے، دایاں ہاتھ ایک

نعمت ہے، بایاں ہاتھ ایک نعمت ہے اور ایک ایک نعمت میں بے شمار نعمتوں کے خزانے پوشیدہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سے قیامت کے روز یہ سوال کریں گے کہ ان نعمتوں کو تم نے کس چیز میں خرچ کیا؟

جب تک انسان جوان نہیں ہوتا، اس وقت تک وہ مکلف نہیں ہوتا، مثلاً ایک بچہ ہے اس کے اوپر کوئی احکام وارد نہیں ہوتے، لیکن جب آدمی بالغ ہو جاتا ہے تو اس کے بعد انسان کو بے شمار احکام دیئے گئے ہیں کہ یہ تمہارے ذمے فرائض ہیں، یہ تمہارے ذمے واجبات ہیں، یہ کام تمہارے لیے جائز ہیں اور یہ کام تمہارے لیے ناجائز ہیں، یہ کام حلال ہیں اور یہ کام حرام ہیں، اس کے مطابق انسان کو زندگی گزارنی ہے، زندگی کا ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی ہے، آدمی اگر چاہے تو ایک لمحہ میں اپنے لیے جنت کے خزانے اکٹھے کر لے، ایک مرتبہ "سبحان اللہ" زبان سے کہہ دیا، میزان عمل کا آدھا پلڑا ابھر جاتا ہے۔ "الحمد للہ" ایک مرتبہ کہہ دیا تو اس سے اللہ تعالیٰ میزان عمل کا آدھا پلڑا ابھر دیتے ہیں، ایک مرتبہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہہ دیا جو ایک لمحہ میں زبان سے ادا ہو جاتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا"...... کنز من کنوز الجنۃ" یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، اگر آدمی چاہے تو ایک ایک لمحہ میں اپنے لیے جنت کے خزانے اکٹھے کر لے۔

یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت ہے، اگر آدمی اس کو فضول ضائع کر دے اور کسی کام میں نہ لگائے، نہ دُنیا کے کام میں، نہ آخرت کے کام میں، سستی میں، کاہلی میں، لاپروائی میں، غفلت میں اگر یہ عمر ضائع کر دی تو پھر تمہارے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہوگا، حسرت اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اور عذاب کا منظر سامنے ہوگا، اس وقت حسرت ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے کہیں گے اے اللہ! ایک مرتبہ ہمیں دوبارہ دُنیا میں بھیج دیجیے، اب ہماری سمجھ میں آ گیا۔ اب ہم نیک کام کریں گے، پہلے جیسے کام نہیں کریں گے۔ یہ وعدہ اور درخواست اس وقت اللہ تعالیٰ سے کریں گے، جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم تمہیں دوبارہ دُنیا میں بھیج دیں، ارے ہم نے تو تمہیں اتنی لمبی عمر دی تھی کہ اگر کوئی اس عمر میں نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر سکتا تھا، تمہیں جوانی دی، تمہیں ادھیڑ عمر دی، تمہیں صحت کے لمحات عطا کیے، بڑھاپا بھی آ گیا، اگر کسی کو نصیحت حاصل کرنی ہوتی تو اس کو حاصل کرنے کے لیے یہ عمر بہت کافی تھی۔

اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آیا تھا، یعنی ایسا نہیں کہ ہم نے تمہیں ٹوکا نہ ہو، ہم نے

تمہیں خبردار نہ کیا ہو، ہم نے تمہیں آگاہ نہ کیا ہو کہ اس عمر کے لمحات کو اس طرح ضائع مت کرو، ایک وقت آنے والا ہے جب تمہیں اس کا حساب دینا ہوگا، تمہارے پاس آگاہ کرنے والا بھی آیا تھا، وہ کون تھا؟ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، آپ کو ہم نے اس لیے بھیجا تھا کہ تمہیں خواب غفلت سے بیدار کریں اور تمہاری عمر کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کے لیے تمہیں تعلیمات دیں، وہ بھی تشریف لے آئے۔

قرآن کریم نے ایک لفظ استعمال کیا ''نذیر'' یعنی خبردار کرنے والا۔ اس سے مراد دوسرے انبیاء اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں اور انبیاء کرام کے وارثین جو ان کے جانے کے بعد ان کا پیغام دُنیا میں پھیلاتے ہیں، ان کی دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جو اپنی تحریر کے ذریعہ، تقریر کے ذریعہ، وعظ و نصیحت کے ذریعہ تمہیں ہمارا یہ پیغام پہنچاتے رہے کہ عمر کے ان لمحات کو ضائع مت کرو، اس کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرو۔

اس کے علاوہ مفسرین اور بعض صحابہ اور تابعین سے یہ بھی منقول ہے کہ خبردار کرنے والے سے مراد ''سفید بال'' ہیں، اس لیے کہ یہ سفید بال بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہ کرنے کا ایک راستہ ہے کہ دیکھو، منزل قریب آ رہی ہے، اب تک جتنی زندگی گزارنی تھی، گزار لی، اب تمہارا وقت قریب آ رہا ہے، اپنے آپ کو درست کرلو اور اس دن کے لیے تیار ہو جاؤ۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب اولاد کی اولاد پیدا ہو جائے، یعنی پوتا پیدا ہو جائے، یہ پوتا ''نذیر'' ہے، وہ پوتا آگاہ کرنے والا ہے کہ دیکھو اب تمہارا زمانہ گزر گیا۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ جب پوتا آ جاتا ہے تو وہ زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ بڑے میاں! ہم آ گئے ہیں، ہمارے لیے جگہ خالی کرو، یہ پوتا بھی آگاہ کرنے والا ہے کہ تمہارا وقت قریب آنے والا ہے، تو ہم اتنے آگاہ کرنے والے بار بار تمہارے پاس بھیجتے رہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب کی عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، ان صاحب نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے یہ شکوہ کیا کہ حضرت! آپ بھی عجیب و غریب مخلوق ہیں کہ آپ جب چاہتے ہیں بغیر کسی نوٹس کے آ دھمکتے ہیں، جبکہ دُنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی جگہ سے ہٹانا ہو، معزول کرنا ہو تو پہلے اس کے پاس نوٹس بھیجا جاتا ہے کہ تم اس جگہ کو خالی کرو لیکن آپ تو بغیر نوٹس کے جب چاہتے ہیں آ جاتے ہیں اور روح قبض کرکے چلے جاتے ہیں۔

جواب میں حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ارے بھائی! تم کہتے ہو کہ میں نوٹس نہیں بھیجتا، میں جتنے نوٹس بھیجتا ہوں، اتنے نوٹس تو دُنیا میں کوئی بھی نہیں بھیجتا ہوگا۔ جب تمہیں بخار آتا ہے تو یہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہیں جب کوئی بیماری آتی ہے تو یہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہارے سفید بال آتے ہیں تو وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہاری اولاد کی اولاد پیدا ہوتی ہے، تو وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، میں یہ سب نوٹس بھیجتا رہتا ہوں، لیکن میں کیا کروں کہ میرے ان نوٹسوں کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیتا، کوئی اس کی طرف دھیان نہیں کرتا۔

زندگی کے سفر میں جوانی کی عمر کا حصہ بڑا اہم ہے جس میں آدمی اپنی دنیا بھی بنا سکتا ہے اور آخرت بھی' دین نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ زندگی کے اس سفر میں جوانی کی نعمت انمول ہے۔ عالم آخرت میں جن اہم نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی ان میں سے ایک جوانی کی نعمت بھی ہے۔ عالم آخرت میں پوچھا جائے گا۔ ہم نے تمہیں جوانی دی تھی، اس جوانی کو تم نے کس چیز میں پرانا کیا؟ یعنی جوانی جاتی رہی، ساری جوانی گزار دی اور اس جوانی کو تم نے کس چیز میں ختم کیا؟ اس لیے کہ تمہیں عمر دی، صحت دی، فراغت دی اور جوانی کی قوت کو استعمال کر کے تم آخرت کے لیے عظیم توشہ تیار کر سکتے تھے لیکن تم نے اس جوانی کو کاہے میں ضائع کیا؟ اگر ہم تم پر کوئی ایسی پریشانی مسلط کر دیتے، ایسے زبردست احکام دے دیئے ہوتے، جن پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں تھا، تب تو تم کہہ سکتے تھے کہ ہمیں ایسی باتوں کا مکلف کیا گیا جو ہماری وسعت سے باہر تھا، ہماری طاقت سے باہر تھا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ، اس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔ لہٰذا ہم نے تمہیں جتنے احکام دیئے تھے وہ سب ایسے تھے کہ تم ان پر عمل کرتے ہوئے بڑے آرام کی زندگی گزار سکتے تھے، سارے دن رات میں پانچ وقت کی نماز پڑھنی تھی، رمضان کے روزے رکھنے تھے، سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کرنی تھی۔

حج کی استطاعت تھی تو حج ادا کرنا تھا، اگر استطاعت نہیں تھی تو حج بھی فرض نہیں تھا، کہا گیا تھا کہ جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، دھوکہ نہ دو، حرام طریقہ سے زندگی مت گزارو، حلال طریقے سے زندگی گزارو اور اپنی جوانی کو گناہوں سے پاک کرلو۔

لیکن جوانی والا یہ کہتا رہا کہ ابھی تو میں جوان ہوں اور جوانی کے تقاضے کچھ اور ہوتے

ہیں، نفس اور شیطان انسان کو بہکاتا رہا کہ ابھی تو میں جوان ہوں، جب ذرا ادھیڑ عمر کا ہو جاؤں گا، بوڑھا ہو جاؤں گا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گا، پھر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کروں گا، نفس و شیطان نے اس غفلت میں ڈالے رکھا ہے حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور احکام کی تعمیل کا صحیح وقت جوانی ہے، بڑھاپے میں جا کر آدمی کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں، وہ کچھ کرنا بھی چاہے تو بسا اوقات نہیں کر سکتا، جوانی کا وقت ایسا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے قوت بھی دی ہے، صحت بھی دی ہے، اس کے اندر جذبات بھی قوی ہیں، اگر کوئی کام کرنا چاہے تو اپنی ہمت سے کر گزرتا ہے، اس وقت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارو، یہی تم سے مطلوب ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ بھرپور جوانی ہے، صحت اور قوت کا اعلیٰ مقام حاصل ہے، ایک بہت ہی حسین و جمیل اور صاحب حسب و نسب عورت گناہ کی دعوت دے رہی ہے، دروازے بند کر دیئے ہیں، دروازوں پر تالے ڈال دیئے ہیں لیکن وہ جوان رعنا جواب میں کہتا ہے:

"مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ" (یوسف:۲۳)

اللہ کی پناہ! مجھے تو اپنا پروردگار یاد آ رہا ہے جس نے مجھے اتنا بہترین ٹھکانہ دیا، میں تمہاری اس پیشکش کو قبول نہیں کر سکتا، وہ اس کی دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

گناہوں میں لذت کا دھوکہ ہے

لہٰذا یہ دھوکہ ہے کہ اس وقت جوانی کا زمانہ ہے، بے پرواہی کے عالم میں گزرنے دو، جب بڑھاپا آئے گا تو اس وقت دیکھا جائے گا، اس وقت توبہ کر لیں گے اور گناہوں سے پاک صاف ہو جائیں گے۔ ارے کیا پتہ کہ اس کی نوبت آتی ہے یا نہیں، اور اگر وہ وقت آتا ہے تو کیا اس وقت توبہ کی توفیق ہوتی ہے یا نہیں.... لہٰذا جوانی میں توبہ کرنا، جوانی میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا... یہ تم سے مطلوب ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو جوان اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں.... زندگی کی لذت بھی انہی کو حاصل ہوتی ہے اور گناہوں کی زندگی میں جو لذت نظر آ رہی ہے..... وہ حقیقت میں لذت نہیں بلکہ لذت کا دھوکہ ہے جو شیطان لگا دیتا ہے۔

اس جوانی کے ایک ایک لمحہ کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا کہ اس جوانی کو تم نے

کا ہے میں پرانا کیا؟ غفلت میں، نادانی میں، گناہوں میں، منکرات میں، فحاشی میں، عریانی میں، اس کا نتیجہ دیکھ لو گے کہ سامنے جہنم کی آگ بھڑک رہی ہے اور اگر اس جوانی کے اندر تم نے توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیا تو پھر یہ وہ جوان ہے جس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ سات آدمی وہ ہوں گے جو حشر کی شدید گرمی کے اندر عرش کے سائے میں ہوں گے، وہ حشر کی گرمی جس میں سورج بھی قریب آجائے گا اور لوگ اپنے پسینوں میں کندھوں تک ڈوبے ہوئے ہوں گے، اس شدید گرمی میں سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا، ان میں سے ایک وہ نوجوان ہوگا۔

جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا، بالغ ہونے کے وقت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کی توفیق عطا فرمائی، اس نے جوانی کا حق ادا کیا، اس نے جوانی کو صحیح مصرف میں استعمال کیا۔

محترم قارئین! زندگی کے یہ لمحات تیزی سے گزرتے جارہے ہیں، ہر لمحہ عمر کے اندر کمی کررہا ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ زندگی کے یہ لمحات کب ختم ہوجائیں، آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آدمی بیٹھے بیٹھے دُنیا سے رُخصت ہوجاتا ہے، بازار میں چلتے چلتے صحت مند جوان دُنیا سے رُخصت ہوگیا۔ لہٰذا زندگی کا کچھ پتہ نہیں، زندگی کے جو لمحات اس وقت میسر ہیں، ان کو غنیمت سمجھو اور غنیمت سمجھ کر ان کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی کوشش کرو اور وہ صحیح مصرف کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت۔

اللہ تعالیٰ نے حلال طریقے سے روزی کمانے سے منع نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں جائز تفریحات سے نہیں روکا، اللہ تعالیٰ نے تمہاری کوئی جائز ضرورت ختم نہیں کی لیکن صرف یہ کہا ہے کہ اپنی زندگی کو ان قواعد وضوابط کا پابند بنالو جو دین نے تمہیں بتائے ہیں، بس اتنی سی بات ہے اس کو پلے باندھ کر اپنی زندگی گزارو گے تو ان شاء اللہ ان دونوں سوالوں کا صحیح جواب دے سکو گے۔

دولت کی نعمت کا احساس

قارئین محترم! زندگی آپ کو بھی ملی ہے، جوانی کی نعمت سے آپ بھی نوازے گئے ہیں، مال و دولت کے آپ بھی مالک ہیں، مال آپ بھی خرچ کررہے ہیں، آپ کو بھی بہت کچھ علم حاصل ہے اور آپ بھی عمل کررہے ہیں۔ سوچئے کل عالم آخرت میں مال و دولت کی نعمت کے متعلق باز پرس پر آپ کیا جواب تیار کررہے ہیں اور کل خدا کو خوش اور مطمئن کرنے کے لیے کیا کچھ کررہے ہیں؟

آپ ہر لمحہ دُنیا کی زندگی سے دور اور آخرت کے انجام سے قریب ہورہے ہیں اور آپ کو شعور ہو یا نہ ہو آپ کی زندگی ان پانچ سوالوں کا جواب تیار کررہی ہے۔ جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے۔ یہ جوابات خدا کے فضل سے آپ کو حسن انجام سے ہمکنار بھی کرسکتے ہیں اور یہی جوابات آپ کو خدا کے غضب میں گرفتار بھی کرسکتے ہیں۔

آپ نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی تو یقیناً اس کا صلہ آپ کے سامنے آئے گا اور ذرّہ بھر برائی کی ہوگی تو لازماً اس کا بدلہ بھی آپ کو بھگتنا پڑے گا۔ نہ آپ اس کی گرفت سے بچ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں نہ اسے دھوکا دے سکتے ہیں، نہ غلط بیانی یا چرب زبانی سے اسے مطمئن کرسکتے ہیں، نہ دُنیا میں واپسی کا امکان ہے، نہ مزید سہولت ہی مل سکتی ہے، نہ خدا کے فیصلے کو چیلنج کیا جاسکتا ہے..... حشر کا فیصلہ اٹل ہے، سنجیدگی سے سوچئے کہ آپ کیا فیصلہ چاہتے ہیں...... آج ہی آپ کو موقع اور مہلت حاصل ہے، آج آپ دارالعمل میں ہیں۔ کل دارالحساب میں ہوں گے اور عمل کی مہلت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہوگی۔

میدان حشر پانچ سوالوں میں سے چوتھے سوال کے متعلق چند اہم باتیں پیش خدمت ہیں جن کا تعلق ان حضرات سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فراوانی مال و دولت سے نوازا ہے۔

کیا آپ کو کبھی اس سوال نے لرزایا کہ آپ نے مال کہاں خرچ کیا۔

بظاہر یہ کتنا معمولی سا سوال ہے مگر یاد رکھئے! یہ ہرگز معمولی سوال نہیں ہے۔

اس سوال پر آپ کی آخرت بننے اور بگڑنے کا مدار ہے۔ اچھے اچھے دیندار اور باشعور افراد

بھی اکثر اس سوال کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے اور انہیں یہ حقیقت لرزہ براندام نہیں کرتی کہ ہم جس طرح اور جن کاموں میں اپنا مال خرچ کر رہے ہیں، اس کے بارے میں کل خدا کے حضور کھڑے ہو کر ہمیں خدا کو جواب دینا ہے۔

آپ پابندی سے زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقہ و خیرات میں بھی خرچ کرتے ہیں اور کبھی تنگ دلی اور بخل کا مظاہرہ نہیں کرتے لیکن یہ بھی اطمینان کر لیجئے کہ آپ جہاں جہاں اور جس طرح خرچ کر رہے ہیں، ٹھیک ٹھیک خدا کی مرضی کے مطابق کر رہے ہیں یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دین کی ضرورت اور خدا کی مرضی کچھ اور ہو اور آپ کا طرز عمل کچھ اور ہو۔

آپ نے حج ادا کر لیا اور خدا نے آپ کو اتنا دیا ہے کہ آپ ہر سال نفلی حج کریں۔ اس میں کیا شک ہے کہ بیت اللہ کی حاضری مؤمن کے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ آپ کے پڑوس میں ایک بیوہ ہے جو دو وقت کے کھانے کی محتاج ہے۔

محلے ہی میں ایک دق کا مریض ہے جس کے کئی بچے ہیں۔ خستہ حال، فاقوں کے مارے، تعلیم و مذہب سے محروم، آپ کی بستی میں کتنے ہی نوجوان واہی تباہی گھوم رہے ہیں، نہ ان کے روزگار کا کوئی بندوبست ہے نہ ان کی تعلیم و تربیت کا، ان کی آوارگی اور بے راہ روی نہ صرف معاشرے کے لیے وبالِ جان ہے بلکہ ان کا وجود اسلام کے لیے بھی بدنامی کا باعث ہے۔

دق کے اس مریض نے آپ کو متوجہ بھی کیا۔ بیوہ نے بھی اپنی خستہ حالی آپ کو بتائی۔

نوجوانوں کی بے راہ روی سے بھی آپ کو روشناس کرایا گیا لیکن آپ نے کوئی نوٹس نہ لیا ......آپ کو تو یہ دُھن ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کر آئیں۔

برسات کی رات تھی۔ امجد شاہ کو آپ نے اپنے گھر سے نکال دیا، اس کی بیوی نے آپ سے گڑگڑا کر التجا کی کہ دو ماہ کی مہلت دے دیجئے، وہ آپ کا مکان خالی کر دیں گے لیکن آپ نے زبردستی دھکے دے کر اسے نکال دیا۔ اس کے ساتھ معصوم بچے بھی سہم سہم کر آپ سے درخواست کرتے رہے مگر آپ نے ایک نہ سنی، ان مظلوموں نے پیڑ کے نیچے بارش میں رات گزاری اور دوسرے دن آپ نے وہ مکان مدرسہ کے لیے وقف کر دیا، آپ کو یہ دُھن تھی کہ جلد از جلد زندگی ہی میں یہ کام کر جاؤں۔

آپ کی بستی میں سیلاب آیا، لوگوں کے گھر اُجڑ گئے، لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔

پریشان حالی سے لوگ پریشان ہو گئے۔ آپ ان کی مدد کر سکتے تھے، فاقہ مست بھوکے بچوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر سکتے تھے، ان خانہ خراب لوگوں کے لیے خیموں کا انتظام کر سکتے تھے، سیلاب کے مارے سسکتے مریضوں کی دوا دارو کا انتظام بھی کر سکتے تھے۔ آپ کو متوجہ بھی کیا گیا لیکن آپ نے ایک سن کر نہ دی اور یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا کہ آپ کے سامنے بہت بڑا کام ہے، آپ کئی لاکھ دینی کتابیں چھاپنا چاہتے ہیں تا کہ اسلام کی تبلیغ کا کام ہو سکے۔

آپ کے گھر یا کمپنی میں کتنے ہی ملازم مالی پریشانی سے تنگ آ کر خودکشی کرنا چاہتے ہیں، کتنوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں تو مجرمانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

انہوں نے آپ کو اپنی خستہ حالی اور پریشانی کا حال سنانا چاہا تو آپ نے جھڑک دیا لیکن اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں کہ آپ پبلک کے لیے مسافر خانہ کھول رہے ہیں تا کہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو۔

ایک صاحب کے بارہ میں سنا کہ وہ اپنی جائیداد کارِ خیر کیلئے وقف کر گئے جبکہ خود ان کے بچے آج عزت کی روٹی اور گھر کی نعمت سے محروم ہیں۔ ہمارے ایک قریبی عزیز جن کی عیالدار اولاد دوسروں کی زکوٰۃ پر نظر رکھے ہوئے ہے لیکن وہ اپنی جائیداد حصول ثواب کیلئے وقف کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔

آپ کی زندگی کی یہ چند جھلکیاں ہیں۔ خدارا غور کیجئے کہ کل جب خدا آپ سے پوچھے گا کہ تو نے مال کہاں کہاں خرچ کیا تو آپ اپنا یہ طرزِ عمل بتا کر واقعی خدا کو خوش کر سکیں گے کہ آپ نے اپنا مال واقعی صحیح مصارف میں خرچ کیا۔ کیا آپ مطمئن ہیں کہ آپ نے دین کے تقاضوں کے مطابق خرچ کیا اور آپ کا یہ صدقہ و خیرات خدا کے یہاں قبول ہوگا؟

آپ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ آپ راہِ خدا میں خرچ کریں، یہ بھی آپ ہی کی ذمہ داری ہے کہ صحیح مصارف میں خرچ کریں، دین کا جہاں جہاں تقاضا ہو وہاں خرچ کریں۔

بے شک مال آپ کا ہے لیکن آپ اگر خدا کی راہ میں خرچ کر کے خدا سے صلہ چاہتے ہیں تو خدا کے دین سے یہ بھی معلوم کیجئے کہ میں کہاں خرچ کروں اور کس طرح صرف کروں۔ اگر آپ اپنے ذوق کی تسکین اور اپنے نفس و قلب کے اطمینان کے لیے خرچ کر رہے ہیں تو خدا سے صلے کی طلب نہ کیجئے۔ خدا سے صلہ تو اسی شخص کو مل سکتا ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق خرچ

کرے، دین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کرے اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے لرزتے رہیں کہ آپ نے واقعی جہاں جہاں خرچ کیا ہے اور جس جس انداز میں خرچ کیا ہے اس سے دین کا منشا بھی پورا ہوا یا نہیں۔

قرآن کریم کی یہ آیت کس قدر اثر انگیز ہے۔

"وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ" (سورۃ المومنون:٦٠)

"اور وہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہم کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، یارسول اللہ! کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص چوری، زنا اور شراب نوشی کرتے ہوئے اللہ سے ڈرے؟ فرمایا: "نہیں اے صدیق کی بیٹی! اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر خدائے عزوجل سے ڈرتا رہتا ہے۔"

وہ ڈر کیا ہے کہ نامعلوم میں نے اپنا مال صحیح مصرف میں خرچ بھی کیا ہے یا نہیں۔ یا انہیں یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ ہمارا یہ مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول بھی ہے یا نہیں۔

میرا مال ہے میں جس طرح چاہوں خرچ کروں۔ یہ نظریہ قارون نے پیش کیا تھا جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔

اس کے حکم کے تابع ہیں ہمارا مال جان سب کچھ اللہ کا عطا فرمودہ ہے جو ہم سے ہماری ہر نقل و حرکت سے متعلق باز پرس کرے گا۔ وہ شریعت جو ٹھنڈے پانی کو نعمت قرار دیکر روز قیامت اس کے متعلق سوال کیے جانے کا احساس اجاگر کرتی ہے کیا وہ لاکھوں کروڑوں کی مالیت کے بارہ میں باز پرس نہیں کرے گی۔ یاد رکھیے! روز محشر کے پانچ سوالوں میں سے ایک اہم سوال کہ مال کہاں کہاں خرچ کیا۔ ہمیں اس کے جواب کی تیاری کر لینی چاہیے۔

باب 7

اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام

اہل قبور کا اہل دُنیا سے رابطہ

نیز عالم آخرت اور اس کے احوال

انسانی سفر کا اہم حصہ

عالَم اَرواح اور اس کے احوال

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں... یہ ایک عظیم القدر مسئلہ ہے کہ موت کے بعد روحیں آپس میں ملاقات کرتی ہیں یا نہیں، آپس میں باتیں کرتی ہیں یا نہیں؟

اصل یہ ہے کہ روحیں دو قسم کی ہیں ایک وہ روحیں جو عذاب میں مبتلا ہیں، دوسری وہ جو انعامات میں ہیں جو روحیں عذاب میں ہیں وہ تو بس اسی عذاب ہی میں غرق ہیں... انعام یافتہ روحیں آپس میں ملاقات کرتی ہیں... آپس میں باتیں کرتی ہیں، اپنی دُنیاوی زندگی کی باتیں یاد کرتی ہیں... ہر روح اپنے ہی جیسے اعمال والی روح کے ساتھ ہوتی ہے... حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح رفیق اعلیٰ میں ہے... برزخ میں نیک لوگوں کی روحیں انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی روحوں کے ساتھ ہوتی ہیں کیونکہ برزخ میں اجساد کی معیت تو ہوگی نہیں... لہٰذا روحوں کی معیت ہی ثابت ہوئی... (واخرجہ ابن کثیر فی تفسیرہ الحدیث ۵۲۵)

انبیاء علیہم السلام کی روحوں کا مذاکرہ

حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین سے آپ کی ملاقات ہوئی... آپس میں قیامت کا تذکرہ چھڑا تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کے بارے میں سب نے سوال کیا... ان کے پاس اس کا علم نہیں تھا... پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا ان کو بھی علم نہیں تھا حتیٰ کہ سب نے یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتلایا اللہ تعالیٰ نے قیام قیامت سے پہلے مجھ سے ایک وعدہ فرمایا ہے...

پھر آپ علیہ السلام نے دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا دجال آئے گا تو میں اسے قتل کروں گا... لوگ اپنے شہروں کو لوٹیں گے تو انہیں یاجوج ماجوج ملیں گے جو ہر اونچی جگہ سے اُمڈ رہے ہوں

گے جس پانی سے گزریں گے اسے ختم کردیں گے جس چیز کے پاس سے گزریں گے اسے خراب کردیں گے...لوگ مجھ سے شکایت کریں گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں گا، اللہ تعالیٰ ان کو موت دے دے گا...زمین اللہ تعالیٰ سے ان کی بدبو کی شکایت کرے گی...لوگ میرے پاس شکایت لائیں گے میں دُعاء مانگوں گا تو اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا جو ان کی لاشیں اُٹھا کر سمندر میں ڈال دے گا...پھر پہاڑ بکھیر دیئے جائیں گے، زمین چمڑے کی طرح پھیلا دی جائے گی...اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جب یہ سب کچھ ہوگا تو زمین لوگوں سے پورے دنوں کی اس حاملہ جیسی ہوگی جن کے گھر والوں میں کسی کو پتہ نہیں کہ کسی وقت اچانک رات یا دن کو بچہ پیدا کردے...

واقعہ معراج کا یہ حصہ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ روحیں آپس میں ملتی ہیں اور مذاکرے کرتی ہیں جیسا کہ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کی روحوں کے درمیان قیام قیامت کے بارے میں مذاکرہ ہوا...

روحیں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں

حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت بشر بن المعرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کی والدہ کو اس پر شدید صدمہ ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بنی سلمہ میں کوئی نہ کوئی فوت ہوتا رہتا ہے، کیا مُردوں کا آپس میں تعارف ہوتا ہے؟ (اگر ہوتا ہے تو) میں بشر کی طرف سلام بھیجتی رہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اے ام بشر! مُردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں جیسے درختوں کی چوٹیوں میں پرندے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں...'' اس کے بعد بنی سلمہ میں جب کوئی فوت ہوتا تو حضرت ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مرنے والے کو سلام کہتیں پھر فرماتیں بشر کو میرا سلام کہنا...

عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔قبروں والے خبروں کا انتظار کرتے ہیں جب ان کے پاس نیا مُردہ آتا ہے تو پوچھتے ہیں فلاں کا کیا ہوا؟ وہ کہتا ہے ٹھیک ہے...فلاں کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے ٹھیک ہے...پھر وہ کسی فوت شدہ آدمی کا پوچھتے ہیں تو کہتا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ وہ کہتے ہیں نہیں؟ تو وہ کہتا ہے "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" وہ دوسرے راستہ پر چلا گیا...آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر میں اپنے گھر والوں کی روحوں کی ملاقات سے مایوس ہوتا تو غم کی وجہ سے مر جاتا...

حضرت صالح المری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ روحیں موت کے وقت ملاقات کرتی ہیں... مُردوں کی روحیں اب نکلنے والی روح سے کہتی ہیں، تیرا ٹھکانہ کون سا جسم تھا؟ پاکیزہ جسم تھا یا خبیث جسم تھا؟ پھر آپ رحمہ اللہ رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی...

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی مرتا ہے تو اس کا فوت شدہ بیٹا اگر ہو تو وہ اس کا استقبال کرتا ہے جیسا کہ کسی غیب سے آنے والے کا استقبال کیا جاتا ہے...

حدیث شریف میں ہے: ”جب مؤمن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے فرشتے اس کا اس طرح استقبال کرتے ہیں جیسے دُنیا میں خوشخبری دینے والے کا استقبال کیا جاتا ہے... پھر کہتے ہیں اپنے بھائی کو ذرا چھوڑ دو تا کہ آرام کرلے کیونکہ وہ سخت بے چینی میں تھا، پھر اس سے پوچھتے ہیں فلاں کا کیا ہوا؟ اور فلانی کا کیا ہوا؟ کیا فلانی کی شادی ہوگئی جب ایسے آدمی کے بارے میں پوچھتے ہیں جو اس سے پہلے فوت ہو چکا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے... کہتے ہیں ”اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ“ وہ اپنی ماں ہاویہ کی طرف لے جایا گیا ہے... پس بہت بری ہے ماں اور بہت برا ہے اس کی گود میں جانے والا...“

زندہ اور مُردہ کی روحوں کی ملاقات

خواب میں زندہ و مُردہ کی روح کی ملاقات کے شواہد و دلائل اتنے زیادہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان کا احاطہ نہیں کرسکتا اور اس ملاقات کے متعلق واقعات و روایات ایسے معتبر اور پرہیزگار لوگوں نے بیان کی ہیں کہ اس کے تسلیم کرنے اور مان لینے کے بغیر کوئی چارہ نہیں... پس جس طرح زندوں کی ارواح آپس میں خواب میں ملاقات کرتی ہیں اسی طرح زندہ اور مُردہ کی بھی ارواح آپس میں ملاقات کرتی ہیں...

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:... ”اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط“... (الزمر: ۴۲)

ترجمہ: ”خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کرلیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی روحیں سوتے میں قبض کرلیتا ہے... پھر جن پر موت کا حکم کر چکا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے...“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

زندوں اور مُردوں کی ارواح خواب میں ملاقات کرتی ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کا حال دریافت کرتی ہیں... پس اللہ تعالیٰ مُردوں کی ارواح کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور زندوں کی ارواح کو چھوڑ دیتا ہے وہ اپنے بدن میں آ جاتی ہیں...(اخرجہ بقی بن مخلد)

مُردہ کی روح کا زندوں کو خبریں دینا

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ زندہ آدمی خواب میں مُردہ سے ملتا ہے اور مُردہ اسے کوئی خبر بتاتا ہے جو بعد میں واقعتہً سچ ثابت ہوتی ہے... بعض دفعہ کہیں دفنائے ہوئے مال کی خبر دیتا ہے... بعض دفعہ کسی اور آدمی کے مرنے کے وقت کی خبر دیتا ہے اور اس کے علاوہ بہت سارے معاملات جو کہ زندہ آدمی کے علم میں نہیں ہوتے مگر مُردہ خواب میں بتلاتا ہے... اس طرح کے واقعات بہت موجود ہیں کہ خواب میں مُردہ نے زندہ کو فلاں چیز کی خبر دی، یا فلاں بات بتائی وغیرہ... اس طرح کے واقعات بھی اس دعویٰ کی دلیل ہیں کہ زندہ اور مُردہ کی روحیں آپس میں ملاقات کرتی ہیں اور ان کی آپس میں بات چیت، جان پہچان بھی ہوتی ہے...

پہلا واقعہ:۔ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو جاؤ تو مجھے ضرور بتلانا کہ تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا ہے؟ اور اگر میں پہلے فوت ہوا تو میں تمہیں خبر دوں گا... دوسرے نے کہا کیا زندہ و مُردہ کی ملاقات ہو سکتی ہے؟ فرمایا ہاں... مرنے والے مؤمنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں جا سکتی ہیں... چنانچہ ان میں سے جو پہلے فوت ہوا اس نے دوسرے کو نیند میں آ کر یہ خبر دی کہ توکل اختیار کرو اور خوش رہو! میں نے توکل جیسی اور کوئی چیز نہیں دیکھی...(کتاب الروح)

دوسرا واقعہ:۔ جب حضرت شریح بن عابد الثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی موت کا وقت قریب تھا تو حضرت غضیف بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا اے ابوالحجاج! اگر موت کے بعد آپ ہمارے پاس آنے کی استطاعت رکھتے ہوں تو ہمیں ضرور اپنے حالات کی اطلاع کرنا اور مرنے والوں سے اس طرح کی درخواست اہل علم کے ہاں جائز تھی... چنانچہ کچھ عرصہ تو حضرت شریح کو نہ دیکھا مگر پھر نیند میں انہیں دیکھا تو پوچھا کیا آپ فوت نہیں ہو چکے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں میں فوت ہو چکا ہوں... پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ کہا ہمارے رب نے ہمارے گناہوں سے درگزر

فرمادیا ہے ہم میں سے صرف احراض ہلاک ہوئے ہیں... پوچھا احراض کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جن کی طرف کسی معاملہ میں انگلیاں اُٹھائی جاتی ہیں...

تیسرا واقعہ:۔ مسلمۃ بن عبدالملک نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا تو کہا اے امیر المؤمنین! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ فرمایا اے مسلمۃ اب میں فارغ ہوا ہوں...

اللہ کی قسم! میں نے موت کے بعد ابھی تک راحت نہیں دیکھی ....مگر ابھی...پھر میں نے پوچھا....اے امیر المؤمنین!.....آپ کہاں ہیں؟

فرمایا میں جنت عدن میں آئمہ ہدیٰ کے ساتھ ہوں...

چوتھا واقعہ حضرت صالح برادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت زرارۃ بن اوفی کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا تو کہا اللہ آپ پر رحم کرے....آپ سے کیا پوچھا گیا اور آپ نے کیا جواب دیا تو انہوں نے منہ موڑ لیا... میں نے پھر پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟

تو کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے جود و کرم سے مجھ پر احسان فرمایا ہے... میں نے پوچھا مطرف کے بھائی ابوالعلاء بن یزید کا کیا ہوا؟ فرمایا وہ بلند درجوں میں ہے... میں نے پوچھا تمہارے ہاں کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا توکل اور آرزوؤں کا کم ہونا...

پانچواں واقعہ:۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی وفات کے بعد ایک خاتون نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ پر باریک ریشم کا لباس ہے اور موٹے ریشم کا دوپٹہ ہے حالانکہ آپ کو اون کے جبہ اور دوپٹہ میں کفن دیا گیا تھا...خاتون نے پوچھا وہ جبہ اور اون کا دوپٹہ جس میں آپ کو کفن دیا گیا تھا کہاں ہے؟ فرمایا اللہ کی قسم! مجھ سے وہ اُتروا کر اس کے بدلہ میں یہ ریشمی لباس عطا کیا گیا ہے جو تم دیکھ رہی ہو... میرے کفن لپیٹ کر ان پر مہر لگائی گئی پھر ان کو علیین میں رکھ دیا گیا ہے تاکہ قیامت کے دن مجھے ان کا پورا ثواب ملے...خاتون کہتی ہیں میں نے پوچھا کیا آپ اس ریشمی لباس کے لیے عمل کرتی تھیں؟

فرمایا میرے نزدیک اولیاء اللہ کا اعزاز و اکرم صرف یہی نہیں ہے... میں نے پوچھا، حضرت عبدۃ بنت ابی کلاب کا کیا ہوا؟ فرمایا نہ پوچھو! وہ تو بلند درجوں میں ہم سے آگے بڑھ گئی

ہے... میں نے کہا وہ کس طرح آگے بڑھ گئیں حالانکہ عبادت گزاری تو آپ کی زیادہ تھی...
فرمایا دُنیا میں وہ جس حال میں بھی ہوتیں اس کی پرواہ نہیں کرتی تھیں... میں نے پوچھا: ابو
مالک ضیغم رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہوا؟ فرمایا وہ جب چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتے ہیں...
میں نے پوچھا حضرت بشر بن منصور کا کیا ہوا؟ فرمایا واہ واہ اللہ کی قسم! ان کو تو ان کی اُمیدوں
سے زیادہ عطا کیا گیا ہے... میں نے کہا مجھے کوئی عمل بتائیں جس سے میں اللہ تعالیٰ کا قرب
حاصل کروں... فرمایا ذکر اللہ کی کثرت کرو اس سے قبر میں تم قابل رشک بن جاؤ گی...

چھٹا واقعہ:۔ حضرت ابویعقوب القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں ایک
آدمی دیکھا جو بہت لمبے قد کا تھا... لوگ اس کے پیچھے جا رہے تھے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں
نے بتلایا یہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں... میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا... میں نے عرض کیا مجھے
وصیت فرمایئے؟ اللہ آپ پر رحم کرے... آپ نے غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھا... میں نے کہا
میں ہدایت کا طالب ہوں... اللہ آپ پر رحم کرے، آپ میری رہنمائی فرمائیں... پھر آپ میری طرف
متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ کی رحمت اس کی محبت میں ڈھونڈو اور اس کی نافرمانی کے وقت اس کے عذاب
سے بچو اور محبت و نافرمانی کے درمیان اس سے اُمیدیں نہ توڑو... پھر آپ مجھے چھوڑ کر روانہ ہوگئے...

ساتواں واقعہ:۔ حضرت حماد بن ابی ہاشم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک آدمی حضرت
عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں
دیکھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب ہیں اور
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بائیں جانب ہیں اور دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے اور آپ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا اے عمر! جب تم عمل
کرو تو ان دونوں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسا عمل کرو...''
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی سے اللہ تعالیٰ کی قسم لی کہ واقعی تو نے یہ خواب
دیکھا ہے تو اس آدمی نے قسم اُٹھائی... پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے...

آٹھواں واقعہ:۔ حضرت احمد بن محمد اللبدی فرماتے ہیں میں نے حضرت امام احمد بن
حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا، میں نے پوچھا اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ
کیا معاملہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے... پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے احمد!

تو نے میری راہ میں ستر کوڑے کھائے تھے؟ میں نے عرض کیا ہاں... فرمایا یہ میرا چہرہ ہے جو میں نے تیرے لیے مباح کر دیا ہے، پس تو اس کا دیدار کر...

حضرت ابوبکر احمد بن محمد بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طرطوس کے ایک آدمی نے اپنا واقعہ بتلایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی یا اللہ! مجھے قبر والوں سے ملوا دے تا کہ میں ان سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا ہے؟ چنانچہ دس سال بعد میں نے خواب میں دیکھا گویا تمام قبرستان والے اپنی اپنی قبر پر کھڑے ہیں اور آگے بڑھ کر مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں پھر انہوں نے کہا اے فلاں! کب سے تم اللہ تعالیٰ سے دُعا کر رہے ہو کہ اللہ تمہیں ہم سے ملوا دے تا کہ تم ہم سے اس آدمی کے بارے میں پوچھو جو کہ جب سے تم سے جدا ہوا ہے طوبیٰ کے درخت کے نیچے فرشتوں نے اسے گھیر رکھا ہے... امام ابو محمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جو قبر والوں نے اس آدمی سے کہا یہ انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بلند مرتبہ اور عظمت منزل کی خبر دی ہے... ان کے پاس حضرت امام کی عظمت کی تعبیر کے لیے اور الفاظ نہ تھے...

نواں واقعہ:۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے نیند میں دیکھا کہ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے محلہ رصافہ کی اسی مجلس میں بیٹھے ہیں جہاں آپ اپنی زندگی میں بیٹھتے تھے، آپ پر بہت عمدہ لباس ہے... میں کھڑا ہوا اور آپ کو سلام کیا، پھر آپ کے سامنے بیٹھ گیا... میں نے عرض کیا آپ کے اصحاب میں سے آپ کے زیادہ قریب کون ہے؟ فرمایا جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرتا ہو اور سب سے زیادہ اللہ کے حق کی نگہبانی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں سب سے آگے بڑھنے والا...

دسواں واقعہ:۔ حضرت صخر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا... میں نے پوچھا آپ کا انتقال نہیں ہو گیا تھا؟ فرمایا ہاں... میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا بخشا ہے کہ اس بخشش نے میرے ہر گناہ کا احاطہ کر لیا ہے... میں نے پوچھا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہوا؟ فرمایا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا کیا پوچھتے ہو وہ تو ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے...

ان جیسے بے شمار واقعات ہیں جو عالم برزخ اور عالم ارواح کی زندگی پر شاہد ہیں۔ یہاں اختصار کے پیش نظر صرف مذکورہ دس واقعات دیئے گئے ہیں (مؤلف)

عالَم برزخ سے رابطہ کی صورتیں

عالَم برزخ کے عجیب واقعات

1۔ بروایت ابن قیم شعبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں بدر کے مقام سے گزرا تو میں نے (قلیب بدر) میں دیکھا کہ ایک شخص زمین سے نکلتا ہے کہ نکل بھاگے تو جب ہی ایک دوسرا شخص اسے گرز سے مارتا ہے جس سے وہ زمین میں اُتر جاتا ہے، پھر نکلنا چاہتا ہے تو پھر یہی ہوتا ہے...آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابوجہل ہے جو قیامت تک اسی عذاب میں مبتلا رہے گا جس سے اہل جہنم کا ایک برزخی مقام عیاناً ثابت ہوا...

2۔ سفیان کہتے ہیں بروایت داؤد بن شاپور کہ ابوقزعہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک قبر کے اندر سے گدھے کی آواز سنائی دی، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس میت کی ماں اس سے بولنا چاہتی تو یہ اسے کہا کرتا تھا کہ ہاں گدھے کی طرح تو بھی آواز نکال لے...جب سے یہ مرا ہے تو اس کی قبر سے گدھے ہی کی آواز آتی ہے...

3۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ وہ اپنی بہن کو دفن کرنے کے لیے قبر میں اُترے مگر نکلتے وقت ان کی کوئی قیمتی متاع قبر میں رہ گئی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے ایک ساتھی کی معاونت سے قبر کھولی اور پونجی مل گئی...اسے لیتے وقت ساتھی سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں دیکھوں کہ بہن کس حال میں ہے؟ تو لحد کا ایک حصہ کھولا تو قبر آگ سے مشتعل ہے، اسی وقت لحد اور قبر بند کردی اور آکر ماں سے پوچھا کہ عمل میں اس بہن کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا کہ وہ نماز بھی تاخیر سے پڑھتی تھی اور گمان یہ ہے کہ اکثر بے وضو بھی پڑھ لیا کرتی تھی اور پڑوسیوں کے گھروں کے دروازوں میں جاکر گھر والوں کی باتیں چوری چھپے نکال لانے کی عادی تھی...اس سے بے نماز اور غیروں کے رازوں کے تجسس کرنے والوں کا برزخی مقام عیاناً معلوم ہوا...

4۔ مرثد ابن حوشب کہتے ہیں کہ میں یوسف بن عمرو کے پاس بیٹھا تھا اور ایک شخص ان کے

پہلو میں تھا جس کے چہرے کا ایک حصہ سپاٹ ایک لوہے کی پلیٹ کی طرح تھا... یوسف ابن عمرو نے اس شخص سے فرمایا کہ اپنا واقعہ مرشد سے بھی بیان کردو تو اس نے بیان کیا کہ میں جوانی کے زمانہ میں فحش باتوں میں مبتلا رہتا تھا کہ طاعون کی وبا پھیلی، لوگ مرنے اور دفن ہونے لگے تو میں نے ایک شخص کی قبر کھودی اور خود ایک دوسری قبر پر چڑھ کر بیٹھ گیا تو دیکھا کہ ایک جنازہ آیا اور اسے اس قبر میں دفن کردیا گیا... جب مٹی برابر کردی گئی تو میں نے دیکھا کہ اونٹ کی برابر دو پرندے سفید رنگ کے مغرب کی طرف سے اُڑتے ہوئے آئے...

ایک اس میت کے سر کی طرف آ گیا اور ایک پیروں کی طرف... پھر ایک قبر میں اُترا اور ایک باہر قبر کے منہ پر کھڑا رہا تو میں اس واقعہ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس قبر کے کنارے آ کھڑا ہوا کہ یہ دو پرندے کیسے ہیں اور کیا کرتے ہیں تو میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ وہ پرندہ کہہ رہا ہے کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو سسرالی رشتہ داروں سے ملنے کے لیے دو قیمتی کپڑوں میں بڑی اتراہٹ اور نخوت کے ساتھ چل کر جایا کرتا تھا تو میت نے کہا کہ میں تو بہت کمزور آدمی ہوں اس پر پرندہ نے اس پر نہایت زور کی ضرب لگائی جس سے قبر میں اک دم پانی اور تیل بھر گیا... تھوڑی دیر میں جب قبر اصلی حالت پر آئی تو پرندہ نے پھر وہی بات کہہ کر پھر ضرب لگائی اور قبر کا وہی حال ہوگیا کہ اس میں پانی اور تیل بھر گیا...

یہاں تک کہ تین بار ایسی ہی ضربیں پڑتی رہیں... اس سے فارغ ہوکر پرندوں نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور (غالباً دوسرے پرندہ سے) کہا کہ دیکھ وہ کہاں بیٹھا ہوا ہے؟ اور اس نے ایک طمانچہ کی ضرب میرے چہرے پر لگائی جس سے میرے چہرے کی ایک جانب کے سارے خدوخال مٹ کر چہرہ کا یہ حصہ سپاٹ ہوکر لوہے جیسا ہوگیا اور میں اسی وقت سے اسی حالت میں ہوں...

اس سے جہاں معذبین کے ایک برزخی مقام کا اندازہ ہوا وہیں یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض دفعہ اس برزخی مقام کے آثار دُنیا تک بھی آ جاتے ہیں اور عبرت دلانے کے طور پر زندوں کو بھی عذاب قبر دکھلا کر اس عذاب کا کچھ مزہ زندوں کو بھی چکھا دیا جاتا ہے... ابواسحٰق فزاری کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص نے ذکر کیا کہ میں قبریں کھودا کرتا تھا تو میں نے بہت سے مردوں کو دیکھا کہ ان کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے ہیں... ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس کی علامت ہے کہ ان کی

موت غیر سنت پر واقع ہوئی یا وہ کبائر پر مُصر تھے...

5۔ابن ابی الدنیا نے روایت نقل کی ہے کہ ایک قبر کھودنے والے سے پوچھا گیا کہ تو نے قبر کنی کے سلسلہ میں کوئی عجیب بات بھی دیکھی؟ اس نے کہا کہ میں نے ایک شخص کی قبر کھولی تو میں نے دیکھا کہ اس شخص کے سارے بدن میں کیلیں ٹھکی ہوئی ہیں اور سر میں ایک بہت بڑی میخ ٹھکی ہوئی ہے اور ایک میت کی کھوپڑی دیکھی کہ اس میں سیسہ بھرا ہوا ہے... ان واقعات کی وجہ سے مجھے توبہ نصیب ہوئی...

6۔عبدالحمید بن محمود کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ذوالصفاح کا انتقال ہوگیا... ہم نے کفن دفن کا بندوبست کیا... لحد جب بند کرنے لگے تو دیکھا کہ ایک عظیم الجثہ سیاہ سانپ قبر میں ہے جس نے پوری لحد کو اپنے جثہ سے بھر دیا ہے، تو ہم نے ڈر کر دوسری کھودی تو وہاں بھی وہی سانپ موجود ہے، تیسری کھودی تو وہاں بھی اسی سانپ کو موجود پایا... آخر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ میت معلوم ہوتا ہے کہ مال غنیمت میں چوری کیا کرتا تھا... اس کے لیے محنت مت اُٹھاؤ، تم ساری زمین میں جہاں بھی قبر کھودو گے اس سانپ کو موجود پاؤ گے... لہٰذا انہی میں سے کسی قبر میں دفن کردو...

بہر حال یہ اور اسی قسم کے ہزاروں ثابت شدہ واقعات اس کے شاہد عدل ہیں کہ برزخی مقامات کبھی کبھی عیاناً بھی لوگوں کو دکھا دیئے جاتے ہیں تا کہ دُنیا ان سے عبرت کا سبق لے...

برزخی مقامات میں تبدیلی

روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ برزخی مقامات دُنیا والوں کی دُعاء و ایصال ثواب سے تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں... ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن نافع سے روایت کیا ہے کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ عذاب نار میں مبتلا ہے ہفتہ عشرہ کے بعد دیکھا کہ وہ اہل نعیم میں سے ہے تو میں نے کہا کہ کیا تو اہل جحیم میں سے نہیں تھا؟ کہا ہاں تھا مگر ہمارے پاس ایک مرد صالح دفن ہوا اسے چالیس آدمیوں کے بارے میں شفاعت کی اجازت دی گئی جن میں سے ایک میں بھی ہوں... اس طرح مجھے نار سے نجات مل گئی... جس سے معلوم ہوا کہ دُنیا والوں کی سعی و ہمت دعاء و ایصال ثواب سے برزخی مقامات مصیبت سے

راحت کی طرف تبدیل بھی ہوجاتے ہیں... بہرحال برزخی مقامات کی معلومات حاصل کرنے کے لیے جس میں اپنا برزخی مقام بھی شامل ہے یہی پانچ طریقے ہیں...

عذاب قبر میں پھنسانے والے اعمال

اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ عذاب قبر غضب خداوندی کے آثار میں سے ہے... حق تعالیٰ اس روح کو عذاب قبر نہیں دیں گے جس نے اللہ کی معرفت حاصل کی اس سے محبت کی، اس کے احکام کی پابندی کی اور اس کے ممانعت کردہ امور سے بچاؤ رکھا اور نہ اس کے بدن کو عذاب قبر میں مبتلا کیا جاوے گا جس میں اس پاک روح نے عمر دُنیا گزاری...

عذاب قبر کی مستحق وہی روح اور وہی بدن ہوگا جس نے دُنیا میں حق تعالیٰ کو غضبناک کیا... اس سے جاہل رہنے پر قناعت کی اور توبہ بھی نہ کی اور اسی حالت میں موت آ گئی تو جو بھی جس حد تک ان نافرمانیوں کے سبب غضب الٰہی کا شکار رہے گا اسی حد تک عذاب قبر میں مبتلا ہوگا...

یہ نافرمانیاں کچھ قلب کی ہیں کچھ زبان کی ہیں، کچھ منہ، آنکھ، ناک، کان کی ہیں، کچھ ہاتھ، پیر اور بدن کی ہیں اور کچھ شرم گاہ کی ہیں...

دل کے گناہ ان کے مفاسد اور تحفظ کا طریقہ

دل کے گناہوں میں سے وہ ارادی اور اختیاری وسوسے اور ایسے خیالات پکاتے رہنا ہے جن سے لوگوں میں فتنہ اُبھرے، وہ مبتلائے نزاع وجدال بن جائیں اور لوگوں کی بندھی ہوئی مٹھی کھل جائے اور ان میں اختلاف اور گروہ بندی قائم ہوجائے جس سے ایک دُنیا فتنہ وفساد کا مرکز بن جائے... اس سے بچنے کے لیے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دُعا ارشاد فرمائی گئی ہے:

"اعوذ باللّٰہ من وساوس الصدور وشتات الامر وفتنۃ القبر"

''اے اللہ! میں سینہ کے وساوس سے پناہ مانگتا ہوں اور امر دینی کی پراگندگی اور انتشار سے پناہ چاہتا ہوں اور قبر کے فتنہ سے پناہ کا طلب گار ہوں...''

غلط خیالات پکاتے رہنے سے دل جمعی باطل ہوجاتی ہے... دل میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے جس سے پراگندہ خاطر انسان کے عمل اور افعال میں انتشار اور پراگندگی پیدا ہوجاتی ہے وہ ہر وقت نفسانی خیالات سے ڈانواں ڈول اور مذبذب رہتا ہے اور اسے اس کے سوا کچھ نہیں سوجھتا کہ اپنے فاسد تخیلات سے لوگوں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتا رہے، انہیں پراگندہ خاطر اور

پریشان بناتا رہے جس سے اس کا اور اس کے زیر اثر لوگوں کا دین پراگندہ اور وسوسوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے دلوں کا کوئی مرکز حقیقی باقی نہیں رہتا جو حق اور حق کی بھیجی ہوئی حقانی ہدایت کے سوا دوسرا نہیں اس لیے وہ رات دن باطل اور بے حقیقت بے بنیاد امور میں لگ کر اپنا اور اپنے ساتھیوں کا دین برباد کر لیتا ہے اور پھر یہی دین وعمل کا انتشار روح کے انتشار کا سبب بنتا ہے اور جب یہ پراگندہ خاطر روح قبر میں اسی انتشار کو لے کر پہنچے گی جس میں جمعیت خاطر اور یکسوئی نہ ہوگی تو اس سے برزخ اور قبر میں بھی انتشار رونما ہوگا جو اسے ہمہ وقت بے چین اور بے سکون رکھے گا اور قبر کے فتنوں اور عذابوں کا ذریعہ بنتا رہے گا...

دُنیا میں یہ فتنے اعمال کی صورت میں ظاہر ہو کر دُنیا خراب کرتے ہیں اور برزخ میں بھی فتنے مختلف ڈراؤنی شکلوں میں نمایاں ہو کر برزخی زندگی کی خوش حالی کو ضائع کر دیتے ہیں جس سے واضح ہے کہ سینہ کا وسواسی انتشار سینہ سے باہر دُنیا کے انتشار کا سبب ہے اور دنیوی زندگی کا انتشار برزخی زندگی کے انتشار کا سبب ہے...اس لیے اس حدیث پاک میں یہ تینوں چیزیں وسوسہ صدر، پراگندگی، امر اور فتنہ قبر مرتب طریق پر ترتیب کے ساتھ ذکر فرمائی گئی ہیں جن میں ہر پہلی چیز دوسری چیز کا سبب ہے...

زبان کے گناہ اور ان سے تحفظ کا طریقہ

زبان کے گناہوں میں جو چیزیں حدیث نبوی کے مطابق عذاب کا سبب بنتی ہیں وہ چغل خوری، جھوٹ، جھوٹی گواہی، بہتان بندی، پس پشت پاکبازوں پر تہمتیں اُٹھانا، زبان بندی کی تیزی اور بدلگامی سے فتنے کھڑے کرنا، خلاف سنت طریقوں کی طرف بلانا، کلام میں بے احتیاطی اور بے پرواہی سے رطب ویابس بولتے رہنا وغیرہ ہیں... چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں کے مردوں کو عذاب میں مبتلا دیکھا اور فرمایا کہ انہیں عذاب دیا جا رہا ہے...ایک چغل خوری کیا کرتا تھا (جس سے لوگوں میں عداوتیں پھیلتی تھیں)

اور حدیث شعبہ میں بجائے چغل خور کے یہ ہے کہ ان میں سے ایک غیبتیں کیا کرتا تھا جس سے لوگوں میں بیزاری اور جذبہ عناد پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں زبان ہی کے گناہ ہیں...دوسرے شخص کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا (جو وسوسے پیدا کرتی

ہیں اور طہارت ناقص رہ جاتی ہے) اور ظاہر ہے کہ ناقص طہارت سے (یعنی پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا) نماز بلا طہارت کے رہ جاتی ہے جو پورے بدن کا گناہ ہوا...

اسی طرح مسلمانوں کو زبان یا ہاتھ سے ایذاء پہنچانے کا ثمرہ بھی عذاب قبر بتلایا گیا ہے... اسی طرح لوگوں کے ڈھکے چھپے معاملات کی ٹوہ لگانے اور انہیں رسوا کرنے کی سعی کا ثمرہ بھی یہی عذاب قبر فرمایا گیا ہے... اسی طرح ملحد اور کلمات خداوندی اور نبی کی سنتوں پر اپنی رائے اپنے ذوق اور اپنی سیاست کو مقدم رکھنے والوں کے لیے بھی عذاب قبر کی دھمکی آئی ہے... یہی صورت گانے بجانے والوں اور گانا بجانا سننے والوں کے لیے بھی ارشاد ہوئی ہے... یہی صورت ان لوگوں کے لیے بھی فرمائی گئی ہے۔

جن کو اگر کسی بیجا حرکت پر خدا رسول سے ڈرایا جائے تو پرواہ نہ کریں اور کبھی اس بدی کو نہ چھوڑیں لیکن اگر کسی مخلوق یا حاکم سے ڈرا دیا جائے تو کانپ جائیں اور اس بدی سے باز آ جائیں وغیرہ وغیرہ جیسے امور عذاب قبر کا سبب بنتے ہیں... اعاذنا اللہ منہا

ان سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ روزانہ سوتے وقت آدمی چند منٹ بیٹھ کر یہ سوچ لیا کرے کہ اس نے آج دن میں ان باتوں میں سے کون کون سی حرکت کی ہے اور سچے دل سے توبہ کرلیا کرے... توبہ کے بعد اگر سوتے ہوئے موت واقع ہو جائے گی تو وہ توبہ پر مرے گا... یہ رات اس کے لیے مبارک ہوگی اور عذاب قبر سے محفوظ رہے گا اور اگر زندہ رہا تو اس توبہ کی برکت سے وہ آنے والے دن میں نیکی کا استقبال کنندہ ثابت ہوگا اور روزانہ یہ سلسلہ جاری رہا تو زندگی ان معاصی سے ان شاء اللہ پاک ہو جائے گی اور عذاب قبر کا خطرہ نہیں رہے گا...

عذاب قبر سے نجات کے اعمال

شریعت نے ان اعمال کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلانے والے ہیں... ذکر اللہ میں مشغول رہ کر سونا، خواہ کوئی بھی اللہ کا نام ہو عذاب قبر سے امان ہے... سورۂ ملک کی سوتے وقت تلاوت کو قبر کے لیے روشنی اور چاندنا فرمایا گیا ہے جس سے ظلمت قبر رفع ہوتی ہے... اس سورۂ پاک کو منجیہ یعنی عذاب قبر سے نجات دینے والی فرمایا گیا ہے... ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص سے فرمایا کہ میں تجھے ایک تحفہ دیتا ہوں جس سے تجھے فرحت اور خوشی

حاصل ہوگی اور وہ سورۃ تبارک الذی ہے اسے خود بھی یاد کر اپنے اہل وعیال کو بھی یاد کرا اور گھر کے بچوں اور پڑوسیوں کو بھی حفظ کرا دے کہ یہ عذاب قبر سے نجات دلانے والی سورت ہے اور قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے لیے حق تعالیٰ سے جھگڑے گی اور عذاب نار سے بھی بچالے جائے گی... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ یہ سورت ہر انسان کے دل میں محفوظ ہو... اسی طرح ایک طویل حدیث گزر چکی ہے جس میں مختلف اعمال کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے قبر کے مختلف قسم کے عذابوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کو عذاب سے بچالیا...

اسی طرح سورۂ الم السجدہ کی تلاوت کو بھی جو سوتے وقت کی جائے عذاب قبر سے نجات دہندہ فرمایا گیا ہے... اسی طرح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ دجال کے فتنہ کے وقت لوگ کثرت سے عذاب قبر میں مبتلا ہوں گے اور فتنہ دجال سے بچاؤ کے لیے جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کو بطور علاج کے ذکر فرمایا گیا ہے... اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سورۂ کہف کی تلاوت عذاب قبر سے بچانے والی ہے...

بہر حال نیند اور موت دونوں کو بھائی کہا گیا ہے اس لیے سوتے وقت کے اعمال خیر موت و مابعد الموت کے وقت بھی خیر ثابت ہوں گے اور ذریعہ نجات بنیں گے، اس لیے سونے کے وقت کی دُعائیں جو سنت سے ثابت ہیں اور علماء نے انہیں یکجا کر کے شائع بھی کر دیا ہے... ہر مسلم گھرانے میں رائج رہنی چاہئیں جو ان شاء اللہ دُنیا اور آخرت دونوں کو نور و برکت اور فرحت و مسرت سے بھر دیں گے...

حق تعالیٰ ہم سب غلامان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور پیروان سنت مصطفوی کو اپنے غضب و قہر اور عذاب نار و عذاب قبر سے محفوظ رکھے اور سب کو حسن خاتمہ کی نعمت سے نوازے اور قبر و حشر کی پر از نعمت زندگی نصیب فرماوے... آمین

عالَم آخرت اور اس کے احوال

آخرت کے متعلق مذاہب کا فرق

اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب یہ سمجھتے ہیں کہ آخرت دُنیا سے بالکل الگ تھلگ کوئی چیز ہے، بعض مذاہب کا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک ترکِ دُنیا نہیں کرو گے، آخرت نہیں ملے گی، مثلاً ہندو مذہب ہے، اس میں سنیاس لیتے ہیں کہ گھر بھی ترک کیا، بیوی بچے بھی ترک کیے اور جا کر کسی کونے میں بیٹھ گئے، ساری لذتیں ترک کیں، اب سمجھتے ہیں کہ ہماری آخرت بن گئی۔

عیسائیوں کے ہاں ترکِ لذات ایک مستقل موضوع ہے کہ گرجا میں آدمی داخل ہو جائے اور یہ عہد کر لے کہ میں نکاح نہیں کروں گا، کسی سے ملنے بھی نہیں جاؤں گا۔ بالکل ترکِ دُنیا کر کے ایک کونے میں بیٹھ جائے، اب سمجھتے ہیں کہ آخرت ملی۔

اسلام نے ان سب چیزوں کو رَد کر دیا کہ یہ رہبانیت ہے۔ اسلام نے گوشے میں بیٹھ جانا، پہاڑوں میں بیٹھ جانا، سمندر کے کناروں پر اپنے آپ کو گرا دینا، اس سے روکا کہ اس سے آخرت نہیں بنتی۔ دُنیا میں رہ کر، لوگوں میں رہ کر، ان کی اڑی کڑی جھیل کر اصلاح کی کوشش کرے، اس سے آخرت بنے گی، اسی کھانے اور پینے سے آخرت بنے گی، یہ نہیں کہ تم کھانا پینا چھوڑ دو۔

قرآن حکیم نے حکم دیا "كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے بنائی ہیں، انہیں استعمال کرو اور عمل صالح اختیار کرو، جتنی نیت سچی ہوگی اسی میں سے آخرت بنے گی، یہ نہیں کہ کھانا پینا چھوڑ دو اور جنگل میں جا بیٹھو، تب آخرت بنے گی۔

اسی طرح لباس ہے، تو بعض مذاہب میں ترکِ لباس ہے، صرف لنگوٹا باندھو، غرض لباس بھی ترک کیا...... اسلام نے ناجائز قرار دیا کہ یہ رہبانیت ہے...... گوشہ گیری ہے، یہ اسلام میں نہیں ہے، لباس پہنو، موٹا پہنو، اچھا پہنو، نیت اچھی رکھو، اسی میں سے آخرت نکلے گی تو کھانا پینا، رہنا سہنا، مکان بنانا، اس سے اسلام نے نہیں روکا مگر نیت صاف رکھنے کو کہا ہے، تھوڑی بہت زینت اور طبیعت کے

موافق کرنے سے نہیں روکا مگر نیت صاف رکھنے کو کہا ہے، اس سے یہی چیزیں آخرت بنیں گی جبکہ دیگر مذاہب میں تو یہ ہے کہ ترکِ دُنیا سے آخرت بنتی ہے، اسلام میں یہ ہے کہ دُنیا میں رہ کر نیت صحیح کرنے سے آخرت بنتی ہے، انہی افعال میں سے آخرت بنے گی۔ اب مکان ہے، ہندو مذہب میں دیکھا گیا کہ ان لوگوں کے ہاں خدا رسیدہ وہ ہے جس کا نہ گھر ہو نہ در ہو، صبح کے وقت ان کے ہاں ایک لشکر نکلتا ہے، وہ گھر گھر کھانا مانگتے ہیں، ان کے ہاں کھانا وانا نہیں پکتا، کسی نے بھیک دے دی، کھالیا، اسلام نے اسے ممنوع قرار دیا کہ یہ ذلت نفس ہے، مؤمن کا یہ کام نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے بلکہ باوقار رہے۔ تو کھائے بھی، پیئے بھی، پہنے بھی، طبعیات کو استعمال کرے اور نیت یہ رکھے کہ اپنی آخرت کے لیے کر رہا ہوں، حکم خداوندی ہے، تعمیل حکم کر رہا ہوں، وہی چیز اجر کا ذریعہ بنے گی، اسلام نے یہ نہیں کہا کہ تم بھک منگے بن جاؤ، دُنیا کے اوپر بار بنو بلکہ کماؤ اور کسب حلال کو فرض قرار دیا، تجارت کرو، زراعت کرو، دُنیا کماؤ، اس سے اپنی خدمت کرو، اپنے بھائیوں کی بھی خدمت کرو، یہ راستہ دکھلایا نہ یہ کہ سب چیزیں چھوڑ کر پہاڑ کے گوشے میں جا کر بیٹھ جاؤ۔

یا بعض مذاہب میں یہ ہے کہ اعضاء کو مفلوج کردو تو آخرت بن جاتی ہے۔ مثلاً ہاتھ اونچا کردیا، وہ خشک ہوگیا، اب وہ بیکار ہوگیا اور وہ یہ سمجھے کہ اب آخرت بنی، اسلام نے کہا یہ لغویت ہے، اس سے آخرت کا کیا تعلق......؟

یا بولنا چھوڑ دیا، اس سے سمجھتے ہیں کہ آخرت بنی، اسلام نے کہا کہ یہ آخرت کیسی کہ ایک قوت کو ضائع ہی کردیا، قوت سے کام لینے کا نام آخرت ہے نہ کہ قوت کو معطل چھوڑ دینے کا نام آخرت ہے۔

ایک صاحب علم اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک دفعہ گیاہ (ہندوؤں کے علاقہ کا نام ہے) میں جانا ہوا تو وہاں ایک بہت بڑا اور اونچا مندر ہے۔ اس میں بدھ کی تصویریں ہیں، اس کے بت رکھے ہوئے ہیں، وہاں میں نے دیکھا کہ بدھ کا ایک بہت بڑا بت ہے اور لوگ اس کے اِرد گرد گھی کے چراغ جلا رہے ہیں، بہت سے پجاری چراغ جلا کر جا رہے ہیں، میں نے ایک پجاری سے پوچھا، اس گھی کو تم کیوں ضائع کر رہے ہو، کوئی آدمی کھاوے گا تو اس کے بدن میں قوت پیدا ہوگی اسے کیوں خواہ مخواہ ضائع کر رہے ہو..........؟

اب وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں، میں سمجھا کہ شاید یہ بہرہ ہوگا، میں نے ذرا زور سے کہا، وہ پھر بھی مجھے دیکھ رہا ہے جواب کوئی نہیں دیتا۔ میں نے اور زور سے کہا تو لوگوں نے مجھ سے کہا

کیوں اپنا زور صرف کر رہے ہو، یہ جواب نہیں دے گا، کیونکہ ان کے ہاں چپ رہنا ایک عبادت ہے، یہ شخص چالیس برس سے نہیں بولا اور یہ پچاس برس سے نہیں بولا تو زبان ایک قوت ہے اس کو ضائع کر دینے کا نام عبادت نہیں ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اس قوت سے ہی تم آخرت کماؤ گے، قوت ضائع کر دی، تو دنیا کا بھی نقصان اور آخرت بھی ناقص۔

زبان کو استعمال کرو، تلاوت کلام پاک میں، دُرود شریف پڑھنے میں اور عبادت میں لوگوں کی اصلاح میں، نیک مشورے دینے میں، اور سچی باتیں کہنے میں، اس میں قوت کو استعمال کرو تو آخرت بنے گی نہ یہ کہ قوت کو ختم کر دو اور بیکار بیٹھ جاؤ، اس سے تو بدی بنے گی۔

ہاتھ ہے آپ اس کے ساتھ مصافحہ کریں گے، اجر ملے گا، آخرت بنے گی، قرآن کریم کو ہاتھ لگائیں گے، اجر ملے گا، بیت اللہ شریف کو چھوئیں گے، اجر ملے گا، ہاتھ ہوگا جبھی تو اجر ملے گا اور اگر ہاتھ کو اُٹھا کر خشک کر دیا، قوت بھی ختم اور اجر بھی ختم ہو گیا تو جتنے اجر و ثواب کے راستے تھے وہ سارے بند ہو گئے۔

اسی طرح پیر کو مفلوج کر دیا۔ پیر ہوگا تو یہی مسجد کی طرف جائیں گے، دوستوں کے گھر بھی جائیں گے، عبادت گاہوں میں بھی جائیں گے، مجالس، وعظ میں بھی جائیں گے، اس سے اجر و ثواب کے ڈھیر ملیں گے اور جو پیر کو کلہاڑا مار کے ختم کر دیا تو نہ مجلس رہی، نہ مسجد کی طرف جانا رہا، نہ حج رہا، وہ کیا خاک اجر ملا؟

تو تمام مذاہب نے تو یہ کہا ہے کہ دُنیا ترک کرو، تب آخرت ملے گی، بدن کو کھو دو، تو آخرت ملے گی، اسلام کہتا ہے کہ دُنیا میں رہ کر آخرت پیدا کرو، ترکِ دُنیا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کی نعمتوں کو چھوڑ دو.......... ہاں اس میں مبالغہ مت کرو، غلو مت کرو، حد سے مت گزرو، اعتدال کے ساتھ استعمال کرو، اس سے اپنا بھی کام چلاؤ، اپنے بھائیوں اور عزیزوں کی بھی خدمت کرو، تمہاری آخرت بنے گی، تو یہ نیت پر اور افعال اختیاری پر ہے کہ مرضی خداوندی کے مطابق وہ افعال ہوں گے تو دُنیا ہی میں آخرت بنے گی۔

حدیث میں ہے کہ جب موت کا وقت آتا ہے، ملائکہ علیہم السلام روح کھینچنے کے لیے آتے ہیں تو ہاتھ پیروں کو سونگھتے ہیں کہ اس میں ایمان کی خوشبو کتنی ہے، اعضاء کو سونگھتے ہیں کیونکہ ایمانی افعال سرانجام دینے سے بدن میں خوشبو قائم ہو جاتی ہے۔ یہاں ہمیں محسوس نہیں ہوتی، آخرت میں محسوس ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ:

کیوں اپنا زور صرف کر رہے ہو، یہ جواب نہیں دے گا، کیونکہ ان کے ہاں چپ رہنا ایک عبادت ہے، یہ شخص چالیس برس سے نہیں بولا اور یہ پچاس برس سے نہیں بولا تو زبان ایک قوت ہے اس کو ضائع کر دینے کا نام عبادت نہیں ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اس قوت سے ہی تم آخرت کماؤ گے، قوت ضائع کر دی، تو دنیا کا بھی نقصان اور آخرت بھی ناقص۔

زبان کو استعمال کرو، تلاوت کلام پاک میں، دُرود شریف پڑھنے میں اور عبادت میں لوگوں کی اصلاح میں، نیک مشورے دینے میں، اور سچی باتیں کہنے میں، اس میں قوت کو استعمال کرو تو آخرت بنے گی نہ یہ کہ قوت کو ختم کر دو اور بیکار بیٹھ جاؤ، اس سے تو بدی بنے گی۔

ہاتھ ہے آپ اس کے ساتھ مصافحہ کریں گے، اجر ملے گا، آخرت بنے گی، قرآن کریم کو ہاتھ لگائیں گے، اجر ملے گا، بیت اللہ شریف کو چھوئیں گے، اجر ملے گا، ہاتھ ہو گا جبھی تو اجر ملے گا اور اگر ہاتھ کو اُٹھا کر خشک کر دیا قوت بھی ختم اور اجر بھی ختم ہو گیا تو جتنے اجر و ثواب کے راستے تھے وہ سارے بند ہو گئے۔

اسی طرح پیر کو مفلوج کر دیا۔ پیر ہو گا تو یہی مسجد کی طرف جائیں گے، دوستوں کے گھر بھی جائیں گے، عبادت گاہوں میں بھی جائیں گے، مجالس، وعظ میں بھی جائیں گے، اس سے اجر و ثواب کے ڈھیر ملیں گے اور جو پیر کو کلہاڑا مار کے ختم کر دیا تو نہ مجلس رہی، نہ مسجد کی طرف جانا رہا، نہ حج رہا، وہ کیا خاک اجر ملا؟

تو تمام مذاہب نے تو یہ کہا ہے کہ دُنیا ترک کرو، تب آخرت ملے گی، بدن کو کھو دو، تو آخرت ملے گی، اسلام کہتا ہے کہ دُنیا میں رہ کر آخرت پیدا کرو، ترکِ دُنیا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کی نعمتوں کو چھوڑ دو.......... ہاں اس میں مبالغہ مت کرو، غلو مت کرو، حد سے مت گزرو، اعتدال کے ساتھ استعمال کرو، اس سے اپنا بھی کام چلاؤ، اپنے بھائیوں اور عزیزوں کی بھی خدمت کرو، تمہاری آخرت بنے گی، تو یہ نیت پر اور افعال اختیاری پر ہے کہ مرضیِ خداوندی کے مطابق وہ افعال ہوں گے تو دُنیا ہی میں آخرت بنے گی۔

حدیث میں ہے کہ جب موت کا وقت آتا ہے، ملائکہ علیہم السلام روح کھینچنے کے لیے آتے ہیں تو ہاتھ پیروں کو سونگھتے ہیں کہ اس میں ایمان کی خوشبو کتنی ہے، اعضاء کو سونگھتے ہیں کیونکہ ایمانی افعال سرانجام دینے سے بدن میں خوشبو قائم ہو جاتی ہے۔ یہاں ہمیں محسوس نہیں ہوتی، آخرت میں محسوس ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ:

روزے میں جب آدمی نہیں کھاتا تو منہ میں ایک قسم کی بُو پیدا ہو جاتی ہے تو فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک یہ منہ کی بُو مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔ یہاں تو یہ بدبو ہے وہاں یہ خوشبو، وہ خوشبو در حقیقت روزے کی ہے اور روزے میں خوشبو ایمان سے ہے ورنہ ایمان نہ ہو تو روزہ فاقہ ہے، وہ ایمان ہی کی خوشبو ہے ملائکہ علیہم السلام بدن میں سے اسی خوشبو کو سونگھتے ہیں کہ کتنی خوشبو آرہی ہے...... بعض مرتبہ ایسا ہوگا کہ آدمی کے ساتھ اعمال نہیں ہیں اور ملائکہ علیہم السلام نے بھی سمجھ لیا کہ یہ جہنم کے لائق ہے اور وہ ملائکہ آگئے جو کفار کی روح قبض کرتے ہیں۔ ان کی شکلیں ہیبت ناک ہوں گی، وہ اپنے ہاتھوں کو اس کے بدن میں داخل کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ پنڈلی سے ایک عمل چپکا ہوا تھا، اس نے کسی موقع پر سبحان اللہ کہا ہے، نیکی ہاتھ لگ جاتی ہے تو ملائکہ رحمت کہتے ہیں کہ تم ہٹو، ہم اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

تو وہ اعمال اسی بدن ہی میں سے سرزد ہوئے، پنڈلی میں سے عمل نکلے گا، جگر میں سے نکلے گا، ایسا ہوتا ہے کہ بعض دفعہ آدمی دل کی قوت سے عمل کرتا ہے تو دل پر اس کا اثر ہوتا ہے، کھڑے ہو کے کوئی عمل کرے تو گردوں کی طاقت سے آدمی کھڑا ہوتا ہے، اس عمل کا اثر گردوں پر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی بڑی بے جگری سے لڑتا ہے، خوب اس نے جہاد کیا، اس عمل کا تعلق جگر سے ہوگا، تو ہر عضو سے خاص اعمال متعلق ہیں اور ملائکہ وہ پہچانتے ہیں تو انہیں اعضاء میں اعمال کو تلاش کریں گے اور وہ کہیں گے کہ اس کا عمل پنڈلی میں چھپا ہوا تھا۔ لہٰذا یہ صاحب نیکی ہے، ملائکہ عذاب اس کی روح قبض نہیں کر سکتے، ہم اس کی روح قبض کریں گے...... تو اسی عمل اور بدن ہی سے آخرت بنی۔

اور یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد مؤمن آدمی کی رُوح آسمانوں پر چڑھ جاتی ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پہلے آسمان پر اس کا استقبال کرتے ہیں اور ستر ہزار ملائکہ علیہم السلام کے ہجوم کے ساتھ استقبال ہوتا ہے، ملائکہ صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں، وہ قطار کے بیچ میں سے اعزاز و اکرام کے ساتھ گزرتی ہے، پھر آسمانِ دوم کے مقربین اس کے ساتھ ہوتے ہیں، پھر آسمانِ سوم کے مقربین اس کا استقبال کرتے ہیں...... یہاں تک کہ عرش پر پہنچ جاتی ہے اور وہاں روح سجدہ کرتی ہے۔ حق تعالیٰ ابتدائی خطاب ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتے ہیں، کیوں آیا؟ کیسے آیا؟ کیا لے کر آیا......؟

ایک عالم ہیں ان کی وفات ہوئی تو بعض عارفین پر ان کا حال منکشف ہوا۔ حق تعالیٰ کے

سامنے ان کی پیشی ہوئی تو ڈانٹ کر فرمایا، کیوں آیا؟ کیا لے کر آیا؟ انہوں نے کہا میں ڈیڑھ سو قرآن شریف ختم کر کے لایا ہوں، فرمایا ایک بھی قبول نہیں، کہا اتنے روزے رکھے، فرمایا یہ بھی قبول نہیں، کہا اتنے تہجد پڑھے، فرمایا یہ بھی قبول نہیں، اب یہ حیران کہ کیا چیز پیش کروں اور ادھر سے مطالبہ کہ کیوں آیا......؟ کیا لے کر آیا......؟ اخیر میں انہوں نے کہا کہ میں آپ کی رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں اور کچھ نہیں! فرمایا: اب بات ٹھکانے کی کہی، میری رحمت تیرے اوپر واجب ہوگئی، کسی وقت یہ نیت کی ہوگی وہ جا کر کام آ گئی۔

تو آدمی اپنے قلب کے رُخ کو صحیح رکھے، عملی کوتاہیاں ہر ایک سے ہوتی ہیں، ہر ایک میں کچھ نہ کچھ گناہ، بڑا ہو یا چھوٹا، ضرور ہوتا ہے، سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وہ تو معصوم ہیں۔ نبی کے بعد کوئی ایسا نہیں جس سے کوئی ذلت یا خطا نہ ہوتی ہو۔ اسی کو ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان تغفر اللّٰھم تغفر جمّا وای عبدلک لا الما

یا اللہ! جب آپ کو بخشنا ہی ہے تو سارے گناہ کیوں نہیں آپ بخش دیتے، کون بندہ ہے جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو، آپ کے سامنے سارے گنہگار ہی ہیں۔

اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی۔ فرمایا:

"رَبِّ مَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ"

اے میرے پروردگار! تیری مغفرت میرے گناہوں سے بہت وسیع ہے، کہاں تک گناہ کروں، ہزار برس بھی کروں گا تو محدود ہوں گے اور تیری رحمت کی کوئی حد ہی نہیں۔ میرے گناہوں کی تیری رحمت کے سامنے کیا قدر و قیمت ہے، نیز میرے عمل محدود ہیں بلکہ کوئی چیز نہیں مگر تیری رحمت اِن سے بہت وسیع ہے۔

بہر حال کوئی بندہ بشر ایسا نہیں جس سے کوئی غلطی اور خطاء نہ ہوئی ہو۔ انبیاء علیہم السلام اس سے بری ہیں۔ اسی واسطے فضل ہی پر مدار ہے۔ جب توجہ فرما دیں گے، جبھی مغفرت ہوگی، نیت اپنی یہ ہونی چاہیے کہ آدمی حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے، جب خطاء ہو، توبہ کرے، گناہ سرزد ہوا فوراً توبہ کر لے تا کہ کھاتہ صاف ہوتا رہے تو اصل چیز نیت ہے کہ آدمی کا رُخ صحیح ہونا چاہیے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے جو حدیث قدسی ہے کہ:

اے بندے! اگر تو میرے پاس اتنے گناہ لے کر آئے کہ زمین اور آسمان تیرے گناہوں میں چھپ جائیں تو میں اتنی اتنی (گناہوں سے کہیں بڑھ کر) مغفرت لے کر تجھ سے ملاقات کروں گا۔ بشرطیکہ میری عظمت تیرے دل کے اندر ہو تو اصل چیز عظمت خداوندی ہے، آدمی وہ قائم رکھے جو وفادار ہوتا ہے وہ غلطی بھی کرتا ہے تو آقا کہتا ہے کہ اس کو معاف کیا جا سکتا ہے...... اس لیے اگر گناہ سرزد ہو، فوراً توبہ کرے، تاخیر ہرگز نہ کرے کیونکہ اگر گناہ کیا اور وہ دل پہ جم گیا، پھر گناہ کرتا رہا، پھر توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے، گناہ کے بعد معافی مانگ لے، اس سے قلب زنگ آلود نہیں ہوتا اور معصیت ڈھل جاتی ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ ایک آدمی نے بہت بڑا گناہ کیا اور ندامت ہوئی تو کہا "یارب"! ...... ابھی یہ نہیں کہا کہ میری مغفرت کر دیجئے۔ فقط "یارب" کہا۔ فوراً حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "ایعلم ان له ربًا یو اخذہٗ" اچھا یہ جان گیا کہ اس کا بھی کوئی رب ہے جو اس کی پکڑ کرے گا۔ فرمایا اگر یہ جان گیا تو قبل اس کے کہ مغفرت مانگے۔ اس سے پہلے ہی مغفرت کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کی مغفرت ہو گئی...... آ کر پھر وہی گناہ کیا جو پہلے کیا تھا لیکن پھر ندامت ہوئی، پھر جا کے "یارب" کہا، پھر مغفرت ہو گئی، پھر وہی گناہ کیا...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم گناہ کرتے کرتے تھک جاؤ گے، اللہ بخشتے بخشتے نہیں تھکیں گے، اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، اس لیے آدمی سے جب غلطی ہو، فوراً توبہ کرے، بس معاملہ صاف ہو گیا۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسے راستے پر لگا ہوا آدمی ٹھوکر لگی، گر پڑا، اُٹھا، کپڑے جھاڑ کر پھر چلنا شروع کر دیا، پھر گر پڑا، پھر چلنا شروع کر دیا، بالآخر منزل تک پہنچ جائے گا اور جس نے گرتے ہی راستہ ہی بدل لیا، وہ نہیں پہنچے گا تو راستہ نہ چھوڑا جائے، جس وقت گناہ سرزد ہو توبہ کرے، ایک نہ ایک دن منزل پالے گا۔

اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ: "سددوا وقاربوا وروحوا واغدوا وشیء من الدلجۃ" راستے پر لگے رہو۔ اعتدال کے ساتھ چلتے رہو، منزل کھوٹی مت کرو کہ منزل چھوڑ کے کسی سبزہ زار کے اوپر بیٹھ گئے، کسی باغ میں بیٹھ گئے بلکہ راستہ پر چلتے رہو، ایک نہ ایک دن پہنچ جاؤ گے۔

اہل ایمان کیلئے میدان حشر کی راحتیں

حدیث شریف میں ہے کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ عرش میں اس روز سایہ دے گا کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا ایک بادشاہ عادل اور ایک وہ جوان جس کی نشو ونما خدا کی عبادت میں ہوا ایک وہ شخص جس کا قلب مسجد میں لگا رہا جب وہاں سے باہر جاوے جب تک پھر وہاں نہ آوے اور ایک وہ دو شخص جن میں باہم اللہ کے واسطے محبت ہو کہ اسی کو لیے ہوئے ملیں اور اسی کو لیے ہوئے الگ ہوں ایک وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں اور ایک وہ شخص جس کو کوئی آن بان والی عورت بلاوے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور ایک وہ شخص جو کوئی خیرات دے اور اس کو اس طرح مخفی کرے کہ اس کے دائیں ہاتھ کا خرچ کیا ہوا بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو۔

ایک روایت میں ہے لوگ تین قسم کی جماعت ہو کر میدان حشر میں آئیں گے ایک قسم پیادہ ایک قسم سوار اور ایک قسم اپنے منہ کے بل۔ شراح نے کہا ہے کہ پیادہ وہ اہل ایمان ہونگے جنہوں نے نیک اور بدعمل ملے جلے کیے تھے اور سواروں کی نسبت کہا ہے کہ وہ عالی درجہ کے لوگ ہیں جو ایمان میں کامل ہیں اور کفار منہ کے بل الٹے چلتے جائیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ سب سے اول قیامت کے روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا سو معلوم ہوا کہ اوروں کو بھی لباس ملے گا اس کی نسبت مرقات میں ہے کہ مقبولین قبروں میں سے برہنہ پا برہنہ بدن اٹھیں گے لیکن ان کو ان کا کفن پہنا دیا جائے گا پھر اونٹنیوں پر سوار کر کے محشر میں حاضر کیے جاویں گے پس یہ لباس پہننا جو حدیث میں ہے خدائی خلعتوں اور بہشتی حلوں پر محمول ہوگا جو برگزیدہ جماعت کو پہنایا جاوے گا۔

اہل ایمان کیلئے یہ حدیث بھی کس قدر روح افزا ہے کہ اللہ تعالیٰ حساب کے وقت مؤمن کو اپنے قریب کر کے اس پر دامن رحمت رکھ کر چھپالے گا اور فرمادے گا کہ تجھ کو فلاں فلاں گناہ یاد

ہیں وہ عرض کرے گا ہاں اے پروردگار، یہاں تک کہ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرالے گا اور وہ اپنے جی میں سمجھے گا کہ میں تباہ ہوا ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں بھی وہ گناہ چھپائے تھے آج بھی معاف کرتا ہوں پس اس کی نیکیوں کا رجسٹر اس کو دے دیا جائے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ ارشاد فرمایئے کہ قیامت کے روز (کہ بہت طویل ہوگا) کھڑے رہنے کی قوت کس کو ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان پر اس قدر ہلکا ہو جاوے گا جیسے فرض نماز میں کھڑا ہونا ہلکا ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جس کو کپڑے پہنائے جائیں گے وہ ابرہیم علیہ السلام ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے دوست کو پہناؤ۔ چنانچہ جنت کے کپڑوں میں سے دو باریک اور نرم سفید کپڑے ان کو پہنانے کے لیے لائے جائیں گے ان کے بعد مجھے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۴ از دارمی)

جہنم میں شیطان کا اعلان برأت

عالم آخرت میں حکم ہوگا کہ جس جس شخص نے عمل کیا ہے وہ اپنے اپنے معبود سے خود جا کر طالب جزا ہو۔ پس جس وقت وہ اپنے معبودوں کی جستجو میں ہوں گے تو بت پرستوں کے واسطے وہ شیاطین جو بتوں سے تعلق رکھ کر بت پرستی و سرکشی کے باعث بنے تھے اور خواب و بیداری میں نئے نئے کرشمے دکھاتے تھے، سامنے آجائیں گے اور جو جماعتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کو و دیگر انبیاء علیہم السلام و اولیاء کو پوجتی تھیں۔ چونکہ یہ صالحین ان بداعمال سے بیزار تھے اور درحقیقت ان کی گمراہی کے باعث بھی شیاطین ہی تھے۔ لہٰذا وہی شیاطین ان کے سامنے آجائیں گے۔

پس جو فرشتے انتظام پر مامور ہوں گے وہ ان سے دریافت کریں گے کیا تمہارے معبود یہی ہیں وہ اپنے پورے یقین کے ساتھ بوجہ اس مناسبت معنوی کے جو ان کو بتوں کے ساتھ تھی کہیں گے درحقیقت ہمارے معبود یہی ہیں۔ ملائکہ ان سے کہیں گے کہ انہیں کے ساتھ چلے جاؤ تاکہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا و سزا تک پہنچا دیں۔

پس یہ بسبب شدت پیاس اپنے معبودوں سے پانی طلب کریں گے اس پر ان کے لیے سراب یعنی چمکتا ہوا ریتا نمودار ہو جائے گا وہ اس کو پانی سمجھ کر دوڑیں گے، پہنچنے پر ان کو معلوم ہوگا کہ وہ آگ ہے جو بڑی لپیٹوں سے ان کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس وقت دوزخ میں سے لمبی لمبی گردنیں

نکلیں گی جو دانوں کی طرح ان کو چن چن کر دوزخ میں ڈال دیں گی۔ جب کفار آگ میں مجتمع ہو جائیں گے تو شیطان آگ کے منبر پر چڑھ کر سب کو اپنی طرف بلائے گا۔ وہ اس گمان سے کہ یہ ہمارا سردار ہے کسی نہ کسی مکر حیلہ سے ہم کو نجات دلائے گا۔ اسکے پاس آ جائیں گے۔

پس شیطان کہے گا کہ خدا کے تمام احکام بجا و درست تھے، میں تمہارا اور تمہارے باپ کا دشمن تھا۔ مگر یاد رہے کہ تم میں سے کسی کو زبردستی سے اپنی طرف نہیں کھینچا البتہ برے کاموں کی ترغیب دی تم نے بسبب کم عقلی و خام طبعی میرے وسوسوں کو سچا جان کر اختیار کیا پس اس وقت اپنے آپ ہی پر ملامت کرو نہ کہ مجھ پر۔ علاوہ ازیں مجھ سے کسی قسم کی نجات وخلاصی دلانے کی امید نہ رکھنا۔ اس یاس و ناامیدی کے جواب کو سن کر آپس میں لعن وطعن کرنے لگیں گے تابع و متبوع سب یہ چاہیں گے کہ اپنے وبال کو دوسرے پر ڈال کر خود سبکدوش ہو جائیں مگر یہ خیال محال و بے سود ہوگا اور قہر کے فرشتے ان کو کشاں کشاں اس مقام تک پہنچا دیں گے جو ان کے اعمال وعقائد سے مناسبت رکھتا ہوگا۔

احوال جہنم

دوزخ کی آگ یہاں کی آگ سے ستر حصے زیادہ گرم ہے اس کا رنگ شروع میں سفید تھا پھر ہزار برس بعد سرخ ہو گیا اب سیاہ ہے۔

اس کے سات طبقے ہیں جن میں ایک ایک بڑا پھاٹک ہے اول طبقہ گناہ گار مسلمانوں اور ان کفار کے لیے جو باوجود شرک پیغمبروں کی حمایت کرتے تھے مخصوص ہے دیگر طبقات مشرکین، آتش پرست، دہریے، یہودی، نصاریٰ و منافقین کے لیے مقرر ہیں ان طبقوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) جحیم (۲) جہنم (۳) سعیر (۴) سقر (۵) لظیٰ (۶) ہاویہ (۷) حطمہ۔ ان طبقات میں سے ہر ایک میں نہایت وسعت، قسم قسم کے عذاب اور رنگ برنگ کے مکانات ہیں۔

مثلاً ایک مکان ہے جسکا نام غئی ہے جس کی سختی سے باقی دوزخ بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے ایک اور مکان ہے جس میں انتہائی سردی ہے جس کو زمہریر کہتے ہیں اور ایک مکان ہے جس کو جب الحزن یعنی غم کا کنواں کہتے ہیں اور ایک کنواں ہے جس کو طینۃ الخبال یعنی زہر و پیپ کی کیچڑ کہتے ہیں۔

ایک پہاڑ ہے جس کو صعود کہتے ہیں اس کی بلندی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے جس پر کفار کو چڑھا کر نار دوزخ کی تہہ میں پھینکا جائے گا۔

ایک تالاب ہے جس کا نام آب حمیم ہے پانی اسکا اتنا گرم ہے کہ لبوں تک پہنچنے سے اوپر کا

ہزار سال کے بعد بارگاہ ایزدی سے جواباً ارشاد ہوگا۔ خبردار خاموش رہو ہم سے استدعا نہ کرو۔ تم کو یہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ آخر مجبور ہو کر کہیں گے آؤ بھائی صبر کرو کیونکہ صبر کا پھل اچھا ہے۔ اور خداوند کریم کو تضرع وزاری کے ساتھ ایک ہزار برس تک یاد کریں گے، آخر بالکل ناامید ہو کر کہیں گے بیقراری وصبر ہمارے حق میں برابر ہے۔ کسی طرح شکل نجات نظر نہیں آتی۔ ان کو سر کے بل کھڑا کیا جائے گا۔ ان کے جسم مسخ ہو کر کتوں، گدھوں، بھیڑیوں، بندروں، سانپوں اور دیگر حیوانات وغیرہ وغیرہ کی شکل میں ہو جائیں گے دنیا میں جو لوگ تکبر کرتے ہیں ان کو میدان حشر میں پاؤں میں لٹا کر روند دیا جائے گا یہ کافروں کی حالت کا بیان ہے۔

میدان حشر میں اہل ایمان کی حالت

میدان محشر میں مسلمانوں کی حالت حسب عمل گونا گوں ہوگی ایک جماعت جو خالصاً لوجہ اللہ ایک دوسرے سے ملاقات ومحبت وجدائی وفراق کرتی تھی خدا کے دائیں طرف نور کے منبروں پر ہوگی اور بعض کو جو توکل سے آراستہ تھے اور مہمات دین ودنیا کی نہایت راستی سے انجام دیتے تھے ان کے چہرے کو چودھویں رات کے مانند بنا کر بے حساب وکتاب جنت کے لئے جدا کر دیا جائے گا اور وہ لوگ جو ترک دنیا کر کے اعلانیہ کلمہ توحید میں شب وروز کوشاں تھے بے حساب وکتاب جنت کے لئے علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور ان لوگوں کو بھی جو راتوں میں نہایت ادب وحضور قلب سے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، سادات الناس کا خطاب دے کر بے حساب وکتاب جنت کے لیے جدا کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد وہ جماعت جو ظاہراً و باطناً ہمیشہ ذکر وطاعت الٰہی میں مصروف رہتی تھی اور سختی اور آسائش کی حالت میں یکساں حمد الٰہی کرتی تھی، اشرف الناس کے خطاب سے ملقب کی جائے گی۔

باقی ماندہ مسلمان ومنافقین مختلف گروہوں پر تقسیم کر دیئے جائیں گے، نمازی نمازیوں میں روزے دار روزے داروں میں، حاجی حاجیوں میں، سخی سخیوں میں، مجاہد مجاہدین میں، منکسر المزاج اہل تواضع میں، محسنین وخوش اخلاق اپنی جنس میں، اہل ذکر وظیفہ گزار اہل خوف و ترحم، عادل ومنصف اہل شہادت، اہل صدق ووفاء علمائے راسخین وزہاد، عوام کالانعام، حکام، ظالم، خونی وقاتل، زانی دروغ گو، چور، رہزن، ماں باپ کو تکلیف دینے والے، سود خوار، رشوت خوار، حقوق العباد کے تلف کرنے والے، شراب خوار یتیموں اور بے کسوں کا مال کھانے والے زکوٰۃ نہ دینے والے، نماز نہ پڑھنے والے، امانت میں خیانت کرنے والے، عہد کو توڑنے والے

وغیرہ وغیرہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو کر اپنی جنس میں جا ملیں گے۔

پھر ان گروہوں میں سے وہ لوگ جو مذکورہ صفات میں دو تین یا چار یا اس سے زیادہ اوصاف رکھتے ہوں، جدا کر کے الگ گروہوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

اعمال بد کی سزائیں

مویشیوں کی زکوٰۃ نہ دینے والے کو میدان حشر میں پشت کے بل لٹا کر جانوروں کو حکم ہوگا کہ ان پر سے گزر کر پائمال کر دو پس وہ بار بار گزر کر ان کو روندتے رہیں گے۔

سود خواروں کے پیٹوں کو پھلا کر ان میں سانپ بچھو بھر دیے جائیں گے اور آسیب زدہ حالت میں ہوں گے۔ مصوروں کو یہ عذاب دیا جائیگا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح ڈالیں۔

جھوٹا خواب بیان کرنے والوں کو مجبور کیا جائے گا کہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائیں۔ چغل خوروں کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔ اسی طرح بعض فاسقین پر سرزنش و مواخذہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی زیارت

جس وقت میدان محشر کفار سے بالکل خالی ہو جائے گا اور ہر ملت اور ہر قرن کے مسلمان، میدان حشر میں ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو خدائے قدوس ان پر ظاہر ہو کر فرمائے گا ''اے لوگو! تمام مذاہب و ادیان کے لوگ اپنی جگہ چلے گئے، تم کیوں اب یہاں ٹھہرے ہو؟''

وہ عرض کریں گے وہ تو اپنے معبودوں کے ساتھ چلے گئے جب ہمارا معبود ہم کو اپنے ساتھ لے گا اس وقت ہم بھی اس کے ساتھ چلیں گے۔ ارشاد باری ہوگا میں ہوں تمہارا معبود۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ لیکن چونکہ آدمی اس صورت کو نہ پہچانیں گے کہ یہ خدا کی تجلی ہے۔ کہیں گے ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں تو ہمارا معبود نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے اپنے معبود کو دیکھا ہے وہ کہیں گے ہماری کیا طاقت تھی کہ ہم اس کو دیکھ سکتے۔

پھر خداوند کریم فرمائے گا تمہارے علم میں کوئی ایسی نشانی ہے جس کے ذریعے اس کو پہچان سکو۔ وہ کہیں گے ہاں۔ پس وہ تجلی پوشیدہ ہو کر دوسری تجلی نمایاں ہوگی جس کی پنڈلی سے پردہ اٹھے گا۔ اس کو دیکھتے ہی سب کہیں گے کہ تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ اور سب سربسجود ہو جائیں گے۔ مگر منافقین بجائے سجدہ کرنے کے پشت کے بل گریں گے۔

جنت اور جہنم لانے کا حکم اور حساب کتاب

حکم ہوگا کہ دوزخ و جنت کو میدان حشر کے درمیان رکھو۔اس کے بعد اعمال کا حساب میدان حشر میں لیا جائے گا۔

سب سے پہلے نماز کا حساب اس طور پر لیا جائے گا کہ اپنی تمام عمر میں کتنی نمازیں اس نے پڑھی ہیں اور کتنی ذمہ واجب ہیں اور ارکان و آداب ظاہری و باطنی کیونکر ادا کیے ہیں اور کس قدر نوافل پڑھے ہیں اور اگر اس کے فرائض ترک ہوئے ہوں تو ایک فرض کے عوض ستر نوافل قائم ہو سکیں گے۔نماز انسانی صورت میں حاضر ہو جائے گی۔ جو نمازیں بلا خشوع و خضوع و ذکر الٰہی و درود وظائف پڑھی گئی ہوں گی وہ بے دست و پا ہوں گی۔جن نمازوں میں ان امور مذکورہ کا لحاظ رکھا گیا ہو وہ نہایت آراستہ و پیراستہ ہوں گی۔اس کے بعد دیگر عبادات بدنی کا بھی مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کا اسی طور پر حساب و کتاب ہوگا۔

نیز زہد، حرص دینی علوم، خون، زخم، اکل و شراب، ناجائز خرید و فروخت، حقوق العباد وغیرہ وغیرہ کا حساب ہوگا۔ظالموں سے مظلوموں کو اس طور سے بدلہ دیا جائے گا کہ اگر ظالم نے نیکیاں کی ہیں تو اس کے حسب ظلم مظلوموں کو دلوائی جائیں گی۔اور اگر نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے گناہ حسب اندازہ ظلم ظالم کی گردن پر پڑ جائیں گے۔البتہ ظالموں کا ایمان و عقیدہ نہ دیا جائے گا۔

بعض ایسے عالی ہمت بھی ہوں گے کہ خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے اپنی نیکیوں کو بغیر کسی عوض کے دوسروں کو بخش دیں گے۔چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ دو آدمی مقام میزان میں اس قسم کے حاضر ہوں گے کہ ایک کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔دوسرا ایسا ہوگا جس کی صرف ایک نیکی ہوگی۔اول الذکر کو حکم ہوگا کہ کہیں سے ایک نیکی مانگ لائے تو نیکیوں کا پلڑا بڑھ جائے گا اور تو جنت کا مستحق ہو جائے گا۔وہ بے چارہ تمام لوگوں سے استدعا کرے گا۔مگر کہیں سے کامیابی نہ ہوگی آخر مجبوراً واپس آئے گا۔جب آخر الذکر کو یہ حال معلوم ہو جائے گا تو کہے گا کہ بھائی میری تو صرف ایک ہی نیکی ہے۔اور باوجود اتنی خوبیوں کے تجھ کو ایک نیکی بھی کسی نے نہ دی بھلا مجھ کو کون دے گا۔لے یہ ایک نیکی بھی تو ہی لے لے تاکہ تیرا کام تو بن جائے میرا اللہ مالک ہے۔خداوند کریم اپنے بے پناہ فضل و کرم سے ارشاد فرمائے گا۔ان دونوں کو جنت میں لے جا کر ایک درجے میں چھوڑ دو۔

تمام چھوٹی و بڑی نیکیاں میزان میں داخل کر دی جائیں گی۔لیکن ان کا وزن حسب عقیدہ

ہوگا۔ یعنی جس قدر عقیدہ پختہ اور خالص ہوگا اتنی ہی زیادہ وزنی ہوگی جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص کی ننانوے برائیاں ہوں گی اور صرف ایک نیکی اور یہ تولتے وقت بارگاہ ایزدی میں عرض کرے گا اے خداوند! میری اس نیکی کی اتنی برائیوں کے مقابلے میں کیا حقیقت ہے کہ تولی جائے جب میں دوزخ کے لائق ہوں تو بغیر تولے مجھ کو بھیج دے۔

اس وقت ارشاد باری ہوگا کہ ہم ظالم نہیں یہ ضرور تولی جائے گی۔ چنانچہ جس وقت وہ نیکی برائیوں کے مقابلے میں تولی جائے گی تو اس کا پلڑہ جھک جائے گا اور وہ مستحق جنت قرار پائے گا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں یہ نیکی شہادت فی سبیل اللہ ہے جو تمام عمر کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ واللہ اعلم

میزان اور پل صراط

اگرچہ پل صراط اور میزان کے متعلق علماء کا اختلاف ہے مگر اظہر یہ ہے کہ میزان بہت سی ہوں گی چنانچہ یہ آیہ کریمہ: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ سے یہی مفہوم ہے اس طور سے یہ بھی قیاس میں آتا ہے کہ پل صراط بھی بہت سے ہوں گے۔ خواہ ہر امت کے لیے یا ہر قوم کے لیے۔ واللہ اعلم۔

قبل اس کے کہ میدان محشر سے پل صراط پر گزرنے کا حکم ہوگا تمام میدان محشر میں اندھیرا چھا جائے گا۔ پس ہر امت کو اپنے اپنے پیغمبروں علیہم السلام کے ساتھ چلنے کا حکم ہوگا۔

اہل ایمان کو نور کی دو دو مشعلیں عنایت ہوں گی ایک آگے چلے گی دوسری دائیں جانب اور جو ان سے کمتر ہوں گے ان کو ایک ایک مشعل دی جائے گی اور جو ان سے کم ہوں گے ان کے صرف پاؤں کے انگوٹھے کے آس پاس خفیف سی روشنی ہوگی۔ اور ان سے بھی جو گئے گزرے ہوں گے ان کو ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح روشنی دی جائے گی۔ جو کبھی بجھے گی اور کبھی روشن ہوگی۔ جو منافق ہوں گے وہ ذاتی نور سے بالکل خالی ہوں گے بلکہ دوسروں کے نور کی مدد سے چلیں گے۔ یہاں تک کہ جس وقت یہ سب لوگ دوزخ کے کنارے کے قریب جا پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ دوزخ کے اوپر پل صراط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔

حکم ہوگا کہ اس پر ہو کر جنت میں چلو۔ وہ پندرہ ہزار سال کی مسافت میں ہے۔ جن میں سے پانچ ہزار چڑھنے کے پانچ ہزار بیچ میں چلنے کے اور پانچ ہزار اترنے کے ہیں۔

جب میدان محشر سے پل صراط پر پہنچیں گے تو آواز ہوگی کہ اے لوگو اپنی آنکھوں کو بند کرلو۔ تا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پل صراط سے گزر جائیں۔ اس کے بعد بعض لوگ تو بجلی کی چمک کی طرح، بعض ہوا، بعض گھوڑے، بعض اونٹ بعض معمولی رفتار کی مانند پل صراط سے گزر جائیں گے۔ بعض لوگ نہایت محنت اور مشقت کے ساتھ پل پر چلیں گے۔ اس وقت دوزخ میں سے بڑے بڑے آنکس نکلیں گے۔ جو ان میں بعض کو تو چھوڑ دیں گے بعض کو کچھ کچھ کاٹیں گے اور بعض کو کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اسی طرح سے رشتہ، امانتیں، لوگوں کے ساتھ ہو جائیں گی پس جنہوں نے ان کی رعایت نہ کی ہوگی ان کو دوزخ میں کھینچ کر ڈال دیں گے۔

اس وقت اعمال صالحہ مثلاً نماز روزہ درود وظائف وغیرہ لوگوں کے دستگیر ہوں گے اور خیرات آگ کے اور ان کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ قربانی سواری کا کام دے گی اور اس مقام کی ہولناکی کی وجہ سے کسی کی آواز تک نہ نکلے گی۔ مگر پیغمبران امتوں کے حق میں (رب سلم سلم) کہیں گے۔

جب مسلمان پل صراط پر چڑھ جائیں گے تو منافقین اندھیرے میں گرفتار ہو کر فریاد کریں گے، بھائیو! ذرا ٹھہرنا کہ تمہارے نور کے طفیل سے ہم بھی چلیں۔ وہ جواب دیں گے ذرا پیچھے چلے جاؤ جہاں سے ہم نور لائے ہیں تم بھی وہیں سے لے آؤ۔ پس جب پیچھے جائیں گے تو بے پناہ تاریکی اور ہول دیکھیں گے۔ آخر کار نہایت بے قرار ہو کر واپس لوٹیں گے اور دیکھیں گے کہ پل صراط کے سرے پر ایک بہت بڑی دیوار قائم ہے۔ اور دروازہ بند ہو گیا ہے۔ پس نہایت ہی گڑگڑا کر مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے جواب ہمیں چھوڑے چلے جاتے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ بے شک تم ہمارے ساتھ تو تھے لیکن بظاہر، اور دل میں شک وشبہ کرتے ہوئے ہمارے حق میں برائیاں اور کفار کی بھلائیاں چاہتے تھے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ جن کا ساتھ دیتے تھے انہی سے جا ملو۔ اس اثنا میں آگ کے شعلے ان کو گھیر کر جہنم کے سب سے نچلے درجے میں پہنچا دیں گے۔

وہ مسلمان جو بجلی اور ہوا کی رفتار کے موافق پل صراط پر سے گزریں گے وہ پل کو عبور کر کے کہیں گے کہ ہم نے تو سنا تھا کہ رستہ میں دوزخ آئے گی لیکن ہم نے تو دیکھا بھی نہیں۔ اور وہ لوگ جو سلامتی کے ساتھ گزریں گے وہ بھی پل صراط سے اتر کر میدان میں ان سے جا ملیں گے۔ دنیا میں جو ایک دوسرے سے شکایت رکھتے تھے وہ سب ایک ہو جائیں گے۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جنت کا قفل کھول کر لوگوں کو داخل فرمائیں گے یہاں پہنچ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تفتیش حال کریں گے۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام اہل جنت کا چہارم حصہ ہو گی۔

دریافت حال کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے گا کہ ابھی میری امت میں سے ہزار ہا آدمی دوزخ میں پڑے ہیں تو بوجہ اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں غمگین ہو کر درگاہ الٰہی میں عرض کریں گے ''اے خدا میری امت کو دوزخ سے خلاصی دے''۔

یہ شفاعت بھی شفاعت کبریٰ کے مانند جو آنجناب نے کی تھی ہو گی۔یعنی سات روز تک سربسجود رہ کر عجیب وغریب حمد وثناء بیان فرمائیں گے تب بارگاہ الٰہی سے حکم ہو گا کہ جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر دوسرے پیغمبر علیہم السلام بھی اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کریں گے۔پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی فرشتوں کو اپنے ساتھ لے کر بمعیت امت دوزخ کے کنارے پہنچ کر فرمائیں گے کہ اپنے اپنے رشتہ داروں اور واقف کاروں کو یاد کر کے ان کی نشانی بتاؤ تا کہ یہ فرشتے ان کو دوزخ سے نکال لیں چنانچہ ایسا ہی ہو گا۔

علاوہ ازیں شہداء کو ستر، حافظوں کو دس، علماء کو حسب مراتب لوگوں کی شفاعت کا حق ہو گا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لے کر جنت میں تشریف لائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس وقت تمام اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو گی۔ پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تفتیش فرمائیں گے کہ اب میری امت میں سے کس قدر دوزخ میں باقی ہیں؟

جواب ہو گا کہ ابھی تو ہزار ہا دوزخ میں موجود ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بدستور سابق بارگاہ ایزدی میں شفاعت کریں گے۔

حکم ہو گا کہ جس کسی کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سابق علماء اولیاء شہداء وغیرہ کو دوزخ کے کنارے لے جا کر فرمائیں گے، کہ اپنے اپنے رشتہ داروں، واقف کاروں وغیرہ کو یاد اور پہچان کر کے دوزخ سے نکلوا لاؤ اس وقت بھی ہزار ہا آدمی دوزخ سے رہا ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام اہل جنت کا نصف حصہ ہو گی۔

اس شفاعت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر دریافت فرما کر بدستور ہائے سابق شفاعت کریں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ جس کے دل میں آدھے ذرے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لاؤ۔پس بدستور سابق ایک بہت بڑی تعداد جہنم سے برآمد ہو کر جنت میں داخل ہوگی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام اہل جنت سے دو چند ہو جائے گی اور اہل توحید میں سے کوئی شخص بھی دوزخ میں نہیں رہے گا۔مگر وہ موحدین جن کو انبیاء علیہم السلام کا توسل حاصل نہ ہوگا۔یعنی ان کو پیغمبروں کے آنے کا علم نہیں ہوا اور وہ جو پیغمبروں کو معلوم کر کے منحرف ہو گئے ہوں۔ان کے حق میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے مگر خداوند کریم فرمائے گا ان سے تمہارا کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کو میں خود بخشوں گا۔

اسی اثناء میں مشرکین اور ان موحدین میں نزاع ہوگا۔مشرکین بطور طعنہ کہیں گے کہ تم توحید کے متعلق دنیا میں ہم سے جھگڑتے تھے اور اپنے تئیں سچے بتاتے تھے مگر معلوم ہوا کہ تمہارا خیال محض خام تھا۔دیکھو ہم اور تم یکساں ایک ہی بلا میں مبتلا ہیں۔

پس اس وقت خدائے قدوس فرمائے گا کیا انہوں نے شرک و توحید کو یکساں سمجھ لیا ہے قسم ہے عزت و جلال کی! کہ میں کسی موحد کو مشرک کے برابر نہ کروں گا۔

پس ان تمام موحدین کو اس روز کے آخر میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے دوزخ سے اپنے دست قدرت سے نجات دے گا۔

اس وقت ان لوگوں کے جسم کوئلہ کی طرح سیاہ ہوں گے لہٰذا آب حیات کی نہر میں جو جنت کے دروازوں کے سامنے ہے غوطہ لگا دیں گے جس سے ان کے بدن صحیح سالم ہو کر تروتازہ ہو جائیں گے اور ایک مدت کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔مگر ان کی گردنوں پر ایک سیاہ داغ رہے گا اور اہل جنت میں ان کا لقب جہنمی ہوگا۔پس وہ ایک مدت کے بعد درگاہ الٰہی میں عرض کریں گے " خداوندا! جب تو نے دوزخ سے ہم کو نجات دی تو اس نشان و لقب کو بھی اپنے فضل و کرم سے ہم سے دور کر دے " پس خدا کی مہربانی سے وہ نشان اور لقب بھی ان سے دور ہو جائے گا۔

سب سے آخری شخص جو دوزخ سے برآمد ہو کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا،ایک ایسا شخص ہوگا کہ اس کو دوزخ سے نکال کر کنارہ پر بٹھا دیا جائے گا۔تھوڑی دیر کے بعد جب اس کو ہوش

آئے گا تو کہے گا کہ میرے منہ کو اس طرف سے پھیر دو۔ پس اس سے عہد لیا جائے گا کہ اس کے سوا اور کچھ تو نہ مانگے گا۔ جب وہ پختہ عہد کرلے گا تو اس کا منہ پھیر دیا جائے گا۔

جب وہ جنت کی جانب نظر کرے گا تو اس کو نہایت تروتازہ درخت دکھائی دیں گے۔ پس وہ شور مچائیگا کہ الٰہی مجھ کو وہاں پہنچادے۔ پھر اس سے بدستور سابق عہد لے کر وہاں پہنچا دیا جائے گا اور اسی ترتیب سے خوشنما درخت وعمدہ مکانات کو دیکھ کر نقض عہد کرتا ہوا جنت کے پاس پہنچ جائے گا۔

اور وہ جب جنت کی تروتازگی ورونق دیکھے گا تو تمام سابقہ وعدوں کو توڑ کر نہایت گڑگڑا کر جنت میں داخل ہونے کا خواستگار ہوگا۔ لیکن جب اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی تو اس خیال میں پڑ جائے گا کہ جنت تو معمور ہو چکی ہے اب میرے لیے اس میں مکان کی گنجائش کہاں ہوگی۔

حق تعالیٰ فرمائے گا جا وہاں جگہ کی کمی نہیں ہے۔ عرض کرے گا کہ خداوند شاید تو مجھ سے تمسخر کرتا ہے۔ حالانکہ تو رب العلمین ہے۔

خداوند کریم فرمائے گا کہ جس قدر تجھے مانگنا ہو مانگ لے میں اس سے دو چند عطا کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور یہ اہل جنت میں سے ادنی مرتبہ کا ہے۔

جب تمام اہل جنت اپنے اپنے مقاموں پر برقرار ہو جائیں گے تو ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے کہیں گے۔ فلاں دوزخی ہم سے حق باتوں پر جھگڑتا تھا نہ معلوم اب وہ کس حالت میں ہے۔ پس ایک کھڑکی کھول دی جائے گی اور بینائی میں قوت عطا کی جائے گی کہ جس سے وہ دوزخی بہت آہ وزاری کر کے جنت کے کھانے اور پانی طلب کرے گا۔

یہ جواب دیں گے کہ جنت کی نعمتوں کو خدا نے تم پر حرام کر دیا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو کیونکر سچا پایا۔ وہ نہایت ہی پشیمانی اور عاجزی ظاہر کرے گا۔ اور اس کے بعد اہل جنت کھڑکی بند کرلیں گے۔

پھر اہل جنت اپنے اہل وعیال کی حالت دریافت کریں گے۔

فرشتے جواب دیں گے کہ وہ سب حسب اعمال جنت میں اپنے اپنے مکانوں میں موجود ہیں۔

اہل جنت کہیں گے کہ ہم کو بغیر ان کے کچھ لطف نہیں آتا ان کو ہم تک پہنچاؤ۔ ملائکہ جواب

دیں گے کہ یہاں ہر شخص اپنے عمل کے موافق رہ سکتا ہے اس سے تجاوز کا حکم نہیں۔ پس وہ خدائے قدوس کی بارگاہ میں عرض کریں گے خداوند! تجھ پر روشن ہے کہ ہم جب تک دنیا میں تھے تو کسب معاش کرتے تھے اور اس سے اپنے اہل وعیال کی پرورش ہوتی تھی اور وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوتے تھے۔ اب جب تو نے بلا مشقت ایسی ایسی نعمتیں عنایت فرمائیں تو ہم ان کو کیونکر محروم کر سکتے ہیں ہم امیدوار ہیں کہ ان کو ہم سے ملا دیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ ان کی اولادوں کو ان تک پہنچا دو تا کہ ان کو کسی بات کی تنگی نہ ہو۔ پس اہل وعیال کو ان سے ملا دیا جائے گا اور ان کو اصلی اعمال کی جزا کے علاوہ، والدین کے طفیل سے بہت کچھ عطا ہوگا۔

اندرون جنت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درجات عالیہ کے لیے شفاعت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور لوگ جتنی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہوں گے اتنے ہی مراتب اپنے استحقاق سے زیادہ حاصل کریں گے جب تمام لوگ دوزخ وجنت میں داخل ہو چکیں گے تو جنت ودوزخ کے درمیان منادی ہوگی کہ اے اہل جنت! جنت کے کناروں پر آ جاؤ۔ اور اے اہل دوزخ! دوزخ کے کناروں پر آ جاؤ۔

اہل جنت کہیں گے کہ ہم کو تو ابد الآباد کا وعدہ دلا کر جنت میں داخل کیا ہے اب کیوں طلب کرتے ہو؟ اور اہل دوزخ نہایت خوش ہو کر کناروں کی طرف دوڑیں گے، اور کہیں گے کہ شاید ہماری مغفرت کا حکم ہوگا۔ پس جس وقت سب کناروں پر آ جائیں گے تو ان کے مابین موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں حاضر کر دیا جائے گا اور لوگوں سے کہا جائے گا کہ کیا اس کو پہچانتے ہو؟۔

سب کہیں گے ہاں، جانتے ہیں کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے موت کا پیالہ نہ پیا ہو۔ اس کے بعد اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ اس کو حضرت یحییٰ علیہ السلام ذبح کریں گے پھر وہ منادی آواز دے گا اے اہل جنت! ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو کہ اب موت نہیں اور اے اہل دوزخ! ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو کہ اب موت نہیں۔

اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ شادی مرگ ہو جاتی۔ اور اہل دوزخ اس قدر رنجیدہ ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو یہ غم کے مارے مر جاتے۔

اس کے بعد حکم ہوگا کہ دوزخ کے دروازوں کو بند کر کے اس کے پیچھے بڑے بڑے آتشی شہتیر بطور پشتیبان لگادو تاکہ دوزخیوں کے نکلنے کا خیال بھی نہ رہے۔ اور اہل جنت کو جنت میں ابد الآباد تک رہنے کا یقین واطمینان ہوجائے۔

جنت کی دیواریں سونے چاندی کی اینٹوں اور مشک وزعفران کے گارے سے بنی ہوئی ہیں۔ اس کی سڑکیں اور پٹریاں زمرد یاقوت اور بلور سے، اس کے باغیچے نہایت پاکیزہ ہیں جن میں بجائے بجری، زمرد، یاقوت اور موتی وغیرہ پڑے ہیں۔ اس کے درختوں کی چھالیں طلائی اور نقرئی ہیں۔ شاخیں بے خار و بے خزاں، اس کے میووں میں دنیا کی نعمتوں کی گونا گوں لذتیں ہیں۔ ان کے نیچے ایسی نہریں ہیں جن کے کنارے پاکیزہ اور جواہرات سے مرصع ہیں۔

ان نہروں کی چار قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کا پانی نہایت شیریں وخنک ہے۔ دوسری وہ جو ایسے دودھ سے لبریز ہیں جس کا مزہ نہیں بگڑتا۔ تیسری ایسی شراب کی ہیں جو نہایت فرحت افزاء و خوش رنگ ہیں۔ چوتھی نہایت صاف وشفاف شہد کی ہیں۔

علاوہ ان کے تین قسم کے چشمے ہیں ایک کا نام کافور ہے جس کی خاصیت خنکی ہے۔ دوسرے کا نام زنجبیل ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں اس کی خاصیت گرم ہے مثلاً چاء وقہوہ۔ تیسرے کا نام تسنیم ہے جو نہایت لطافت کے ساتھ ہوا میں معلق جاری ہے۔ ان تینوں چشموں کا پانی مقربین کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن اصحاب یمین کو بھی جوان سے کم تر ہیں ان میں سر بمہر گلاس مرحمت ہوں گے۔ جو پانی پینے کے وقت گلاب اور کیوڑہ کی طرح اس میں سے تھوڑا تھوڑا ملا کر پیا کریں گے۔

اور دیدار الٰہی کے وقت ایک اور چیز عنایت ہوگی جس کا نام شراب طہور ہے جو ان تمام چیزوں سے افضل واعلیٰ ہے۔

جنت کے درخت باوجود نہایت بلند وبالا اور سایہ دار ہونے کے اس قدر باشعور ہیں کہ جس وقت کوئی جنتی کسی میوہ کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی شاخ اس قدر نیچے جھک جائے گی کہ بغیر کسی مشقت کے وہ اس کو توڑ لیا کرے گا۔ جنت کے فرش وفروش ولباس وغیرہ نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہیں اور ہر شخص کو وہی لباس عطا کیے جائیں گے جو اس کو مرغوب ہوں گے۔ اور مختلف اقسام کے لباس ہوں گے۔ سندس استبرق، اطلس، زربفت وغیرہ اور بعض ان میں سے ایسے نازک وباریک ہوں گے کہ ستر تہوں میں بھی بدن نظر آئے گا۔ جنت میں نہ سردی ہے نہ گرمی نہ

آفتاب کی شعاعیں نہ تاریکی بلکہ ایسی حالت ہے جیسے طلوع آفتاب سے کچھ پیشتر ہے۔ مگر روشنی میں ہزارہا درجے اس سے برتر ہوگی۔ جو عرش کے نور کی ہوگی نہ کہ چاند سورج کی۔ چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر وہاں کا لباس وزیور زمین پر لایا جائے تو اپنی چمک دمک سے جہان کو اس قدر روشن کر دے گا کہ آفتاب کی روشنی اس کے سامنے ماند ہو جائے گی۔

جنت میں ظاہری کثافت و غلاظت یعنی پیشاب، پاخانہ، حدث، تھوک، بلغم، ناک کا رینٹ، پسینہ و میل بدن وغیرہ بالکل نہ ہوں گے صرف سر پر بال ہوں گے اور داڑھی مونچھ و دیگر قسم کے بال جو جوانی میں پیدا ہوتے ہیں بالکل نہ ہوں گے۔ اور نہ کوئی بیماری ہوگی اور باطنی کثافتوں یعنی کینہ، بغض، حسد، عیب جوئی، اور غیبت وغیرہ سے دل صاف ہوں گے۔ سونے کی حاجت نہ ہوگی اور خلوت و استراحت کے لیے پردہ والے مکانوں میں میلان کریں گے۔ ملاقات اور ترتیب مجلس کے وقت صحن اور میدانوں میں میلان کریں گے۔

ان کی غذاؤں کا فضلہ خوشبودار ڈکاروں اور معطر پسینے سے دفع ہوا کرے گا۔ جس قدر کھائیں گے ہضم ہو جایا کرے گا۔ بدہضمی اور گرانی شکم کا نام تک نہ ہوگا۔ جماع میں نہایت لطف حاصل ہوگا۔ اور انزال ایک نہایت فرحت بخش ہوا کے نکلنے سے ہوا کرے گا نہ کہ منی سے۔ جماع کے بعد عورتیں پھر باکرہ ہو جایا کریں گی۔ مگر بکارت کے ازالہ کی تکلیف اور خون وغیرہ کے نکلنے سے پاک ہوں گی۔

سیر و تفریح کے واسطے ہوائی سواریاں اور تخت ہوں گے جو ایک گھنٹہ میں ایک مہینہ کا راستہ طے کرتے ہوں گے۔ جنت میں ایسے قبے برج اور بنگلے ہوں گے جو ایک ہی یاقوت یا موتی یا زمرد یا دیگر جواہرات سے رنگ برنگ بنے ہوں گے۔ جن کی بلندیاں و عرض ساٹھ ساٹھ گز ہوں گی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ کسی مکان کی بلندی و عرض یکساں نہ ہو تو مکان ناموزوں ہوتا ہے۔ اہل جنت کی خدمت، راحت، آسائش و آرام وغیرہ کے لیے حور و غلمان و ازواج ہمہ وقت موجود ہوں گے۔

باب 8

انسانی سفر کی منزل

اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ جنت

یا

خدائی عقوبت خانہ... جہنم

ایک انمول حدیث

حضرت ربیعہ جرشی رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث میں وارد ہوا ہے
اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو بمنزلہ دار ایک بڑے گھر کے بنایا اور اس گھر میں جنت کو بمنزلہ مادبہ یعنی عام دعوت کے دستر خوان کے تیار کیا۔
پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دستر خوان کا داعی بنا کر بھیجا.... اب جو شخص اس داعی کی پکار پر لبیک کہہ دے گا.... وہ اس گھر میں داخل ہو کر دعوت کھائے گا... اور اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے۔
لیکن جو اس داعی کی دعوت پر لبیک نہ کہے.... وہ نہ تو اس گھر میں داخل ہوگا... اور نہ ہی اس دعوت کو نوش جاں کر سکے گا... اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جائیں گے۔

(رواہ الدارمی مشکوۃ)

دُنیا میں جنت

روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت لقمان کو ان کے آقا نے حکم دیا
کہ میرے پاس کوئی جنتی چیز لاؤ...
حضرت لقمان فوراً اٹھے اور اپنے گھر سے ایک مشت مٹی کی بھر لائے۔
آقا نے پوچھا میں نے تو تمہیں کوئی جنتی چیز لانے کا کہا تھا...
تم یہ مٹی کیوں لے آئے؟
حضرت لقمان نے فرمایا یہ عام مٹی نہیں... بلکہ جنتی مٹی ہے...
کیونکہ یہ میں اپنی والدہ کے قدموں سے اٹھا کر لایا ہوں

بندگانِ خدا کیلئے جنت اور اس کی نعمتیں

انسانی ارواح عہد الست سے روانگی کے بعد رحم مادر اور پھر عالم دُنیا کی چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد عالم برزخ سے ہوتی ہوئی عالم آخرت میں پہنچتی رہیں۔ مومن اور کافر کے دو گروہ میں تقسیم ہونے کے بعد عالم آخرت میں اہل ایمان خدا کی مہمان خانہ یعنی جنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ یہ وہی سعید لوگ ہیں جو دنیا میں صرف رب کو ہی نہیں بلکہ رب کی ہر بات مان کر چلتے تھے۔ ذیل میں جنت کی کچھ نعمتوں کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں تا کہ ہم زندگی کے اس سفر کو پاکیزہ طریقے سے طے کریں۔ تا کہ جنت جو کہ پاکیزہ جگہ ہے ہم خود کو جنت کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ نجات خدائی فضل پر ہے۔ لیکن یہ فضل بھی اسی پر ہوگا جس پر دنیا میں اعمال صالحہ کی توفیق کی صورت میں فضل خداوندی ہو چکا ہوگا کہ دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ آنکھ نے دیکھیں نہ کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے قلب پر گذریں۔ اور اگر چاہو یہ آیت پڑھ لو (کہ اس سے اس کی تصدیق ہو جائے گی) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ الخ یعنی کسی شخص کو خبر نہیں جو کچھ اہل جنت کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر اہل جنت کی بیبیوں میں سے ایک عورت بھی اہل زمین کی طرف جھانک لے تو تمام آسمان و زمین کے درمیان کی چیزوں کو روشن کر دے۔ اور اس کو خوشبو سے پر کر دے۔ اور اس کے سر پر جو اوڑھنی ہے وہ تمام دنیا و مافیھا سے افضل ہے۔

نیز فرمایا گیا کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس تک چلا جاوے اور اس کو قطع نہ کر سکے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اول گروہ جو جنت میں داخل ہوں گے چودھویں رات کے چاند کی شکل پر ہوں گے پھر جوان سے بعد کے مرتبے میں ہیں وہ بہت تیز روشن ستارے کے مثل ہوں گے۔

سب کے قلوب (دل) ایک آدمی کے قلب جیسے ہوں گے کہ ان میں نہ اختلاف ہوگا اور نہ بغض ہوگا۔ ان میں ہر شخص کے پاس حور عین (یعنی گوری گوری بڑی آنکھ والی عورت) میں سے دو بیبیاں ہوں گی جن کی ساق (پنڈلی) کا گودا استخوان اور گوشت کے اندر سے بوجہ غایت حسن کے نظر آوے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکاریں گے اے اہل جنت وہ عرض کریں گے۔ ہم حاضر ہیں اور خدمت گزار ہیں اور خیر سب کی سب آپ کے ہاتھوں میں ہے (یعنی کیا ارشاد ہے) حق تعالیٰ فرماویں گے تم راضی بھی ہو گئے عرض کریں گے اے رب راضی کیوں نہ ہوتے حالانکہ آپ نے ہم کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائیں ہیں جو آج تک کسی کو عطا نہیں فرمائیں! ارشاد ہوگا کہ میں تم کو اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز دوں، عرض کریں گے اے رب! اس سے افضل کیا چیز ہوگی ؟ ارشاد ہوگا کہ میں تم پر ہمیشہ اپنی رضامندی مبذول رکھوں گا اور اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہوں گا۔

ایک روایت میں فرمایا گیا کہ اہل جنت میں سب سے ادنیٰ درجہ کا وہ شخص ہوگا جس کو اپنے باغ اور بیویاں اور سامان نعمت اور خدمت گار اور اسباب مسرت ایک برس کی مسافت تک نظر آئیں گے اور سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہوگا جو حق تعالیٰ کے دیدار سے صبح شام مشرف ہوگا۔

جنت کی نعمتیں

جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک خالص ہے اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں.... ڈالیاں لولو.... زبرجد اور یاقوت کی ہیں... ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں.... چاہو بیٹھے بیٹھے توڑلو.... چاہو کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے... ایک طرف خوش خرام.... خوش دل.... خوبصورت باادب سلیقہ شعار.... فرمانبردار خادم.... قسم قسم کے کھانے.... چاندی کی کشتیوں میں لگائے لیے کھڑے ہیں... دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوریں جام لیے ساقیانِ مہ وش اشارے کے منتظر ہیں.... یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے... دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے گی...

جنت کی تمام چیزوں کی یوں ہی سی برائے نام مشابہت دُنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کے بلوریں گلاسوں کی مثال نہیں ملتی پھر یہ جام مقررہ پیمانے کے ہیں.... ساقی کے

ہاتھ میں بھی زیب دیں.... ان کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں اور پینے والوں کی حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے... ان نایاب گلاسوں میں جو پاک.... خوش ذائقہ اور سرور والی بے نشے کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر سلسبیل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی.... نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہے کہ کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تاکہ اعتدال قائم رہے... یہ نیک لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے...... سلسبیل جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانی سے لہریا چال بہہ رہا ہے.... اس کا پانی بہت ہلکا نہایت شیریں.... خوش ذائقہ اور خوش بو ہے جو آسانی سے پیا جائے اور سہتا پچتار ہے...

ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوب صورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہوں گے.... یہ غلمانِ جنتی جس سن وصال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بدل جائے.... یہ نفیس پوشاکیں اور بیش قیمت جڑاؤ زیور پہنے ہوئے بہ تعداد کثیر اِدھر اُدھر مختلف کاموں پر بٹے ہوئے ہوں گے جنہیں دوڑے بھاگے مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے ایسا معلوم ہوگا گویا سفید آبدار موتی اِدھر اُدھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں....

حقیقت میں اس سے زیادہ اچھی تشبیہ ان کے لیے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال خوش خصال بوٹے سے قد والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے ہوئے زیور میں لدے ہوئے اپنے مالک کی فرمانبرداری میں دوڑتے بھاگتے اِدھر اُدھر پھرتے ایسے بھلے ہوں گے جیسے سجے سجائے پُر تکلف فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی اِدھر اُدھر لڑھک رہے ہوں... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگے ہوئے ہوں گے...

اہل جنت کا لباس

اہل جنت کا لباس سبز ہرے رنگ کا مہین اور چمکدار ریشم ہوگا ''سُندس''... اعلیٰ درجہ کا خالص نرم ریشم جو بدن سے لگا ہوا ہوگا ''اِستَبرَق''... عمدہ بیش بہا گرانقدر ریشم جس میں چمک دمک ہوگی جو اوپر پہنایا جائے گا.... ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے.... یہ لباس ابرار کا ہے

اور مقربین خاص کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے:.....

''يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيْرٌ o... (سورۃ فاطر: آیت ۳۳)

انہیں سونے کے کنگن ہیرے جڑے ہوئے پہنائے جائیں گے اور خالص نرم صاف ریشمی لباس ہوگا ان ظاہری جسمانی استعمالی نعمتوں کے ساتھ ہی انہیں پُر کیف بالذت..... سروروالی.... پاک اور پاک کرنے والی شراب پلائی جائے گی جو تمام ظاہری باطنی برائی دور کردے گی.... حسد.... کینہ.... بدخلقی غصہ وغیرہ سب دور کردے گی... ایک روایت میں ہے کہ جب اہل جنت.... جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا.... ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا... دوسری میں غسل کریں گے جس سے چہرے تر و تازہ..... ہشاش بشاش ہو جائیں گے... ظاہری اور باطنی دونوں خوبیاں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی۔ پھر ان سے ان کے دل خوش کرنے کے لیے اور ان کی خوشی دوبالا کرنے کے لیے بار بار کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری بھلی کوششوں کی قدر دانی ہے جیسے اور جگہ ہے

''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (سورۃ الحاقۃ: آیت ۲۴)

دُنیا میں جو اعمال تم نے کیے ان کی نیک جزا میں آج تم خوب سہتا پچتا با آرام و اطمینان کھاتے پیتے رہو اور فرمان ہے

''وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورۃ الاعراف: آیت ۴۳)

یعنی منادی کیے جائیں گے کہ ان جنتوں کا وارث تمہیں تمہاری نیک کرداریوں کی بناء پر بنایا گیا ہے.... یہاں بھی فرمایا ہے کہ تمہاری سعی مشکور ہے تھوڑے عمل پر بہت اجر ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے آمین... (تفسیر ابن کثیر: جلد ۵ صفحہ ۴۸۲)

جنت میں صبح وشام کا نظام

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

''لَا يَسْمَعُوْنَ فِيهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ط وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا o... (سورۂ مریم: آیت ۶۲)

ترجمہ:......'' وہاں لوگ کوئی لغو بات نہ سنیں گے صرف سلام ہی سلام سنیں گے.... ان

کے لیے وہاں صبح وشام ان کا رزق ہوگا......

جنت میں صبح وشام باعتبار دُنیا کے ہے وہاں رات نہیں بلکہ ہر وقت نور کا سماں ہے پردے گر جانے اور دروازے بند ہو جانے سے اہل جنت وقت شام کو اور اسی طرح پردوں کے ہٹ جانے اور دروازوں کے کھل جانے سے صبح کے وقت کو جان لیں گے ان دروازوں کا کھلنا اور بند ہونا بھی جنتیوں کے اشارے اور حکموں پر ہوگا یہ دروازے بھی اس قدر صاف شفاف آئینہ نما ہیں کہ باہر کی چیزیں اندر سے نظر آئیں چونکہ دُنیا میں دن رات کی عادت تھی اس لیے جو وقت جب چاہیں گے پائیں گے چونکہ عرب صبح شام ہی کھانا کھانے کے عادی تھے اس لیے جنتی رزق کا وقت بھی وہی بتلایا گیا ہے ورنہ جنتی جو چاہیں جب چاہیں موجود پائیں گے...

اہل جنت کیلئے سامان راحت

اہل جنت کو نو جوان کنواری حوریں بھی ملیں گی جو ابھرے ہوئے سینے والیاں اور ہم عمر ہوں گی ایک حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی خدا کی رضامندی کے ہوں گے بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ بتلاؤ ہم تم پر کیا برسائیں؟ پھر وہ جو فرمائیں گے بادل ان پر برسائیں گے یہاں تک کہ نو جوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی...(ابن ابی حاتم)

جنت میں دودھ، پانی، شہد اور شراب کے سمندر

جنت میں پانی کے چشمے ہیں جو کبھی بگڑتا نہیں متغیر نہیں ہوتا سڑتا نہیں نہ بدبو پیدا ہوتی ہے بہت صاف موتی جیسا ہے کوئی گدلا پن نہیں کوڑا کرکٹ نہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنتی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں...اس میں پانی کے علاوہ دودھ کی نہریں بھی ہیں جس کا مزہ کبھی بدلتا نہیں بہت سفید بہت میٹھا اور نہایت صاف وشفاف اور بامزہ پرذائقہ...ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نکلا ہوا نہیں بلکہ قدرتی ہے...

اور شراب صاف کی نہریں ہوں گی جو پینے والے کا دل خوش کردیں دماغ کشادہ کریں جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی نہ بدمنظر ہے بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں لذیذ نہایت خوشبودار جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئیں نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں سے کشید کی ہوئی

نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے...

جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں جو بہت صاف ہیں اور خوشبودار اور ذائقہ تو کہنا ہی کیا ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں.. مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ، پانی، شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں...ابن مردویہ کی حدیث میں یہ ہے کہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں پھر ایک حوض میں آتی ہیں وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں...

ایک حدیث میں ہے کہ تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے...طبرانی میں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاف شہد کی نہریں، اور بغیر نشے کے سردرد نہ کرنے والی شراب کی نہریں، اور نہ بگڑنے والی دودھ کی نہریں، اور خراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں، اور طرح طرح کے میوہ جات عجیب وغریب بے مثل وبالکل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی دُنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے...حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دُنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لولو اور موتیوں کے خیمے ہیں ان کی مٹی مشک خالص ہے وہاں ان کے لیے ہر طرح کے میوے اور پھول پھل ہیں جیسے اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِيْنَ (سورۃ الدخان: آیت ۵۵)

یعنی وہاں نہایت امن وامان کے ساتھ ہر قسم کے میوے وہ منگوائیں گے اور کھائیں گے...اور آیت میں ہے

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ (سورۃ الرحمٰن: آیت ۵۲)

دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میووں کے جوڑے ہیں ان تمام نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب خوش ہے وہ اپنی مغفرت ان کے لیے حلال کر چکا ہے انہیں نواز چکا ہے اور ان سے راضی ہو چکا ہے اب کوئی کھٹکا ہی نہیں...(تفسیر ابن کثیر: ۱۰۳،۱۰۲/۵)

اہل جنت کی جسمانی قوت

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جنت میں جنتی لوگ جماع بھی کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے...خوب اچھی طرح بہترین طریق پر... جب الگ ہوگا وہ اسی وقت پھر پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''مؤمن کو جنت میں اتنی اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی...... حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا حضور! کیا اتنی طاقت رکھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک سو آدمیوں کے برابر اسے قوت ملے گی...... طبرانی کی حدیث میں ہے ایک ایک سو کنواریوں کے پاس ایک ایک دن میں ہو آئے گا...

جنت کی عورتیں اپنے خاوندوں کی محبوبہ ہوں گی.... یہ اپنے خاوندوں کی عاشق اور خاوندان کے عاشق.... جنت کی عورتیں ناز و کرشمہ اور نزاکت والی ہیں...

جنت کی عورتیں اپنے خاوند کا دل مٹھی میں رکھیں گی جنت کی عورتیں خوش کلام ہیں اپنی باتوں سے اپنے خاوندوں کا دل موہ لیتی ہیں جب کچھ بولیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ پھول جھڑتے ہیں اور نور برستا ہے۔ خاوند کی اور ان کی طبیعت خلق بالکل یکساں ہے جس سے وہ خوش یہ خوش، جو اسے ناپسند اسے بھی ناپسند... آپس میں ان میں بیر بغض حسد اور رشک نہ ہوگا یہ سب آپس میں بھی ہم عمر ہوں گی تا کہ بے تکلفی سے ایک دوسری سے ملیں جلیں کھیلیں کودیں... ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہ جنتی حوریں ایک روح افزا باغ میں جمع ہو کر نہایت پیارے گلے سے گانا گائیں گی کہ ایسی سریلی اور رسیلی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوگی... ابویعلی میں ہے ان کے گانے میں یہ بھی ہوگا...

نحن خیرات حسان خبئنا لازواج کرام

ترجمہ: ''ہم پاک صاف خوش وضع خوبصورت عورتیں ہیں جو بزرگ اور ذی عزت شوہروں کے لیے چھپا کر رکھی گئی تھیں......

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنت کے ایک محل کا نام عدن ہے جس میں بروج اور بالا خانے ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں ہر دروازے پر پانچ ہزار فرشتے ہیں... وہ محل مخصوص ہے نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے لیے... حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں یہ جنت کا شہر ہے جس میں انبیاء ہوں گے شہداء ہوں گے اور ہدایت کے آئمہ ہوں

گے اور ان کے آس پاس اور لوگ ہوں گے اور ان کے اِرد گرد اور جنتیں ہیں وہاں یہ اپنے اور چہیتوں کو بھی اپنے ساتھ دیکھیں گے...

ان کے بڑے باپ دادا ان کے چھوٹے بیٹے پوتے ان کے جوڑے بھی جو ایمان دار اور نیک کار تھے ان کے پاس ہوں گے اور راحتوں میں مسرور ہوں گے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی... یہاں تک کہ اگر کسی کے اعمال اس درجہ بلندی تک پہنچنے کے قابل نہ بھی ہوں گے تو خدائے تعالیٰ ان کے درجے بڑھا دے گا اور اعلیٰ منزل تک پہنچا دے گا... ارشادِ خداوندی ہے:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (سورۃ الطور: آیت ۲۱)

جن ایمان داروں کی اولاد ان کی پیروی ایمان میں کرتی ہیں ہم انہیں بھی ان کے ساتھ ملا دیتے ہیں... ان کے پاس مبارک باد اور سلام کے لیے ہر ہر دروازے سے ہر ہر وقت فرشتے آتے رہتے ہیں یہ بھی خدا کا انعام ہے تاکہ ہر وقت خوش رہیں اور بشارتیں سنتے رہیں... نبیوں... صدیقوں... شہیدوں کا پڑوس فرشتوں کا سلام اور جنت الفردوس مقام...

مسند کی حدیث میں ہے جانتے بھی ہو کہ سب سے پہلے جنت میں کون جائیں گے؟ لوگوں نے کہا خدا کو علم ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو... فرمایا سب سے پہلے جنتی مساکین مہاجرین ہیں جو دُنیا کی لذتوں سے دور تھے جو تکلیفوں میں مبتلا تھے... جن کی اُمنگیں دلوں میں رہ گئیں اور قضا آ گئی رحمت کے فرشتوں کو حکم خدا ہوگا کہ جاؤ انہیں مبارک باد دو... فرشتے کہیں گے خدایا! ہم تیرے آسمانوں کے رہنے والے تیری بہترین مخلوق ہیں... کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم جا کر انہیں سلام کریں اور انہیں مبارکباد پیش کریں... جناب باری جواب دے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے صرف میری عبادت کی.... میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا.... دنیوی راحتوں سے محروم رہے.... مصیبتوں میں مبتلا رہے... کوئی مراد پوری نہ ہونے پائی اور یہ صابر و شاکر رہے... اب تو فرشتے جلدی جلدی بہ شوق ان کی طرف دوڑیں گے... اِدھر اُدھر کے ہر دروازے سے گھسیں گے اور سلام کر کے مبارکباد پیش کریں گے...

طبرانی میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں جانے والے تین قسم کے لوگ ہیں فقرائے مہاجرین جو مصیبتوں میں مبتلا رہے جب انہیں جو حکم ملا بجا لاتے رہے... انہیں ضرورتیں بادشاہوں سے ہوتی تھیں لیکن مرتے دم تک پوری نہ ہوئیں... جنت کو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اپنے

سامنے بلائے گا.....وہ بنی سنوری اپنی تمام نعمتوں اور تازگیوں کے ساتھ حاضر ہوگی...اس وقت ندا ہوگی کہ میرے وہ بندے جو میری راہ میں جہاد کرتے تھے میری راہ میں ستائے جاتے تھے...میری راہ میں لڑتے بھڑتے تھے وہ کہاں ہیں؟ آؤ بغیر حساب وعذاب کے جنت میں چلے جاؤ...اس وقت فرشتے خدا کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اور عرض کریں گے کہ پروردگار! ہم تو صبح وشام تیری تسبیح وتقدیس میں لگے رہے.....یہ کون ہیں جنہیں ہم پر بھی تو نے فضیلت عطا فرمائی؟ اللہ رب العزت فرمائے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میری راہ میں جہاد کیا.....میری راہ میں تکلیفیں برداشت کیں.....اب تو فرشتے جلدی کر کے ان کے پاس ہر ہر دروازے سے جا پہنچیں گے.....سلام کریں گے اور مبارکبادیاں پیش کریں گے کہ تمہیں تمہارے صبر کا بدلہ کتنا اچھا ملا!!!

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مؤمن جنت میں اپنے تخت پر بہ آرام نہایت شان سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوا ہوگا...خادموں کی قطاریں اِدھر اُدھر کھڑی ہوں گی جو دروازے والے خادم سے فرشتہ اجازت مانگے گا وہ دوسرے خادم سے کہے گا.....وہ اور سے وہ اور سے یہاں تک کہ مؤمن سے پوچھا جائے گا مؤمن اجازت دے گا کہ اسے آنے دو... یونہی ایک دوسرے کو پیغام پہنچائے گا اور آخری خادم فرشتے کو اجازت دے گا اور دروازہ کھول دے گا وہ آئے گا اور سلام کرے گا اور چلا جائے گا...

جنت کی مزید نعمتیں وراحتیں

جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے جس کے سائے تلے سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن ختم نہ ہوگا اس کی تر و تازگی کھلے ہوئے چمن کی طرح ہے اس کے پتے بہترین اور عمدہ ہیں اس کے خوشے عنبرین ہیں اس کے کنکر یاقوت ہیں اس کی مٹی کافور ہے.....اس کا گارا مشک ہے.....اس کی جڑ سے شراب کی.....دودھ کی اور شہد کی نہریں بہتی ہیں...اس کے نیچے جنتیوں کی مجلسیں ہوں گی یہ بیٹھے ہوئے ہوں گے کہ ان کے پاس فرشتے اونٹیاں لے کر آئیں گے جن کی زنجیریں سونے کی ہوں گی جن کے چہرے چراغ جیسے چمکتے ہوں گے..... بال ریشم جیسے نرم ہوں گے جن پر یاقوت جیسے پالان ہوں گے جن پر سونا جڑا ہوا ہوگا جن پر ریشمی جھولیں ہوں گی وہ اونٹنیاں ان کے سامنے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ یہ سواریاں تمہیں بھجوائی گئی ہیں اور دربار خدا میں تمہارا بلاوا ہے...یہ ان پر سوار ہوں گے.....وہ پرندوں کی رفتار سے بھی تیز رفتار ہوں گی...جنتی

ایک دوسرے سے مل کر چلیں گے... اونٹنیوں کے کان سے کان بھی نہ ملیں گے... پوری فرمانبرداری کے ساتھ چلیں گی.... راستے میں جو درخت آئیں گے وہ خود بخود ہٹ جائیں گے کہ کسی کو اپنے ساتھی سے الگ نہ ہونا پڑے... یوں ہی رحمٰن ورحیم خدا کے پاس پہنچیں گے... خدا تعالیٰ اپنے چہرے سے پردے ہٹا دے گا... یہ اپنے رب کو دیکھیں گے اور کہیں گے "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَحَقٌّ لَکَ الْجَلَالُ وَالْاِکْرَامُ... ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ رب العزت فرمائے گا" اَنَا السَّلَامُ وَمِنِّیْ السَّلَامُ... تم پر میری رحمت سابق ہو چکی اور محبت بھی... میرے ان بندوں کو مرحبا ہو جو بن دیکھے مجھ سے ڈرتے رہے.... میری فرمانبرداری کرتے رہے...

جنتی کہیں گے باری تعالیٰ نہ تو ہم سے تیری عبادت کا حق ادا ہوا نہ تیری پوری قدر ہوئی... ہمیں اجازت دے کہ تیرے سامنے سجدہ کریں... اللہ فرمائے گا یہ محنت کی جگہ نہیں نہ عبادت کی یہ تو نعمتوں.... راحتوں اور مالا مال ہونے کی جگہ ہے... عبادتوں کی تکلیف جاتی رہی.... مزے لوٹنے کے دن آ گئے جو چاہو مانگو پاؤ گے تم میں سے جو شخص جو مانگے اسے دوں گا... پس یہ مانگیں گے کم سے کم سوال والا کہے گا کہ خدایا تو نے دُنیا میں جو پیدا کیا تھا جس میں تیرے بندے ہائے وائے کر رہے تھے میں چاہتا ہوں کہ شروع دُنیا سے آخر دُنیا تک دُنیا میں جتنا کچھ تھا.... مجھے عطا فرما...

اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے کچھ نہ مانگا اپنے مرتبے سے بہت کم چیز مانگی.... اچھا ہم نے دی... میری بخشش اور دین میں کیا کمی ہے؟ پھر فرمائے گا جن چیزوں تک میرے ان بندوں کے خیالات کی رسائی بھی نہیں وہ انہیں دو... چنانچہ دی جائیں گی یہاں تک کہ ان کی خواہشیں پوری ہو جائیں گی...

ان چیزوں میں جو انہیں یہاں ملیں گی تیز رو گھوڑے ہوں گے.... ہر چار پر یاقوتی تخت ہوگا.... ہر تخت پر سونے کا ایک ڈیرہ ہوگا.... ہر ڈیرے میں جنتی فرش ہوگا جن پر بڑی بڑی آنکھوں والی دو حوریں ہوں گی.... جو دو دو حلے پہنے ہوئے ہوں گی جن میں جنت کے تمام رنگ ہوں گے اور تمام خوشبوئیں ان خیموں کے باہر سے ان کے چہرے ایسے چمکتے ہوں گے گویا وہ باہر بیٹھی ہیں... ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودا باہر سے نظر آ رہا ہوگا جیسے سرخ یاقوت میں ڈورا پرویا ہوا ہو اور وہ اوپر سے نظر آ رہا ہو... ہر ایک دوسرے پر اپنی فضیلت ایسی جانتی ہوگی جیسے فضیلت سورج کی پتھر پر اس طرح جنتی کی نگاہ میں بھی دونوں ایسی ہی ہوں گی یہ ان کے پاس جائے گا اور ان سے بوس و کنار میں مشغول ہو جائے گا... وہ دونوں اسے دیکھ کر کہیں گی واللہ ہمارے تو خیال میں بھی نہ تھا کہ خدا تم جیسا

خاوند ہمیں دے گا... اب بحکم خدا! اسی طرح صف بندی کے ساتھ سواریوں پر یہ واپس ہوں گے اور اپنی منزلوں میں پہنچیں گے... دیکھو تو سہی خدائے وہاب نے انہیں کیا کیا نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں؟

وہاں بلند درجہ لوگوں میں اونچے اونچے بالا خانوں میں جوڑے موتی کے بنے ہوئے ہوں گے جن کے دروازے سونے کے ہوں گے جن کے تخت یاقوت کے ہوں گے جن کے فرش نرم اور موٹے ریشم کے ہوں گے جن کے منبر نور کے ہوں گے جن کی چمک سورج کی چمک سے بالاتر ہوگی... اعلیٰ علیین میں ان کے محل ہوں گے.... یاقوت کے بنے ہوئے نورانی جن کے نور سے آنکھوں کی روشنی جاتی رہے لیکن خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں ایسی نہ کرے گا... جو محلات یاقوتِ سرخ کے ہوں گے ان میں سبز ریشمی فرش ہوں گے اور جو زرد یاقوت کے ہوں گے ان کے فرش سرخ مخمل کے ہوں گے جو زمرد اور سونے کے جڑاؤ کے ہوں گے ان تختوں کے پائے جواہر کے ہوں گے... ان پر چھتیں لولو کی ہوں گی... ان کے برج مرجان کے ہوں گے ان کے پہنچنے سے پہلے خدائی تحفے وہاں پہنچ چکے ہوں گے... سفید یاقوتی گھوڑے غلمان لیے کھڑے ہوں گے جن کا سامان چاندی کا جڑاؤ ہوگا... ان کے تخت پر اعلیٰ ریشمی نرم دبیز فرش بچھے ہوں گے...

یہ ان سواریوں پر سوار ہو کر بے تکلف جنت میں جائیں گے... دیکھیں گے کہ ان کے گھروں کے پاس نورانی منبروں پر فرشتے ان کے استقبال کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں... وہ ان کا شاندار استقبال کریں گے... مبارکبادیں گے.... مصافحہ کریں گے.... پھر یہ اپنے گھروں میں داخل ہوں گے.... انعاماتِ خدا وہاں موجود پائیں گے... اپنے محلات کے پاس دو جنتیں ہری بھری پائیں گے اور دو پھلی پھولی جن میں دو چشمے پوری روانی سے جاری ہوں گے اور ہر قسم کے جوڑ دار میوے ہوں گے اور خیموں میں پاک دامن بھولی بھالی پردہ نشین حوریں ہوں گی جب یہ یہاں پہنچ کر راحت و آرام میں ہوں گے اس وقت اللہ رب العزت فرمائے گا میرے پیارے بندو! تم نے میرے وعدے سچے پائے؟ کیا تم میرے ثوابوں سے خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے خدایا ہم خوب خوش ہو گئے..... بہت ہی رضامند ہیں.... دل سے راضی ہیں.... کلی کلی کھلی ہوئی ہے تو بھی ہم سے خوش رہ... اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میری رضامندی نہ ہوتی تو میں اپنے اس مہمان خانے میں تمہیں کیسے داخل ہونے دیتا؟ اپنا دیدار کیسے دکھاتا؟ میرے فرشتے تم سے مصافحہ کیوں کرتے؟ تم خوش رہو بہ آرام رہو تمہیں مبارک ہو تم پھلو پھولو اور سکھ چین اٹھاؤ.... میرے یہ انعامات گھٹنے اور ختم ہونے والے نہیں... اس وقت وہ کہیں گے خدا ہی کی ذات

سزاوار تعریف ہے جس نے ہم سے غم و رنج کو دور کر دیا اور ایسے مقام پر پہنچایا کہ جہاں ہمیں کوئی تکلیف کوئی مشقت نہیں... یہ اسی کا فضل ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا اور قدر دان ہے...

اس کے بعض شواہد بھی موجود ہیں... چنانچہ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے جو سب سے اخیر میں جنت میں جائے گا فرمائے گا کہ مانگ.... وہ مانگتا جائے گا اور کریم دیتا جائے گا... یہاں تک کہ اس کا سوال پورا ہو جائے گا... اب اس کے سامنے کوئی خواہش باقی نہیں رہے گی تو اب اللہ تعالیٰ خود اسے یاد دلائے گا کہ یہ مانگ یہ مانگ.... یہ مانگے گا اور پائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب میں نے تجھے دیا اور اتنا ہی اور بھی دس مرتبہ عطا فرمایا...

صحیح مسلم شریف کی قدسی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے انسان جنات سب ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے دُعائیں کریں اور مانگیں.... میں ہر ایک کے تمام سوالات پورے کروں لیکن میرے ملک میں اتنی بھی کمی نہ آئے جتنی کہ سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے سمندر کے پانی میں آئے...

اہل جنت کی مبارک حالتیں

اہل جنت کے جسم پر بال نہ ہوں گے... اور سب مرد و عورت بے داڑھی کے ہونگے... البتہ سر پر بال ہوں گے اور سینہ و پنڈلیوں پر جو بال ہوں گے بہت ہلکے ہوں گے اور خوب بھرے ہوئے نہ ہوں گے جن سے کھال کی خوبصورتی دب جائے... زیر ناف اور بغلوں کے نیچے بال بالکل نہیں ہوں گے... چہرہ پر داڑھی نہ ہونے کی تمنا جنت میں پوری ہو جائے گی... بہر حال جنت میں تو ہر چیز حسین ہوگی... داڑھی نہ ہونے پر بھی مردوں کا حسن دوبالا رہے گا اور اندر سے بال نکل کر نہیں آئیں گے جن کو مونڈھنا پڑے اور اس کی وجہ سے کھال خراب ہو... جنتیوں کی آنکھیں ایسی حسین ہوں گی کہ بغیر سرمہ لگائے ہی سرگیں معلوم ہوں گی... نہ ان کی جوانی فنا ہوگی اور نہ کپڑے میلے اور بوسیدہ ہوں گے... جنتی ہمیشہ تندرست ہوں گے کبھی بیمار نہ ہوں گے... کبھی بوڑھے نہ ہوں گے کبھی موت نہ آئے گی کبھی محتاج نہ ہوں گے اور ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گے اور کبھی نیند نہ آئے گی کیونکہ نیند آتی ہے مرض یا ضعف یا تکان اور محنت کرنے کی وجہ سے چونکہ جنت میں نہ محنت ہے نہ مرض ہے نہ تکان اور ضعف... اس لئے نیند کی ضرورت ہی نہ ہوگی... نیند دُنیا میں

بھی بذات خود مقصود نہیں ہے چونکہ تکان کے بعد سو جانے سے طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اور انسان چاق و چوبند ہو جاتا ہے اس لئے نیند کو پسند کرتا ہے دُنیا میں اگر نیند نہ آئے تو دوا کھا کر نیند لانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن جہاں تکان ہی نہ ہو گی وہاں سونا پسند نہ ہو گا... کیونکہ اگر سو جائیں تو جتنی دیر سوئیں گے خواہ مخواہ اتنی دیر نعمتوں سے محروم رہیں گے...

جنت کی زندگی

جنتیوں کے منہ سے اللہ کی تسبیح اور اللہ کی تعریف بلا اختیار جاری ہو گی... جیسے دُنیا میں تم کو بلا اختیار سانس آتا ہے جس طرح دُنیا میں سانس لینے کے لئے آپ کو نہ کوئی تکلیف ہوتی ہے اور نہ ہی سانس لینے کا ارادہ کرنا پڑتا ہے اور نہ دوسرے کاموں کی مشغولیت سانس لینے سے روکتی ہے اسی طرح جنتی حضرات اللہ کی تسبیح اور تحمید میں ہر وقت مشغول ہوں گے... نعمتوں اور لذتوں کی مشغولیت ان کو اللہ کی تسبیح اور تحمید سے غافل نہ کرے گی... بلا اختیار تسبیح و تحمید جاری ہو گی اور جنتی لوگ نہ تسبیح و تحمید سے تھکیں گے اور نہ نفس کو ذرا جتنی بھی گرانی ہو گی...

صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ جنت کی زندگی کا ذریعہ اللہ کی تسبیح کو بنا دیا گیا ہے... جس طرح دُنیا میں سانس لے کر جیتے ہیں اسی طرح وہاں خدا کی تسبیح سے زندہ رہیں گے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جنتی حضرات کے قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت سے منور رہیں گے... اہل جنت کے سروں پر تاج ہوں گے جن کے ادنیٰ موتی کی چمک اس قدر ہو گی کہ اگر ادنیٰ موتی دُنیا میں آ جائے تو پورب سے پچھم تک ساری فضا کو روشن کر دے وہاں کی رہائش کا ایسا ڈھنگ ہو گا کہ کسی جنتی کی پشت نظر نہیں آئے گی... آپس میں جب کسی کو دیکھیں گے تو چہروں پر ہی نظر پڑے گی... مجلس میں بیٹھیں گے تو اہل دُنیا کی طرح آگے پیچھے نہ بیٹھیں گے کیونکہ دُنیا میں جگہ کی کمی ہے وہاں کمی نہ ہو گی... ہر شخص ہر جگہ سے دوسرے کی بات سن لے گا... جنت میں جب کوئی شخص چاہے گا کہ فلاں صورت میری صورت ہو جاتی تو اسی وقت اس کی وہ صورت بن جائے گی جنت میں کالے رنگ کے حبشی سفید اور حسین ہو جائیں گے اور ایک ہزار سال کی مسافت سے چمکیں گے ادنیٰ جنتی کو دُنیا سے دس گنا زیادہ جگہ ملے گی...

جنت کی حوریں

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی زوجیت کے لئے حور عین پیدا فرمائی ہیں... ان کی پیدائش انسانوں کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ اللہ نے محض اپنی قدرت سے ان کو پیدا فرمایا ہے...

روایت میں ہے کہ ادنیٰ جنتی کے لئے کم از کم دو بیویاں بنی آدم سے ہوں گی اور بہتر بیویاں وہ ہوں گی جن کی تخلیق اللہ تعالیٰ اس عالم میں فرمائیں گے... ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بہتر ۷۲ بیویاں حورعین سے اور بہتر ہی دُنیا کی عورتوں سے ملیں گی... غرضیکہ جنتیوں کو دوسری نعمتوں کے ساتھ کثرت ازواج کی نعمت سے بھی نوازا جائے گا...

یاد رکھئے! جنت کی عورتیں دُنیا کی عورتوں کی طرح نہیں ہوں گی کہ اگر عورت عطر نہ لگائے تو بدن سے بو آنے لگے... اگر دانت صاف نہ کرے تو منہ سے سڑاندھ آنے لگے... اگر بالوں میں تیل کنگھی نہ کرے تو بالوں میں جوئیں پڑ جائیں اور سر میں سے بو آنے لگے... اگر عمر زیادہ ہو جائے تو جسم پر جھریاں پڑ جائیں اور اماں بی معلوم ہونے لگے اور منہ لگانے کے قابل ہی نہ رہے...

جنت کی عورت اپنے قول و اقرار کی نہایت پکی... اپنے خاوند کی ایسی عاشق اور ایسی محبت رکھنے والی کہ اس کے دل کی محبت کی لہریں خاوند کو برابر نظر آئیں گی وہ اپنی محبت کو کبھی نہیں بدلتی... اور دُنیا کی عورت کی طرح ہرجائی نہیں ہے... جنت کی عورت مشک اور زعفران کی ملاوٹ سے پیدا کی گئی ہے... اس پر موتی اور نور لپیٹا گیا ہے... اس کی پنڈلی کا گودا لباس کے ستر (۷۰) پردوں میں سے چمکے گا... اس کی ایک سر کی اوڑھنی دُنیا و مافیہا سے بہتر اور قیمتی ہے... جنت کی عورت اگر سمندر کے کھاری پانی میں اپنا لعاب دہن ڈال دے تو وہ میٹھا ہو جائے اگر وہ اپنی کلائی یا چھنگلیا آفتاب کے سامنے کر دے تو آفتاب بے نور ہو جائے اور آفتاب کو گہن لگ جائے... اگر وہ دُنیا میں اپنی زیب و زینت کے ساتھ آ جائے تو سارا جہان معطر ہو جائے اور چمک اٹھے... اگر جنت کی عورت مردے سے بات کرے تو مردہ زندہ ہو جائے...

ان حوروں میں سے ہر عورت کے بدن پر ستر (۷۰) نفیس نفیس جوڑے ہوں گے... جن میں سے کوئی جوڑا دوسرے کا ہم رنگ نہیں ہوگا... ہر حور کو ستر (۷۰) قسم کی بہترین سے بہترین خوشبو عطا کی جائے گی... اور ہر خوشبو دوسری خوشبو سے الگ اور جدا جدا ہوگی... ہر عورت یاقوت کے تخت پر جلوہ افروز ہوگی جو موتیوں سے آراستہ ہوگا اور ہر تخت پر ستر ستر ریشم کے بستر ہوں گے...

اور ہر ایک بستر پر ستر ستر تکئے ہوں گے ہر حور کے ستر ہزار غلام ہوں گے ہر حور کے شوہر کے بھی ستر ستر ہزار خادم ہوں گے... یہ حوریں بہنوں کی طرح میل محبت سے رہیں گی آپس میں حسد... جلن اور بغض نام کو نہ ہوگا...

سوکنوں والی کشیدگی اور لڑائی دشمنی وہاں بالکل نہیں ہوگی۔۔ان حوروں کی نظر صرف شوہروں ہی پر پڑے گی اور ان کا دل شوہروں سے لگا ہوگا۔۔اپنے شوہروں کے علاوہ کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گی۔۔۔یہ حوریں کنواری ہوں گی۔۔۔جب بھی ان کے شوہر مقاربت ومباشرت کریں گے تو ہمیشہ ان کو کنواری ہی پائیں گے۔۔دُنیا کی عورت کی طرح جماع کرنے سے ان کی بکارت زائل نہیں ہوگی۔۔۔

جنت کے بالا خانے

جنت کے مکان کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی۔۔گارا اس کا خالص مشک کا ہے۔۔اور کنکریاں اس کی موتی اور یاقوت کی ہیں اور مٹی اس کی زعفران کی ہے۔۔اس کو معمار نہیں بنائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر کن سے تیار ہو جائے گا۔۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔۔کیونکہ وہ جنت کا سب سے بہتر اور بلند درجہ ہے۔۔ اور اس سے جنت کی چار نہریں پھوٹتی ہیں۔۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں بالا خانے ہیں جو ایسے شفاف ہیں کہ ان کے باہر والا حصہ اندر سے اور اندرونی حصہ باہر سے نظر آتا ہے۔۔

جنت کے کھانے

اہل جنت کے لئے خدمت گار ایسے لڑکے ہوں گے کہ اگر تو ان کو دیکھے تو کہے یہ موتی ہیں۔۔۔ صاف کئے ہوئے۔۔۔گویا کہ اسی وقت سیپ سے نکلے ہیں۔۔۔یہ خدمت گار لڑکے چاندی اور سونے کے برتنوں میں جو اس سائز کے ہوں گے کہ جنتیوں کی پیاس کے موافق نہ تو پانی ومشروب کم ہو کہ پھر مانگنے کی ضرورت پڑے اور نہ اتنے بڑے ہوں گے کہ پانی برتن میں چھوڑنا پڑے۔۔۔یہ لڑکے بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے کہ خدمت میں لگے ہوئے ہر طرف چل پھر رہے ہوں گے۔۔۔تصور فرمایئے کہ جب خادم کی خوبصورتی کا یہ عالم ہے تو مخدوم کا کیا حال اور کیسا مرتبہ ہوگا۔۔۔؟حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مخدوم کو خادم پر اس جیسی فضیلت ہوگی جیسے چودھویں رات کے چاند کو عام ستاروں پر ہوتی ہے۔۔۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں لمبی لمبی گردنوں والے اونٹوں کے برابر پرندے ہیں جو جنت کے درختوں میں چرتے پھرتے ہیں۔۔۔جب کسی جنتی کو پرند کھانے کی اشتہا ہوگی تو خود بخود پرند اس کے سامنے آ کر گر جائیگا جو پکا ہوا ہوگا اور اس کے ٹکڑے بنے ہوئے

ہوں گے...وہ پرند جو جنتی کے دستر خوان پر خود بخود گر پڑے گا وہ آگ اور دھوئیں کے بغیر بھنا ہوا ہوگا...جنتی اس میں سے اس قدر کھائے گا کہ اس کا پیٹ بھر جائیگا...بعد میں وہ پرندہ اڑ جائے گا...

ایک اشکال کا حال

پنڈت دیانند سرسوتی نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے اشکال کیا کہ جنتی کھانا کھائیں گے اور کھانے کے بعد انہیں بیت الخلاء کی حاجت نہیں ہوگی تو یقیناً پسینہ میں بدبو آنی چاہیے اس لیے کہ نہ پیشاب کا تقاضا ہوگا نہ پاخانہ کا تقاضا ہوگا نہ کھنکارنے کی ضرورت ہوگی اس لیے اس کے پسینہ میں بدبو ویسی ہی ہونی چاہیے جیسی پیشاب پاخانہ میں ہوتی ہے اس نے یہ اشکال اور اعتراض کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دُنیا میں بدبو کیوں ہوتی ہے؟

اس میں بڑی بحث ہے، اس میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیز آدمی زمین میں بوتا ہے اور اس سے جو پودا اُگتا ہے اور اس پر دانے لگتے ہیں اس میں دو پہلو اور دو حیثیتیں ہیں، اس میں فضلہ بھی ہے اور جوہر بھی ہے اس کے بعد اس کی صفائی ہوتی ہے اس کے بعد پھر پیس کر گوندھنے کے بعد پکتا ہے تو اس میں اخیر تک دو چیزیں چلتی ہیں فضلہ اور جوہر، حتیٰ کہ آدمی جب انتہائی درجہ صاف کر کے اسے کھاتا ہے تو اس میں بھی یہی دو چیزیں پائی جاتی ہیں ایسا نہیں کہ وہ خالص جوہر ہی جوہر ہو، خالص ست ہی ست ہو، کچھ زائد مادہ اور کچھ فضلہ اس میں بھی موجود ہوتا ہے اور فرمایا کہ جب انسان کی یہ غذا اندر پہنچتی ہے اور معدے سے گزر کر جب آگے پہنچتی ہے تو اس کا جوہر معدہ سے جگر کی طرف اور جگر سے خون بن کر قلب کی طرف اور قلب سے یہ جتنی ساری رگیں پائپ لائن کی شکل میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ان کے ذریعے پورے بدن میں سپلائی ہوتا رہتا ہے تو وہ درحقیقت جوہر ہے اور فضلہ اگر گاڑھا ہے تو وہ پاخانہ کی شکل میں اور رقیق اور پتلا ہے تو پیشاب کی شکل میں خارج ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس خون کے اوپر بہت ہلکے اور بڑے لطیف بخارات ہوتے ہیں انہی کی وجہ سے بدن میں ایک توانائی، ایک قسم کی حرارت، نشاط اور تازگی ہوتی ہے اور بڑھاپے میں اس میں کمی آجاتی ہے تو مولانا نے پنڈت سے سوال کیا کہ اگر کسی شخص کی غذا اور خوراک وہ جوہر ہو جس سے خون اور اس کے اوپر کے لطیف بخارات بنتے ہیں تو کیا اس کو پیشاب پاخانہ کی ضرورت پیش آئے گی؟ اب وہ خاموش ......وہ کیا کہے گا، اس نے کہا کہ سمجھ میں تو نہیں آتا کہ ضرورت پیش آئے تو فرمایا کہ وہ جنتی لطیف اور

نفیس ہے اور جنتی فضلہ سے دور ہے اس سے کئی گنا زیادہ لطیف اور بُر جو ہر غذا جنت میں ہوگی اس لیے نہ پیشاب کا سوال پیدا ہوگا نہ پاخانہ کا سوال پیدا ہوگا، ڈکار آئے گی تو کھٹی نہیں کہ پڑوسی کی طبیعت خراب ہو جائے بلکہ مشک کی خوشبو ہوگی اور پسینہ ہوگا تو مشک کی طرح خوشبودار حتیٰ کہ انسان جب اپنی بیوی سے ہم بستری کرے گا تو فراغت پر دُنیا کی طرح مادہ منویہ خارج نہیں ہوگا کہ دُنیا میں انسان کا مادہ خارج ہوتا ہے اور اس کی خواہش کی تسکین ہو جاتی ہے وہاں یہ شکل نہیں ہوگی۔

ایک اور شبہ کا حل

ایک بزرگ فرماتے ہیں مجھے یہ اشکال ہوا کہ جب جنتی جنت میں کھانا کھائے گا اور کھانے کے بعد جنت میں ڈکار آئے گی تو مشک کی طرح ہوگی اور پسینہ بھی اسی قسم کا ہوگا تو ہو نہ ہو صحبت کا بھی کچھ اور ہی معاملہ ہوگا کیوں کہ پیشاب پاخانہ کا تو سوال ہی نہیں بلکہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کشف ہے وہ لکھتے ہیں کہ جنتیوں کی دُبر نہیں ہوگی یعنی انسان کے پیچھے کا وہ راستہ جس سے نجاست اور فضلہ خارج ہوتا ہے وہ نہیں ہوگا اس لیے کہ وہاں اس کی ضرورت ہی نہیں ہوگی تو مجھے یہ خیال اور اشکال پیدا ہوا کہ یقیناً جماع اور صحبت کی جو شکل ہوگی اس میں بھی کوئی ایسی ہی لطیف چیز ہونا چاہیے، بعد میں میں نے حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتابوں میں یہ بات دیکھی، انہوں نے تصریح کی ہے کہ جس وقت آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے گا تو مادہ منویہ خارج نہیں ہوگا بلکہ ایک مزیدار اور لطیف گیس اور ہوا عضو مخصوص سے خارج ہوگی اور تسکین ہو جائے گی تو ادھر ڈکار میں مشک کی خوشبو اور پسینہ بھی مشک کی طرح خوشبودار ہوگا اور فراغت ہوگی وہ بھی اسی شکل میں ہوگی کہ ایک ہوا اگلی راہ سے خارج ہوگی جس سے اس کی خواہش کی تکمیل ہو جائے گی اس مقام پر کلفت، کدورت اور پریشانی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اس کی خلافت کی تکمیل جنت میں جا کر ہوگی اس کے علم کی تکمیل، اس کے قوتِ ارادہ اور قوائے جسمانی اور دیگر ساری چیزوں کی تکمیل جنت میں جا کر ہوگی، اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا کہ ہر جنتی کی عمر تینتیس سال ہوگی۔

اور وہ جو آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے "سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّةِ" کہ وہ دونوں جنت کے ادھیڑ عمر والوں کے سردار ہوں گے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ کیا جنت میں جوانوں

کے علاوہ اور بھی کوئی ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں جوان سے مراد وہ جو دُنیا سے جوانی میں جا چکے ہیں یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں جانے کے بعد بھی بوڑھے رہیں گے۔ اس لیے جتنے بوڑھے ہیں انہیں اطمینان رکھنا چاہیے کہ وہ بھی جوان ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ لمبے ہوں گے جسمانی قوتیں وہاں اپنے پورے شباب پر ہوں گی تو اندر کی ساری استعداد اور صلاحیت اپنے کمال پر ہوگی اس لیے جنت میں جانے کے بعد نامناسب خواہش نہیں ہوگی کہ آدمی کوئی ایسی خواہش کرنے لگے جو مہمل ہو غلط اور بے کار قسم کی ہو نہایت مناسب قسم کے جذبات ہوں گے اور لذتوں کی شکلیں حق تعالیٰ قائم فرمائیں گے، ہر لائق کی لذتیں ہوں گی۔

جنت میں میوزک کا پروگرام

عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلے گی اور اس شان کے ساتھ چلے گی کہ جنت کے جتنے درخت ہیں ان کی پتیاں آپس میں ٹکرائیں گی اور جنت کے دروازوں اور کھڑکیوں کی کنڈیاں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گی اور اس سے اس شان کے سُریلے نغمے اور راگ نکلیں گے کہ کبھی کسی کان نے نہیں سنے ہوں گے جس کا تصور اور تخیل بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اتنی فرحت اور مسرت ہوگی کہ اگر وہ آواز اس عالم میں آجائے تو یہ انسان مدہوش اور بے ہوش کیا بلکہ اپنی عقل کھودے وہ آواز اس عالم میں برداشت ہی نہیں کر سکتا۔

تو یہ کانوں کی تسکین کا سامان ہے کیوں کہ اس نے اپنے کانوں کے متعلق جو رویہ رکھا تھا وہ صرف یہ تھا "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا" اس "سَمِعْنَا" کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ اس کے کانوں کی تسکین کا سامان کریں گے، آنکھوں کے باب میں اس نے اطاعت اختیار کی تھی تو آنکھوں کے لیے مناظر کی شکل ہوگی۔ چنانچہ آنکھ کے لیے جو لذات ہوں گی ان میں سب سے بڑی لذت حق تعالیٰ کا دیدار ہے حق تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی نصیب فرمائیں۔ (آمین)

جنت میں بازارِ حسن

جنت میں بازارِ حسن بھی ہوگا، بازارِ حسن کا مطلب بھی آپ سمجھ لیں جیسے آپ دُنیا میں کسی دُکان پر جاتے ہیں تو وہاں شیشہ کے اندر مجسموں کی شکل میں خوبصورت چہرے اور شکلیں کھڑی کردی جاتی ہیں۔ ان کو سجایا جاتا ہے وہاں یہ شکل ہوگی کہ حق تعالیٰ نے حسن و جمال کی لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں شکلیں قائم فرمائی ہیں جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور اتنا زیادہ جمال ہوگا

کہ اس عالم میں اس کے تحمل کا امکان نہیں اور جنتی وہاں پہنچے گا تو اس کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ وہ جس شکل کو چاہے اختیار کرلے اور جس میں خود تبدیل ہونا چاہے تبدیل ہوجائے یہ اختیار دیا جائے گا، دُنیا میں جب آدمی کسی باجمال کو دیکھتا ہے تو اس کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ یہاں اگر یہ شکل ہوجائے تو خدا جانے کیا کیا انقلاب آجائے یہ اختیار دے دیا جائے کہ آدمی اپنی شکل دوسرے کی شکل میں تبدیل کرلے...... سبحان اللہ......! پھر تو دیکھنے کے لائق منظر ہوگا ہر شخص کی حقیقت کچھ کی کچھ ہو جائے گی مگر وہاں یہ شکل ہوگی کہ ہر جنتی کو اس کا اختیار ہوگا، آنکھوں کی لذت کے لیے حق تعالیٰ نے ایسی ایسی چیزیں رکھی ہیں کہ ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض موقعوں پر جنتی جب اپنے یاقوت اور جواہرات سے مرصع خیمے کے قریب پہنچے گا تو اسے یہ احساس ہوگا کہ وہ خیمہ کے اندر ہے حالانکہ وہ باہر ہوگا۔ اس سے اس مکان کی شفافیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مگر ممکن ہے کہ قارئین میں کسی کو خیال پیدا ہو کہ جب جنت کی ہر شے میں شعور، احساس اور ادراک ہے تو پھر یہ انسان جب تنہائیوں کے لطف اُٹھائے گا تو بستر سمجھ دار، دروازے سمجھ دار، تکیہ سمجھ دار، چادریں سمجھ دار اسی طرح پلنگ وغیرہ کے سمجھ دار ہونے کی وجہ سے اچھی خاصی مصیبت کھڑی ہو جائے گی! یہ انسان اگر اپنی تنہائیوں کے لطف کے لیے آمادہ ہو تو ان سارے سمجھ داروں کے سامنے ناسمجھی بھلا کیسے کرے گا؟ یہ بھی تو ایک سوال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں کو اطاعت کے باب میں شعور ہوگا، دیگر اُمور میں شعور نہیں ہوگا ورنہ وہاں تو زندگی دوبھر ہوجائے گی جینا مشکل ہو جائے گا، اس لیے وہ نوعیت دوسری اور یہ شکل دوسری ہوگی۔ یہاں ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جنتیوں کی آپس میں دوستوں سے ملاقات بھی ہوگی اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ جو بڑے درجہ کے جنتی ہیں وہ نچلے درجہ میں آئیں گے، ان کا اعزاز و اکرام بڑھے گا اور نچلے درجہ کے جو جنتی ہیں انہیں بھی حق تعالیٰ بھی نوازیں گے اور ان کو اوپر کے درجات میں ملاقات کے لیے جانا نصیب ہوگا۔

لکھا ہے کہ آٹھ جنتیں ہیں، ان میں سب سے ہائی کنڈیشن، سب سے اعلیٰ اور معیاری جنت وہ فردوس ہے، سب سے اعلیٰ درجہ وہی ہے، فردوسِ بریں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو محل ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے جنتوں میں سب سے عالی جنت فردوس ہے اور فردوس میں سب سے بڑا اور عمدہ قسم کا محل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، ہزاروں بنگلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محل سے ہر جنتی کے محل کا کچھ ایسا کنکشن قائم ہوگا کہ وہ

اپنی محبت نبوی، معرفت نبوی اور اپنی نسبت کی مناسبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کر سکے گا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات بھی اسے نصیب ہوگی۔

اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ جنت میں سارے انبیاء سے ملاقات ہوگی حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابومحمد ہوگی، ساری انسانیت حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے لیکن باپ کے شرف کے لیے سب سے زیادہ ذی شرف لڑکے کی جانب نسبت ہوگی، اس لیے آدم علیہ السلام جنت میں ابومحمد کہلائیں گے اور ان کی داڑھی ناف تک طویل ہوگی جنت میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر سارے پیغمبروں سے موقع بموقع حسب مشیت الٰہی انسانوں کی ملاقات ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں نصیب فرمائیں (آمین) کیا پُرلطف موقع ہوگا کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگی مگر معیار وہی ہے کہ جس درجہ اطاعت اور محبت نبوی ہوگی اسی تناسب سے ملاقات ہوگی اور اسی اعتبار سے وہ لطف اندوز بھی ہوگا، الغرض آنکھوں کی لذت کے لیے حق تعالیٰ نے عجیب عجیب چیزیں رکھی ہیں۔

جنت میں دوستوں کی ملاقات اور مجالس

جنت میں دوستوں سے ملاقات بھی ہوگی اور وہاں کی مجلسوں میں دُنیا کا تذکرہ بھی کریں گے، کہیں گے کہ ہم فلاں موقع پر فلاں جگہ بیٹھے ہوئے تھے اور یہ بات چل رہی تھی مگر ہاں! نامناسب باتیں نہیں یاد آئیں گی۔ چنانچہ سورۂ صٰفّٰت میں ہے کہ ایک مجلس میں جنتی بیٹھے ہوئے ہوں گے تو ایک شخص کہے گا کہ میرا ایک دوست تھا اور مجھے بڑا زور دیتا تھا کہ چلو مندر میں گھنٹی بجائیں اور بتوں کو سلام کر آئیں اور میں اس سے دور رہتا تھا وہ یہاں نظر نہیں آتا ذرا جھانک کر دیکھوں کہ آیا وہ جہنم میں ہے؟ اور ہونا وہیں چاہیے چنانچہ وہ جائے گا اور جا کر دیکھے گا جس کو قرآن کریم میں فرمایا "فَاطَّلَعَ فَرَءَاهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ" تو وہ جھانکے گا اور اسے جہنم میں دیکھے گا تو قسم کھا کر کہے گا کہ ظالم تو تو میری لٹیا ڈبو دیتا بڑی خیر ہوئی کہ میں نے تیری بات نہیں مانی، اگر کسی شخص نے اسے گمراہ کرنے کی سکیم اس کے سامنے رکھی ہوگی تو وہ بھی اسے وہاں یاد آئے گا اور اس کا استحضار اس کی خوشی میں اضافہ کا باعث بن جائے گا حتیٰ کہ حدیث میں موجود ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ جہنمی جن کے لیے جہنم میں جانا فکس (Fix) اور طے ہو چکا ہے انہیں جنت دکھلائی جائے گی تاکہ ان کی کلفت میں اضافہ اور وہ جنتی جن کا جنت میں جانا طے ہے ان کو

جہنم دکھلائی جائے گی کہ اگر تم صحیح نہ چلتے تو تمہارا ٹھکانہ یہ ہوتا تاکہ ان کی مسرت اور خوشیوں میں اضافہ ہو اور انسان سوچے کہ یہ اللہ کا بڑا کرم ہوا کہ اس مصیبت عظمیٰ سے مجھے نجات مل گئی۔

جنت میں مجلس ہوگی اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ لوگ آمنے سامنے بیٹھیں گے، جیسے یہاں بعض مجلسیں گول دائرے کی شکل میں ہوتی ہیں جن میں پس پشت بیٹھنے کی شکل نہیں ہوتی اور شاہ کرسی بیچ میں ہوتی ہے جیسے پرانے درباروں میں شکل ہوتی تھی تو جنتی جنت میں بیٹھیں گے۔ "مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ" آمنے سامنے کی شکل ہوگی، آگے پیچھے کی نہیں اور وہاں علم و حکمت کی باتیں ہوں گی، دانائی اور شعور کی باتیں ہوں گی اور فرحت کی باتیں ہوں گی حتیٰ کہ کوئی دن جنتیوں پر ایسا نہیں گزرے گا جس میں نئے نئے علوم اور نئے نئے حقائق نہ کھلیں۔

جنت میں رقص و سرود کی محفل

اور اگر کسی کو دُنیا میں رقص دیکھنے کا بہت شوق ہے تو جنت میں بھی ناچ ہوگا مگر شائستہ، جنت کی نہروں کے کنارے حوریں رقص کناں ہوں گی اور وہ حوریں بھی یہاں کی طرح کالی کلوٹی نہیں ہوں گی کہ بہت سے جوان ان ہی پر نثار اور فنا ہو جاتے ہیں، وہاں یہ شکل ہوگی کہ حوریں نہروں کے کنارے رقص کناں ہوں گی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اشعار پڑھتی ہوں گی جیسا کہ احادیث سے ان اشعار کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً "نَحْنُ خَالِدَاتٌ فَلَا نَمُوتُ وَلَا نَفْنَى" جن کا مفہوم یہ ہے کہ ہم کبھی فنا ہونے والی نہیں، ہم ہمیشہ صحت مند ہیں، کبھی بیمار ہونے والی نہیں، ہمیشہ راضی کبھی ناراض ہونے والی نہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ حسن و جمال کی وجہ سے اکڑفوں اختیار کریں۔

جنت کی سواری

جنت میں تعلقات خوشگوار، ہموار اور استوار ہوں گے جس جہت سے آپ دیکھیں گے وہاں کی ہر شے عجیب ہوگی، بعضوں کو سواری کا شوق ہوتا ہے، بعضوں کو جذبہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس مرسیڈیز گاڑی رہے اور بعض چاہتے ہیں کہ رولز رائکس رہے اور بعض اس سے قیمتی اور کچھ کچھ چاہتے ہیں اور جنت میں جو گاڑیاں ہوں گی یہاں کی سب سے زیادہ قیمتی گاڑیاں ان کے سامنے بالکل گھٹیا سمجھ لو۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ جنتی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے گا اور گھوڑے بھی کیسے؟ دُنیا کی طرح نہیں، یاقوت اور اعلیٰ قسم کے موتیوں کے گھوڑے ہوں گے اور جنتی اپنے گھر سے سوار ہو کر نکلے گا تو وہ دوڑنے لگیں گے اور دوڑیں گے ہی نہیں بلکہ بعض دفعہ اس کی خواہش

ہوگی کہ وہ اُڑیں تو وہ دوڑتے دوڑتے اُڑنا شروع کردیں گے۔

عجیب عجیب نعمتیں حق تعالیٰ نے جنت میں تیار فرمائی ہیں جس کو آپ ایک موٹی سی مثال سے یوں سمجھیں کہ اگر کسی محل کا ڈیکوریشن کرنا ہو اور اس پر حکومت اپنا پورا زور صرف کردے تو آپ اندازہ لگائیے کہ وہ کتنا شاندار ڈیکوریشن ہوگا تو اللہ جل جلالہ وعم نوالہ جو غیر معمولی قدرتوں والے ہیں، انہوں نے جنتوں کو سجایا اور آراستہ کیا اور چھوٹی سی جگہ میں نہیں، ساتویں آسمان کے اوپر اس کی چھت ہے جو درحقیقت عرش کا حصہ ہے اور نیچے اس کے ساتوں آسمان ہیں اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور وہ پانچ سو سال آج کے اس دور میں راکٹ سے بھی زیادہ تیز رفتار سواری کے سمجھ لیں اور آسمانوں کی ضخامت بھی اتنی ہی ہے تو یہ پانچ سو، پھر پانچ سو، پھر پانچ سو......!

اور پھر اس جنت کی سجاوٹ کا یہ نقشہ کہ جب ایک سوار جنت کی سواری پر ایک درخت کے نیچے چلنا شروع کرے گا تو اسّی سال تک چلتا رہے گا مگر درخت کا سایہ ختم نہیں ہوگا، اس سے درخت کی وسعت کا اندازہ لگائیے، اسی سال تک جنت کی سواری پر چلتا رہے اور درخت کا سایہ ختم نہ ہو......!! سایہ سے مراد یہاں نور کی ایک خاص کیفیت ہے کیوں کہ جنت میں سورج نہیں ہوگا بلکہ وہاں پر ہر وقت ایک ایسی شکل ہوگی جس کی ہلکی سی مثال یہ دی گئی کہ صبح صادق کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک جو کیفیت رہتی ہے یہ اس کا ہلکا سا ایک نمونہ ہے۔

جنت میں ہر اعتبار سے حواس کی تسکین کا اہتمام ہوگا، لباسوں اور مکانوں کی جہت سے، خواہشات اور مجالس کی جہت سے، سواری اور پھلوں کے اعتبار سے بلکہ بعض پھلوں کے باب میں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کھولے گا تو اندر سے نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے نکلنا شروع ہوں گے بلکہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ پھل کھولے گا اور اندر سے حوریں نکلیں گی۔ الغرض ہر چیز وہاں کی نرالی اور عجیب ہوگی۔

اسی لیے دنیا کے مسافر کو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے سوال کی تلقین کی کہ حق تعالیٰ سے آدمی جنت مانگتا رہے اور جہنم سے پناہ مانگتا رہے۔ اگر جنت کی نعمتوں کا استحضار ہے تو یہ دُنیا اس کے سامنے بالکل حقیر ذلیل معلوم ہو، اس کی جو عظمت اور اہمیت ہمارے دلوں میں بیٹھ گئی ہے وہ نکل جائے، آدمی ضرور دُنیا کمائے دُنیا سے فائدہ اُٹھائے، جتنی شریعت نے اجازت دی ہے اور مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچائے مگر مقصود اس کو نہ بنائے، دل اس سے نہ لگائے، سارا رونا اسی کا ہے۔

جنت کی نعمتوں کو سوچا جائے اور جہنم کے عذاب بھی سوچ جائیں، دونوں کا استحضار رہے تو ان شاء اللہ یہ محسوس ہوگا کہ یہ دُنیا ایک وقتی چیز ہے اور فنا ہونے والی ہے۔ دُنیا کی عظمت دل سے نکلے گی اور اگر یہ روگ نکل گیا تو آپ یقین مانیے کہ مسلمان کی زندگی کامیاب ہے، دین کی ساری محنتیں اور ساری کوششیں صرف اسی لیے ہیں کہ اندر کا کنکشن حق تعالیٰ سے ہو جائے اور یہ جو رُکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جائیں۔

دیکھیے ہوائی جہاز جب اوپر اُڑتا ہے تو بعض لوگوں سے سنا کہ اس میں کشش ارضی سے نکلنے کے لیے اتنا پٹرول صرف ہوتا ہے جتنا پانچ سو میل طے کرنے کے لیے درکار ہوتا ہے، اس لیے کہ اس وزنی چیز کو زمین کی کشش سے ہٹانے اور اوپر اُٹھانے کے لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ اندر فورس اور قوت ہو اور یہ جو ہمارا بدن ہے اس کے سارے تقاضے کھانا، پینا، سونا، جاگنا وغیرہ زمینی تقاضے ہیں اور بدن قبر میں جانے والا ہے جب کہ روح جو اس کے اندر ہے وہ اوپر جانا چاہتی ہے اور یہ ساری چیزیں اوپر جانے سے مانع اور رُکاوٹ بنی ہوئی ہیں، اب روح اوپر جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر پاور، قوت اور فورس پیدا ہو ورنہ جسم کا ثقل اور وزن اس کو اس زمین سے اوپر جانے نہیں دے گا تو روح کے لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ اس میں پاور ہو اور وہ ذکر اللہ اور نسبت مع اللہ سے پیدا ہوتا ہے جتنی قوت ہوگی اتنی سہولت کے ساتھ موت کے وقت یہ روح اوپر کی طرف جائے گی ورنہ وہ جانا نہیں چاہے گی کھینچ تان کر لے جایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے "عهدِ اَلَسْتُ" میں "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" رب والا جو سبق دیا گیا ہے اس کو جنہوں نے پختہ کرلیا، قبر میں جا کر چونکہ وہی سبق سنانا ہے اس لیے وہ سبق جنہوں نے یاد کرلیا ہے اور جانے کا شوق رکھتے ہیں تو ایسوں پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہوگی اور جو جانا نہیں چاہتے تو اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ لاؤ ڈنڈا اور پھر وہ گرما گرمی شروع ہوگی کہ اللہ ہی اپنی پناہ میں رکھے، تو کچھ تو جاتے ہیں اور کچھ لے جائے جاتے ہیں اس لیے مؤمن خدا سے ملنے کے لیے بے قرار ہوتا ہے، یہ ساری چیزیں جو کچھ ہیں وہ اس لیے تاکہ شوق پیدا ہو جائے، وہ سبق یاد ہو جائے اور جانا سہل ہو جائے، تو اگر آپ اندر طاقت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو یادِ حق کی ضرورت ہے۔

جنتی جہازوں میں سونے کی کرسیاں

حدیث شریف میں ہے کہ اُس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب جنتی اپنی قبروں سے نکلیں گے ان کا استقبال کیا جائے گا اور ان کے لیے پَروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی

جن پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے تک نور سے چمک رہے ہوں گے۔ یہ اونٹنیاں ایک ایک قدم اس قدر دور رکھتی ہیں جہاں تک انسان کی نگاہ جا سکتی ہے۔ جنتی ایک درخت کے پاس پہنچیں گے جس کے نیچے سے دو نہریں نکلتی ہیں' ایک نہر کا پانی یہ پئیں گے جس سے ان کے پیٹ کے تمام فضلات اور میل کچیل ڈھل جائیں گے۔

دوسری نہر سے یہ غسل کریں گے پھر ہمیشہ تک ان کے بدن میلے نہ ہوں گے۔ ان کے بال پراگندہ نہ ہوں گے اور ان کے جسم اور چہرے بارونق رہیں گے۔ اب یہ جنت کے دروازوں پر آئیں گے' دیکھیں گے کہ ایک کنڈا سرخ یاقوت کا ہے جو سونے کی تختی پر آویزاں ہے۔ یہ اسے ہلائیں گے تو ایک عجیب سریلی اور موسیقی کی صدا پیدا ہوگی' اسے سنتے ہی ہر حور جان لے گی کہ اس کے خاوند آ گئے۔ یہ داروغہ کو حکم کرے گی کہ جاؤ دروازہ کھولو وہ دروازہ کھول دے گا۔ یہ اندر قدم رکھتے ہی اس داروغہ کی نورانی شکل دیکھ کر سجدے میں گر جائے گا لیکن وہ اسے روک لے گا اور کہے گا: اپنا سر اُٹھا میں تو تیرا ماتحت ہوں اور اسے اپنے ساتھ لے چلے گا۔ جب یہ اُس دُر یاقوت کے خیمے کے پاس پہنچے گا جہاں اس کی حور ہے وہ بے تابانہ دوڑ کے خیمے سے باہر آ جائے گی اور بغل گیر ہو کر کہے گی: تم میرے محبوب ہو اور میں تمہاری چاہنے والی ہوں' میں یہاں ہمیشہ رہنے والی ہوں' مروں گی نہیں' میں نعمتوں والی ہوں' فقر و محتاجی سے دور ہوں' میں آپ سے ہمیشہ راضی' خوش رہوں گی' کبھی ناراض نہیں ہوں گی' میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہنے والی ہوں' کبھی اِدھر اُدھر ہٹوں گی نہیں۔ پھر یہ گھر میں جائے گا جس کی چھت فرش سے ایک لاکھ ہاتھ بلند ہوگی' اس کی کل دیواریں قسم قسم کے اور رنگ برنگ موتیوں کی ہوں گی' اس گھر میں ستر تخت ہوں گے اور ہر تخت پر ستر ستر جوڑے ہوں گے اور ان سب حلوں کے نیچے سے ان کی پنڈلی کا گودا نظر آتا ہوگا' ان کے ایک جماع کا انداز ایک پوری رات کا ہوگا' ان کے باغوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا' صاف شفاف موتی جیسا پانی ہے۔

اور دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا' جو دودھ کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلا اور شراب کی نہریں ہوں گی جو نہایت لذیذ ہوں گی اور خالص شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے حاصل شدہ نہیں۔ قسم قسم کے میووں سے لدے ہوئے درخت اس کے چاروں طرف ہوں گے جن کا پھل ان کی طرف جھکا ہوا ہوگا' یہ کھڑے کھڑے پھل لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں' اگر یہ بیٹھے بیٹھے پھل توڑنا چاہیں تو شاخیں اتنی جھک جائیں گی کہ یہ توڑ لیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت "وَدَانِيَةً

عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا ......الخ" پڑھی یعنی اُن جنتی درختوں کے سائے اُن پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے میوے بہت قریب کر دیئے جائیں گے۔ یہ کھانا کھانے کی خواہش کریں گے تو سفید رنگ یا سبز رنگ کا پرندے اُن کے پاس آ کر اپنا پَر اونچا کر دیں گے' یہ جس قسم کا اس کے پہلو کا گوشت چاہیں کھائیں گے' پھر وہ زندہ کا زندہ جیسا تھا' ویسا ہی ہو کر اُڑ جائے گا۔ فرشتے اُن کے پاس آئیں گے' سلام کریں گے اور کہیں گے کہ یہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے اعمال کے باعث وارث بنائے گئے ہو۔ اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو وہ اپنی چمک سے اور اپنی سیاہی سے نور کو روشن کرے اور سیاہی نمایاں رہے۔

جنت کی قیمت اور اس کے راستہ کا چراغ

ایک صاحب علم فرماتے ہیں۔ جس شخص نے فکر کی نگاہ سے یہ سوچا کہ جنت میں ہمیشہ رہنا ہوگا بغیر کسی کدورت کے نہایت صاف ستھری زندگی حاصل ہوگی' لذتوں میں کبھی انقطاع نہ ہوگا' نفس کی ہر خواہش پوری اور ہر مطلوب حاصل ہوگا اور نعمتوں میں وہ اضافہ ہوگا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا' نہ ان نعمتوں میں تبدیلی ہوگی اور نہ زوال ہوگا اس لیے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جنت ایک لاکھ سال تک رہے گی اور نہ کروڑ سال کی حد ہو سکتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص ہزاروں سال تک ہزاروں کی گنتی شمار کرتا رہے تو بھی اس کے ایام ختم نہیں ہو سکتے اور نہ اس کی کوئی انتہاء ہوگی۔ لہٰذا آخرت کی بقاء ایسی ہے کہ اس کو کبھی ختم نہیں ہونا ہے۔ مگر یہ کہ وہ (طویل اور خوشگوار زندگی) اس عمر کی پونجی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے جبکہ عمر کی مقدار کیا ہے؟ اس کی انتہائی مدت سو سال ہو سکتی ہے جس میں پندرہ سال بچپن اور نادانی کا زمانہ ہے اور ستر کے بعد والے تیس سال ......اگر حاصل ہو جائیں تو...... ضعف اور عجز کا زمانہ ہے۔ باقی درمیانی مدت میں بھی آدھی میں سونا اور کچھ میں کھانا پینا اور کمانا ہے اسی طرح عبادات کے لیے بہت کم وقت بچتا ہے۔

اب بتاؤ! کیا اس تھوڑی سی مدت کے بدلہ وہ ہمیشہ رہنے والی طویل مدت خریدی جا سکتی ہے؟ یقیناً جو شخص اس خرید و فروخت سے بے رُخی برتے اس کی عقل میں کھوٹ ہے اور وعدوں پر ایمان میں خلل ہے (ورنہ کون بیوقوف ہو سکتا ہے جو اس قدر عظیم طویل اور لذیذ نعمت کو مختصر اور حقیر سی زندگی کے عوض خریدنے میں تامل کرے سوائے اس کے کہ عقل سے کورا ہو یا پھر اسے جنت اور جنت کے اسباب پر یقین نہ ہو۔)

اس موقع پر علم ہی وہ واحد روشنی ہے جو جنت کے راستہ کو روشن کرتی ہے اس راہ کے لیے مناسب زاد

راہ کو بتلاتی ہے اور اس کی مشکلات سے بچاتی ہے لیکن صوفیوں کے ایک گروہ میں شیطانوں نے کچھ آفات پیدا کردی ہیں جن میں سے بڑی آفت یہ ہے کہ ان کا رُخ علم سے پھیر دیا ہے۔ دراصل اس نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ چراغ کو بجھا دے پھر تاریکی میں اطمینان سے چوری کر سکے۔ چنانچہ بڑے بڑے اہل علم حضرات کو پکڑ لیا اور اس طریقہ سے انہیں ایسے راستوں پر لے کر چلا جن سے ان کا علم روکتا تھا۔

میں نے ابو حامد طوسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ دیکھا جس کو انہوں نے کسی کتاب میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: "میں نے صوفیاء میں سے ایک بڑے اور قابل اتباع صوفی سے مشورہ کیا کہ میں قرآن پاک کی تلاوت مسلسل پابندی سے کرتا ہوں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے مجھ کو اس سے منع کر دیا اور فرمایا کہ راہِ سلوک یہ ہے کہ تم اپنے تمام علائق دنیوی سے علیحدہ ہو جاؤ اس طرح کہ تمہارا دل نہ بیوی کی طرف متوجہ ہو نہ لڑکے کی طرف اور نہ مال کی طرف نہ علم کی طرف بلکہ ایسی حالت حاصل کرو کہ تمہارے لیے ان چیزوں کا وجود اور عدم برابر ہو جائے۔ پھر ایک گوشہ میں تنہائی میں بیٹھ جاؤ اور عبادت میں سے صرف فرائض اور سنن مؤکدہ پر اکتفا کرو دل کو فارغ کر لو اور اللہ اللہ کا ذکر کرتے رہو یہاں تک کہ یہ حالت ہو جائے اگر تم زبان کو حرکت دینا چھوڑ دو پھر بھی محسوس کرو کہ ذکر تمہاری زبان پر جاری ہے اگر ایسا کر لیا تو پھر تم دیکھو گے کہ ایسے معانی اور مقامات تم پر کھلیں گے جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ پر کھل چکے ہیں۔"

میں یہ کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں مجھ کو ان وصیت کرنے والے شیخ پر تعجب نہیں ہوا میں تو ان صاحب پر تعجب کر رہا ہوں جنہوں نے اپنے (مسلم) علم و فہم کے باوجود اس مشورہ کو قبول کر لیا۔

بھلا بتاؤ! کیا تلاوت قرآن پاک سے اعراض کر کے راہ سلوک طے کی جا سکتی ہے؟ اور کیا حضرات انبیاء علیہم السلام پر جو معانی کھلے وہ ان کے مجاہدات و ریاضات کی وجہ سے کھولے گئے؟ اور کیا اس طرح سے جو معانی حاصل ہوں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ پھر بتاؤ وہ معانی کیا ہوں گے کیا غیب پر اطلاع ہوگی یا وحی!؟ (یہ سب کچھ نہیں ہے) بس شیطان کا اس قوم کے ساتھ کھیل ہے اور جو کچھ ان کے خیالات اور تصورات میں متخیل ہوتا ہے کبھی مالیخولیا کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی ابلیس کی طرف سے ہے۔

لہٰذا تم علم کو تھام لو اور حضرات سلف کی سیرتوں کا مطالعہ کرو اور بتاؤ! کیا ان میں سے کسی نے اس طرح کی بات کی؟ یا کسی کو ایسا مشورہ دیا؟ وہ تو ہمیشہ قرآن و سنت اور علم میں مشغول رہے تو علم ہی نے ان کو دل کی اصلاح اور امراض باطن کے ازالہ کی طرف متوجہ کیا۔ ہم دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسا علم نافع عطا فرمائیں جو دشمن (شیطان) کی چال سے روکنے والا ہو۔ بلاشبہ وہ ذات قادر ہے۔

خدائی عقوبت خانہ.....جہنم کی چند جھلکیاں

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پل صراط پر گزرنے کا بیان کر کے فرمایا کہ مسلمانوں کو دوزخ سے رہائی ہو جائے گی تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کسی کا حق دنیا میں ثابت ہو جائے تو وہ بھی اتنا اس کے حصول کا تقاضہ نہیں کرتا جتنا مسلمان اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائیوں کے واسطے اصرار کریں گے جو دوزخ میں ہونگے ۔عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزہ رکھتے تھے اور نماز پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے ارشاد ہوگا جن کو پہچانتے ہو نکال لو اور ان کے چہروں میں آگ کا ذرا اثر نہ ہوگا تو وہ لوگ بہت سے افراد کو نکال لیں گے۔

پھر عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! جن کی نسبت آپ نے ہم کو فرمایا تھا ان میں سے کوئی دوزخ میں رہا نہیں یعنی پہچان والوں کو سب کو نکال لیا گو دوسرے اہل ایمان موجود ہیں۔

ارشاد ہوگا دوبارہ جاؤ جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان دیکھو اس کو بھی نکال لو۔تو بہت سے افراد اس وقت نکال لیں گے۔ پھر ارشاد ہوگا کہ اب کی بار پھر جاؤ اور جس کے دل میں نصف دینار کے برابر ایمان دیکھو اس کو بھی نکال لو سو بہت سے افراد کو نکال لیں گے۔

پھر ارشاد ہوگا اب کی بار پھر جاؤ اور جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان پاؤ اس کو بھی نکال لو۔سو بہت سے افراد کو نکال لیں گے۔ پھر عرض کریں گے کہ ہم نے اس میں کوئی ایماندار نہیں چھوڑا۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ ملائکہ شفاعت کر چکے پیغمبر شفاعت کر چکے اب بجز ارحم الرحمین کے کوئی باقی نہ رہا۔

پس اللہ تعالیٰ ایک مٹھی دوزخ سے لے گا اور ایسے لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی خیر کی ہی نہ ہوگی اور وہ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے۔ پھر ان کو ایک نہر میں ڈال دے گا۔ جو لب جنت پر ہوگی اور اس کا لقب نہر الحیاۃ ہے تو اس طرح اس میں سے تر و تازہ ہو کر نکلیں گے جیسے سیلاب کے بہائے

ہوئے خاک و خاشاک میں دانہ نکل آتا ہے۔ غرض موتی کی طرح (آبدار ہو کر) نکل آئیں گے۔ اور ان کی گردن پر خاص نشان ہوں گے۔ اہل جنت کہیں گے کہ یہ رحمن کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر کسی عمل کے جس کو کیا ہو اور بغیر کسی خیر کے جس کو آخرت میں بھیجا ہو جنت میں داخل کیا ہے، پھر ان سے کہا جاوے گا کہ تمہارے لیے وہ بھی ہے جو تم نے دیکھا اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی۔

آخرت کا شوق پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دن میں یا رات میں کوئی فرصت کا وقت کر کے ان سب مضمونوں کو دل میں جمع کر کے خیال ہی کے طور پر سہی یہ سوچا کرے کہ دنیا رنج و تکلیف کا گھر ہے وہ کون سا دن ہوگا کہ وطن اصلی یعنی آخرت کی جدائی کے دن ختم ہوں گے اور رحمت کے فرشتے مجھے لینے کو آئیں گے اور موت سے پہلے کچھ بیماری ہوئی ہوگی تو اس سے میرے گناہ معاف ہو جاویں گے اور پاک صاف ہو جاؤں گا پھر دم نکلنے کے وقت فرشتوں سے وہ خوشخبریاں سنوں گا اور یوں عزت و آبرو کے ساتھ مجھ کو فرشتے لے جائیں گے پھر قبر میں ایسی ایسی باتیں دیکھوں گا اور بزرگوں کی اور اعزاء اور اقارب اور دوستوں کی روحوں سے ملاقات ہوگی اور یوں جنت میں سیر کرتا پھروں گا اور اگر کوئی میرا عمل باقیات صالحات کی قسم سے ہوگا یا میرے بعد کسی مسلمان بھائی نے میرے لیے دعا کر دی تو ان کی برکت سے ان نعمتوں میں اور بھی ترقی ہوتی رہے گی۔ پھر قیامت میں اس طرح آرام و آسانی ہوگی۔ پھر جنت میں ایسی ایسی ظاہری اور باطنی لذتیں ہوں گی۔

غرض فرصت کے وقت یہ سب باتیں سوچ کر مزے لیا کرے اور اگر عذاب کی خبریں یاد آئیں تو خیال کرے کہ اس سے بچنا تو ممکن ہے ایسے کاموں سے بچا رہوں جن پر عذاب ہوتا ہے تو عذاب کیوں ہوگا۔ اس شغل اور خیال باندھنے سے آخرت کا شوق بڑھے گا اور دنیا سے دلچسپی کم ہوتی جائے گی اور بجائے اس کے کہ دنیا سے محبت تھی دنیا سے وحشت اور نفرت پیدا ہونے لگے گی اور جو آخرت سے وحشت تھی بجائے اس کے آخرت سے دلچسپی اور محبت پیدا ہونا شروع ہوگی اور یہ شغل اور تصور علاوہ اس نفع کے خود بھی عبادت ہے اور شریعت میں اس کا حکم ہے اور اس کی فضیلت آئی ہے۔

میدان حشر میں جن کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں اور پس پشت سے دیے جائیں گے

ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہو جائیں گے ان کی ناک پر داغ لگایا جائے گا۔ان کے بدن بڑے اور بدن کی کھالیں موٹی ہو جائیں گے جب اعمال نامہ کو دیکھیں گے اور گناہوں کا معائنہ کریں گے کہ بغیر اندراج کے ان کا کوئی چھوٹا بڑا نہیں بچا ہے تو پکاریں گے ہائے ہم تباہ ہو گئے۔

ان کے دل افسردہ اور (نتیجہ کے متعلق) برے خیالات ہونگے۔خوف کی شدت اور غم کی کثرت ہوگی۔سر افگندہ نظریں خوف زدہ اور گردنیں جھکی ہوئی ہونگی۔نظر چرا کے دوزخ کی طرف دیکھیں گے تو نگاہ نہ لوٹ سکے گی۔ایک امر عظیم نظر آئے گا۔سخت، دشوار اور ہر جہتی مصیبت اضطراب آفریں، گھبرا دینے والی۔وحشت انگیز غم افزا ذلیل کن، دلوں کو فکر مند بنانے والی اور آنکھوں کو رلانے والی۔

اس وقت وہ اللہ کی بندگی کا اقرار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور یہ اقرار ہی ان کے لیے آگ، ذات غم، بدبختی، الزام اور غضب (کی صورت) بن جائے گا۔

رب کے سامنے دوزانوں بیٹھے گناہوں کا اقرار کرتے ہونگے آنکھیں نیلی ہونگی۔بے نظر دل گڑھے میں گر رہے ہونگے کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا۔جوڑ جوڑ کانپ رہا ہوگا۔کچھ بولا نہ جائے گا آپس کی رشتہ داریاں کٹ چکی ہونگی نہ برادری باقی ہوگی، نہ نسب کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا سب خود اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہونگے۔جس کا ازالہ نہ کر سکیں گے۔

دنیا میں لوٹ کر جانے کی درخواست کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔دنیا میں جس چیز کو نہیں مانتے تھے اس کا یقین ہو جائے گا۔نہ پینے کو پانی کہ پیاس بجھے، نہ کھانے کو کھانا کہ پیٹ بھرے نہ پہننے کو کپڑا کہ تن ڈھکے۔پیاسے بھوکے ننگے۔ہارے ہوئے جن کا کوئی مددگار نہ ہوگا غمگین پریشان کیے ہوئے کہ جان و مال کمائی اور اہل عیال غرض ہر طرف سے گھاٹے میں ہونگے۔

اس حالت میں اللہ دوزخ کے موکلوں کو حکم دے گا۔اپنے کارندوں کو ساتھ لے کر اپنے ہتھیاروں سمیت یعنی زنجیریں، طوق، اور گرز اٹھائے ہوئے دوزخ سے باہر آ جائیں۔

حسب الحکم موکل باہر آ کر ایک گوشہ میں حکم کے منتظر کھڑے ہو جائیں گے بدبخت ان کو دیکھیں گے۔جکڑ بند کے سامان اور ان کے کپڑوں کو دیکھیں گے تو (حسرت سے) اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹیں گے اور انگلیاں کھا جائیں گے اور موت کو پکاریں گے آنسو بہنے لگیں گے پاؤں لڑ کھڑا جائیں گے اور ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔

حکم ہوگا ان کو پکڑو گردنوں میں طوق ڈالو اور جہنم میں داخل کردو۔اور زنجیریں خوب جکڑ دو۔اس کے بعد اللہ جس شخص کو جس درجہ جہنم میں ڈالنا چاہے گا اس درجہ کے موکلوں کو بلا کر فرمائے گا ان کو گرفتار کرلو۔چنانچہ ایک ایک آدمی کی طرف ستر ستر موکل بڑھیں گے جو اسے خوب جکڑ کر باندھیں گے۔بھاری طوق گردنوں میں اور زنجیریں ناک کے نتھنوں میں ڈالیں گے۔ جن کی وجہ سے دم گھٹنے لگے گا۔پھر پشت کی طرف سے سروں کو قدموں سے ملا دیا جائے گا۔جس سے پشت کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی اس تکلیف سے ان کی آنکھیں پھٹ جائیں گی رگیں پھول جائیں گی (طوق کی گرمی سے) گردنوں کا گوشت جل جائے گا۔رگوں کا پوست اتر جائے گا۔ سروں کے اندر دماغ کھولنے لگیں گے اور بہہ کر کھال پر گریں گے اور قدموں تک پہنچ جائیں گے۔بدن کی کھالیں گر پڑیں گی گوشت نیلے ہوجائیں گے اور پیپ ان سے بہنے لگے گا گردنیں مونڈھوں سے کانوں تک طوق سے بھری ہونگی جس کی وجہ سے گوشت سوختہ ہوجائے گا۔ہونٹ کٹ جائیں گے دانت اور زبانیں باہر نکل آئیں گی مچلائیں گے چیخیں گے،طوقوں سے شعلے نکلتے ہونگے جن کی گرمی خون کی طرح رگوں میں دوڑے گی طوق کھوکھلے ہونگے جن کے اندر آگ کی لپیٹ دوڑتی ہوگی طوقوں کی گرمی دلوں تک پہنچے گی اور دلوں کی کھال کو کھینچے گی۔ دل اچھل کر گلے تک آجائیں گے۔دم تحت گھٹ جائے گا۔آوازیں بند ہوجائیں گی۔

اسی دوران میں اللہ جہنم کے موکلوں کو حکم دے گا کہ ان کو لباس پہناؤ۔موکل کپڑے پہنائیں گے۔کرتے پہنائیں گے انتہائی کالے بدبودار،کھردرے جہنم کی گرمی سے بھڑکتے ہوئے اگر پہاڑ پر رکھ دیئے جائیں تو ان کو بھی پگھلا دیں۔

پھر اللہ حکم دے گا کہ ان کو ہنکا کر ان کے گھروں کو لے جاؤ موکل دوسری زنجیریں لائیں گے جو پہلی زنجیروں سے لمبی اور موٹی ہونگی ہر فرشتہ ایک زنجیر لے کر ایک گروہ کو اس میں باندھ دے گا اور زنجیر کا کنارہ اپنے کاندھے پر رکھ کر قیدیوں کی طرف پشت پھیر کر منہ کے بل کھینچتا ہوا لے چلے گا اور پیچھے سے ستر ہزار فرشتے ہر گروہ کو گرزوں سے مارتے ہوئے ہنکائیں گے پھر جہنم پر لے جائیں گے اور کہیں گے یہ وہ آگ ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے کیا یہ جادو ہے کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا اس میں داخل ہوکر صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں۔تمہارے اعمال کی تم کو سزا دی جائے گی جب دوزخ پر لے جا کر کھڑا کیا جائے گا تو جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے سرپوش اٹھالیا

جائے گا آگ بھڑکنے لگے گی۔ شعلے اٹھتے ہونگے۔ سخت دھواں نکلتا ہوگا۔ آسمان کے ستاروں کی طرح اوپر کو چنگاریاں اڑیں گی اور ستر سال کی راہ کے بقدر اوپر کو جائیں گی۔ پھر لوٹ کر لوگوں کے سروں پر گریں گی۔ جن کی وجہ سے بال جل جائیں گے کھوپڑیاں اکڑ جائیں گی اس وقت جہنم بہت اونچی آواز سے چلائے گی۔ اے دوزخیو! ادھر آؤ۔ اے دوزخیو! میری طرف آؤ۔ اپنے رب کی عزت کی قسم! میں تم سے ضرور بدلہ لوں گی پھر کہے گی حمد ہے اس خدا کے لیے جس نے مجھے ایسا بنایا کہ اس کے غضب کی وجہ سے میں غضب ناک ہوتی ہوں اور میرے ذریعے سے اپنے دشمنوں سے وہ انتقام لیتا ہے۔ پروردگار! میری گرمی اور قوت میں اضافہ کر دے۔

اتنے میں دوزخ کے اندر سے کچھ دوسرے ملائکہ نکلیں گے جو ہر امت کو اپنی ہتھیلی پر اٹھا کر سرنگوں منہ کے بل جہنم میں پھینک دیں گے اور سروں کے بل لڑھکتے ہوئے ستر سال کی راہ تک چلے جائیں گے۔ آخر میں جب دوزخ کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچیں گے تو وہاں بھی ان کو ٹھہراؤ نصیب نہ ہوگا۔ ہر انسان کی ستر کھالیں تہہ بہ تہہ ہو جائیں گی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے زقوم کھانے کو ملے گا۔ جس کی گرمی اوپر ہی سے نمودار ہوگی۔ تلخی تیز اور کانٹوں کی کثرت ہوگی۔ دوزخی اس کو چبا ہی رہے ہوں گے کہ ناگہاں فرشتے گرزوں سے مارنا شروع کریں گے جن سے ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔ پھر ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ اور وہ ستر برس کی راہ کے بقدر بغیر کسی وادی میں قرار پکڑے سروں کے بل لڑھکتے ہوئے چلے جائیں گے۔ آخر کار پھر ہر شخص کی ستر کھالیں بنا دی جائیں گی۔ اور وہاں بھی خوراک تھوہر کی ملے گی۔ مگر منہ کے اندر ہی رہے گی نگلنے کی طاقت نہ ہوگی بلکہ حلق میں نیچے سے دل اور باہر سے خوراک آ کر جمع ہو جائے گی۔ جس سے پھندا لگے گا اور پانی کے لیے فریاد کریں گے۔

ان گھاٹیوں میں کچھ وادیاں ہوں گی جن کے دھانے جہنم کی طرف گرتے ہوں گے۔ دوزخی چل کر ان نالوں پر پہنچیں گے اور پینے کے لیے اوندھے منہ ان پر گر پڑیں گے۔ گرتے ہی ان کے چہروں کی کھالیں کٹ جائیں گی جب پانی نہ پی سکیں گے تو ادھر سے رخ پھیر لیں گے ابھی چشموں پر اوندھے منہ ہی ہوں گے کہ فوراً ملائکہ جالیں گے اور گرزوں سے ماریں گے جن سے ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی پھر ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے اور وہ کہیں قرار پکڑے بغیر ایک سو چالیس برس کی مسافت کے بقدر شعلوں اور سخت دھویں میں لڑھکتے ہوئے چلے جائیں گے آخر کھنالوں پر جا کر ٹھہریں گے وہاں ہر آدمی کی ستر کھالیں بدل کر دوسری

ستر کھالیں دی جائیں گی چونکہ وادیوں پر چشموں کی انتہا ہوگی اس لیے چشموں کا پانی پئیں گے مگر پانی اتنا گرم ہوگا کہ پیٹ میں نہیں ٹھہرے گا یہاں تک کہ اللہ ہر شخص کو سات نئی کھالیں دے دے گا۔

جب پانی پیٹ میں کچھ ٹھہرے گا تو آنتوں کو کاٹ کر ٹکڑے کر دے گا اور آنتیں سرینوں کی راہ نکل جائیں گی اور پانی کا باقی حصہ رگوں میں پھیل جائے گا جس سے گوشت پگھل جائے گا اور ہڈیاں پھٹ جائیں گی اور پھر اوپر سے فرشتے جا پکڑیں گے اور پشت پر اور چہروں پر اور سروں پر گرزوں سے ماریں گے اور ہر گرز کی تین سو ساٹھ دھاریں ہوں گی۔ سروں پر پڑنے کی وجہ سے پشت ٹوٹ جائے گی۔ پھر کھینچ کر اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ وسط دوزخ میں پہنچیں گے تو بدن کی کھالوں میں آگ بڑھکنے لگے گی اور کانوں میں پھیل جائے گی اور ناک کے نتھنوں اور پسلیوں سے شعلے نکلیں گے اور بدن سے کچھ لہو پھوٹ نکلے گا اور آنکھیں باہر نکل کر رخساروں پر لٹک جائیں گی۔

پھر ان شیطانوں کے ساتھ جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا اور ان معبودوں کے ساتھ جن سے مصیبت کے وقت فریاد کرتے تھے ملا کر خوب باندھ کر تنگ مقامات میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اس وقت وہ موت کو پکاریں گے مگر موت نہیں آئے گی۔

پھر ان کے دنیوی مال کو آگ میں تپا کر پیشانیوں اور پہلوؤں پر داغ لگائے جائیں گے اور پشت پر وہ گرم سونا چاندی رکھا جائے گا تو پیٹ کی طرف سے پشت کو پھاڑ کر نکل آئے گا۔ یہ لوگ جہنم کے مستحق ہوں گے اور شیطانوں اور پتھروں یعنی اپنے معبودوں کے ساتھ بندھے ہوئے گناہوں کی وجہ سے ان کے بدن پہاڑوں کی طرح کر دیے جائیں گے تا کہ عذاب کی شدت زیادہ ہو۔ ایک ایک کی لمبائی ایک مہینہ کی مسافت کے بقدر اور چوڑائی تین روز کی مسافت کے برابر اور موٹائی تین راتوں کی مسافت کے مثل ہوگی۔ یسرا قرع (ملک شام میں ایک پہاڑ کا نام) کی برابر ہوگا منہ میں بتیس دانت ہوں گے۔ بعض دانت سر سے اوپر نکلے ہوئے اور بعض داڑھی سے نیچے نکلے ہوئے۔ ناک بڑے ٹیلے کے برابر بالوں کی لمبائی اور موٹائی درخت صنوبر کی طرح اور بالوں کی کثرت دنیا بھر کے جنگلوں کی برابر بالائی لب سکڑا ہوا اور نچلا لب نوے ہاتھ لٹکا ہوا ہاتھ کا طول دس دن کی مسافت کے برابر اور موٹائی ایک دن کی مسافت کے بقدر ہر آنکھ کوہ حرا کی طرح۔ جب سر کے اوپر تارکول ڈالا جائے گا تو آگ بڑھکنے لگے گی۔ اور آہ وزاری بڑھتا ہی جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں

میری جان ہے اگر کوئی آدمی ایسی حالت میں دوزخ سے باہر آ جائے کہ دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گردن میں طوق پڑے ہوں اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں اور زنجیر کھینچتا ہوا باہر نکل آئے اور لوگ اس حالت میں اس کو دیکھ لیں تو بھاگ کھڑے ہوں اور جہاں ممکن ہو بھاگ جائیں۔

دوزخ کی گرمی

دوزخ کی گرمی تاریکی انواع وعذاب کی گوناگونی اور فرودگاہوں کی تنگی سے دوزخیوں کے گوشت نیلے ہو جائیں گے ہڈیاں لپٹ جائیں گی۔ دماغ کھولنے لگیں گے۔ اُبال کھا کر کھالوں پر آ پڑیں گے کھالیں جل جائیں گی۔ جوڑ جوڑ پارہ پارہ ہو جائیں گے ان سے پیپ بہنے لگے گی۔ جسموں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ ہر کیڑا گورخر کی طرح موٹا ہو گا۔ گدھوں اور عقابوں کی طرح ان کے ناخن بھی ہوں گے۔ کھال اور گوشت کے اندر دوڑیں گے۔ کاٹیں گے پھنکارے ماریں گے۔ ڈرے ہوئے جنگلی جانوروں کی طرح گھومیں گے۔ گوشت کھائیں گے خون چوسیں گے۔ سوائے گوشت اور خون کے ان کے کھانے پینے کی کوئی اور چیز نہ ہو گی۔ پھر فرشتے دوزخیوں کو پکڑ کر انگاروں پر اور نیزوں کے بھالوں کی طرح نوکیلے پتھروں پر قوت اور شدت کے ساتھ گھسیٹیں گے۔ اور اس طرح بحر جہنم کی طرف ستر سال کی مسافت کے بقدر لے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جوڑ جوڑ پارہ پارہ ہو جائے گا اور روزانہ ستر ہزار نئی کھالیں ملیں گی۔ آخر لے جا کر جہنم کے مؤکلوں کے سپرد کر دیں گے جہنم کے مؤکل ٹانگیں پکڑ کر جہنم کے سمندر میں پھینک دیں گے۔ بحر جہنم کی گہرائی سوائے خالق کے کسی کو معلوم نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم اور اس تک لے جانے والے تمام اعمال سے محفوظ فرمائے آمین۔

عبرت انگیز اشتہار

ٹکٹ: فری..... سیٹ: یقینی..... نام عبداللہ ابن آدم..... عرفیت: انسان.....

قومیت: مسلمان..... شناخت: مٹی، پتہ: روئے زمین.....

دوران سفر: چند ثانیے...... جس میں چند لمحات کے لئے دو میٹر زیر زمین قیام...

ضروری ہدایات: تمام مُسافرین کرام سے درخواست ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنی نظر میں رکھیں، جو ان سے پہلے آخرت کی طرف سفر کر گئے ہیں... اسی طرح ہر لمحہ ان کی نظر طیارے کے پائلٹ ملک الموت کی طرف رہنی چاہئے... مزید تفصیلات کیلئے ان ضروری ہدایات کو بغور پڑھ

لیں، جو کتاب اور سنت رسول میں مندرج ہیں... اگر اس سلسلے میں کچھ سوالات درپیش ہوں تو جواب کے لئے علمائے امت سے رجوع کریں...... ہر مسافر اپنے ساتھ چند میٹر سفید لٹھا اور تھوڑی سی روئی لے جاسکتا ہے، لیکن وہ سامان جو میزان میں پورا اترے گا وہ نیک اعمال، صدقۂ جاریہ، صالح اولاد اور وہ علم ہوگا جس سے بعد والے نفع حاصل کرسکیں گے... اس سے زیادہ سامان سفر لانے کی کوشش کی گئی تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے...

تمام مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ پرواز کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں... پرواز کے متعلق مزید معلومات کے لئے فوری طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول سے رابطہ قائم کیا جائے... اس سلسلے میں روزانہ پنج وقتہ مسجد کی حاضری نہایت ضروری اور مفید ہوگی...

آپ کی سہولت کے لئے دوبارہ عرض ہے کہ آپ کی سیٹ ریزرو ہوچکی ہے اور اس سلسلے میں کسی ری کنفرمیشن کی حاجت نہیں ہے... امید ہے کہ آپ سفر کے لئے تیار ہوں گے... ہم آپ کو اس مبارک سفر پر خوش آمدید کہتے ہیں... ہماری نیک دعائیں آپ کے ساتھ ہیں...

الحمدللہ آج مورخہ ۱۴ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ

بمطابق 31 اگست 2015ء کو کتاب ہذا کی تالیف وترتیب مکمل ہوئی

اللہ تعالیٰ ہمیں تمام دینی احکامات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو تمام خواتین وحضرات کی علمی... عملی... اور اخلاقی اصلاح وتربیت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

علیہ توکلت والیہ انیب

بندہ محمد اسحٰق ملتانی غفرلہ (مرتب کتاب ہذا)

بحمد اللہ تم

آیئے! اصلاح معاشرہ کیلئے قدم بڑھایئے

قارئین محترم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر!　　امید ہے کہ آپ نے عمل کی مبارک نیت سے اس کتاب کا مکمل مطالعہ کرلیا ہوگا۔ اللہ کے فضل وکرم سے ادارہ کی روز اول سے کوشش رہی ہے کہ اپنے تمام کرم فرما قارئین تک اسلاف واکابر کی مستند کتب مناسب نرخ پر پہنچائی جائیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی آراء ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ ہمیں آپ کی طرف سے موصول تنقید برائے اصلاح پر خوشی ہوگی اور اس کیلئے ادارہ آپ کی قیمتی رائے، مشورہ اور مفید بات کو فی الفور قابل عمل سمجھے گا۔ یقیناً کتب دینیہ کو بہتر انداز میں اشاعت کیلئے آپ ہمارے معاون ثابت ہوں گے۔ امید ہے کہ جس جذبہ کے تحت یہ گذارش کی جارہی ہے آپ تمام قارئین وقاریات اس پر عملی قدم اٹھاتے ہوئے ہمیں ذیل میں دیئے گئے سوالوں کے جوابات سے ضرور مطلع فرمائیں گے۔

☆ آپ کو اس کتاب کا تعارف کیسے ہوا؟..............................

☆ کیا آپ نے مطالعہ کے دوران کوئی حل طلب بات دیکھی تو آپ نے اسے سمجھنے کیلئے اپنے کسی قریبی مفتی صاحبان یا علماء کرام سے رجوع کیا؟..............................

☆ اگر آپ یہ مفید کتاب اپنے دوست احباب، مسجد، لائبریری، سکول وکالج کیلئے بہترین تحفہ سمجھتے ہیں تو ان تک پہنچانے کیلئے آپ نے کیا کوشش کی؟

☆ کیا آپ اس کتاب کو دیگر رشتہ داروں تک پہنچا کر فریضہ تبلیغ ادا کر سکتے ہیں؟ جبکہ یہ کتاب آپ کی طرف سے بہترین ہدیہ ہوگا جسے آپ کی پُرخلوص محبت کی علامت سمجھا جائے گا اس سلسلہ میں آپ کیا کر سکتے ہیں؟..............................

☆ اس کتاب کو پڑھ کر آپ نے کیا علمی واصلاحی فائدہ محسوس کیا؟..............................

☆ کیا آپ اس کتاب کے مصنف/ مرتب/ ناشر اور تمام مؤمنین ومؤمنات کو اپنی

دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں؟.................................

دوران مطالعہ اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزری ہو تو ذیل کے چارٹ میں تحریر کر کے ادارہ کے ایڈریس پر روانہ فرمادیں آپ کی یہ کاوش صدقہ جاریہ ثابت ہوگی۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	وضاحت

آپ کا ذاتی ایڈریس.................................

مطالعہ کی جانیوالی کتاب کا نام.................................

آپ کا رابطہ نمبر فون/موبائل.................................

اصلاح معاشرہ کیلئے علم و عمل کی روشنی پھیلانے میں ہمارے معاون بنئے

ہمت کیجئے...اپنی نیک دعاؤں اور مفید مشوروں کے ذریعے ادارہ سے تعاون کیجئے

صرف فون کیجئے اور گھر بیٹھے تمام دینی کتب بذریعہ ڈاک حاصل کیجئے

خط و کتابت کے لئے ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061) 4540513 4519240

0322-6180738

Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com

info@mahasineislam.com www.mahasineislam.com

زندگی کا قبلہ درست کرنیوالی ایک اہم کتاب

زندگی کا سفر

بنی آدم کا آغاز سفر........انجام سفر

بنی آدم کی زندگی جو کہ عالمِ اَرواح سے شروع ہو کر عالمِ آخرت تک جاتی ہے....

اس زندگی کا مکمل سفرنامہ....جس میں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی ایمانی و مادی نعمتوں کا احساس اُجاگر کیا گیا ہے...

ان نعمتوں کا حقیقی احساس ہی جنت کی حقیقی اور ابدی نعمتوں کا مستحق بناتا ہے...

اگر زندگی کے سفر میں نعمتوں کی ناقدری کی جائے تو انسانی زندگی کی آخری منزل بڑی تباہ کن ہو سکتی ہے۔

اس کتاب میں انسانی زندگی کے مراحل دکھا کر بتایا گیا ہے....کہ انسان ازلی نہیں تو ابدی ضروری ہے جس کا سفر عالم ارواح سے شروع ہوا...اور پھر مختلف عالموں سے ہوتا ہوا عالم آخرت تک پہنچتا ہے...جہاں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا یا ناراضگی کا فائنل فیصلہ ہونا ہے۔ یہ کتاب ہمیں احساس دلاتی ہے...کہ ہم حاصل شدہ دینی دنیاوی نعمتوں کو آخرت میں جنت کی ابدی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنائیں...کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے....دُنیاوی سکون بھی اور آخرت کی نجات بھی۔

جس طرح مسافر کو گھر پہنچ کر سکون ملتا ہے...اسی طرح اللہ تعالیٰ کے خلیفہ حضرت انسان کو بھی اصل سکون جنت میں پہنچ کر ہی حاصل ہوگا۔

اہم عنوانات پر ایک نظر

- تخلیق کائنات......
- انسان کی تخلیق کی ابتداء
- زندگی کا مقصد خالق کی نظر میں......
- عالمِ اَرواح......عہد الست......
- رحم مادر کا عالم.....عالمِ دُنیا......
- عالمِ برزخ......عالمِ آخرت
- جنت یا جہنم......
- بچپن.....جوانی.....بڑھاپا......
- زندگی کا آغاز...زندگی کی بہار....
- انتقال زندگی.....حیوانی زندگی
- انسانی زندگی.....ایمانی زندگی
- نعمتوں کا احساس...نعمتوں کی ناقدری
- روحانی نعمتیں...مادی نعمتیں....
- جسمانی نعمتیں.....دینی نعمتوں کی تکمیل...
- مادی نعمتوں کی بہتات
- سائنسی ترقی جنت تک پہنچنے کا راستہ
- زندگی کے سفر میں نفس و شیطان کا کردار
- نفس و شیطان سے بچاؤ کی تدابیر
- زندگی کے سفر میں عزم و ہمت کی اہمیت
- اہل ہمت کس طرح اپنے دامن کو دُنیا کی آلودگیوں سے بچاتے ہیں.....نعمتوں کی قدر و احساس اُجاگر کرنے والے واقعات۔

ایک ایسی فکر انگیز دلچسپ کتاب جس کے بارے میں بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہزاروں کتب سے بے نیاز کر سکتی ہے...جس کا مطالعہ احساس اور فکر کو بیدار کرتا ہے اور یہی چیز دنیا و آخرت میں کامیابی کی کنجی ہے۔

فون کیجئے گھر بیٹھے تمام دینی کتب رعایتی قیمت پر بذریعہ ڈاک حاصل کرنے کیلئے رابطہ فرمائیں 0322-6180738

ماہنامہ
محاسنِ اسلام
ملتان

زیر سرپرستی شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

www.taleefat.com
facebook.com/taleefat

لاکھوں میں پڑھا اور زندگیوں میں انقلاب لانے والا
20 سال سے مسلسل شائع ہونے والا اصلاحی میگزین